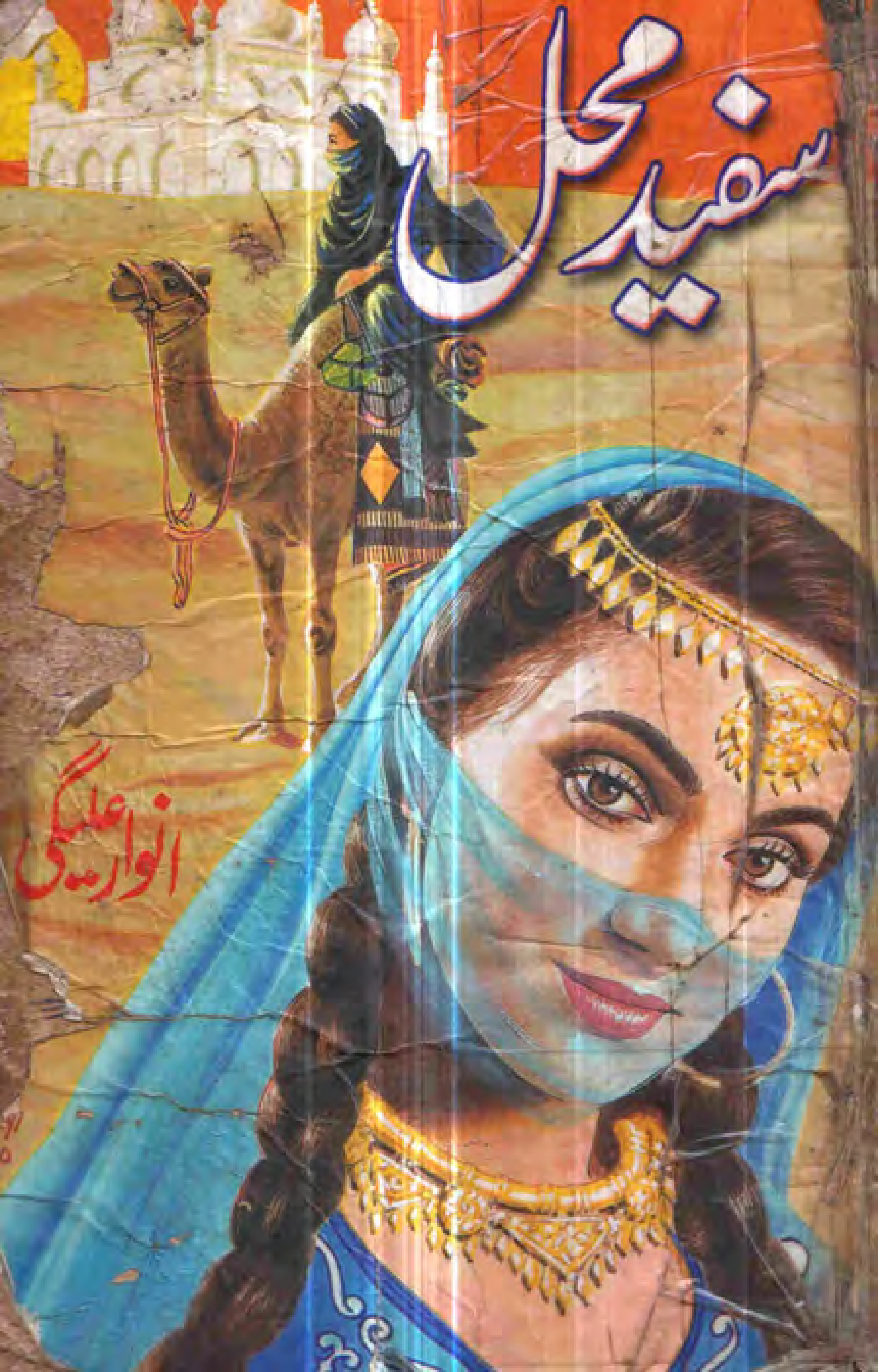
سفید محل
انوار علیگی

کچھ مصنف کے بارے میں

پراسرار اور انوکھے ناولوں کے مصنف انوار علیگی 16 فروری 1944ء کو علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے اردو میں ایم اے کیا۔ 1968ء میں لاہور منتقل ہوئے۔ مختلف پرچوں کی ادارت سے منسلک رہے۔ آج کل ''اخبار جہاں'' کے ڈپٹی ایڈیٹر ہیں۔

انوار علیگی نے 1960ء میں لکھنے کی ابتداء کی۔ ان کا پہلا افسانہ ''بیسویں صدی'' دہلی میں شائع ہوا۔ تیس پینتیس افسانوں کے علاوہ اب تک وہ چھ ناول لکھ چکے ہیں۔ ''سفید محل''، ''ریچھ کے اسرار''، ''خالی گھر''، ''ہوشربا''، ''طاغوت'' (بازار میں ''طاغوت'' نام کے دو ناول آ جانے کی وجہ سے اب اس کا نام ''بچھو'' رکھ دیا گیا ہے) اور ''ہزار داستان''۔ یہ تمام ناول ''اخبار جہاں'' میں قسط وار چھپ چکے ہیں۔ اس طرح دیکھا جائے تو انوار علیگی کو ناول نگار بنانے کا سہرا ''اخبار جہاں'' کے سر بندھا ہے۔ اس سلسلے میں انوار علیگی خصوصی طور پر اخبار جہاں کے مالک و چیف ایڈیٹر جناب میر جاوید رحمٰن کے بے حد ممنون ہیں کہ ان کے محبت آمیز اصرار پر یہ ناول تخلیق پذیر ہوئے۔ یہ تمام ناول بڑے انوکھے انداز کے ہیں اور یہی انداز اب انوار علیگی کی پہچان بن چکا ہے۔ وہ اس قدر ڈوب کر لکھتے ہیں کہ پڑھنے والا ان کے افسانے کو سچ سمجھ کر پڑھتا چلا جاتا ہے۔ کردار متحرک ہو کر سامنے آ جاتے ہیں اور وہ ان کرداروں کے ساتھ سفر کرنے لگتا ہے۔ یہی انوار علیگی کا تخلیقی کمال ہے۔

''سفید محل'' انوار علیگی کا پہلا ناول ہے۔ یہ ناول ایک سحر ہے۔ ایک طلسم ہے۔ لفظوں کا فسوں ہے۔ واقعات کا عجائب خانہ ہے۔ آدمی جب ان واقعات سے بھرے صحرا میں قدم رکھتا ہے تو وہ ان کے طلسم میں کھو جاتا ہے۔ لمحہ لمحہ حیرت اور قدم قدم تجسس ناول کو اس قدر دلچسپ بنا دیتے ہیں کہ پورا ناول پڑھے بغیر چین نہیں آتا۔

محمد علی قریشی

درہ ساحرہ پار کرتے ہی قامران کو احساس ہو گیا کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے!

صحرائے سرخ شروع ہو چکا تھا۔ ابھرتے سورج کی لال کرنوں نے صحرا میں خون بکھیر دیا تھا۔ صحرا کی ریت پہلے ہی کیا کم سرخ تھی کہ ابھرتے سورج کی لالی نے جلتی پر تیل کا کام کر دکھایا تھا۔ بس صحرا میں ہر طرف ایک آگ لگی تھی۔ ایسی آگ جو ہنستے مسکراتے انسانوں کے کلیجے چاٹ لیا کرتی تھی۔

صحرائے سرخ دراصل موت کا دوسرا نام تھا اور موت بھی بڑی اذیت ناک۔

سب سے آگے چلنے والے اونٹ سوار نے اپنے ساتھیوں کو رکنے کا اشارہ کیا۔ اشارہ ملتے ہی اس کے ساتھیوں نے جو تعداد میں تین تھے' اپنے اپنے اونٹوں کی نکیلیں ڈھیلی چھوڑ دیں۔ سرخ غبار آہستہ آہستہ چھٹنے لگا۔ اب چاروں اونٹ سواروں نے اپنے اونٹوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ان اونٹوں کے ساتھ پانچواں اونٹ بھی بیٹھ گیا جس پر کوئی سوار نہ تھا۔

قامران اسی پانچویں اونٹ پر چمڑے کے ایک بہت بڑے تھیلے میں بندھا اونٹ کے بائیں جانب لٹکا ہوا تھا۔ دائیں جانب اتنے ہی بڑے چمڑے کے تھیلے میں قامران کے وزن کا ایک پتھر لٹکا ہوا تھا تاکہ اونٹ کو چلنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ قامران کے ہاتھ اور پاؤں رسیوں سے جکڑے ہوئے تھے اور وہ چمڑے کے تھیلے میں اس طرح بیٹھا تھا کہ جی چاہنے پر باہر کا منظر بآسانی دیکھ سکتا تھا لیکن یہ رعایت صرف اسی وقت حاصل ہوتی تھی جب ان کا چھوٹا سا قافلہ آبادیوں سے دور تپتے صحراؤں سے گزر رہا ہو۔ آبادی سے گزرتے وقت اس تھیلے کا منہ بند کر دیا جاتا تھا اور تھیلے سے پہلے اس کا منہ بند کرنا کوئی نہ بھولتا تھا۔

وہ سات دن کے سفر کے بعد صحرائے سرخ پہنچے تھے۔ غربان کا علاقہ دور بہت دور افق کے پار جانے کہاں رہ گیا تھا۔ قامران نے اپنے بزرگوں سے صحرائے سرخ کا نام سن رکھا تھا۔ صحرائے سرخ کے بارے میں عجیب و غریب قصے مشہور تھے۔ کل کے قصے آج حقیقت کا روپ دھار گئے تھے۔ صحرائے سرخ اپنی لال زبان نکالے اس کے سامنے لیٹا تھا اور کہیں دور سے موت کے فرشتے کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ سنائی دے رہی تھی۔

چمڑے کا تھیلا جس میں قامران کو بٹھایا گیا تھا' اونٹ سے کھولا گیا اور دو آدمیوں نے اس تھیلے کو اٹھا کر اس طرح پلٹ دیا جیسے تھیلے میں آلو بھرے ہوں۔ قامران سر کے بل ریت پر گرا۔ اس کا سر پیشانی تک ریت میں دھنس گیا۔ پھر وہ ایک طرف لڑھک گیا۔ جہاں جہاں اس کے ننگے بدن پر ریت کے ذرات لگے' اس کے جسم پر چیونٹیاں سی کاٹنے لگیں۔

صحرائے سرخ کی ریت میں مرچیں بھری تھیں!

"کرچنا' ادھر آؤ۔" ایک آدمی نے سخت لہجے میں پکارا۔

"آقا! میں حاضر ہوں۔" کرچنا اس آدمی کے سامنے مودبانہ کھڑا ہو گیا جس کے سر پر سرخ رومال بندھا تھا۔

"میخیں نکالو۔ جلدی کرو' وقت کم ہے۔" سرخ رومال والے نے حکم دیا۔

وقت کی کمی کے پیش نظر کرچنا نے بڑی تیزی سے ڈیڑھ ڈیڑھ گز لمبے لکڑی کے مضبوط کھونٹے کھولے۔ چاروں کھونٹوں کو کندھے پر رکھ' ہاتھ میں ایک بڑا سا لکڑی کا ہتھوڑا لے کر پھر سے سرخ رومال والے کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

سرخ رومال والے نے چند قدم آگے جا کر زمین پر پاؤں مارا اور بولا۔

"یہاں گاڑو۔"

کرچنا نے اپنے دونوں ساتھیوں کو بھی بلالیا اور یوں کام تیزی سے ختم ہونے لگا۔ جلد ہی چاروں کھونٹوں کو مستطیل کی شکل میں گاڑ دیا گیا۔

سرخ رومال والے نے چاروں کھونٹوں کی جو لب دو دو بالشت اوپر تھے' مضبوطی کا اندازہ لگایا اور پھر حکم ہوا۔

"رسیاں باندھو۔"

چاروں کھونٹوں میں بڑی مضبوط رسیاں باندھی گئیں...... اتنی مضبوط جنہیں چار اونٹ بھی مل کر نہ توڑ سکیں۔

پھر قامران کو ریت پر لٹا دیا گیا اور اس کے ہاتھ پاؤں کھونٹوں سے باندھ دیئے گئے۔ اس طرح کہ وہ ریت کی صلیب پر چڑھا دکھائی دیتا تھا۔

جب وہ چاروں جلاد اسے ریت کی صلیب پر چڑھا رہے تھے تو قامران نے بڑے گڑگڑا کر اس سرخ رومال والے سے جس کے ہاتھ میں تیر کمان تھی' درخواست کی تھی۔

"تمہیں ملکہ شاطو کی قسم...... مجھے تیروں سے چھید دو مگر صحرائے سرخ کے حوالہ نہ کرو۔"

اس پر سرخ رومال والے نے فلک شگاف قہقہہ لگایا تھا اور اس کی رحم کی اپیل کے جواب میں مٹھی بھر ریت اس کی آنکھوں میں جھونک دی تھی۔

آنکھوں میں ریت پڑتے ہی قامران بلبلا اٹھا تھا۔ ریت اس کی آنکھوں میں سوئیاں چبھو رہی تھی اور وہ اپنی آنکھوں کو ملنے سے قاصر تھا۔ ہائے بیچارگی۔

"ملکہ شاطو کی قسم' ہم نے اپنا فرض پوری ایمانداری سے چکا دیا۔ اب ہم چلتے ہیں۔" نقارۂ کوچ بجا۔

"ٹھہرو...... مجھے تھوڑا سا پانی تو دے جاؤ۔" قامران نے کہا۔ اسے یہ بھی خیال نہ رہا کہ فرض کرو' وہ پانی کی چھاگل اس کے لیے چھوڑ بھی جائیں تو وہ پانی پیے گا کیسے۔ اس کے ہاتھ پاؤں تو بندھے ہوئے ہیں۔ اتنے سخت کہ وہ اٹھ کر بیٹھ بھی نہیں سکتا۔

"پانی۔" سرخ رومال والے نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔ "ہم تمہارے لیے ایک خیمہ کیوں نہ

نصب کر جائیں۔"

"اچھا' مجھے تھوڑا سا پانی ہی پلاتے جاؤ۔" اس نے بمشکل اپنی آنکھیں کی۔

"کرچنا' اسے پانی پلاؤ۔" سرخ رومال والے نے مسکرا کر آنکھ ماری۔

اور جب کرچنا اس کی ٹانگوں کے درمیان آ کر کھڑا ہوا تو قامران اس کا ارادہ بھانپ اٹھا۔

"نہیں...... نہیں۔" وہ چلایا مگر لاحاصل۔

پانی کی موٹی دھار اس کے منہ پر گر رہی تھی اور وہ سخت کراہت محسوس کر رہا تھا۔

وہ چاروں خوش تھے' اپنی بغلیں بجا بجا کر اپنے وحشی پن کا اظہار کر رہے تھے۔

پھر سرخ رومال والے نے اپنی تیر کمان اٹھائی' تیر چڑھایا اور تیز تیز چلنے لگا۔ کچھ دور جا کر رک گیا۔ قامران کی طرف رخ کیا اور نشانہ باندھ کر تیر چھوڑا۔ تیر سنسناتا ہوا آیا اور قامران کی ٹانگوں کے درمیان ریت میں دھنس گیا۔

سرخ رومال والے کو تیر کمان سنبھالتے دیکھ کر قامران نے اپنی جلتی آنکھوں میں ٹھنڈک محسوس کی تھی کہ چلو تیر کی نوک سے رشتۂ جاں ٹوٹا۔ ایک بار کی اذیت' سسک سسک کر مرنے سے کہیں بہتر تھی لیکن سرخ رومال والے کا تیر نجات دہندہ ثابت نہ ہوا۔ نشانہ چوک گیا یا تیر انداز نے جان کر تیر کو سیدھا نہ رکھا۔

"ایک اور تیر چلاؤ...... مجھے مار دو۔ میں مرنا چاہتا ہوں۔" قامران نے موت کو پکارا۔

سرخ رومال والے نے اس کی فرمائش پر ایک اور تیر چلایا جو اس کے کان کے پاس ریت میں دھنس گیا۔ موت کا فرشتہ اب بھی دور کھڑا مسکرا رہا تھا۔

سرخ رومال والے نے پہلے ٹانگوں کے درمیان سے تیر کھینچا' پھر کان کے پاس سے تیر نکالتے ہوئے طنزاً مسکرایا اور پھنکارنے کے انداز میں بولا۔ "ملکہ شاطو کی قسم! تمہاری موت میرے ہاتھوں نہیں لکھی ورنہ صحرائے سرخ کا سفر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

تیر ترکش میں رکھ کر سرخ رومال والے نے کوچ کا اشارہ کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ چاروں اونٹ سوار ریت کے بادل اڑاتے ہوئے انہی بادلوں میں گم ہو گئے۔

تھوڑی دیر میں جب ریت بیٹھی تو دائیں بائیں اور اوپر نیچے جہاں بھی اس نے نظر گھمائی ریت کے سوا کچھ نہ دکھائی دیا۔ کسی انسان کا تو سوال ہی نہ تھا' آسمان بھی پرندوں سے خالی تھا۔ گہرا نیلا آسمان' نیچے سرخ ریت۔ عجیب و غریب منظر تھا۔ اگر وہ ریت کی صلیب پر نہ چڑھا ہوتا تو اس منظر سے ضرور لطف اندوز ہوتا۔

اب سورج سر پر آ گیا تھا۔ وہ آگ برسا رہا تھا۔ سخت گرمی تھی۔ ریت بے انتہا گرم ہو چکی تھی۔ قامران خود کو آگ پر لیٹا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ اس کا جسم دھوپ اور ریت کی گرمی سے جھلسنے لگا تھا۔ آنکھیں الگ جل رہی تھیں۔

قامران کو اس انداز سے باندھا گیا تھا کہ وہ ایک انچ بھی ادھر سے ادھر نہیں ہو سکتا تھا۔

پسینے سے شرابور تھا اور سرخ ریت جسم پر چپک کر مزید آگ لگا رہی تھی۔
اس کا حلق خشک ہو چکا تھا۔ اس نے کل شام پانی پیا تھا۔ پانی کیا پیا تھا' بس دو گھونٹ پانی بڑی منت سماجت سے اسے ملا تھا۔ وہ بار بار تھوک نگل رہا تھا۔ اس عمل سے چند ساعت کے لیے انسے اطمینان سا ملتا تھا اور پھر وہی حلق میں کانٹے سے پڑنے لگتے۔ شام ہوتے ہوتے اس کے ہونٹوں پر پپڑیاں سی جم گئیں۔ زبان پر کانٹے پھوٹ پڑے۔ حلق خشک ہو گیا۔
ایک بار قامران نے خود کو آزاد کرانے کے لیے زور سے جھٹکے لگائے۔ ایسا وہ کئی مرتبہ کر چکا تھا لیکن لاحاصل۔ جھٹکے لگنے سے اس کے ہاتھ اور پاؤں میں زخم پڑ گئے تھے کیونکہ رسی بے حد کھردری تھی۔

مایوس ہو کر اس نے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیے اور ڈوبتے سورج پر نظریں جما دیں۔ دھیرے دھیرے سورج اپنی تمازت کھو رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ ریت کے سرخ سمندر میں اپنا وجود گم کر بیٹھا۔

ہر سو اندھیرا پھیل گیا۔ یہ اندھیرا اس کے دل میں پھیلے اندھیرے سے مختلف نہ تھا۔
آہستہ آہستہ رات اپنی زلف کھول رہی تھی۔ رات کا چہرہ چاند کی صورت میں نور بکھیرنے لگا تھا۔ صحرائے سرخ کی حدت میں کمی آ رہی تھی۔ ریت ٹھنڈی ہوتی جا رہی تھی۔
ہوا جو اب تک بڑے سلیقے اور شائستگی سے چل رہی تھی' اچانک کسی منہ زور گھوڑی کی طرح بھڑک اٹھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے تیز ہوا کے جھکڑ چلنے لگے اور بھاری طوفان کا پتہ دینے لگے۔
قامران نے گھبرا کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ ہر سو ریت ہی ریت تھی۔ زمین سے فلک تک۔

صحرا کے طوفان تو ویسے بھی خطرناک ہوتے تھے۔ ہنستے ہوئے قافلے ریت کے سمندر میں دب کر اپنا وجود کھو بیٹھتے تھے۔ وہ تو جکڑا ہوا تھا' ریت کا طوفان اسے بڑی آسانی سے دفن کر سکتا تھا۔
اور ہوا بھی یہی۔ آناً فاناً ریت کا ایک ٹیلا اڑا اور بارش کی طرح اس پر برسنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر گی ہوگی کہ قامران سرتاپا ریت میں چھپ گیا۔ دھیرے دھیرے اس کے سینے پر ریت کا وزن بڑھتا جا رہا تھا۔

اب وہ سانس لینے سے قاصر تھا۔ اس پر غشی طاری ہونے لگی تھی۔ یہاں تک کہ وہ ہوش گنوا بیٹھا۔

جب ہوش و حواس قائم ہوئے تو اس نے محسوس کیا کہ وہ آسانی سے سانس لے سکتا تھا۔ اس کے جسم پر ریت کا دباؤ بھی نہ تھا۔ پھر اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ اس کا سر کسی کے ریشمی زانو پر رکھا ہے اور کوئی آہستہ آہستہ اس کا سر دبا رہا ہے۔
اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔
وہاں کوئی نہ تھا لیکن کسی کنوارے جسم کی خوشبو ابھی تک پھیلی ہوئی تھی۔
چاند پوری آب و تاب سے اس کے سر پر چمک رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا بہہ رہی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھ پاؤں ہلا کر اپنے اوپر پڑی ہوئی ریت نیچے گرا دی۔ یہ معجزہ ہی تھا کہ وہ زندہ بچ گیا تھا۔

شاید ہوا کے کسی مہربان جھونکے نے اس پر پڑی ہوئی ریت بڑی صفائی سے صاف کر
طوفان گزر چکا تھا اور ہر طرف چاندنی کے ساتھ سکون پھیلا ہوا تھا۔

''نیلا بو......!''

اسے بڑی شدت سے نیلا بو یاد آئی۔ اس کی بیوی...... حسین اور معصوم۔

سات سال پہلے جب وہ دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے چاندنی راتوں کو پہاڑوں اور جھرنوں کی سیر کیا کرتے تھے تو کتنا لطف آتا تھا۔ ابھی تو ان کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ وہ ایک دوسرے کو جی و جان سے چاہتے تھے لیکن یہ چاہت قبیلے کے رسم و رواج کو پامال کرنے کے مترادف تھی۔

یرکان قبیلے میں عشق ایک ہولناک مرض کی علامت تھا۔ یہاں لڑکی کے بالغ ہوتے ہی جو وہ دو سال میں ہو جاتی تھی' سوئمبر کی رسم کا اعلان کر دیا جاتا تھا اور یوں اسے عشق میں مبتلا ہونے سے بچنے کی کوشش کی جاتی تھی۔

چاند کی تیرھویں کو پورے قبیلے میں منادی کر دی جاتی تھی کہ آج رات کو فلاں بنت فلاں کا سوئمبر رچایا جا رہا ہے' لہٰذا شادی کے خواہش مند نوجوان سوئمبر میں شرکت کر کے ایک عدد خوبصورت لڑکی حاصل کریں۔

اب یہ لڑکی کی خوبصورتی پر منحصر تھا کہ اس کے سوئمبر میں کتنے نوجوان اپنی جان جوکھوں میں ڈالنے کے لیے تیار ہیں۔ مشکل یہ تھی کہ یرکان قبیلے کی لڑکیاں ایک سے ایک ہوتی تھیں' اس لیے ہر لڑکی کے سوئمبر میں یہ...... لمبی قطار لگ جاتی تھی۔ ہر لڑکی کا سوئمبر مختلف انداز کا ہوتا تھا اور سوئمبر کی شرط لڑکی کا باپ مقرر کرتا تھا۔

سوئمبر کی آزمائش میں کامیاب ہونے والے لڑکے کی اسی رات شادی کر دی جاتی تھی اور قبیلے کی رسم کے مطابق لڑکی کے بجائے لڑکا' لڑکی کے گھر رخصت ہو کر چلا جاتا تھا۔ اس قبیلے میں ولدیت بھی باپ کی بجائے ماں کے نام سے چلتی تھی۔

نیلا بو اور قامران کی محبت ابھی عشق میں تبدیل نہ ہو پائی تھی کہ اس کے باپ نے سوئمبر کی تاریخ مقرر کر دی۔ پورے قبیلے میں منادی کرا دی گئی۔ نیلا بو پھولوں کی شہزادی تھی' جس پر قبیلے کے کئی نوجوانوں نے نظریں جمائی ہوئی تھیں۔ وہ انگڑائیاں لے کر اٹھ بیٹھے اور خود کو مقابلے کے لیے تیار کرنے لگے۔

سوئمبر کی رات نیلا بو کو سجا بنا کر ایک گھوڑی پر بٹھا دیا گیا اور دو آدمی گھوڑی کی لگام پکڑ کر کھڑے ہو گئے۔

تب ایک سفید گھوڑے پر نیلا بو کا باپ نمودار ہوا اور اس نے سوئمبر کی شرط کا اعلان کر دیا۔ شرط کا اعلان سن کر نیلا بو کو سانپ سونگھ گیا۔ اس نے سہمی سہمی نظروں سے قامران کو دیکھا جو مقابلے میں شریک نوجوانوں کی قطار میں سب سے آگے کھڑا تھا۔

اس نے سوئمبر کی شرط سن کر اپنا سینہ تان لیا اور نیلا بو کی طرف دیکھ کر پرعزم انداز میں مسکرا دیا۔

یرکان قبیلے کی حکمران ملکہ شاطو کے پاس ایک بدمزاج گھوڑی تھی جس پر آج تک کوئی

سواری نہیں کر سکا تھا۔ ملکہ شاطو خود بہت اچھی گھڑسوار تھی۔ اس کے پاس دنیا کے بہترین گھوڑے موجود تھے۔ وہ اس ابلا گھوڑی کو دل و جان سے چاہتی تھی اور اس کی خواہش تھی کہ چند لمحوں کے لیے ہی سہی' اس پر سوار ہو سکے لیکن یہ خواہش آج تک شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکی تھی۔ قبیلے کے کچھ اچھے گھڑسواروں نے اسے سدھانے کی کوشش کی تھی۔ نتیجے میں وہ تو اسے نہ سدھا سکے' ہاں ابلا نے انہیں ضرور سیدھا کر دیا۔ وہ بیچارے عالم فانی سے ہی سدھار گئے۔

تب سے ملکہ شاطو نے اعلان کر رکھا تھا کہ جو بھی ابلا پر سوار ہو کر دکھائے گا' اسے زبردست انعام و اکرام سے نوازا جائے گا۔ اس اعلان کے باوجود آج تک کسی نوجوان نے ابلا پر سواری تو بہت دور کی بات ہے' ٹیڑھی نظروں سے بھی دیکھنے کی کوشش نہ کی تھی۔

اب نیلابو کے باپ نے ابلا کی سواری کو سوئمبر کی شرط قرار دے دیا تھا۔

ابلا کا ذکر سن کر مقابلے میں شریک کئی نوجوانوں پر لرزہ طاری ہو گیا اور وہ نیلابو کو بھول کر اپنی جان بچانے کے لیے چپکے سے قطار میں سے کھسک لیے۔ قبیلے کے لوگوں نے نوجوانوں کو کھسکتے دیکھ کر تالیاں بجائیں اور لعن طعن کی۔

آخر بھرپور بدن کی کسی کسی ابلا کو میدان میں اتارا گیا۔ ابلا کے اترتے ہی لوگوں نے فلک شگاف نعرے لگائے اور ڈھول پیٹا جانے لگا۔ نیلابو کے باپ نے قامران کو اشارہ کیا کہ وہ میدان میں اترے۔ قامران مسکراتا ہوا آگے بڑھا۔

نیلابو نے دل ہی دل میں قامران کی کامیابی کی دعا مانگی۔

منہ زور گھوڑی کی لگام پکڑتے ہی اس نے ادائیں دکھانی شروع کر دیں۔ ابلا نے دونوں ٹانگوں کے بل کھڑے ہو کر اگلی ٹاپوں سے قامران کو کچلنا چاہا لیکن قامران طرح دے گیا۔

قامران کوشش میں تھا کہ کسی طرح اچھل کر ابلا پر سوار ہو جائے لیکن ابلا نے طے کر لیا تھا کہ اسے نزدیک بھی نہیں پھٹکنے دے گی۔ قامران جیسے ہی نزدیک آنے کی کوشش کرتا' وہ دونوں پاؤں کے بل کھڑی ہو جاتی یا پھر چاروں ٹانگوں پر اس طرح اچھلتی کہ اس کی پیٹھ پر بیٹھنا ناممکن ہو جاتا۔

قبیلے کے لوگ نعرے بازی کر رہے تھے اور قامران کو جوش دلا رہے تھے کہ وہ جلد سے جلد اس پر قابو پا لے۔

ایک لمحے کے لیے قامران نے نیلابو کو دیکھا جو بڑی حسرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس ایک لمحے کی بھول سے ابلا نے فائدہ اٹھا لیا۔ اس نے اپنی دونوں ٹاپیں قامران کو مارنا چاہیں۔ قامران نے نیلابو سے نظر ہٹا کر پھرتی سے بچاؤ کیا۔ پھر بھی ابلا کی ایک ٹاپ اس کے شانے پر پڑ[illegible] خم ڈال گئی۔

ابلا خوشی سے پھولی نہ سمائی۔ وہ چاروں ٹانگوں پر اچھلنے کودنے لگی۔

نیلابو کے دل پر گھونسا سا لگا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔

قبیلے کے لوگوں نے فلک شگاف نعرے لگائے اور قامران کی ہمت بندھائی۔ قامران نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے۔

اب سوئمبر خطرناک مرحلے میں داخل ہو گیا تھا۔ قامران کی سمجھ میں نہیں

رے؟ کس طرح ابلا پر قابو پائے؟

پھر اچانک ہی ایک بجلی سی کوندی۔ ایک خیال اس کے دل و دماغ کو روشن کر گیا۔

ت تھا۔ کچھ کر گزرنے کی گھڑی تھی۔ اس لیے اس نے بغیر ایک لمحہ ضائع کیے جست لگائی۔

ابلا تو ابلا' لوگ بھی اندازہ نہ لگا سکے کہ وہ کیا کرنے والا ہے۔

جب لوگوں نے قامران کو ابلا کی گردن سے چمٹے دیکھا تو حیران رہ گئے۔

ابلا جان توڑ کر میدان میں بھاگ رہی تھی۔ وہ قامران کو زمین پر گرانے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھی۔ قامران نے ابلا کے ایال اتنے مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے کہ منہ زور گھوڑی کے بھرپور جھٹکوں کے باوجود وہ اپنی جگہ جما ہوا تھا۔

نیلابو نے خوف کے مارے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ قبیلے کے لوگوں نے اپنے سانس روک لیے تھے اور سوئمبر کا کھیل اب اختتام پر تھا۔

آخر قامران نے لٹکے لٹکے پلٹا کھایا اور پلٹا کھا کر سیدھا اس کی پیٹھ پر۔

ابلا کی پیٹھ پر بیٹھتے ہی ایک زبردست شور بلند ہوا۔ نیلابو نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں تو قامران کو ابلا کی پیٹھ پر سوار دیکھ کر جھوم اٹھی۔

قامران کے سوار ہوتے ہی ابلا میں زبردست تبدیلی آ گئی۔ اب وہ منہ زور گھوڑی اس کی رانوں میں دبی بڑی فرمانبردار دکھائی دے رہی تھی۔ شاید وہ بھی اس کی فتح یابی سے خوش تھی۔

ابلا اس کے ذرا سے اشارے پر چل رہی تھی۔ ہر حکم مان رہی تھی۔ قامران نے بڑی تیزی سے میدان کے تین چکر لگائے اور پھر گھوم کر نیلابو کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

نیلابو نے اسے بڑے پیار اور فخر سے دیکھا۔

پھر رواج کے مطابق قبیلے کی سات شادی شدہ عورتوں نے اسے گھوڑے سے اتارا اور شادی کا گیت گاتی ہوئی قبیلے کی سب سے بزرگ خاتون کی طرف بڑھیں۔

نیلابو کو قبیلے کے سات شادی شدہ مردوں نے گھوڑے سے اتارا اور انتہائی خاموشی سے قبیلے کی سب سے بزرگ خاتون کی طرف لے چلے۔

جب دونوں ہونے والے میاں بیوی اس بزرگ خاتون کے سامنے کھڑے ہو گئے تو اس نے کچھ دعائیہ کلمات کہہ کر انہیں سبزے کے بستر پر لیٹنے کو کہا۔ جب وہ دونوں لیٹ گئے تو مقدس رسی لانے کا حکم ہوا۔

اس مرتبہ پھر بزرگ خاتون نے کچھ دعائیہ کلمے کہے اور مقدس رسی کا ایک سرا نیلابو کی کلائی اور دوسرا سرا قامران کی کلائی میں باندھ دیا۔

رسی بندھتے ہی لوگوں نے خوشی سے نعرے لگائے اور دیوانہ وار ناچنے لگے۔

پھر نیلابو اور قامران کو اٹھنے کا اشارہ کیا گیا۔ جب وہ ایک دوسرے کے مقابل کھڑے ہو گئے تو شادی کی آخری رسم ادا کی گئی۔ ان ساتوں شادی شدہ جوڑوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر دائرے کی شکل اختیار کر لی اور ڈھول کی تھاپ پر دھیرے دھیرے رقص شروع ہو گیا۔

رقص کے دوران نیلابو اور قامران درمیان میں ایک دوسرے کے مقابل کھڑے آنے والی

گھڑیوں کا بڑی شدت سے انتظار کر رہے تھے۔ آخر رقص ختم ہوا اور ان دونوں کو ایک دوسرے کو چومنے کی اجازت دی گئی۔

اس رسم کے ادا ہوتے ہی محفل برخاست ہو گئی اور قبیلے کے لوگ ہنستے گاتے اپنے گھروں کو لوٹنے لگے۔

نیلابو اور قامران نے بھی بستی کا رخ کیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ہنستے کھیلتے آگے بڑھ رہے تھے کہ ایک غیر متوقع واقعہ پیش آیا۔ بستی میں داخل ہونے سے پہلے کہیں سے ایک سنسناتا ہوا تیر آیا اور ان کے سروں پر سے گزر کر سامنے درخت میں پیوست ہو گیا۔

قامران نے نیلابو کو فوراً اپنے بازوؤں میں لے لیا اور اس طرف غور سے دیکھا جہاں سے تیر آنے کی توقع تھی۔ اندھیرے میں سوائے درختوں کی سیاہی کے کچھ نظر نہ آیا۔ قامران پریشان تھا کہ یہ اندھیرے میں تیر کس نے چلایا اور کیوں چلایا؟ اگر یہ تکہ' تیر ثابت ہو جاتا تو ان دونوں میں سے کوئی ایک زمین پر پڑا تڑپ رہا ہوتا۔

قامران نے چاہا بھی کہ مقدس رسی کھول کر تیر انداز کو تلاش کرے لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ مقدس رسی کو تین دن سے پہلے کھولنا سخت بدشگونی تھی۔ رسی کھولنے والے جوڑے میں سے ایک کی موت یقینی تھی لیکن شادی کے موقع پر تیر کے ذریعے ہلاکت کی کوشش بھی کسی بدشگونی سے کم نہ تھی اور یہ بدشگونی ظہور پذیر ہو چکی تھی۔

"نیلابو بھاگنا ہوگا۔" قامران نے اسے بازو میں لیے لیے کہا۔

"بھاگوں گی' جہاں تک کہو گے' جب تک کہو گے...... تمہاری ہم سفر جو ٹھہری۔" نیلابو نے بڑے پرعزم لہجے میں کہا۔

"بہت تیز بھاگنا ہوگا۔ کوئی ہماری گھات میں ہے۔" قامران اسے اپنے قریب کرتا ہوا بولا۔

"اتنا تیز بھاگوں گی کہ تمہیں مجھ پر گھوڑی کا گمان ہونے لگے گا۔" نیلابو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آؤ...... پھر بھاگو کہ اسی میں ہماری زندگی ہے۔"

انہوں نے چوڑے راستے کو چھوڑ کر ایک تنگ راستہ اختیار کیا۔ اس راستے پر درخت ہی درخت تھے۔ یہاں سے ان کا نشانہ لینا مشکل تھا۔ یہ راستہ ان کا جانا پہچانا تھا۔ اس لیے اندھیرا ہونے کے باوجود وہ بڑی بے تکلفی سے دوڑے جا رہے تھے۔

قامران تیر چلانے والے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ وہ کون تھا؟

قبیلے میں اس کی کسی سے دشمنی نہ تھی۔ پھر تیر چلانے کی وجہ کیا تھی؟ کہیں نیلابو سے شادی وجۂ رقابت تو نہیں بن گئی۔ وہ سوچ رہا تھا اور تیزی سے بھاگ رہا تھا۔

جب وہ مکان کے نزدیک پہنچے تو دروازے پر نیلابو کا باپ منتظر کھڑا تھا۔

"تم لوگ کہاں رہ گئے تھے؟" نیلابو کا باپ پریشان تھا۔

"بابا...... ہم تو جنگل کی طرف سے آئے ہیں۔"

"بے وقوف...... گھر چھوڑ کر جنگل کا رخ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" بابا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بابا...... آج ہم بچ گئے۔ کسی نے راستے میں ہمیں مارنے کی کوشش کی تھی۔"

"ملکہ شاطو کی قسم...... کون تھا وہ؟ میں اس کا خون پی جاؤں گا۔"

قامران نے جب واقعہ کی تفصیل بتائی تو نیلابو کا باپ سوچ میں پڑ گیا۔ وہ کس کا دشمن تھا؟ نیلابو کا یا قامران کا...... اس کا جواب کسی کے پاس نہ تھا۔

"خیر تم لوگ فکر نہ کرو۔ میں صبح دیکھوں گا کہ وہ اونٹ کا بچہ کون تھا؟...... اب تم لوگ آرام کرو۔" نیلابو کے باپ نے ہدایت کی۔

گھاس پھوس کے نرم بستر پر وہ دونوں نیم دراز ہو گئے۔ پاس ہی رکھے ہوئے لکڑی کے بڑے پیالے کو جس میں ایک طرح کا رس بھرا تھا' نیلابو نے اٹھایا۔ پہلے ایک گھونٹ خود پیا' پھر ایک گھونٹ قامران کو پلایا۔ اس کے بعد دونوں نے پیالے سے بیک وقت منہ لگا لیا۔

پیالے سے بیک وقت پینا مشکل تھا لیکن رسم کے مطابق انہیں اسی طرح پینا تھا۔ وہ گھونٹ گھونٹ بڑی احتیاط سے اس رس کو جو بڑی قیمتی جڑی بوٹیوں سے تیار کیا جاتا تھا' پیتے رہے۔

اس رس کا خیال آتے ہی قامران نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری تو مرچیں لگانے والی ریت اس کے منہ میں چلی گئی۔

تب اسے خیال آیا کہ وہ حجلۂ عروسی میں نہیں' صحرائے سرخ کی ریت پر لیٹا ہے۔ اس احساس کے جاگتے ہی اس کی پیاس شدت اختیار کر گئی۔

رات ڈھل چکی تھی۔ چاند اپنی آب و تاب کھو بیٹھا تھا۔

مشرق لال ہو رہا تھا۔ سورج کی آمد آمد تھی۔

ایک بار پھر اسے تپتے صحرا اور جلتے سورج کے عذاب سے گزرنا تھا۔

اس عذاب کی ابتداء تو شادی کی رات ہی سے ہو گئی تھی اور انتہا ملکہ شاطو کے محل میں۔ اگر وہ ملکہ شاطو کی خواہش پوری کر دیتا تو آج ملکہ کے محل میں ریشمیں زلفوں کی چھاؤں میں ہوتا۔

یہ عذاب اس نے جان بوجھ کر مول لیا تھا۔ وہ نیلابو سے بے وفائی نہیں کر سکتا تھا۔

سورج نے اب آنکھیں دکھانی شروع کر دی تھیں۔ صحرائے سرخ دھوپ کی تپش سے بھبک اٹھا تھا۔

لیٹے لیٹے اس کا جسم اکڑ گیا تھا۔ ہاتھ پاؤں بے حس ہوتے جا رہے تھے۔ سب سے زیادہ تکلیف پانی کی تھی۔ بھوک بھی اگرچہ اسے لگ رہی تھی لیکن پیاس کی شدت بھوک پر غالب تھی۔

دوپہر ہوتے ہوتے اس پر بے ہوشی سی طاری ہونے لگی۔ وہ منہ پھاڑے آسمان کو تک رہا تھا۔ دھیرے دھیرے اس کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔

پھر جانے کیا ہوا کہ اچانک سایہ سا ہو گیا۔ آسمان پر گہرے بادل چھا گئے۔ ریت برف کی طرح ٹھنڈی ہو گئی اور فضا میں خوشبو سی پھیل گئی۔

کنوارے جسم کی خوشبو مانوس مانوس سی!

اس نے دیکھا کہ ایک دوشیزہ اس کے سامنے دوزانو بیٹھی ہے۔ ہاتھ میں خوبصورت سی صراحی ہے۔ وہ دھیرے دھیرے سے اس کا سر اٹھا کر نازک سی صراحی اس کے منہ سے لگا دیتی ہے۔

''پیو۔'' وہ مسکرا کر کہتی ہے۔

وہ بے تابی سے صراحی سے منہ لگا دیتا ہے اور غٹ غٹ پینے لگتا ہے۔ صراحی میں پانی نہ تھا' کوئی شربت قسم کی چیز تھی لیکن یہ شربت اس رس سے زیادہ مزیدار اور لطیف تھا جو اس نے شادی کی رات پیا تھا۔

اس نے جلدی جلدی ساری صراحی خالی کر دی۔

''اور پیو گے؟'' دوشیزہ نے اپنی نازک انگلیوں سے اس کے ہونٹ صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

''بس اور نہیں۔'' اس نے ضرورت سے زیادہ پی لیا تھا۔

''اچھا میں چلتی ہوں۔'' وہ اٹھنے لگی۔

''ٹھہرو' تم کون ہو؟'' قامران بولا۔ ''تم نے میری پیاس بجھائی ہے تو ایک مہربانی اور کرتی جاؤ۔''

''بولو۔'' اس نے اپنے شیریں لبوں کا دائرہ بنایا۔

''مجھے اس قید سے رہائی دلا دو۔'' قامران نے درخواست کی۔

''ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھ گئی۔

''ٹھہرو۔'' وہ بڑے زور سے چیخا۔

تب ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس کے چاروں طرف بدستور الاؤ سا دہکا ہوا تھا۔ سایہ اور بادلوں کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ فضا میں کنوارے بدن کی خوشبو ابھی تک موجود تھی اور ایک حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اسے پیاس بالکل محسوس نہ ہو رہی تھی جبکہ کچھ دیر پہلے وہ پیاس کی شدت سے بے ہوش ہو گیا تھا۔

پھر یہ سب کیا تھا......خواب یا حقیقت......وہ کچھ نہ سمجھ سکا۔

شام تک وہ بڑے آرام سے سورج کے غصے کو برداشت کرتا رہا۔ اسے ذرا بھی پیاس نہ لگی' البتہ گرمی ضرور محسوس ہوتی رہی لیکن یہ گرمی برداشت کی حدود میں تھی۔

رات ہوئی تو چاند نے سر ابھارا۔ صحرا کا پنڈا ٹھنڈا ہونے لگا۔ ٹھنڈی ہوا نے گرم ہوا کے جھونکوں کو مار بھگایا۔

چاند کے چڑھتے چڑھتے اس پر غنودگی طاری ہو گئی۔ وہ اطمینان سے سو گیا اور پوری رات بڑے سکون سے گزری۔

صبح ہی صبح اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے کوئی بھیانک سی آواز سنی تھی۔

اس نے آسمان پر نظر کی تو اوپر ایک گدھ اڑتا ہوا دکھائی دیا۔ اس گدھ نے اچانک اپنے پر سمیٹے اور نیچے اترنا شروع کیا۔ جب وہ زمین سے تھوڑے فاصلے پر رہ گیا تو اس نے اپنے پر پھڑپھڑائے اور قامران کے اوپر سے گزرتا ہوا ریت پر جا بیٹھا۔ وہ اس سے بیس گز دور بیٹھا تھا اور بھیانک آواز

میں چیخ رہا تھا۔

پھر آسمان پر ایک گدھ اور نمودار ہوا۔ اس نے بھی وہی عمل دہرایا اور دوسرے گدھ کے پاس جا بیٹھا۔ اب دونوں نے بھیانک آواز میں چیخنا شروع کیا۔ ان دونوں کی چیخیں سن کر ایک گدھ اور کہیں سے آ ٹپکا۔

صرف آدھ گھنٹے میں قامران کے گرد گدھ ہی گدھ جمع ہو گئے۔ یہ گدھ دائرے کی صورت میں بیٹھے تھے۔ درمیان میں قامران تھا۔ ان گدھوں نے چیخنا چلانا بند کر دیا تھا۔

اگر یہ سارے گدھ بیک وقت اس پر حملہ کر دیں تو مشکل سے پانچ منٹ اس کی تکا بوٹی ہونے میں لگیں گے۔ ایک خوف کی لہر نیچے سے اوپر تک اس کے جسم میں پھیل گئی۔ اس نے جھرجھری سی لی۔

ان سارے گدھوں میں ایک گدھ سب سے موٹا اور بوڑھا تھا' وہ آہستہ آہستہ قامران کی طرف بڑھا۔ دو قدم چلنے کے بعد رک گیا۔ گردن اٹھا کر اس نے قامران کی طرف دیکھا اور منہ سے ایک بھیانک چیخ ماری اور اپنے پروں کو پھڑپھڑایا۔

پھر ایک ایک کر کے سارے گدھ آگے بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ چکر پورا ہو گیا اور قامران کے گرد حلقہ تنگ ہوتا گیا۔ یہ عمل مسلسل دہرایا گیا۔ پہلے وہ بوڑھا گدھ دو قدم آگے بڑھ کر رک جاتا' قامران کو دیکھتا اور پھر ایک بھیانک چیخ مار کر اور پروں کو پھڑپھڑا کر دوسرے گدھوں کو آگے بڑھنے کا اشارہ دے دیتا۔ وہی عمل دوسرا گدھ دہراتا۔ اس طرح ایک چکر پورا ہو جاتا۔

حلقہ تنگ سے تنگ تر ہوتا جا رہا تھا۔

اس مرتبہ ایک نئی مصیبت نے اس کے گرد گھیرا ڈال رکھا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان آدم خور گدھوں سے اپنی جان کس طرح بچائے۔ اس نے سوچا کہ پہلے ان گدھوں کو اپنے زندہ ہونے کا ثبوت فراہم کرے۔ ابھی تک وہ بے حس و حرکت پڑا تھا۔ کہیں اس سے ان گدھوں نے یہ اندازہ کر لیا ہو کہ یہ کسی لاوارث کی لاش ہے۔

اس نے کولہے کے بل ادھر ادھر زور سے ہلنا شروع کیا۔ بالکل رقص کے انداز میں۔

گدھوں نے اسے ہلتے دیکھا تو ایک جگہ جم کر رہ گئے۔ پھر اس بوڑھے گدھ نے ایک بھیانک چیخ ماری۔

چیخ کی آواز سنتے ہی قامران نے بہت سے پروں کی پھڑپھڑاہٹ سنی۔ اس کے سر پر ایک لمحے کو اندھیرا سا چھا گیا۔

سارے گدھ اڑتے ہوئے اس کے سر پر سے گزر رہے تھے۔ کچھ دیر یہ گدھ حلقہ بنا کر آسمان پر اڑتے رہے۔ پھر یکایک انہوں نے تیر کی طرح زمین پر اترنا شروع کیا۔ قامران سے کچھ فاصلے پر وہ ایک ایک کر کے پھر جمع ہونے شروع ہوئے۔ اس مرتبہ انہوں نے قامران کے گرد گھیرا نہیں ڈالا بلکہ گروہ کی صورت میں ایک جگہ اکٹھے ہو گئے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ پنچایت کر رہے ہوں۔ وہ جس آدمی کو مردہ سمجھ رہے تھے' وہ ابھی زندہ تھا اور زندوں سے کس طرح نمٹا جائے' اس پر غور و خوض جاری تھا۔

کچھ دیر بعد ایک جوان سا گدھ ٹانگوں کے بل اچھلتا ہوا آگے بڑھا۔ وہ دو دو قدم پر رکتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ قامران نے گدھ کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر پھر زور زور سے ہلنا شروع کر دیا۔

وہ گدھ اچانک اڑا اور ٹانگوں پر ٹھونگ مارتا ہوا اس کے سر سے گزر گیا۔

اس کے بعد دو گدھ اور مجسمے سے نکلے' وہ بھی قامران کو چھوتے ہوئے آسمان کی طرف چلے گئے۔

پھر ایک گدھ نے اچانک اس کی آنکھوں پر حملہ کیا۔ اگر اس نے بروقت گردن نہ موڑی ہوتی تو اب تک اس کی آنکھیں اس وحشی گدھ کے پنجوں میں دکھائی دیتیں۔

ایک گدھ نے پھر اس کی آنکھوں کو نشانہ بنایا۔ قامران نے اسے اپنے قریب دیکھ کر زوردار چیخ ماری تو گدھ اس آواز کو سن کر پریشان ہو گیا۔ وہ فوراً پلٹ گیا۔

پھر کئی گدھوں نے ایک ساتھ حملہ کیا لیکن اس کے مسلسل ہلنے اور چیخ مار کر ریت کی طرف منہ کر لینے کی وجہ سے وہ اس کی آنکھوں کو نشانہ بنانے میں ناکام رہے۔ ہاں ایک گدھ اس کی ران نوچتا ہوا ضرور گزر گیا۔

اب حملہ کرنے والے گدھوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔

تب ہی دور سے ایک گھنٹی کی آواز سنائی دی۔ یہ گھنٹی کی آواز بڑی تیزی سے اس کے نزدیک آتی جا رہی تھی۔ قامران نے گردن موڑ کر اس آواز کی طرف دیکھا تو اسے دور سے ایک ریت کا بادل اڑتا ہوا نظر آیا۔

یہ کوئی اونٹنی سوار تھا جو تیر کی طرح اس کی طرف آ رہا تھا۔

اونٹنی سوار کے نزدیک آتے ہی سارے گدھ چیختے ہوئے اڑ گئے۔

اونٹنی سوار اس کے نزدیک آ کر رکا۔ وہ سر سے پاؤں تک کالے لبادے میں تھا۔ اس کا چہرہ یہاں تک کہ آنکھیں بھی نہیں دکھائی دے رہی تھیں۔

اس اونٹنی سوار کے نزدیک آتے ہی فضا میں وہی مانوس سی کنوارے بدن کی خوشبو پھیل گئی۔

اس اونٹنی سوار نے دایاں ہاتھ فضا میں بلند کیا اور کہا۔

''کھل جا!''

اور یہ آواز کسی مرد کی نہ تھی۔

☆......☆......☆

''کھل جا'' کی آواز کے ساتھ ہی قامران نے محسوس کیا کہ وہ ہر قید و بند سے آزاد ہو رہا ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں کی رسیاں کھل رہی تھیں۔ بڑی تیزی سے جیسے کوئی مشاق ہاتھ اپنے فن کا مظاہرہ کر رہا ہو۔ قامران حیرت و استعجاب میں ڈوبا اس اونٹنی سوار کو تک رہا تھا جو رحمت بن کر اس پر نازل ہوا تھا۔

''چل اٹھ۔'' اس اونٹنی سوار کا دایاں ہاتھ پھر فضا میں بلند ہوا۔

قامران نے محسوس کیا جیسے چار پانچ آدمیوں نے بیک وقت پکڑ کر اسے کھڑا کر دیا ہو۔ وہ اپنے پاؤں پر زیادہ دیر کھڑا نہیں رہ سکا۔ بندھے بندھے اس کے ہاتھ پاؤں اکڑ گئے تھے۔

اس سے پہلے کہ وہ چکرا کر ریت پر ڈھیر ہوتا' اونٹنی سوار کا ہاتھ پھر فضا میں بلند ہوا۔ ''ذرا سنبھل۔''

اس ''ذرا سنبھل'' میں جانے کیا جادو تھا کہ قامران کے جسم میں زندگی کی نئی لہر دوڑ گئی۔ لمحے میں اس کی کایا پلٹ گئی۔ وہ خود کو بڑا چاق و چوبند محسوس کرنے لگا۔

''تم کون ہو؟'' چاق و چوبند ہوتے ہی قامران نے سوال جڑ دیا۔

''میں کون ہوں!'' ایک کھنکتی ہوئی ہنسی ہوا کے دوش پر دور تک پھیل گئی۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' ایک اور سوال ہوا۔

''ابھی تمہیں تمہارے پہلے سوال کا جواب نہیں ملا تھا کہ تم نے ایک سوال اور کر دیا۔ تم مردوں کو جاننے کا اتنا مرض کیوں ہوتا ہے۔ پہلے پوچھا' کون ہوں میں؟ پھر میرا نام جاننے کی فرمائش ہوئی۔ اگلے لمحے میری صورت دیکھنے کی خواہش ظاہر کی جائے گی اور پھر...... پھر بات وہاں تک پہنچے گی کہ عورت کو شرمانے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے گا۔ تم مردوں کو ذرا سی ڈھیل دے دی جائے تو بڑھتے ہی جاتے ہو۔ پھیلتے ہی جاتے ہو۔ آخر تم مرد' عورت کے معاملے میں اتنے حریص کیوں ہوتے ہو؟'' اونٹنی سوار نے کہا۔

جب اونٹنی سوار بول رہی تھی تو قامران کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ ساری عمر بولتی رہے اور وہ اس کی مترنم آواز سے یونہی لطف اندوز ہوتا رہے لیکن اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ اچانک ہی فضا میں ٹھہراؤ پیدا ہو گیا۔

ابھی قامران اس کی بات کا جواب بھی نہ دے پایا تھا کہ موسیقی پھر سے فضا میں سنائی دینے لگی۔

''ناراض ہوئے بغیر فی الحال میرا نام جان لو۔'' وہ کہہ رہی تھی۔ ''میرا نام چاندکا ہے۔''

''چاندکا۔'' قامران نے اس کا نام دہرایا۔ ''بہت خوبصورت۔''

اگلے لمحے قامران کو سرخ ریت کا بادل اڑتا ہوا دکھائی دیا۔ چاندکا جاتے جاتے اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر گئی تھی۔ وہ اونٹنی بڑی برق رفتار تھی۔ اسے پکڑنا یا اس کے ساتھ چلنا آسان نہ تھا۔ پھر بھی اس نے بھاگنا شروع کیا۔ بھاگتے بھاگتے اس نے محسوس کیا کہ اس کے پاؤں ریت پر نہیں پڑ رہے۔ وہ فضا میں تیر رہا ہے اور دھیرے دھیرے چاند کے قریب ہوتا جا رہا ہے۔ جانے کتنی دیر تک قامران نے سفر کیا اور کتنا فاصلہ طے کیا۔ اس کا اندازہ وہ نہ کر سکا۔

وہ اس وقت چونکا جب اس نے لق و دق صحرا میں ایک سفید محل کھڑا دیکھا اور محل کے دروازے پر چاندکا کو پایا۔ وہ حیرت سے کبھی چاندکا کو' کبھی اس محل کو دیکھتا تھا۔ اس کی عقل حیران تھی کہ ایسے لق و دق صحرا میں یہ کس نے محل بنایا اور کیوں بنایا؟ اور یہاں رہتا کون ہے؟

چاندکا کا ہاتھ فضا میں بلند ہوتے ہی محل کا دروازہ کھل گیا اور وہ مع اونٹنی کے دروازے میں داخل ہو گئی۔

جب تک قامران محل کے دروازے تک پہنچتا دروازہ بند ہو چکا تھا۔

اس نے اپنے ہاتھوں سے دروازہ ہلانے کی کوشش کی مگر اس نے جنبش بھی نہ کھائی۔

اس نے دروازے میں لگی بھاری زنجیر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر ہلایا لیکن زنجیر کی آواز سن کر بھی کسی نے دروازہ نہ کھولا۔ اچانک ہی اس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ زور سے 'چاندکا' کا نام لے کر پکارے۔

''چاندکا۔'' آخر وہ اپنی اس خواہش پر قابو نہ پا سکا۔ اس نے پکارا۔

چاندکا کے نام میں جانے کیا جادو تھا کہ اس کا نام لیتے ہی دروازہ دھیرے دھیرے کھلنا شروع ہوا۔

ابھی قامران نے کھلے دروازے میں قدم رکھا ہی تھا کہ کہیں سے شیر کے دھاڑنے کی زوردار آواز آئی۔ قامران ٹھٹک کر رہ گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ اندر جا کر کہیں مصیبت میں نہ پھنس جائے لہٰذا یہاں سے الٹے قدموں بھاگ نکلنا ہی بہتر ہے۔

''ڈرمت......اندر آجا۔'' فضا میں کہیں دور سے چاندکا کی آواز سنائی دی لیکن وہ خود کہیں دکھائی نہ دی۔

محل کا دروازہ اب پورا کھل چکا تھا۔ شیر کے دھاڑنے کی آوازیں بھی آنی بند ہوگئی تھیں۔

اس نے ساری دیوتا کا نام لے کر محل کے اندر قدم رکھا۔ اس کے اندر آتے ہی دروازہ خودبخود بند ہونا شروع ہوگیا۔ چند لمحوں بعد اس نے مڑ کر دیکھا تو دروازہ مکمل طور پر بند ہو چکا تھا اور وہ اس سنسان محل میں قید ہو گیا تھا۔

قامران نے ڈرتے ڈرتے پورا محل چھان مارا لیکن اسے کہیں بھی شیر نہ دکھائی دیا۔ شیر کیا 'چاندکا' کا بھی کہیں پتہ نہ تھا۔ وہ مع اونٹنی کے جانے کہاں غائب ہوگئی تھی۔

پورا محل ویران پڑا تھا۔ کوئی بشر' نہ کوئی چرند' نہ کوئی پرند۔

قامران گھومتا گھامتا محل کے ایک ایسے کمرے میں جا پہنچا جہاں ایک بہت بڑی تصویر لگی ہوئی تھی۔ اتنی بڑی کہ تصویر میں بنا گھوڑا بالکل اصلی دکھائی دے رہا تھا۔ اس گھوڑے پر ایک سوار بیٹھا تھا اور چاروں طرف ریت پھیلی ہوئی تھی۔

قامران نے جب گھڑسوار کے چہرے پر نگاہ ڈالی تو چونک اٹھا۔ گھڑسوار ہو بہو اس کی شکل کا تھا۔

قامران نے گھڑسوار کو غور سے دیکھنا شروع کیا تو ایک عجیب بات ہوئی۔

تصویر حرکت میں آگئی۔

گھوڑا ریت پر سرپٹ دوڑ رہا تھا اور دور ہوتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ ریت کا غبار ہی غبار رہ گیا۔ گھڑسوار غائب ہوگیا۔

پھر منظر بدلا۔ ریت چھٹی تو قامران نے اپنی بستی کی جھلک دیکھی۔ بستی میں جانے پہچانے چہرے نظر آرہے تھے۔ اچانک اسے اپنا گھر دکھائی دیا۔

یہ شادی کی رات کا منظر تھا۔ نیلابو اور وہ ایک پیالے سے قیمتی جڑی بوٹیوں کا رس بڑی احتیاط سے پی رہے تھے اور قامران تصویر میں دکھائی دینے والے قامران کو بڑی حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

سب کچھ ویسا ہی تھا۔ اس جھونپڑے نما مکان میں شیر کی چربی کا چراغ جل رہا تھا۔ یہ روشنی صرف آج ہی رات کے لیے تھی۔ شیر کی چربی کا حصول اتنا آسان نہ تھا۔

رس پینے کے بعد قامران نے پیالہ ایک طرف پھینکا اور نیلابو کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ نیلابو کے ہونٹ رس میں بھیگے ہوئے تھے۔ قامران نے اس کے ہونٹوں کی شیرینی چکھنے کے بعد اپنا سر اس کے سینے پر رکھ لیا۔ اس کے نرم گداز ابھاروں میں بڑی حرارت تھی۔

دھیرے دھیرے بات بڑھتی گئی۔ اسرار کھلتے گئے اور بات وہاں پہنچی جہاں کسی کو کسی کی خبر نہیں ہوتی۔

اور یہی لمحے اس کی زندگی میں زہر پھیلا گئے۔

قامران کے تصور میں بھی نہ تھا کہ اس کی شریک زندگی صحیح معنوں میں شریک زندگی ثابت نہ ہو سکے گی۔ خود بیچاری نیلابو کو بھی پتہ نہ تھا اور اسے پتہ ہوتا بھی تو کیسے؟

آزمائش کی گھڑی تو اب آئی تھی اور وہ اپنے شوہر کو خوش کرنے میں ناکام ہوگئی تھی۔

نیلابو دراصل ناعورت تھی۔

یرکان قبیلے کے رسم و رواج کے مطابق وہ صبح ہی قبیلے کے سرکردہ لوگوں کو ساری صورتحال سے آگاہ کر کے نیلابو سے چھٹکارا حاصل کر سکتا تھا۔

ایسی عورتوں کو قبیلے والے ایک لمحے کو بھی برداشت نہ کرتے تھے۔ اسے دوسرے ہی دن قبیلے کے تمام لوگوں کے سامنے تیروں سے چھید کر ختم دیا جاتا تھا اور لاش خونخوار کتوں کے حوالے کر دی جاتی تھی۔

اور اس کے شوہر کو بستی کی کسی بھی لڑکی سے شادی کی اجازت دے دی جاتی تھی بغیر سوئمبر کے۔ گویا ایسے مرد کی قسمت کھل جاتی تھی۔ اسے سوئمبر کی کڑی آزمائش سے گزرے بغیر اپنی پسند کی ایک اور لڑکی ہاتھ لگ جاتی تھی۔

اس رات نیلابو' قامران کے پیروں پر سر رکھے ساری رات روتی رہی تھی اور قامران بھیگی آنکھیں لیے جانے کیا کیا سوچتا رہا تھا۔

نیلابو اس کی محبت تھی' اس نے اسے بڑے جتن سے حاصل کیا تھا۔ اب وہ اسے خونخوار کتوں کے حوالے نہیں کر سکتا تھا لیکن یہ مسئلہ پوری زندگی کا تھا۔ پہاڑ سی زندگی' پھیکے اور بے رس رفیق کے بغیر کس طرح گزرے گی؟

یہ تھا وہ سوال جو اس قیامت کی رات دونوں کو رلاتا رہا۔

وقت سحر قامران کی آنکھ لگ گئی جبکہ نیلابو اٹھ کر جا چکی تھی۔ میٹھے پانی کے چشمے کی طرف۔

دن چڑھے نیلابو کے باپ نے قامران کو جگایا۔

''قامران اٹھو......ملکہ شاطو کے سوار باہر کھڑے ہیں۔''

''ملکہ شاطو کے سوار؟......وہ یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' قامران نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''تمہارے لیے ملکہ کا پیغام لائے ہیں۔ جلدی کرو۔'' نیلابو کے باپ کے ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے۔

''ملکہ شاطو کے سوار جب کسی کے گھر آتے ہیں تو قہر لاتے ہیں یا مہر...... یہ سوار میر لیے کیا لائے ہیں؟'' قامران نے تیر کمان سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم وہ کیوں آئے ہیں؟'' نیلابو کے باپ نے اسے راستہ دیا۔ ''سارُی اپنا رحم کرے۔''

''نیلابو کہاں ہے؟'' قامران نے چاروں طرف نگاہ دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

''وہ میٹھے چشمے کی طرف گئی ہے۔''

قامران باہر نکلا تو ملکہ شاطو کے دو سوار اس کے منتظر تھے۔ اسے باہر آتا دیکھ کر موچھوں والا سوار آگے بڑھا اور اپنی کرخت آواز میں بولا۔ ''تم قامران ہو؟''

''ہاں۔'' قامران نے انتہائی مختصر جواب دیا۔

اس بڑی موچھوں والے سوار نے پیچھے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ تب قامران نے دیکھا کہ سوار کے ساتھ ملکہ شاطو کی منہ زور گھوڑی ابلا بھی ہے جسے وہ رات زیر کر چکا تھا۔

ابلا کو دیکھ کر قامران کی آنکھوں میں چمک سی آ گئی۔ وہ اسے بڑے پیار سے دیکھنے لگا۔

دوسرا سوار اپنے گھوڑے سے اترا اور ابلا کی لگام قامران کے ہاتھوں میں دے کر پیچھے گیا۔

''ملکہ شاطو نے یہ گھوڑی تمہارے نام کر دی ہے۔'' بڑی موچھوں والا سوار کہہ رہا تھا۔ ''ا قبول کرو۔''

''میں ملکہ شاطو کا شکرگزار ہوں۔'' قامران نے ابلا کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

''ملکہ شاطو کا ایک پیغام اور بھی ہے۔''

''وہ کیا؟'' اس نے پوچھا۔

''تم جب چاہو ملکہ کے خاص سواروں میں شامل ہو سکتے ہو۔'' یہ کہہ کر وہ بڑی موچھوں ا سوار پلٹا اور گھوڑے کو ایڑ دے کر آناً فاناً ہوا ہو گیا۔ قامران دور تک ان دونوں سواروں کو جاتا د رہا۔

سامنے سے نیلابو آ رہی تھی' اس نے سواروں کو اپنے گھر سے واپس پلٹتے دیکھ لیا تھا۔ بھاگ کر قامران تک پہنچی اور اس سے لپٹ گئی۔

''کیا ہوا؟'' اس نے چڑھتی سانسوں پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔'' نیلابو کے باپ نے قامران کے کچھ بولنے سے پہلے کہا۔ ''کیا تم ابلا کو نہ دیکھ رہی ہو؟ ملکہ شاطو نے اسے قامران کو بخش دیا ہے اور ساتھ ہی ملازمت کی پیشکش کی ہے۔ ا خاص سواروں میں شمولیت کی پیشکش۔ یہ ہمارے لیے بہت بڑا اعزاز ہے۔ قامران نے اس بستی کا فخر سے بلند کر دیا ہے۔ نیلابو تم بہت خوش قسمت ہو جسے قامران جیسا شوہر نصیب ہوا۔''

اپنی خوش نصیبی کا ذکر سن کر نیلابو کو رات کی بات یاد آ گئی۔ ضبط کے باوجود اس کی آنکھو سے آنسو پھوٹ بہے۔ قامران نے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو دل مسوس کر رہ گیا۔

اس نے اشارے سے نیلابو کو اپنے قریب بلایا اور اپنی انگلی سے اس کے آنسو صاف

ہوئے بولا۔ ''رو مت۔''

''آنسو تو میری قسمت بن گئے ہیں قامران...... کیا کروں؟'' وہ روتی ہوئی گھر میں چلی گئی۔

''یہ نیلابو کو کیا ہوا؟'' نیلابو کا باپ حیران تھا۔ ''ایسے خوشی کے موقع پر بدشگونی کی باتیں۔''

قامران کیا جواب دیتا۔ اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ ہاں! سوالات ان گنت تھے۔

رات ہوئی تو نیلابو نے قامران کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں دبا کر بڑے جذباتی انداز میں کہا۔ ''قامران تم دوسری شادی کر لو۔''

''دوسری شادی کا مطلب جانتی ہو؟''

''ہاں جانتی ہوں۔ مجھے بستی والے تیروں سے ہلاک کر دیں گے اور میری لاش کتوں کے حوالے کر دی جائے گی۔ مجھے اس انجام کی کوئی پروا نہیں ہے۔ میں ہوں ہی اس قابل۔ میرے ساتھ یہی کچھ ہونا چاہیے۔''

''چپ ہو جاؤ...... نیلابو۔'' قامران نے اسے لپٹاتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہیں بستی والوں کے حوالے نہیں کر سکتا۔ میں تیروں اور کتوں کے تصور ہی سے کانپ جاتا ہوں۔ آخر تمہیں کس بات کی سزا دوں؟''

''میرے ناکارہ ہونے کی۔'' نیلابو نے کہا۔

''اس میں تمہارا کیا قصور...... یہ سب دیوتاؤں کے کام ہیں۔ تمہیں سارُی دیوتا نے ایسا ہی بنایا ہے۔ میں تم سے شدید محبت کرتا ہوں نیلابو۔ سارُی دیوتا کی قسم مجھے دوسری عورت کی ضرورت نہیں۔ ہم تم اسی طرح زندگی گزار دیں گے۔ تم پریشان مت ہو۔'' قامران نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''میرے ساتھ رہ کر تم جیتے جی مر جاؤ گے قامران۔'' نیلابو فکرمند تھی۔

''تم نہ رہیں...... تب بھی میں مر جاؤں گا۔ مجھے تمہاری جدائی برداشت نہیں......'' قامران بولا۔

''جذباتی نہ بنو...... ذرا سوچو' کچھ عقل سے کام لو۔'' پر ہوش تھا کہاں؟

''سب سوچ لیا ہے' سب سمجھ لیا ہے۔'' شاید تھا۔

''تم مرد ہو۔'' معلوم نہیں یہ سوال تھا یا جواب۔

''ہاں' میں مرد ہوں۔'' قامران نے اپنے مرد ہونے کی تصدیق کی۔

''آج نہیں تو کل' کل نہیں تو پرسوں...... اپنے کیے پر پچھتاؤ گے۔'' اسے ڈرایا گیا۔

''میں بغیر پچھتائے تمہارے ساتھ صدیاں گزار سکتا ہوں۔'' ایثار کی بات چلی تو کہاں تک پہنچی۔

''یہ صرف خیال ہے۔ مرد میں ضبطِ نفس کم ہوتا ہے۔ یہ فطری بات ہے۔ سال دو سال ممکن ہے تم عورت کے بغیر گزار لو لیکن پوری زندگی نہیں۔''

''نیلابو تمہیں مجھ سے کتنی محبت ہے؟'' سیدھا سیدھا سوال ہوا۔

''اتنی کہ اگر تمہاری جگہ کوئی اور سوئمبر جیت لیتا تو میں زہریلا تیر اپنے دل میں پیوست کر لیتی۔''

''اگر آج تمہاری جگہ میں ناکارہ نکل آتا تو......''

''پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ میں پوری زندگی تمہارے ساتھ گزار دیتی۔ عورت میں بڑا ضبط ہوتا ہے قامران۔ اسے اگر اپنے شوہر کی سچی محبت مل جائے تو پھر دنیا کا کوئی مرد اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وہ مٹنا پسند کرتی ہے لیکن اپنے شوہر کا نام مٹانا پسند نہیں کرتی۔''

''مرد مرد اور عورت عورت میں فرق ہوتا ہے۔'' قامران نے کہا۔ ''دنیا کی ہر عورت اور ہر مرد یکساں نہیں ہوتا۔ میں سارئی دیوتا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں زندگی بھر کسی دوسری عورت کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھوں تو دیوتا کا عذاب مجھ پر نازل ہو جائے۔ میں مر جاؤں۔''

''قامران۔'' نیلابو بے قابو ہو کر چیخی۔ ''یہ تم نے کیا کیا۔ تم نے سارئی دیوتا کی قسم کیوں کھا لی؟ تم نے خود کو جیتے جی مار لیا۔''

''میں نے یہ قسم اس لیے کھائی ہے کہ......''

''تم نے بہت برا کیا قامران...... تم نے میرا دکھ اور بڑھا دیا۔ میں تمہاری زندگی خراب کرنا نہیں چاہتی تھی۔ تم نے مجھے غلط سمجھا۔ میری خواہش تو یہ تھی کہ تم مجھے موت کے حوالے کر کے دوسری شادی کر لیتے لیکن تم نے سارئی دیوتا کی قسم کھا کر سارے راستے بند کر دیئے۔ میں نے سوچا تھا کہ ......''

''نیلابو...... اب چھوڑو ان باتوں کو اور مجھ سے وعدہ کرو کہ آئندہ تم مجھ سے کبھی جدا ہونے کی باتیں نہیں کرو گی۔''

''سارئی دیوتا کی قسم...... اب میں کبھی دوسری شادی کا ذکر نہیں کروں گی۔ اگر کروں تو دیوتا کا عذاب مجھ پر نازل ہو۔ میں زندہ نہ رہوں۔''

''شاباش...... میری نیلابو۔'' قامران نے بے اختیار اسے چوم لیا۔

پھر اس دن کے بعد اس موضوع پر کبھی کوئی بات نہ ہوئی۔

زندگی اپنے محور میں تیزی سے گردش کرتی رہی۔ رات دن بدلتے رہے۔ موسم آتے جاتے رہے۔ اسی طرح کئی سال بیت گئے۔ قامران کے پیار میں کوئی کمی نہ آئی۔ نیلابو نے تو خیر ایسے پیارے انسان پر مرمٹنے کی قسم کھا رکھی تھی۔

دونوں خوش تھے۔ بستی والوں کی نظر میں وہ بڑا خوش و خرم جوڑا تھا۔ لوگ ان کی محبت کی قسمیں کھاتے تھے۔

رات کو نیلابو کبھی کبھی قامران کو کروٹ بدلتے دیکھتی تو اس کے دل میں ایک ٹیس سی اٹھتی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ کیسی بدنصیبی تھی یہ' کیسا ظلم تھا۔ اب تو نیلابو اپنے دکھ کا اظہار بھی نہ کر سکتی تھی۔

قامران نے اس کی آنکھوں سے آنسو لڑھکتے دیکھے تو اسے پہلی بار احساس ہوا کہ وہ خواہ مخواہ خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ اس نے نیلابو کا دکھ بانٹ لیا ہے۔ اسے روتے دیکھ کر وہ بے اختیار اس کی طرف بڑھا لیکن اس کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی تصویر دھندلا گئی۔

اب اس نے پھر سے ریت اڑتی ہوئی دیکھی اور اس میں سے اس کا ہم شکل گھڑ سوار نکلا اور

یب آ کر رک گیا۔ اب تصویر پہلے کی طرح ساکت ہو چکی تھی اور وہ حیرانی سے اس گھڑ سوار کو تک رہا تھا۔

پھر اس نے آگے بڑھ کر اس تصویر کو چھو کر دیکھا۔ وہ تصویر ہی تھی۔ اس میں کہیں سے بھی رکت کے آثار نظر نہ آئے۔ پھر اس نے ابھی جو اپنی زندگی کے اہم واقعات کو پردے پر جیتے جاگتے یکھا تھا' وہ سب کیا تھا؟

کیا اس نے جاگتے میں خواب دیکھا تھا؟ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

تب ہی کسی نے پشت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ پہلی بار اس نے خوف محسوس کیا۔ وہ الٹے پاؤں کمرے سے نکلا اور تیزی سے دروازے کی طرف ھاگا۔

دروازہ بدستور بند تھا۔

اس نے دروازے کو زور لگا کر کھولنا چاہا لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

''دروازہ کھولو' دروازہ کھولو۔'' اس نے چیخ کر کہا۔

محل میں اس کی آواز گونج گئی۔ بڑی دیر تک ''دروازہ کھولو' دروازہ کھولو'' کی آوازیں ازگشت کرتی رہیں۔ یہ آوازیں قامران کی نہ تھیں۔ یہ آوازیں بڑی باریک سی تھیں۔ جیسے کوئی بچہ قامران کی نقل اتار رہا ہو۔

''دروازہ کھولو۔'' ایک دفعہ اس نے پھر زور سے کہا۔

جواب میں پھر بچے کی آواز گونجی۔ ''دروازہ کھولو۔''

اس نے چاروں طرف گھوم کر دیکھا' کچھ نظر نہ آیا۔

''یہاں کون ہے؟'' قامران نے ذرا جی کڑا کر کے کہا۔

جواب میں پہلے بچگانہ قہقہہ گونجا۔ پھر ''یہاں کون ہے؟ یہاں کون ہے؟'' کی آوازیں آنے لگیں۔

چند لمحوں بعد خاموشی چھا گئی۔ ایسی خاموشی کہ قامران اپنے دل کی دھڑکن تک سن سکتا تھا۔

پھر کہیں سے ''کھٹ کھٹ'' کی آوازیں آنے لگیں۔ جیسے کوئی لاٹھی ٹیکتا ہوا دروازے کی طرف آ رہا ہو۔

کھٹ کھٹ کی آواز لمحہ بہ لمحہ نزدیک ہوتی جا رہی تھی۔ قامران نے ایک ستون کی آڑ لے لی تھی اور آنکھیں پھاڑ کر ادھر دیکھ رہا تھا جہاں سے آواز آ رہی تھی۔

قامران نے دیکھا کہ ایک کالی بھجنگ بڑھیا جس کے چار ہاتھ تھے' گز بھر لمبی زبان جو یٹ تک آ رہی تھی' ہاتھ میں لاٹھی تھامے چلی آ رہی ہے۔

وہ اس کے قریب سے گزرتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے قریب سے گزرتے ہی قامران نے اپنا سانس روک لیا اور کس کر ناک پکڑ لی۔ پھر بھی بدبو کا ایک سخت بھبکا اس کے پھیپھڑے میں اتر گیا۔

وہ چار ہاتھ والی بڑھیا آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دروازے کے نزدیک پہنچی اور ..وازہ کھو...

بنا ہی دروازے میں سے گزر گئی جیسے وہ دھوئیں کی بنی ہوئی ہو۔

قامران حیرت زدہ رہ گیا۔

ابھی اس کی حیرت کم نہ ہوئی تھی کہ دروازے میں سے ایک سقہ آتا دکھائی دیا۔ وہ بھی بڑھیا کی طرح دروازہ کھولے بغیر مع مشک کے اس طرح اندر داخل ہو گیا تھا جیسے دروازہ لکڑی کا روئی کا ہو۔

اس سقے کی صورت بڑی بھیانک تھی۔ اس کے ناک اور کان نہ تھے۔ ناک' کان کی صرف سوراخ تھے۔ کمر پر چمڑے کی ایک بڑی سی مشک بھری ہوئی تھی اور مشک کا منہ اس نے ایک میں تھاما ہوا تھا اور مشک سے جو چیز بوند بوند ٹپکتی جا رہی تھی' وہ پانی نہ تھا......سرخ سرخ خون تھا۔

قامران لرز اٹھا......وہ سقہ خون کی بوندیں ٹپکاتا اس کے نزدیک سے گزر گیا۔

وہ ابھی ستون کی اوٹ سے باہر نکلنے کی سوچ ہی رہا تھا کہ بھاری قدموں کی آوازیں آنے لگیں۔ جیسے بہت سے آدمی دروازے کی طرف آ رہے ہوں۔ وہ پھر سے ستون کی آڑ میں چلا آنے والے دو بھاری بدن کے مرد تھے۔ ناک اور کان ان کے بھی نہ تھے۔ دروازے کے نزدیک کر وہ دونوں رک گئے اور نامانوس سی آواز میں انہوں نے کچھ کہا۔ دروازہ فوراً ہی کھل گیا۔ وہ مرد ٹہلتے ہوئے باہر نکل گئے۔

قامران نے موقع غنیمت جانا۔ دروازہ ابھی کھلا ہوا تھا۔ اس نے بھاگ کر دروازے نکل جانا چاہا لیکن وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکا۔ اس نے محسوس کیا جیسے اس کے ہاتھ ستون سے گئے ہوں اور پاؤں زمین نے پکڑ لیے ہوں۔

اس نے لاکھ کوشش کی' زور لگایا مگر وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہو سکا۔

دروازہ زوردار آواز کے ساتھ خودبخود بند ہو رہا تھا اور قامران بڑی حسرت سے بند ہو دروازے کو تک رہا تھا۔ یہاں تک کہ دروازہ مکمل بند ہو گیا۔

ادھر دروازہ بند ہوا' ادھر قامران کے ہاتھ پاؤں آزاد ہو گئے۔ وہ تڑپ کر دروازے طرف بھاگا مگر بے سود۔ دروازہ سختی سے بند تھا اور اب سر پٹکنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

ابھی وہ دروازے پر مایوسی سے ہاتھ ہی پھیر رہا تھا کہ اس کے کانوں میں گھنٹیوں آوازیں آنے لگیں۔ گھنٹیوں کی آوازیں جیسے جیسے نزدیک ہوتی جا رہی تھیں' کنوارے بدن کی خوشبو جا رہی تھی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا لیکن کچھ نظر نہ آیا۔ البتہ گھنٹیوں کی آواز بالکل نزدیک آ کر ختم گئی تھی۔

"چاندکا!" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

جواب میں صرف مترنم ہنسی سنائی دی۔

"چاندکا......یہ تم ہو؟"

"ہاں! یہ میں ہوں۔"

"تم کہاں ہو چاندکا!"

"میں یہاں ہوں قامران۔"

قامران کو ایک ستون کے پیچھے کالا لبادہ لہراتا نظر آیا۔ وہ بے اختیار اس کی طرف لپکا۔ فوراً ہی کسی چیز سے ٹکرایا اور اوندھے منہ نیچے جا گرا۔

گھنٹیاں بجنے کی آواز آئی صرف ایک لمحہ کو۔ غالباً وہ اونٹنی سے ٹکرا کر نیچے گرا تھا جو اسے دکھائی نہیں دے رہی تھی لیکن موجود تھی وہاں۔

"ذرا سنبھل کر۔" چاندکا کی ہنستی مسکراتی آواز آئی۔

"کیا خاک سنبھل کر۔" قامران نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "مجھے کچھ دکھائی دے تو سنبھلوں بھی۔"

"اوہ! مجھے خیال نہیں رہا......اب دیکھو۔"

قامران کو اچانک ہی وہ اونٹنی دکھائی دینے لگی جو اس کے قریب ہی بیٹھی بڑے آرام سے جگالی میں مصروف تھی۔

"اب تم بھی دکھائی دے دو......چاندکا!" فرمائش کی گئی۔

"میں چاندکا ہوں......کوئی چاند تو نہیں کہ مجھے دیکھ کر کسی جشن کی تیاری کرو۔" انداز دکھایا گیا۔

"عورت بھی چاند کی طرح ہوتی ہے۔ حسین اور سکون پہنچانے والی اور چاند کے چہرے پر کوئی نقاب نہیں ہوتا' پھر تمہارے چہرے پر نقاب کیوں ہو؟"

"بہت خوب......شاعری بھی آتی ہے تمہیں۔"

"آتی تو نہیں......تمہیں دیکھنے کی خواہش کہیں شاعر نہ بنا دے۔"

"قامران کیا تم بھول گئے کہ تم نے نیلابو کے سوا کسی اور عورت کو نہ دیکھنے کی قسم کھا رکھی ہے؟"

"چاندکا......تم بہت تیز ہو۔ تم نے میری قسم کو کیا معنی پہنا دیئے۔ حالانکہ میں نے جو قسم کھائی ہے' اس کا مطلب......"

"میں سارے مطلب جانتی ہوں۔ اتنی بدھو نہیں قامران۔" وہ زور سے ہنسی۔

"چاندکا......یہ تو بتاؤ کہ تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہوا؟"

"تم نام کی بات کرتے ہو......میں تمہاری زندگی کے ایک ایک لمحے سے واقف ہوں اور اس بات پر قدرت رکھتی ہوں کہ جب چاہوں تمہیں بیتی ہوئی زندگی کے واقعات زندہ کر کے دکھا دوں۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو......تمہاری اس قدرت کا عملی مظاہرہ میں تصویر والے کمرے میں دیکھ چکا ہوں۔"

"ابھی تم نے کچھ نہیں دیکھا......ذرا آنکھیں بند کرو۔"

"یہ لو۔" قامران نے آنکھیں بند کر لیں۔

آنکھیں بند کرتے ہی قامران نے ایک لمحے کے لیے ایسا محسوس کیا جیسے کسی نے اسے پکڑ کر گھما دیا ہو۔

"اب آنکھیں کھول سکتے ہو۔" چاندکا کی آواز آئی۔

"اچھا۔" قامران نے آنکھیں کھولیں تو دیکھتا ہی رہ گیا۔

وہ کسی شاہی خوابگاہ میں کھڑا تھا۔ بھینی بھینی خوشبو فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ مہین پردے ہوا کے زور پر دھیرے دھیرے سراسر رہے تھے۔ منقش چھت میں ایک منقش فانوس لگا ہوا تھا۔ خوابگاہ کے درمیان میں ایک بہت بڑا چھپر کھٹ بچھا ہوا تھا اور اس پر نرم ملائم بستر تھا۔ خوابگاہ میں ایک لطیف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔

"کہو' کمرہ پسند آیا؟" چاندکا کسی پردے کے پیچھے چھپی بولی۔

"بہت حسین......ایسی خوابگاہ کا تو میں خواب میں بھی تصور نہیں کر سکتا تھا۔"

"اب کچھ دیر آرام کرو۔ تم نے تپتی ریت پر کئی دن گزارے ہیں۔"

تپتی ریت کا ذکر سن کر اس کا جسم نڈھال سا ہو گیا۔ وہ فوراً چھپر کھٹ پر لیٹ گیا اور لیٹتے ہی نیند کی دیوی نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ وہ کافی دیر تک بڑے آرام سے سوتا رہا' اپنے گرد و پیش کے ماحول سے بے خبر۔

قامران کو اس دوشیزہ کا بھی پتہ نہ چلا جو دبے پاؤں چھپر کھٹ کی طرف بڑھتی اب اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کے نازک ہاتھ میں ایک نازک سا چاندی کا بنا گل پاش تھا جس میں گلاب کی نرم ملائم پتیوں کا عرق بھرا ہوا تھا۔ دوشیزہ نے گل پاش کو ایک ادا سے حرکت دی۔ چند قطرے نکل کر قامران کی آنکھوں اور رخساروں پر پڑے۔ قامران گہری نیند میں تھا' اسے پتہ نہ چلا۔

دوشیزہ تھوڑا سا آگے اور بڑھی اور گل پاش سے تیزی سے گلوں کی مہک قامران کے چہرے پر منتقل ہونے لگی۔ یہاں تک کہ قامران کے جسم میں جنبش ہوئی اور اس نے کسمسا کر آنکھیں کھول دیں۔

بھاری فانوس کی روشنی میں جب ایک زرق برق دوشیزہ کو کھڑا پایا تو نیند کا خمار یکدم ہوا ہو گیا۔ وہ تیر کی طرح سیدھا ہو گیا۔

"تم چاندکا ہو؟"

"نہیں......چاندکا بہت عظیم ہے......ہم تو اس کی خاک ہیں۔ اس کی باندیاں ہیں۔" دوشیزہ نے لب کھولے۔

قامران نے سوچا کہ جب چاندکا کی باندیوں کا یہ عالم ہے کہ ان پر نظر نہیں ٹھہرتی تو پھر چاندکا کا کیا عالم ہو گا؟ جانے کب اس کے دیدار ہوں گے؟ ایک خواہش مچلی اور ہوا میں تحلیل ہو گئی۔

قامران غسل کر کے حمام سے باہر نکلا تو پانچ باندیوں نے اسے زرق برق پوشاک پہنانے میں مدد کی۔ وہ لباس سے زیادہ ان باندیوں کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ پانچوں ہم شکل تھیں۔ ان میں بال برابر بھی فرق نہ تھا۔ قامران کو جب لباس پہنا کر آئینے کے سامنے کھڑا کیا گیا تو وہ خود کو شہزادے سے کم دکھائی نہ دیا۔

باندیوں نے قامران کو کھانا کھلا کر اس کا لباس پھر تبدیل کیا اور اسے خوابگاہ میں چھوڑ گئیں۔

پھر ایک باندی ساز اٹھا لائی اور اس کے قریب بیٹھ کر ساز چھیڑنے لگی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا' مترنم موسیقی

اور لذیذ کھانے کے نشے نے ایک بار پھر اس کے ہوش گم کر دیئے۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو سحر ہو چکی تھی۔

آنکھ کھلتے ہی اس نے اپنے چہرے پر بدبودار تنفس محسوس کیا۔ وہ بھاری بھرکم وجود اس کے سرہانے بیٹھا' اس کے چہرے پر جھکا ہوا تھا اور اس کے حلق سے خرخر کی آوازیں نکل رہی تھیں۔

قامران نے جب اوپر نظریں اٹھائیں تو لرز کر رہ گیا۔

اس کے سرہانے ایک خونخوار ریچھ بیٹھا تھا۔

☆......☆......☆

سفید محل کی پراسراریت نے قامران کو بوکھلا کر رکھ دیا۔ یہاں ہر گھڑی منظر تبدیل ہوتا تھا۔ کس وقت کیا ہو جائے' کچھ پتہ نہ تھا۔ وہ اچھا خاصا کھانا کھا کر سویا تھا اور اٹھتے ہی اسے توقع تھی' کوئی نہ کوئی باندی اسے سرہانے بیٹھی ملے گی لیکن یہاں تو بازی ہی الٹ گئی تھی۔ وہ کالا بھیانک ریچھ اس کے سرہانے بیٹھا اپنی تھوتھنی نیچے کیے قامران کو تک رہا تھا۔ قامران بے حس و حرکت لیٹا تھا۔ اس نے آنکھیں بھی بند کر لی تھیں اور آنے والے وقت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ بس کچھ ہی لمحوں کی بات تھی۔ جب ریچھ اپنے بڑے بڑے ناخنوں والا پنجہ قامران کے چہرے میں گاڑ کر اس کا چہرہ ادھیڑنے والا تھا۔ صورتحال اتنی سنگین تھی کہ وہ کسی کو مدد کے لیے بھی نہیں پکار سکتا تھا کیونکہ ذرا سی حرکت ریچھ کو حملے کے لیے اکسا سکتی تھی۔

چند لمحوں بعد ریچھ نے حرکت کی' وہ سرہانے سے اٹھا اور اس کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ اس کے بوجھ سے قامران کو اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا۔ یہ بھی اچھا تھا کہ ریچھ کا رخ اس مرتبہ قامران کی طرف نہ تھا۔ فی الحال اسے اس کے بدبودار سانس سے نجات مل گئی تھی اور اب وہ کچھ سوچنے کے قابل ہو گیا تھا۔

اتنے میں دروازے سے ایک باندی داخل ہوئی اور قامران کے سینے پر ریچھ کو سوار دیکھ کر الٹے قدموں واپس ہو گئی۔ قامران نے وقت نہ ضائع کرتے ہوئے ریچھ کو ہلکا سا دھکا دیا۔ پھرتی سے اٹھا اور ریچھ کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اس کی گردن دبوچنی چاہی لیکن ہاتھ اوچھا پڑا اور بھاری بھرکم خونخوار ریچھ اس کی گرفت سے نکل گیا۔

اب وہ دونوں چھپر کھٹ سے اتر آئے تھے اور ایک دوسرے کے مقابل کھڑے تھے۔ قامران نے بڑی تیزی سے خوابگاہ کا جائزہ لیا مگر اسے کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی جس سے وہ اپنا بچاؤ کر سکتا۔

اس وقت اسے تیر کمان کی اشد ضرورت تھی۔ تیر کمان کی جگہ اگر کوئی خنجر ہاتھ لگ جاتا تب بھی کام بن سکتا تھا۔

ریچھ اچانک ہی غراتا ہوا اس پر حملہ آور ہوا۔ وہ دونوں گتھم گتھا ہوتے ہوئے زمین پر آ رہے۔

''چلاکو'' ایک زوردار آواز خوابگاہ میں گونجی۔

ریچھ نے فوراً ہی قامران کو چھوڑ دیا اور اچھلتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا جہاں بغیر ناک کان والا ایک لحیم شحیم آدمی کھڑا تھا۔ ریچھ اس کے قریب پہنچ کر اس کے سامنے مودبانہ بیٹھ گیا۔

''چلاکو کے بچے تو نے یہاں آنے کی جرات کیسے کی؟'' بغیر ناک کان والا آدمی دھاڑا۔ اس نے ذرا پیچھے ہٹ کر ریچھ کی کمر میں زوردار لات جمائی اور کہا۔ ''چل بھاگ۔''

ریچھ لات کھا کر سر جھکائے دروازے سے نکل گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے وہ بھیانک آدمی بھی چلا گیا۔

قامران نے کھڑے ہو کر اپنے کپڑوں کا جائزہ لیا۔ اس گتھم گتھا میں سینے پر سے اس کا لباس پھٹ گیا تھا اور اس کے سینے پر ہلکی ہلکی خراشیں آ گئی تھیں۔

ابھی قامران اپنی خراشوں کا جائزہ ہی لے رہا تھا کہ پانچوں باندیاں ایک ساتھ جلوہ گر ہوئیں۔

''ہم معافی چاہتے ہیں۔'' ایک باندی نے اپنے سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر معافی مانگی۔ ''آپ کو چلاکو کی وجہ سے زحمت اٹھانی پڑی۔''

''اس ریچھ کے بچے نے تو مجھے مار ہی دیا تھا'' قامران نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''یہ کمبخت خوابگاہ میں کہاں سے آ نکلا۔''

''وہ آپ کو جو کچھ نظر آ رہا تھا.....وہ نہ تھا'' ایک باندی گویا ہوئی۔

''وہ ریچھ نہیں تھا تو پھر کیا تھا؟'' قامران نے حیرت سے کہا۔

''اس سے زیادہ بتانے کی ہمیں اجازت نہیں'' باندی نے بڑے مودبانہ لہجے میں کہا۔ ''مقدس چاند کاہن اس پر روشنی ڈال سکتی ہیں۔''

''یہ محترمہ اس وقت ہیں کہاں؟''

''ہم نہیں جانتے۔''

''پھر آپ جانتی کیا ہیں؟''

''ہم یہ جانتے ہیں کہ چلاکو کی وجہ سے آپ کے سینے پر جو خراشیں آئی ہیں' اس کی مرہم پٹی کی جائے۔ اگر غسل کی خواہش ہو تو غسل کا اہتمام کیا جائے' پھر آپ کا لباس تبدیل ہو اور آپ کو ناشتے کے لیے لے جایا جائے اور ہر طرح سے آپ کے آرام کا خیال رکھا جائے۔'' ایک باندی نے اپنے اختیارات کی حدود بیان کیں۔

''پھر شروع ہو جائیں' انتظار کس بات کا؟''

ایک باندی فوراً ہی ایک تسلے میں پیلے رنگ کا پانی سا لے آئی۔ دوسری نے قامران کو کمر تک ننگا کر دیا۔ تیسری نے اس پانی میں روئی بھگوئی اور نچوڑ کر چوتھی کو دی۔ پانچویں نے اسے چھپر کھٹ پر لٹایا اور پیچھے ہٹ گئی۔

چوتھی باندی نے جس کے ہاتھ میں روئی کا پھاہا تھا' قامران کے سینے پر پھیرنے لگی۔ سینے پر پانی لگتے ہی خراشوں کی جلن ختم ہو گئی اور اسے بے حد سکون محسوس ہوا۔

یہ عمل تین بار دہرایا گیا۔

''اب دیکھیے۔'' ایک باندی نے کہا۔

قامران نے جب اپنے سینے پر نظر ڈالی تو حیران رہ گیا۔ سینے پر سرے سے کسی خراش کا

نشان نہ تھا۔

''کمال کیا بھئی۔''

''اب غسل کے لیے تشریف لے چلیے۔'' باندی کے اشارے پر قامران اٹھ گیا۔

حمام کی دیواریں' چھت اور فرش اتنے چمکدار تھے کہ اس میں اپنا عکس بآسانی دیکھا جا سکتا تھا۔ قامران نے جدھر بھی نظر ڈالی' خود کو کھڑا پایا۔

چند لمحوں میں حمام خوشگوار دھند سے بھر گیا۔ یہ بھاپ چھت کے سوراخ سے نکل کر مو دھار کی صورت میں قامران کے سر پر گر رہی تھی اور وہاں سے پھسل رہی تھی۔ باندیوں کے نرم ملائم ہاتھ اس کے جسم پر ادھر ادھر ہر جگہ پھسل رہے تھے اور اس کے جسم سے تھکن دور ہوتی جا رہی تھی۔

جب اسے بھاپ کے غسل سے باہر نکالا گیا تو اس کا جی باہر نکلنے کو نہ چاہا۔ اس غسل نے اس کے جسم کو پھولوں کی طرح ہلکا پھلکا کر دیا تھا۔ غسل کے بعد اس کی بھوک اچانک چمک اٹھی باندیاں ابھی اس کے بناؤ سنگار میں ہی لگی ہوئی تھیں اور بھوک نے اسے بے حال کر دیا تھا۔

''اب کچھ کھانے پینے کی بات کیوں نہ ہو جائے۔'' آخر اس سے رہا نہ گیا۔

''ضرور۔'' ایک باندی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''چلیے۔''

ناشتے کے بعد باندیاں ساتھ احترام کے اس کو خوابگاہ میں چھوڑ گئیں۔ ناشتہ بڑا پرتکلف تھا۔ دسترخوان پر قسم قسم کی چیزیں موجود تھیں اور ایسی لذیذ کہ چھوڑنے کو دل نہ چاہتا تھا۔ وہ بادل نخواستہ اٹھا اور چھپر کھٹ کی پشت پر کئی نرم ملائم تکیے لگا کر آرام سے بیٹھ گیا۔

خوابگاہ کے پرکشش ماحول سے اس کا ذہن تپتے ریگزاروں کی طرف منتقل ہو گیا۔ اسے صحرائے سرخ یاد آیا جہاں ملکہ شاطو کے سواروں نے اسے ریت کی صلیب پر چڑھا دیا تھا۔

ملکہ شاطو سوچتی ہوگی کہ اس نے' اسے صحرائے سرخ کے حوالے کر کے اذیت ناک موت سے دوچار کر دیا ہے۔ اسے کیا معلوم کہ وہ اس وقت صحرائے سرخ کے گدھوں سے محفوظ کسی شاہی خوابگاہ میں آرام فرما ہے اور بہت جلد غربان پہنچ کر اس سے دو دو ہاتھ کرنے کی سوچ رہا ہے۔ ملکہ شاطو نے اگرچہ اسے اپنے سواروں کی صف میں شامل کرنے کی پیشکش کر دی تھی۔ اس پیشکش پر نیلابو اور اس کا باپ بہت خوش تھا مگر قامران نے ملکہ شاطو کی ملازمت کو اپنے تیر کی نوک پر رکھ دیا تھا۔ ایک تو ملکہ شاطو اور اس کے سواروں کی شہرت اچھی نہ تھی' آئے دن وہ ان کے ظلم کے قصے سنا کرتا تھا۔ بستی کے لوگ ان کی شکلیں دیکھ کر نفرت اور خوف سے اپنی گردنیں موڑ لیا کرتے تھے۔ دوسرے یہ ملازمت ہمہ وقتی تھی۔ چوبیس گھنٹے ملکہ شاطو کی خدمت میں حاضر رہنا تھا۔ قامران ایک آزاد منش نوجوان تھا۔ چوبیس گھنٹے کی پابندی اس سے کسی طرح ممکن نہ تھی۔ پھر ظالموں میں شامل ہو کر وہ خود بھی ظلم کی صورت نہیں بننا چاہتا تھا' لہٰذا اس نے ملکہ شاطو کی ملازمت کو قابل توجہ نہ سمجھا لیکن عقلمندی یہ کی کہ انکار بھی نہ کیا۔ ادھر ملکہ شاطو بھی جیسے پیشکش کر کے بھول گئی۔

اس طرح تین چار سال بیت گئے۔

ایک دن قامران صبح تڑکے ہی ابلا کی پیٹھ پر سوار ہو کر مغرب کی طرف نکل گیا۔ بہت دن سے وہ لمبی سیر کو نہیں نکلا تھا۔ آج اس کا ارادہ سورج چڑھنے سے پہلے ٹھنڈی ہوا کھانے کا تھا۔ اگر

راستے میں کوئی شکار ہاتھ لگ گیا تو اس پر بھی ہاتھ صاف کرتا چلے گا۔

وہ قاتل گھوڑی جس نے یرکان قبیلے کے کئی نوجوانوں کو موت کی گھاٹ اتار دیا تھا اور جس کی منہ زوری کے قصے پورے غربان میں پھیلے ہوئے تھے' قامران کی ایسی مطیع ہوئی تھی کہ لوگ اسے دیکھ کر حیران رہ جاتے تھے کہ یہ وہی ابلا ہے' جس کے پیچھے پر ہاتھ رکھنا بھی جان جوکھوں کا کام تھا۔

ابلا قامران کی رانوں میں دبی اس کے ہر اشارے کی تعمیل کرتی اڑی چلی جا رہی تھی۔

قامران بستی سے بہت دور نکل آیا تھا۔ اسے اب پیاس محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ چشمے کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹک رہا تھا کہ دور سے اس نے ایک جگہ کچھ پرندوں کو اڑتے دیکھا۔ ابلا کو ایڑ لگا کر جب وہ وہاں پہنچا تو گوہر مقصود اس کے سامنے تھا۔ چشمہ بھی اور پرندوں کا شکار بھی۔

اس نے اپنے تیروں سے کئی پرندے گھائل کیے۔ گھاس پھوس اکٹھا کر کے' پتھر پر پتھر رگڑ کر آگ جلائی اور انہیں بھوننے لگا۔ دو پرندے ہضم کر کے اس نے چشمے کا ٹھنڈا پانی پیا اور لمبی ڈکار لیتا ہوا ابلا کی طرف بڑھا۔ اسے پانی پلا کر اس کے چارے کا انتظام کیا اور اپنے قریب ہی ابلا کو ایک درخت سے باندھ کر خود لیٹ گیا تا کہ تھوڑا سا ستا لے۔

لیٹتے ہوئے اس نے تیر کمان داہنے ہاتھ کے نیچے رکھ لی۔ یہ خطرناک علاقہ تھا' درندوں سے پُر کسی بھی وقت تیر چلانے کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔

اور پھر وہی ہوا' اس کی احتیاط کام آ گئی۔ اسے لیٹے ہوئے ابھی چند لمحے ہی گزرے تھے کہ اس کی چھٹی حس نے کسی درندے کی آمد کی اطلاع دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک چیتے نے سامنے سے سر ابھارا اور اس پر چھلانگ لگا دی۔

قامران نے بڑی برق رفتاری سے تیر کمان سنبھالی' خود کو بچا کر چیتے پر تیر چلایا جو سیدھا اس کے پیٹ میں اتر گیا۔ قامران نے ایک تیر اور چلایا جو اس کی پچھلی ٹانگوں میں پیوست ہو گیا۔ تیروں کی بوچھاڑ نے چیتے کو بوکھلا دیا۔ اسے اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ وہ تیزی سے چھلانگیں لگاتا سیدھا نکل گیا۔

قامران کو اس بات کا پکا یقین تھا کہ چیتا اسکے دونوں تیروں کی تاب نہ لا سکے گا اور ہوا اور بھی یہی۔ جب وہ ابلا کی پیٹھ پر سوار ہو کر چیتے کا پیچھا کرنے نکلا تو اسے زیادہ دور نہیں جانا پڑا۔ ایک بڑے سے پتھر پر اسے چیتا پڑا ہوا مل گیا۔ وہ دم توڑ چکا تھا۔ قامران نے جلدی جلدی اس کے جسم سے اپنے تیر کھینچے۔ اس کی پیٹھ پر قامران کے تیروں کے علاوہ ایک سنہرا تیر بھی پیوست تھا اور یہ سنہرا تیر اسے مشکل میں پھنسا سکتا تھا۔ اس لیے اس نے سوچا کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے' یہاں سے نکل جائے۔

یہ سوچ کر قامران اٹھا اور وہ ابھی ابلا پر سوار ہونے ہی والا تھا کہ کسی نے للکارا۔

''ٹھہرو۔'' ایک کرخت آواز پورے علاقے میں گونج کر رہ گئی۔

وہ رک گیا۔ رکنے کے علاوہ اب کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ ملکہ شاطو کے سواروں نے اسے گھیرے میں لے لیا تھا۔ ملکہ شاطو کے سواروں کو دیکھ کر ابلا بڑے زور سے ہنہنائی اور اپنے اگلے پاؤں پر کھڑی ہو گئی۔ قامران نے اس کی گردن پر تھپکی دی۔ تب وہ ذرا قابو میں آئی اور آرام سے کھڑی ہو گئی۔

"یہ گھوڑی تمہاری ہے؟" ایک سوار نے پوچھا۔
"ہاں میری ہے' ملکہ شاطو کی بخشش۔" قامران نے نرمی سے کہا۔
"پھر تم قامران ہو؟" اسے پہچاننے کی کوشش کی گئی۔
"تم نے ٹھیک پہچانا۔" قامران نے ابلا پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔
"اس گھوڑی نے فی الحال تمہاری جان بچالی ہے۔ اگر یہ تمہارے پاس نہ ہوتی تو اب تک تمہارے جسم میں کئی تیر پار ہو چکے ہوتے...... کیا تم جانتے ہو کیوں؟"
"میں نے ملکہ شاطو کے شکار پر تیر چلایا ہے۔" قامران نے فوراً اپنا قصور مان لیا۔ "لیکن ملکہ شاطو کی قسم! ایسا نادانستہ طور پر ہوا ہے۔ اس چیتے نے مجھ پر اچانک حملہ کر دیا تھا۔ میں اس کی پیٹھ میں لگے ملکہ شاطو کے سنہرے تیر کو نہیں دیکھ سکا ورنہ میں اپنی جان پر کھیل جاتا لیکن ملکہ شاطو کے شکار پر ہاتھ نہ ڈالتا۔"
"اب اس کا فیصلہ ملکہ شاطو خود کرے گی' تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔" فیصلہ سنایا گیا۔
"میں تیار ہوں۔" قامران نے کہا۔ "کیا میں گھوڑی پر سوار ہو سکتا ہوں؟"
"نہیں...... تم قیدی ہو اور قیدی پیدل چلا کرتے ہیں۔" سختی سے کہا گیا۔ "اور یہ اپنی تیر کمان بھی ہمارے حوالے کر دو۔"
قامران نے بغیر حیل و حجت کے تیر کمان اور ترکش ان کے سپرد کر دیے۔
پڑاؤ پر پہنچتے پہنچتے دوپہر ہو گئی۔ ملکہ شاطو کو ایک سوار نے پہلے پہنچ کر ساری صورتحال سے آگاہ کر دیا تھا۔ وہ اپنے خیمے میں قامران کی منتظر تھی۔
کچھ ہی دیر میں اس کے سامنے ایک ایسا نوجوان پیش ہونے والا تھا جس نے اس کی منہ زور گھوڑی کو زیر کیا تھا اور اس کی ملازمت کی پیشکش کو قابل توجہ نہ سمجھا تھا اور اب اس کے شکار پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔ وہ اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچے بڑی بے چینی سے خیمے میں ٹہل رہی تھی۔
تھوڑی دیر بعد خیمے کا پردہ ہٹا' دو سوار اندر داخل ہوئے اور بڑے مودبانہ انداز میں کھڑے ہو گئے۔
ملکہ شاطو نے انہیں سوالیہ نگاہوں سے دیکھا' زبان سے کچھ نہ بولی۔
"ملکہ شاطو...... تیرا قیدی حاضر ہے۔" ایک سوار نے عرض کی۔
"بھیجو اسے۔" ملکہ شاطو نے حکم صادر کیا۔
دونوں سوار الٹے قدموں واپس ہوئے۔ چند لمحوں بعد پردہ پھر ہٹا۔ قامران اور دو سوار اندر داخل ہوئے۔
ملکہ شاطو نے نظریں اٹھائیں تو اس کے دل میں ہلچل سی مچ گئی۔
نیلی آنکھیں' سرخ سفید چہرہ' کسا ہوا جسم' طویل قامت' سنہرے بالوں والا نوجوان اس کے سامنے نظریں جھکائے کھڑا تھا۔
تو یہ تھا وہ نوجوان جس نے ابلا جیسی منہ زور گھوڑی کو زیر کر لیا تھا...... واقعی یہ اس قابل ہے۔ خوبصورت اور طاقتور...... ابلا تو پھر گھوڑی تھی' عقل و خرد سے بیگانہ۔ وہ زیر ہو گئی تو کوئی تعجب کی

بات نہیں۔ اس نے ملکہ شاطو جیسی جابر حکمران کے دل کو فتح کر لیا ہے۔ ملکہ نے سوچا۔
"کیا تمہیں معلوم نہ تھا کہ جس شکار پر تم تیر چلا رہے ہو' اسے ملکہ شاطو پہلے ہی شکار کر چکی ہے؟"
"ملکہ تیری قسم...... مجھے معلوم نہ تھا' وہ سب نادانستہ ہوا۔"
"کیا تمہیں...... یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ملکہ شاطو شکار پر نکلی ہوئی ہے؟"
"یہ مجھے معلوم تھا۔"
"پھر تیر چلانے سے پہلے' تم نے آنکھیں بند کیوں رکھیں؟"
"یہ بات...... میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ تو اس وقت اس علاقے میں شکار کھیل رہی ہے۔"
"اوہ' مجھے معلوم نہ تھا کہ اس علاقے میں میرے علاوہ بھی کوئی حکمران ہے اور مجھے اسے بتائے بنا کسی جگہ کا انتخاب نہیں کرنا چاہیے۔" ملکہ شاطو کے لہجے میں بلا کا طنز تھا۔
"ملکہ تیری قسم...... میرا ہرگز یہ مطلب نہ تھا۔" قامران نے گھبرا کر پہلی بار نظریں اٹھائیں۔
اس نے اب تک ملکہ شاطو کے جبر کے فسانے سنے تھے' اسے دیکھا نہ تھا۔ اب وہ غارتگر اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ وہ تیس پینتیس سال کی بھرپور عورت تھی۔ بڑی بڑی جگمگاتی آنکھیں' شانوں پر بکھرے ہوئے ریشمی سیاہ بال' خوبصورت اور پرکشش جسم...... وہ واقعی غربان کی ملکہ لگتی تھی۔
ملکہ نے ہاتھ کے اشارے سے ان دونوں سواروں کو جانے کی ہدایت کی جو قامران کے پیچھے کھڑے تھے۔ وہ الٹے قدموں خیمے سے نکل گئے۔
ملکہ اپنی جگہ سے اٹھی اور بڑی تمکنت سے چلتی ہوئی قامران کے نزدیک پہنچی۔
"ابلا کیسی ہے؟" یہ عجیب سوال تھا۔
"ٹھیک ٹھاک...... چاق و چوبند۔" بہرحال جواب تو دینا تھا۔
"ہمارا تحفہ پسند آیا؟" پوچھا گیا۔
"بہت...... میں تیرا اب تک شکرگزار ہوں۔" قامران نے سر جھکا دیا۔
"تم ہمارے سواروں میں شامل کیوں نہ ہوئے؟" جانے یہ شکوہ تھا یا تنبیہہ۔
"سچ کہہ دوں؟" قامران نے گردن اٹھائی۔
"ہاں' کہو۔" گستاخی کی اجازت دی گئی۔
"میں آزاد طبع آدمی ہوں۔ چوبیس گھنٹے ملازمت کا اہل نہیں۔"
"اچھا...... اور اب ہم تمہیں زندگی بھر کے لیے قید میں ڈال دیں تو......؟" ملکہ شاطو نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا۔
"ملکہ شاطو...... میں تیرا قیدی ہوں تو جو چاہے کر۔"
"اب تم اتنے فرمانبردار کیسے ہو گئے؟"
"ملکہ شاطو...... تو ہماری حکمران ہے۔ تیرا حکم ماننا ہمارا فرض ہے۔"
"جب میں نے تمہیں اپنے سواروں میں شامل کرنے کے لیے کہا تھا' اس وقت تیری

فرمانبرداری کو کیا ہوا تھا؟'' سوال پر سوال' جرح پر جرح۔

''وہ تیرا حکم نہ تھا...... تو نے کہلوایا تھا کہ میں چاہوں تو تیرے سواروں میں شامل ہو سکتا ہوں۔ تو نے مجھے میری مرضی پر چھوڑ دیا تھا اور میں نے وہ کیا جو میرے دل نے چاہا۔''

''بہت خوب...... تم خاصے ذہین بھی واقع ہوئے ہو۔ بہادر اور اچھے نشانے باز تو تھے ہی۔''

''ذرہ نوازی ہے تیری۔'' قامران سراپا عجز و انکسار بن گیا۔

''ہم تمہارا یہ جرم صرف ایک صورت میں معاف کر سکتے ہیں۔''

''شرط بتا؟''

''تمہیں ہمارے ساتھ شکار پر رہنا ہوگا۔ تم جانتے ہو کہ ہم سال میں ایک مرتبہ شکار کے لیے نکلتے ہیں۔'' ملکہ شاطو نے کہا۔

''ملکہ شاطو...... میں تیرا خادم ہوں۔'' یہ کام اتنا مشکل نہ تھا۔ اس نے فوراً قبول کر لیا۔

''پھر ہم اپنے قریب ہی تمہارے لیے خیمہ نصب کروائے دیتے ہیں۔ تم ابھی سے خود کو ہمارا خادم تصور کرو۔'' ملکہ شاطو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

قامران یہ سن کر تذبذب کا شکار ہو گیا لیکن منہ سے کچھ نہ بولا۔

''تم کچھ الجھن میں پڑ گئے؟'' ملکہ شاطو نے چہرہ شناسی کا ثبوت دیا۔

''مجھے تیری خدمت سے انکار نہیں لیکن اتنی مہلت تو دے کہ میں نیلابو کے باپ کو صورتحال سے آگاہ کر سکوں۔'' قامران نے لجاجت سے کہا۔ ''میری اچانک غیر حاضری کی وجہ سے وہ پریشان نہ ہو جائے۔''

''ہم ابھی ایک سوار روانہ کر دیتے ہیں۔ وہ نیلابو کے باپ کو ہی نہیں' نیلابو کو بھی ہمارے حکم سے آگاہ کر دے گا۔''

''جیسی تیری مرضی۔'' آخر قامران نے ہتھیار ڈال دیئے۔

ملکہ شاطو کی مہم جو طبیعت نے اسے دوپہر کو آرام نہ کرنے دیا۔ کوچ کا نقارہ بجا۔ بیس پچیس سواروں' جن میں قامران بھی شامل تھا' کے جلو میں ملکہ شاطو نے شمال کا رخ کیا۔ شمال کا علاقہ خونخوار بھیڑیوں سے بھرا پڑا تھا اور بھیڑیئے بھی اتنے لحیم شحیم تھے کہ ان پر گدھوں کا گمان ہوتا تھا۔

چلنے سے پہلے ملکہ شاطو کے قریبی سواروں نے دبی دبی زبان سے ملکہ شاطو کو اس خطرناک مہم سے باز رکھنے کا مشورہ دیا تھا جسے سن کر وہ مسکرا دی تھی اور اس نے بلند آواز میں کہا۔ ''جسے ڈر لگتا ہو وہ اس مہم سے دستبردار ہو جائے۔ میں تو جاؤں گی۔''

کسی بھی سوار میں خود کو ڈرپوک کہلوانے کی ہمت نہ تھی۔ اس لیے سب سائری دیوتا کی پناہ مانگ کر ساتھ ہو لیے۔

دو گھنٹے کی مسافت کے بعد بھیڑیوں کا علاقہ شروع ہو گیا تھا۔ ہر سوار کو چوکس رہنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ سارے سوار اپنے تیر کمان سنبھالے' سائری دیوتا کی پناہ مانگتے ادھر ادھر دیکھتے آگے بڑھ رہے تھے۔

اچھے نشانہ باز پانچ سوار سب سے آگے تھے' پھر قامران اور ملکہ شاطو اس کے بعد تھوڑے

تھوڑے فاصلہ پر پانچ پانچ سوار چل رہے تھے۔

بھیڑیوں کا شکار شیر کے شکار سے لاکھ درجے خطرناک تھا۔ شیر کی آمد کا کسی نہ کسی طرح علم ہو جاتا تھا لیکن بھیڑیئے اس قدر استاد واقع ہوئے تھے کہ آخری لمحوں تک اپنی موجودگی کا احساس نہ ہونے دیتے تھے۔

بس اچانک ہی قیامت ٹوٹتی تھی اور حساب کتاب شروع ہو جاتا تھا۔ یہ بھیڑیئے پچاس پچاس' ساٹھ ساٹھ کی تعداد میں حملہ آور ہوتے اور انسانوں کو چٹنی کی طرح چٹ کر جاتے۔ ملکہ شاطو اس ساری صورتحال سے واقف تھی لیکن اسے تو خطرات مول لینے کی عادت تھی۔

ملکہ شاطو کو جنگل میں گھومتے ہوئے کافی دیر ہو گئی تھی لیکن ابھی تک بھیڑیا تو بھیڑیا' بھیڑیئے کا بچہ بھی دکھائی نہیں دیا تھا۔

بھیڑیئے جانے کہاں غائب ہو گئے تھے۔ شاید انہوں نے انسانوں کی بو سونگھ لی تھی۔ اس لیے وہ در پردہ حملے کی تیاریوں میں مصروف تھے یا پھر بھیڑیوں نے یہ علاقہ ہی چھوڑ دیا تھا۔

اچانک قامران نے اوپر ٹیلے پر نگاہ کی تو پتوں میں چھپی ہوئی دو انگارہ آنکھیں اور سرخ زبان دکھائی دی۔ صرف ایک لمحہ کے لیے۔ اب وہاں کچھ نہ تھا' صرف پتے ہی پتے تھے۔

''ملکہ شاطو...... وہ اوپر۔'' یہ کہہ کر قامران نے ابلا کو ایڑ لگائی۔

ملکہ شاطو نے اپنے پیچھے آنے والے سواروں کو اشارہ کیا۔ آگے جانے والے سوار تو آگے جا ہی چکے تھے۔ پیچھے آنے والے سواروں نے ملکہ کو اوپر جاتے دیکھا تو انہوں نے بھی اپنے گھوڑوں کو ایڑیں لگائیں۔

قامران بہت تیزی سے اوپر جا رہا تھا۔ اس کے پیچھے ملکہ شاطو تھی اور اس سے پیچھے ملکہ شاطو کے سوار۔

ابھی قامران ٹیلے پر نہ پہنچ پایا تھا کہ اس نے اپنے پیچھے بھیڑیوں کے غرانے کی آوازیں سنی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو ملکہ شاطو کو بھیڑیوں کے نرغے میں پایا۔

اس نے کمان سیدھی کی۔ ادھر ایک بھیڑیئے نے ملکہ شاطو پر جست لگائی۔ ادھر سے تیر چلا۔ اس کی جست ادھوری رہ گئی۔ وہ درمیان میں ہی تیورا کر گر پڑا۔

ملکہ شاطو اب سنبھل چکی تھی۔ اس نے کمان سیدھی کر لی تھی لیکن اسے تیر چلانے کا موقع ہی نہ ملا۔ شائیں شائیں تیر چل رہے تھے اور بھیڑیئے تعداد میں کم ہوتے جا رہے تھے۔ چھ لمحوں میں چھ تیر چلے اور چھ بھیڑیئے زمین بوس ہو گئے۔ دو تین بھیڑیوں نے راہ فرار اختیار کی۔ ملکہ شاطو جو اب تک اپنے فن کا مظاہرہ نہ کر سکی تھی' آخر اس نے ایک تیر چلایا۔ ایک بھیڑیا اور فرش راہ ہو گیا۔ پیچھے آنے والے سوار اب نزدیک پہنچ چکے تھے اور بھیڑیوں کی لاشیں گن رہے تھے۔

ملکہ شاطو اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر قامران کے نزدیک پہنچی۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور ہونٹوں پر ہلکی سی لرزش تھی۔ وہ قامران کے نزدیک پہنچ کر گھوڑے سے اتر گئی۔

ملکہ شاطو کو گھوڑے سے اترتے دیکھ کر قامران نے فوراً ابلا کی پیٹھ سے چھلانگ لگا دی۔ یہی عمل دوسرے سواروں نے بھی دہرایا۔

ملکہ شاطو نے اپنا ہاتھ قامران کی طرف بڑھایا۔

سواروں نے جب ملکہ شاطو کا ہاتھ قامران کی طرف بڑھا دیکھا تو کئی نے اس کی خوش پر رشک کیا اور کئی نے حسد۔ بہرحال یہ بہت بڑا اعزاز تھا جس سے قامران کو نوازا جا رہا تھا۔

قامران نے ملکہ شاطو کا ہاتھ دھیرے سے اپنے ہاتھ میں لیا اور بڑے ادب سے چوما۔ ملکہ شاطو کے ہاتھ بہت سخت اور کرخت تھے۔ وہ اپنے ہاتھوں سے صنف نازک نہ لگتی تھی۔

تب تب ہی ایک ہاتھ اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔ یہ ہاتھ ملکہ شاطو کا نہ تھا۔

وہ چونک اٹھا۔ تب ہی کئی نقرئی قہقہے فضا میں بلند ہوئے۔ اس کے سامنے پانچوں باندیاں کھڑی تھیں۔

"ہم اتنی دیر سے یہاں کھڑے ہیں' آپ نے دیکھا ہی نہیں۔ جانے کہاں تھے؟ مجبور ہو کر آپ کو جگانا پڑا۔" ایک باندی نے بتایا۔ "یہ رس پی لیجیے۔"

"میں ذرا بھیڑیوں کا شکار کر رہا تھا۔" قامران نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔

سامنے تھال میں پانچ کٹورے رکھے ہوئے تھے۔ کٹورے سونے کے تھے اور ان میں سرخ رنگ کا کوئی شربت تھا۔ ایک ایک باندی آتی گئی اور اسے اپنے اپنے کٹورے سے دو دو گھونٹ رس پلا گئی۔

جب پانچوں پلا چکیں تو ایک نے کہا۔ "اب آپ آرام کریں۔"

اور پھر وہ ہنستی گاتی رخصت ہو گئیں۔

رس پی کر اسے بڑی فرحت کا احساس ہوا۔ وہ چھپر کھٹ پر نیم دراز سا ہو گیا۔ اس پر غنودگی سی طاری ہونے لگی۔ ابھی وہ پوری طرح سو بھی نہ پایا تھا کہ ایک بھیانک چیخ سنائی دی۔ وہ تڑپ کر اٹھ بیٹھا اور بھونچکا سا چاروں طرف دیکھنے لگا۔

☆......☆......☆

خوابگاہ کا دروازہ بند تھا اور ایسا پہلی بار ہوا تھا۔ اس سے پہلے یہ دروازہ کھلا رہا تھا۔ باندیوں نے احتیاطاً بند کر دیا تھا کہ کوئی ریچھ قسم کی بلا قامران تک نہ پہنچ سکے۔ بلا نہیں تو چیخ کی آواز بہرحال اس تک پہنچ گئی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ یہ چیخ کی آواز آئی کدھر سے۔ کہیں یہ کچی نیند' خواب تو نہ تھا؟ کیا واقعی اس نے چیخ کی آواز سنی تھی یا یہ صرف اس کا وہم تھا۔

وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ ابھی وہ دروازے تک پہنچ بھی نہ پایا تھا کہ وہ دلدوز چیخ سنائی دی۔ یہ چیخ کہیں دور سے آئی تھی اور کسی عورت کی تھی۔ اس نے تیزی سے دروازہ کھولنے کوشش کی مگر وہ باہر سے بند تھا۔

دروازہ چھوڑ کر اس نے بھاری پردوں کے پیچھے جھانکنا شروع کیا۔ شاید کوئی دروازہ یا کھڑکی نظر آئے۔ جھانکتے جھانکتے دروازہ' کھڑکی تو کوئی نظر نہ آئی۔ البتہ ایک پردے کے پیچھے سیڑھیاں ضرور دکھائی دیں۔

وہ جلدی جلدی سیڑھیاں طے کرنے لگا۔ شروع شروع میں تو کوئی دقت پیش نہ آئی کیونکہ خوابگاہ سے روشنی آ رہی تھی' پھر اندھیرا بڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ ہاتھ کو ہاتھ سجائی دینا بند ہو گیا۔

یہ سیڑھیاں کسی مینار کی تھیں اور وہ دونوں ہاتھ پھیلائے انداز سے اوپر چڑھ رہا تھا۔ کوئی پچاس ساٹھ سیڑھیاں چڑھ لینے کے بعد اسے اوپر سے ہلکی ہلکی روشنی آتی محسوس ہوئی۔ جوں جوں وہ سیڑھیاں چڑھتا گیا' روشنی بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ اسے ایک ایک سیڑھی صاف دکھائی دینے لگی۔ وہ سیڑھیاں پھلانگتا ہوا تیزی سے اوپر پہنچا۔

اب وہ چھ دروں کے ایک برج میں کھڑا تھا۔ کھڑے ہوتے ہی اس کی نظر نیچے میدان پر پڑی جہاں بہت سارے لوگ جمع تھے۔ قامران فوراً نیچے بیٹھ گیا تا کہ کوئی اسے دیکھ نہ لے۔ پھر اس نے آگے بڑھ کر در میں لگی جالی سے اپنی آنکھ لگا دی۔

اس کے سامنے بڑا ہولناک منظر تھا......؟

یہ ایک بہت بڑا میدان تھا اور اس میدان میں بہت سارے لوگ جن میں عورتیں بھی شامل تھیں' ایک دائرے کی شکل میں کھڑے تھے اور ان کے درمیان چار طاقتور گھوڑے تھے۔ ہر گھوڑے کی گردن میں رسی بندھی ہوئی تھی اور رسی کے سرے اس عورت کے ہاتھ پاؤں میں بندھے ہوئے تھے جو میدان کے بیچوں بیچ لیٹی تھی۔ اس عورت کے پاس ہی ایک قد آور آدمی ہاتھ میں کوڑا لیے کھڑا تھا۔ یہ آدمی بغیر ناک' کان والا تھا۔ یہی آدمی کیا بلکہ جتنی بھی مخلوق اس وقت میدان میں تھی' بغیر ناک' کان والی تھی۔

وہ دیو قامت آدمی کوڑوں سے اسے مار رہا تھا۔ ہر کوڑے پر اس عورت کے منہ سے دلدوز چیخ نکل رہی تھی۔

تیرہ کوڑے مارنے کے بعد اس نے کوڑا ہوا میں لہرایا تو چاروں گھوڑے ہوشیار ہو گئے' بھاگنے کے لیے تیار۔

لوگوں کے سانس رک گئے۔ وہ لوگ جو ابھی ہر کوڑے پر "ہائے ہو" کر رہے تھے' گھوڑوں کے تیار ہوتے ہی پتھر کے بن گئے۔

کوڑے والے نے اچانک ہاتھ نیچے کر کے کوڑا بجایا۔ کوڑے کی آواز سنتے ہی گھوڑے حرکت میں آ گئے۔ قامران باوجود کوشش کے وہ وحشت ناک منظر نہیں دیکھ پایا۔

چاروں گھوڑے بیک وقت مخالف سمت میں بھاگے۔ گھوڑوں سے بندھی عورت ایک لمحے کو ہوا میں اڑی اور پھر چار حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ اب وہ چاروں گھوڑے عورت کا ایک ایک حصہ لیے مجمع کے گرد چکر لگا رہے تھے۔

تین چکر مکمل ہونے کے بعد گھوڑوں کو روک لیا گیا۔ عورت کے خون آلود اعضاء کو ایک ایک بہت بڑی دیگ میں ڈال دیا گیا اور گھوڑوں کو ایک کونے میں باندھ دیا گیا۔

اب ایک مرد کو میدان میں لایا گیا۔ اسے ریت پر بٹھا کر اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے گئے۔ پھر دو آدمی ایک بہت بڑا آرا اٹھا کر لائے اور اس بندھے آدمی کے سر پر کھڑے ہو گئے۔

کوڑے والے آدمی نے مجمع کی طرف رخ کر کے کچھ کہا۔ غالباً مجرم کی فرد جرم سنائی گئی۔

کوڑے والے آدمی کے خاموش ہوتے ہی مجمع نے فلک شگاف نعرے لگائے جسے قامران نہ سمجھ سکا۔

اب کوڑے والے آدمی نے اپنا ہاتھ اوپر کر رکھا تھا۔ وہ کسی بھی لمحہ ہاتھ نیچے کر کے آرے

والوں کو کارروائی کرنے کا اشارہ کر سکتا تھا۔

پھر اشارہ ہوا۔ جب آرا اس بندھے ہوئے آدمی کے سر پر چلا تو وہ پوری قوت سے چلایا۔ پھر اسے چیخنے کا زیادہ موقع نہ ملا۔ تیز آرے نے لمحوں میں اس کے وجود کو دو حصوں میں تقسیم کر کے رکھ دیا۔

ایک حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس مرد کے جسم سے نکلنے والا خون لال رنگ کا نہ تھا' نیلے رنگ کا تھا......ایسا ہی خون عورت کے جسم سے بھی نکلا تھا۔

اس آدمی کی دو حصوں میں تقسیم لاش کو اٹھا کر دیگ میں ڈال دیا گیا۔ دیگ کو چار آدمیوں نے اٹھا کر گھوڑا گاڑی پر رکھ دیا۔

پھر کوڑے والے آدمی نے تین بار نیچے اوپر کوڑا لہرایا۔ کوڑا لہراتے ہی پورا مجمع شور مچاتا تتر بتر ہو گیا۔ سارے لوگ شور مچاتے ہوئے ایک طرف بھاگ رہے تھے۔ ریت اڑ رہی تھی اور وہ سارے لوگ ریت کے بادل میں غائب ہوتے جا رہے تھے۔

چند لمحوں بعد وہاں کچھ نہ رہا' کچھ نہ بچا۔ قامران کو یوں لگا جیسے سارے لوگ ریت کے ذرات بن کر ہوا میں تحلیل ہو گئے ہوں۔

ابھی اڑتی ہوئی ریت اچھی طرح بیٹھ نہ پائی تھی کہ ریت کے پردے سے چاندکا برآمد ہوئی۔

اونٹنی پر سوار' اسی سیاہ لبادے میں سر سے پاؤں تک ڈھکی ہوئی۔ وہ بڑی برق رفتاری سے مینار کی طرف بڑھ رہی تھی۔

چاندکا کو دیکھ کر قامران کے چہرے پر خوشی انگڑائیاں لینے لگی۔ اس نے بڑی تیزی سے مینار کی سیڑھیاں طے کرنی شروع کیں۔ کئی جگہ وہ اترتے ہوئے لڑکھڑایا بھی لیکن اس نے اپنی رفتار میں کمی نہ آنے دی۔ اندھیرا اس کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔

وہ آندھی طوفان کی طرح نیچے اتر رہا تھا تاکہ چاندکا سے ملاقات کر سکے۔ اس کے ذہن میں ان گنت سوالات مچل رہے تھے۔

جب اس نے آخری سیڑھی پر قدم رکھا تو یہاں کا منظر ہی بدلا ہوا تھا۔ وہ چھپر کھٹ' وہ سرسراتے پردے' وہ حسین فانوس' وہ خوشبوئیں سب غائب تھیں۔ شاید وہ کسی اور جگہ اتر گیا تھا۔

اس کے سامنے ایک سرخ رنگ کا خیمہ تھا۔ خیمے کے باہر ایک اونٹنی بیٹھی ہوئی تھی جس کے گلے میں پڑی گھنٹی بار بار بج رہی تھی اور کنوارے بدن کی خوشبو ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔

خیمے پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ وہ پردہ ہٹا کر اندر داخل ہوا۔ سائری دیوتا کا نام لے کر۔

خیمہ خالی تھا۔ البتہ ایک سفید خوبصورت سی بلی قالین پر ضرور بیٹھی ہوئی تھی۔

''چاندکا' تم کہاں ہو؟'' قامران نے بلند آواز میں کہا لیکن جواب کہیں سے نہ آیا۔ اس خیمے میں بلی کے سوا کوئی اور نہ تھا تو جواب کون دیتا۔

خیمے میں قامران کی آمد کے باوجود سفید بلی بڑے آرام سے بیٹھی رہی۔ اس نے اس کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ پھر...... جب قامران نے چاندکا کی موجودگی کے بارے میں سوال فضا

میں اچھالا تو بلی نے اپنا پنجہ اٹھا کر خیمے کی کھڑکی کی طرف کیا اور پھر گردن ڈال کر بیٹھ گئی۔ پتہ نہیں اس نے پنجہ کے اشارے سے چاندکا کا پتہ بتایا تھا یا انگڑائی لی تھی۔

قامران نے کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا تو اسے سامنے ایک بڑا سا دروازہ نظر آیا۔ وہ کھڑکی سے کود کر اس دروازے کی طرف بڑھا۔

یہ دروازہ محل کے کسی کمرے کا تھا اور اسے جانا پہچانا سا لگ رہا تھا۔ اندر پہنچا تو یہ بات واضح ہو گئی کہ اسے یہ کمرہ جانا پہچانا کیوں لگ رہا تھا۔ قامران اب تصویر والے کمرے میں کھڑا تھا۔ اس کمرے میں اس تصویر کے علاوہ کچھ نہ تھا جو کمرے کی پوری دیوار پر آویزاں تھی۔ اس کمرے میں بھی کنوارے بدن کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ لگتا تھا جیسے ابھی ابھی یہاں سے چاندکا گزری ہو۔

تصویر تقریباً پہلے جیسی تھی اور اس نے اس کے نقاب سے ڈھکے چہرے پر نظریں جما دیں۔

چند ہی لمحوں میں تصویر متحرک ہو گئی۔

چاندکا ریت اڑاتی ہوئی دور ہوتی جا رہی تھی اور اڑتی ریت سے ایک اور منظر ابھر رہا تھا......!

منظر صاف ہوا تو اس نے دیکھا کہ وہ اور ملکہ شاطو گھوڑوں پر جا رہے ہیں اور پیچھے پیچھے شاطو کے سوار ہیں۔ تیر کمانوں سے لیس۔

یہ منظر دوسرے دن کا تھا......اس دن کے بعد کا جب قامران نے بیک وقت چھ بھیڑیوں کا شکار کیا تھا اور ملکہ شاطو نے خوش ہو کر اسے اپنا ہاتھ چومنے کا اعزاز بخشا تھا۔

مضبوط اور کرخت ہاتھ!

دوسرے دن ملکہ شاطو نے شمال کا رخ کرنے کے بجائے جنوب کا راستہ اختیار کیا تھا جہاں پرندوں کا شکار بافراط ملتا تھا۔

ملکہ شاطو اور قامران نے اپنی اپنی تیر اندازی کا مظاہرہ کر کے کافی پرندوں کے دل دہلا دیئے تھے۔ ملکہ شاطو نے زمین پر بیٹھے پرندوں کا شکار کیا تھا جبکہ قامران نے صرف اڑتے پرندوں کو اپنے تیروں کا نشانہ بنایا تھا اور ملکہ شاطو کے مقابلے میں زیادہ پرندوں کو مار گرایا تھا اور خلاف توقع مجھے شاطو اپنے شکار کیے پرندوں کی تعداد کے مقابلے میں قامران کے پرندے دیکھ کر مسکرا دی تھی۔ حالانکہ یہاں کی سرزمین پر کس کی جرات تھی کہ وہ ملکہ شاطو کو پیچھے چھوڑ جائے۔

ملکہ شاطو ایک ماہر شکاری تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں ہر طرح کا شکار کیا تھا۔ انسان تو اس کے سامنے کچھ نہ تھا۔ وہ دھیرے دھیرے غیر محسوس طریقے پر قامران کی طرف بڑھ رہی تھی اور اسے خبر نہ تھی۔

اچانک ملکہ شاطو نے سواروں کو رکنے کا اشارہ کیا۔ سارے سوار رک گئے۔ ملکہ شاطو اپنا گھوڑا بڑھا کر ان کے قریب پہنچی۔

''تم لوگ واپس چلو۔'' حکم ہوا۔

''ٹھیک ہے ملکہ شاطو' ہم تیرے غلام چلتے ہیں۔'' یہ کہہ کر سارے سواروں نے اپنے اپنے گھوڑوں کا رخ موڑ لیا' ان میں قامران بھی تھا۔

''تم نہیں۔'' ملکہ شاطو نے قامران سے کہا۔

قامران رک گیا۔

''تم ہمارے ساتھ رہو گے۔'' ملکہ شاطو کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

''ملکہ شاطو جیسی تیری مرضی۔''

''آؤ۔'' ملکہ شاطو نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔

قامران نے اس کا ساتھ دیا۔ ابلا اشارہ پاتے ہی ہوا ہو گئی۔ کچھ دور جا کر ملکہ شاطو نے گھوڑا روکا اور قامران سے مخاطب ہوئی۔ ''جھرنے کی طرف چلیں؟''

''وہاں کیا ہے؟'' قامران نے اس سے پوچھا۔ ''اس وقت تو وہاں کوئی پرندہ نہ ہوگا۔''

''بس۔ اس وقت ایسی ہی جگہ چلنے کو جی چاہتا ہے جہاں کوئی نہ ہو۔'' ملکہ شاطو اس کے نزدیک آتے ہوئے بولی۔ ''شکار تو آج بہت کیا...... اب جھرنے پر نہانے کو جی چاہتا ہے۔''

''تو چل۔'' قامران نے ابلا کو اپنے گھٹنوں میں دبایا۔ ''اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا۔''

دونوں چل پڑے۔ قامران نے ملکہ شاطو اور اپنی گھوڑی کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھا تا کہ ملکہ شاطو کا احترام قائم رہے۔

''ساتھ رہو۔'' ملکہ شاطو نے اسے اشارہ کیا۔ آج وہ فاصلے کم کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

جھرنے پر پہنچ کر دونوں اپنی سواریوں سے اتر گئے۔

قامران نے جھرنے پر نظر ڈالی تو مسحور ہو کر رہ گیا۔ دور پہاڑ سے گرتا ہوا آبشار عجب باندھ رہا تھا۔ صاف شفاف پانی آئینے کی طرح چمک رہا تھا۔ اوپر سے گرتا ہوا آبشار یوں دکھائی دے رہا تھا جیسے اوپر سے چاندی بہہ کر نیچے آ رہی ہو۔ جھرنے نے آگے جا کر ایک نہر کی صورت اختیار کی تھی اور اس نہر میں بڑے بڑے پتھر پڑے تھے۔

''اس جھرنے کی خصوصیت جانتے ہو؟'' ملکہ شاطو قامران سے مخاطب تھی۔

''نہیں، میں نے یہ جگہ پہلی بار دیکھی ہے۔'' قامران نے کہا۔

''اس جھرنے میں نہا کر جو بھی دعا مانگو، اسے سائری دیوتا پوری کر دیتا ہے۔'' ملکہ جھرنے کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

''ملکہ شاطو...... تو جوغربان کی حکمران ہے، کیا تو بھی سائری دیوتا کی محتاج ہے؟ تجھے بھی دعا کی ضرورت ہے؟'' قامران نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''ہاں کچھ معاملے ایسے ہیں جہاں ملکہ شاطو کو اختیار نہیں، وہ سائری دیوتا کی محتاج ہے ا آج مجبور ہو کر اس جھرنے تک آ گئی ہے تا کہ سائری دیوتا سے مخاطب ہو سکے، اس سے کچھ ما سکے۔''

''ٹھیک ہے، آج میں بھی سائری دیوتا سے کچھ مانگوں گا۔''

''ضرور مانگو...... شاید وہ ہم دونوں کی سن لے۔''

ملکہ شاطو نے ایک ایسا گوشہ تلاش کیا جہاں سے کسی ذی روح کا گزر ممکن نہ تھا اور بڑ بڑے پتھروں سے ڈھکا ہوا تھا۔

ملکہ شاطو نے اپنے کپڑے اتار پھینکے اور پانی میں چھلانگ لگا دی۔

قامران نے ملکہ شاطو کے مقابلے میں کھلا علاقہ اور گہرا پانی پسند کیا۔ اس نے بھی کپڑوں سے بے نیازی اختیار کی اور جھرنے کے ٹھنڈے پانی میں اتر گیا۔

نہاتے نہاتے قامران نے سائری دیوتا کا تصور کیا اور دعا مانگنے لگا۔

''سائری دیوتا...... تیری قسم میں تیرا ایک عاجز بندہ ہوں، تیرا محتاج۔ تجھ سے دعا مانگتا ہوں کہ میری نیلابو کو اچھا کر دے۔ اسے اس قابل کر دے کہ وہ جسمانی طور پر میرا ساتھ نبھانے کے قابل ہو جائے، پھر میں تیرے نام کی قربانی دوں گا۔''

قامران ابھی دعا مانگ کر فارغ نہ ہوا تھا کہ ملکہ شاطو کی چیخ سنائی دی۔

''مجھے بچاؤ...... قامران...... مجھے بچاؤ۔''

ملکہ شاطو اگرچہ اوٹ میں نہا رہی تھی لیکن دونوں کے درمیان فاصلہ زیادہ نہ تھا۔ وہ اب تک اس کی چھپ چھپ کی آوازیں سنتا رہا تھا کہ اچانک ہی وہ چیخ اٹھی۔

قامران نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو اسے تیز دھارے پر بہتا پایا۔ وہ ابھرتی ڈوبتی قامران کو دہائی دے رہی تھی۔ ''مجھے بچاؤ...... مجھے بچاؤ۔''

قامران نے تیر کی طرح تیرنا شروع کیا اور جلد ہی ملکہ شاطو کو جا لیا۔

ملکہ شاطو بے ہوش ہو چکی تھی، اس نے اسے ہاتھوں پر اٹھا کر کنارے پر ڈالا۔

پھر اس کا سینہ، پیٹ اور پیٹھ دبا کر اس کے منہ سے پانی نکالا۔ یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ اس کے پیٹ میں زیادہ پانی نہ جا سکا تھا۔ پیٹ سے پانی نکالنے کے بعد اس نے اسے آرام سے سیدھا لٹا دیا۔

پہلی بار اسے احساس ہوا کہ ملکہ شاطو برہنہ ہے۔ اس نے اس کے جسم کو گھورے بنا کنارے سے اس کے کپڑے اٹھائے اور اس پر ڈال دیئے۔

جب وہ اپنے کپڑے پہن کر ملکہ شاطو کے پاس آیا تو اس نے ملکہ شاطو کو ایک پتھر پر بیٹھا پایا، وہ اپنے کپڑے پہن چکی تھی اور سر جھکائے بیٹھی تھی۔

قامران کو قریب آتا دیکھ کر پھیکی سی ہنسی ہنسی اور تیور بدل کر بولی۔ ''تم اتنے بدھو ہو، مجھے معلوم نہ تھا۔''

قامران اسے دیکھتا ہی رہ گیا، اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس سے کیا قصور ہوا۔

ملکہ شاطو سے وہ کچھ پوچھتا لیکن وہ رکی ہی نہیں۔ گھوڑے کو ایڑ لگائی اور یہ جا، وہ جا۔

جب وہ پڑاؤ پر پہنچا تو کچھ سواروں نے رشک اور کچھ سواروں نے حسد سے اس کا استقبال کیا۔ ایک سوار نے جو قامران سے کچھ بے تکلف ہو گیا تھا، پوچھا۔ ''کہاں سے آ رہے ہو؟''

''سائری دیوتا کے جھرنے سے۔'' قامران نے بتایا۔

''سائری دیوتا کا جھرنا!'' سوار نے حیرت سے کہا...... ''یہاں تو دور تک کوئی ایسا جھرنا نہیں۔ ایک جھرنا ضرور ہے جہاں ملکہ شاطو کبھی کبھی جا کر نہاتی ہے اور اس جھرنے کا سائری دیوتا سے کوئی تعلق نہیں۔ آخر تم سے یہ بات کس نے کہی؟''

''کسی نے بھی نہیں۔'' قامران نے مصلحت پسندی سے کام لیتے ہوئے ملکہ شاطو کا نام چھپا

لیا۔ ”میرا خیال تھا کہ ایسا حسین جھرنا تو صرف دیوتاؤں کا ہی ہو سکتا ہے۔“

”بہت خوب۔“ اس سوار نے بے اختیار قہقہہ لگایا اور دور تک ہنستا چلا گیا۔

”یہ ملکہ شاطو بھی عجیب چیز ہے۔“ اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ قامران نے ادھر ادھر دیکھا کہ کہیں کسی نے یہ گستاخانہ کلمہ سن تو نہیں لیا۔ وہاں آس پاس کوئی نہ تھا۔

شام تک..... شام تک کیا اس دن رات کے کھانے تک ملکہ شاطو نے قامران کو جھلک دکھائی۔ قامران ملکہ شاطو کی بے رخی سے پریشان تھا۔ وہ آنے والے وقت سے خوفزدہ تھا۔ ملکہ شا ناراضگی بڑی خطرناک تھی۔ ویسے اس کی دوستی بھی کم خطرناک نہ تھی۔

وہ الجھ گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ملکہ شاطو جھرنے پر اس سے کیوں ناراض گئی تھی۔ اس نے اسے ”بدھو“ کیوں کہا تھا۔ کیا کسی کی جان بچانا بدھو پن ہے..... پھر ملکہ شاطو نے بیانی سے کیوں کام لیا تھا۔ وہ دعا مانگنے کا چکر کیا تھا؟ سوچتے سوچتے اس کا دماغ شل ہونے لگا۔

وہ گھبرا کر خیمے سے باہر نکل آیا۔ اندھیرا پھیل چکا تھا۔ جگہ جگہ الاؤ روشن تھے۔ وہ بڑ تک ادھر ادھر گھومتا رہا۔ آخر تھک ہار کر اپنے خیمے میں پلٹ آیا۔ رات کے پچھلے پہر اسے بمشکل آئی۔

اسے سوتے ہوئے ابھی زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ قامران نے اپنے بالوں بھرے سینے پر ہاتھ محسوس کیا۔

قامران نے لیٹے لیٹے آنکھیں بند کیے اس ہاتھ کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ ہاتھوں کی نے اس کی نیند کو کوسوں دور بھگا دیا تھا۔

”ملکہ شاطو تو۔“ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔

”ہاں یہ میں ہوں..... تم اٹھ کیوں گئے لیٹے رہو..... کیا ناراض ہو؟“ ملکہ شاطو نے بڑ نرم لہجے میں کہا۔

”نہیں میں تو ناراض نہیں..... مجھے تو تیری ناراضگی کی فکر تھی۔“ قامران نے دوزانو بیٹھتے ہوئے کہا۔

”مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ میں نے سوچا تمہارے پاس چلوں۔ شاید دل بہل جائے۔“

”میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔“

”سچ۔“ ملکہ شاطو پھول کی طرح کھل گئی۔

”ہاں تو حکم تو کر۔“

”بعض کام ایسے ہوتے ہیں جہاں حکم کرنے کو جی نہیں چاہتا..... ایسے کام خود بخود ہو جا تب ہی مزا آتا ہے۔“

”کام بتا۔“

”ایسے کام بتائے بھی نہیں جاتے۔“

”پھر میری سمجھ میں کیسے آئے گا؟“

”تمہاری سمجھ میں کچھ نہیں آئے گا..... تم نرے بدھو ہو۔“ ملکہ شاطو اس پر گرتی ہوئی بو

ان کو لیٹ جانا پڑا۔ ملکہ شاطو نے اس کے سینے پر سر رکھ لیا اور بولی۔ ”تمہیں کچھ شعر یاد ہیں؟“

”ہاں بہت۔“

”کچھ سناؤ۔“

قامران اٹھ کر بیٹھنے لگا تو ملکہ شاطو نے اسے روک دیا۔ ”ایسے ہی سناؤ۔“

”یوں تو بہت مشکل ہے۔“ عذر پیش کیا گیا۔

”عجیب ہو۔“ ملکہ شاطو کو آخر اس کے سینے سے اٹھنا پڑا۔

قامران کو باچو بابا کا پورا دیوان ازبر تھا' اس نے اشعار سنانے شروع کیے۔ ان حسن و عشق کے قصوں' لب و رخسار کی باتوں' شراب اور شباب کے تذکروں میں آخر ، کا سحر نمودار ہو گیا۔

ملکہ شاطو خمار آلود جسم لیے تشنہ تشنہ سی اپنے خیمے میں واپس چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد ران جو پڑ کر سویا تو دوپہر کو اٹھا۔ اٹھا کیا بلکہ اٹھایا گیا۔ باہر کوچ کا نقارہ بج رہا تھا اور ایک سوار اس سر پر کھڑا تھا۔

”قامران اٹھو..... چلنے کی تیاری کرو۔ ملکہ شاطو جلد از جلد غربان پہنچنا چاہتی ہے۔“

”اور شکار؟“

”مزید شکار کا ارادہ ملتوی کر دیا گیا ہے۔“

”اس کی کوئی خاص وجہ؟“

”کوئی خاص وجہ نہیں۔ ویسے ملکہ کے لیے کسی وجہ کا ہونا ضروری بھی نہیں۔“

قامران فوراً اٹھ کر باہر آیا تو دیکھا کہ کوچ کی تیاری زوروں شوروں پر ہے۔ جلدی جلدی مے اکھاڑے جا رہے تھے۔ لوگوں کے چہروں پر ایک خوشی سی تھی۔ شاید اپنے گھر واپس پہنچنے کی خوشی۔ لوگ دو ماہ سے ملکہ کے ساتھ شکار پر نکلے ہوئے تھے۔

قامران بھی خوش تھا' نیلابو سے ملنے کی خوشی..... حالانکہ اسے ملکہ شاطو کے ساتھ دو تین دن زیادہ نہ ہوئے تھے۔

وہ جب دھول اڑاتا ہوا اپنی بستی میں پہنچا تو نیلابو اسے ٹیلے پر کھڑی ملی۔ مضطرب اور ظر..... قامران کو دیکھتے ہی وہ بے تحاشہ دوڑتی ہوئی نیچے اتری اور قامران سے لپٹ گئی۔

”میرے قامران..... تم کہاں چلے گئے تھے؟“

”کیا ملکہ شاطو کے سواروں نے تمہیں کچھ نہیں بتایا؟“ قامران نے پوچھا۔

”نہیں تو۔“

”کیا واقعی؟“

”تیری قسم قامران..... یہاں تو کوئی نہیں آیا۔“

”جھوٹوں کی ملکہ۔“ قامران نے نفرت سے کہا اور پھر نیلابو کو اپنے پیچھے گھوڑی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ”گھر چلو' پھر میں تمہیں ساری بات بتاتا ہوں۔“

”میں بہت پریشان ہو گئی تھی..... تیری راہ دیکھتے دیکھتے اب تو تھک چلی تھی۔“ وہ گھوڑی پر

بیٹھ کر قامران سے لپٹتے ہوئے بولی۔

قامران نے ابلا کو ایڑ لگائی اور خاموش رہا۔ گھر پہنچے تو نیلابو کے باپ نے قامران کو ساڑی دیوتا کا شکر ادا کیا۔

بستی میں آئے ہوئے ابھی قامران کو چار پانچ دن ہی ہوئے تھے کہ ایک شام ملکہ سوار اس کے گھر آ پہنچے۔

قامران کے باہر نکلتے ہی پانچوں سواروں نے اپنی تیر کمانیں سنبھال لیں۔ قامران ٹھٹک اپنے دروازے پر رک گیا۔ نیلابو کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ ان سواروں کی کمانوں کا رخ قامرا طرف تھا۔

قامران نے ایک قدم آگے بڑھایا۔ ایک تیر سنسناتا ہوا آیا اور اس کے پاؤں کے قر ریت میں دھنس گیا۔ قامران نے دوسرا قدم بڑھایا' پھر ایک تیر چلا اور اس کے دوسرے پاؤں کے ریت میں گھس گیا۔ قامران قدم بڑھاتا گیا اور تیر چلتے گئے۔

پانچوں سواروں نے پانچ تیر چلائے اور پانچوں ریت میں اس کے قدموں کے پاس د گئے۔ تب ایک سوار جو ان کا سالار تھا' آگے بڑھا۔ قامران کے نزدیک پہنچ کر گھوڑے سے ا پورے اعزاز کے ساتھ اس کا ہاتھ چوما اور بولا۔ ''ملکہ شاطو کی نشانی تمہارے لیے۔''

یہ کہہ کر اس نے موز کا پر اس کی طرف بڑھایا۔ الٹے قدموں واپس ہوا۔ گھوڑے پر سوا کر دوسرے سواروں تک پہنچا۔ پھر پانچوں سواروں نے مل کر ملکہ شاطو کی قسم کھائی اور اس کی د قامران تک پہنچانے کا اعلان کیا اور ہوا ہو گئے۔

سواروں کے جاتے ہی نیلابو باہر نکلی اور حیرت سے ان پانچ تیروں اور مور کے پر کو د لگی۔

''یہ سب کیا ہے قامران؟''

''مجھے خود نہیں معلوم۔''

''ٹھہرو میں بابا کو بلاتی ہوں۔'' نیلابو بھاگتی ہوئی ایک طرف چلی گئی۔

قامران نے الٹ پلٹ کر مور کے پر کو غور سے دیکھا۔ اسے اس میں کوئی خاص بات نظ آئی۔ وہ مور کا ایک عام سا پر تھا۔ ملکہ شاطو نے اس پر کو جس انداز سے پیش کیا تھا' اس سے اس اہمیت ظاہر ہوتی تھی۔

قامران شاہی آداب سے ناواقف تھا۔ اس لیے اس نے تذبذب میں مبتلا ہونے بجائے نیلابو کے باپ کا انتظار کرنا مناسب سمجھا۔

نیلابو کے باپ نے اسے دور سے ہی دیکھ کر خوشی کا نعرہ لگایا۔ اس کے ساتھ نیلابو کے بستی کے کچھ اور لوگ بھی تھے۔

''قامران...... تم بہت خوش قسمت ہو۔ فوراً ملکہ شاطو کے محل میں جانے کی تیاری کرو۔ آ رات تم ملکہ شاطو کے مہمان ہو گے۔ یہ مور کا پر دراصل شاہی دعوت نامہ ہے اور یہ پانچ تیر تمہار قدموں میں نچھاور کر کے تمہارا رتبہ بڑھایا گیا ہے۔ جاؤ...... جلدی کرو' ملکہ شاطو تمہاری منتظر ہو گی۔''

قبیلے کے لوگوں نے یہ سن کر خوشی سے نعرے لگائے۔ نیلابو بھی بے حد خوش تھی لیکن قامران ں گم ہو گیا تھا۔

بہر حال اسے آج شاہی محل پہنچنا تھا اور وقت تنگ تھا۔ اس لیے اس نے مزید سوچوں میں لے کے بجائے ملکہ شاطو کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے جلد جلد تیاری کی۔ وہ جیسے ہی ابلا پر بیٹھ کر بستی سے نکلا تو اس نے دیکھا کہ قبیلے کے بہت سے لوگ بستی کے باہر جمع ہیں۔

بستی کے لوگوں نے قامران کو دیکھ کر خوشی سے نعرے لگائے...... اس منظر کو دیکھ کر نیلابو کی اں میں خوشی کے آنسو بھر آئے۔ اس نے قامران کو اپنی جھلملاتی آنکھوں سے بڑے فخر سے قامران نے شاہی مہمان بن کر آج پورے قبیلے کا وقار بلند کر دیا تھا۔

قامران ریت اڑاتا' قبیلے کے لوگوں کی دعائیں لیتا ملکہ شاطو کے محل کی طرف چل دیا۔ اس ل میں ہلچل سی مچی تھی۔ ایک طرف وہ خوش تھا اس اعزاز پر جو ملکہ شاطو نے اسے مور کا پر بھیج کر دوسری طرف وہ کچھ مضطرب سا تھا کیونکہ ملکہ شاطو کا رویہ اس کے ساتھ کچھ عجیب سا تھا۔ وہ اب مجھ نہ پایا تھا کہ ملکہ شاطو اس سے کیا چاہتی ہے؟ انہی سوچوں میں الجھا ہوا وہ مغرب تک ملکہ شاطو ل پہنچ گیا۔

محل کے دروازے پر قامران کو روک لیا گیا۔ اس سے اس کی شناخت مانگی گئی۔

قامران نے جواب میں مور کا پر دکھایا۔ مور کے پر نے ''کھل جا سم سم'' جیسا کام کیا۔ شاہی ے تمام دروازے ایک کے بعد ایک کھلتے چلے گئے۔

محل کے اندر داخل ہوتے ہی اسے گھوڑی سے اترنے کے لیے کہا گیا۔ گھوڑی سے اترنے بعد اسے دو سواروں نے محل کے اندر پہنچانے کی ذمہ داری سنبھال لی۔

کچھ راہداریاں پار کر کے یہ سوار رک گئے۔ یہاں سے تین کنیزیں اسے آگے لے چلیں۔ آ جا کر ان کنیزوں کے بھی پر جلنے لگے تو انہوں نے کنیز خاص کے حوالے کر دیا۔

اس خاص کنیز نے بھی زیادہ دور ساتھ نہ نبھایا۔ اس نے تھوڑی دور چل کر ایک بھاری دروازے کو دھیرے سے کھولا اور قامران سے مخاطب ہوئی۔

''ملکہ شاطو آپ کی منتظر ہے۔''

یہ کہہ کر وہ پیچھے ہٹی اور تیزی سے واپس ہو گئی۔

قامران نے ایک گہری سانس لے کر دروازے میں قدم رکھا۔ دروازے میں داخل ہوتے بالکل سامنے ایک بہت خوبصورت تخت پر ملکہ شاطو جلوہ افروز تھی اور یہ ملکہ شاطو' شکارگاہ کی ملکہ شاطو بہت مختلف تھی۔

قامران نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو اس کا جی چاہا کہ وہ ملکہ شاطو کو دیکھتا ہی رہے لیکن ایسا کرنا آداب کے خلاف تھا۔ دوسروں کو تو نگاہ اٹھانے کی بھی اجازت نہ تھی۔ وہ کم از کم اسے نگاہ بھر کر دیکھ سکتا تھا۔

قامران نے اس کے نزدیک پہنچ کر قدم بوسی کرنی چاہی۔

تب ہی حکم ہوا۔ ''نہیں۔''

قامران جو قدم چومنے کے لیے لیٹ چکا تھا' رک گیا۔ اس کے چہرے پر ایک پریشانی کے آثار نمایاں ہوئے۔ شاید کہیں غلطی ہو گئی لیکن نیلابو کے باپ نے اسے اسی چومنے کو کہا تھا۔ یہ شاہی آداب کے عین مطابق تھا۔

''قامران......تم قدم چومنے کے لیے نہیں بنائے گے......اٹھو' یہ ہاتھ تمہارا منتظر ہے۔ شاطو نے اپنا سخت اور کرخت ہاتھ آگے بڑھایا۔

''ملکہ شاطو......اس اعزاز کے لیے میں ایک بار پھر تیرا شکر گزار ہوں۔'' قامران نے کہ ہو کر بڑی عقیدت سے اس کے سخت ہاتھ کو بوسہ دیا۔

''نہیں' یہ کوئی اعزاز نہیں......آؤ' بیٹھو۔'' ملکہ شاطو نے اسے اپنے ساتھ ہی تخت پر بٹھا قریب ہی لگی ایک ریشمی ڈوری کو دو بار جھٹکا۔

چند لمحوں میں وہی خاص کنیز حاضر ہوئی۔

''ملکہ شاطو حکم کر۔'' وہ اس کے سامنے آ کر جھک گئی۔

''کچھ پینے کا انتظام کر۔''

تھوڑی ہی دیر میں چاندی کے نازک برتنوں میں پینے کے لیے مشروب حاضر کر دیا گیا۔

''کوئی اور حکم؟'' کنیز نے پوچھا۔

''تم جا سکتی ہو۔''

کنیز کے جانے کے بعد ملکہ شاطو نے دو پیالوں میں مشروب ڈالا۔ ایک پیالہ اسے کر دیا۔ ''لو پیو۔''

قامران نے پینے سے پہلے شاہی آداب کے مطابق پیالہ اس کی طرف بڑھایا تاکہ و کے پیالے سے ایک گھونٹ مشروب پی لے۔

''نہیں' تم پیو اور ایک گھونٹ پی کر مجھے دے دو۔'' حکم ہوا۔

قامران کو ایسا ہی کرنا پڑا۔ یہ اس کے لیے ایک اور اعزاز تھا۔

قامران ابھی مزے لے لے کر مشروب پی ہی رہا تھا کہ ایک آفت نازل ہو گئی۔

ملکہ شاطو جو پاؤں لٹکائے تخت پر بیٹھی تھی' اس نے فوراً اپنے پاؤں اوپر اٹھا لیے اور قا سے تقریباً لپٹے ہوئے خوفزدہ لہجے میں بولی۔

''وہ......وہ۔''

قامران نے جب ملکہ شاطو کے ہاتھ کے اشارے کی طرف دیکھا تو ایک لمحے کے بھی سناٹے میں آ گیا۔

☆......☆......☆

اس سے چند قدم کے فاصلے پر ایک کالا ناگ پھن پھیلائے کھڑا تھا۔

یہ بڑا زہریلا سانپ تھا۔ اس کی پھنکاروں سے سرخ قالین بھی سیاہ ہوتا جا رہا تھا۔

قامران نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا۔ اس نے ملکہ شاطو کو آہستہ سے دھکیل کر تیر کمان بڑھی کی اور پلک جھپکتے ہی تیر ترکش سے نکال کر چلے پر چڑھا لیا۔

اب وہ کالا ناگ اس کی زد میں تھا اور موت اس کے قریب کھڑی ہنس رہی تھی۔

''نہیں......اسے مت مارنا۔'' قامران کے تیر چلانے سے پہلے ہی ملکہ شاطو چیخی۔ ''قامران! کمان فوراً نیچی کر لو ورنہ تباہی پھیل جائے گی۔''

قامران نے ملکہ شاطو کو حیرت سے دیکھا۔

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں قامران' اس پر تیر ہرگز نہ چلانا۔''

پھر ملکہ شاطو نے ایک خالی پیالے میں مشروب بھرا اور ڈرتی ڈرتی اس ناگ کے قریب گئی۔ قامران تیر کمان بدستور سنبھالے ہوئے تھا۔

''یہ تمہارے لیے ہے۔'' ملکہ شاطو نے اس ناگ کے سامنے پیالہ رکھتے ہوئے کہا۔

ناگ نے پیالہ دیکھتے ہی پھنکارنا بند کر دیا اور بڑی سعادت مندی سے پیالے میں منہ ڈال کر مشروب پینے لگا۔

قامران اب بھی اسے نشانے پر لیے ہوئے تھا۔

مشروب پینے کے بعد سانپ نے لہرانا شروع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ تیزی سے سرسراتا دائرے سے نکل گیا۔

قامران نے تیر کمان سے نکال لیا۔

ملکہ شاطو نے گہری سانس لے کر قامران کو دیکھا۔ ''ساڑی دیوتا کا شکر ہے۔''

پھر ملکہ شاطو نے دوبارہ ریشمی ڈوری کھینچی اور تخت پر تن کر بیٹھ گئی۔

ملکہ کی خاص کنیز فوراً حاضر ہوئی۔ ''ملکہ شاطو حکم کر۔''

''یہ دیکھو۔'' ملکہ شاطو کے لہجے میں سانپ کی سی پھنکار تھی۔ اس نے خالی پیالے اور قالین کی طرف اشارہ کیا۔

کنیز خاص نے جب قالین پر پڑے سیاہ دھبوں اور خالی پیالے پر نظر ڈالی تو خوف سے اس لرزہ طاری ہو گیا۔ وہ بے دم ہو کر ملکہ شاطو کے قدموں میں گر پڑی اور گڑگڑا کر بولی۔ ''رحم' ملکہ شاطو ......تیری قسم میں بے قصور ہوں۔''

''اس وقت وہ کہاں ہے؟'' ملکہ شاطو نے رحم کی اپیل پر کان نہ دھرے۔

''اپنے ٹھکانے پر پہنچ چکا ہے۔'' کنیز خاص نے اطلاع دی۔

''جاؤ اور اس بات کا خیال رکھو کہ اب وہ اپنے ٹھکانے سے نکلنے نہ پائے۔''

کنیز خاص نے یہ حکم سنا تو فوراً اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی جان بخشی گئی تھی۔ اس پر جتنا خوش ہوتی' کم تھا۔ اس نے جلد جلد برتن سمیٹے اور الٹے قدموں واپس ہو گئی۔

پرتکلف کھانے کے بعد مشروب کا پھر دور چلا۔ قامران نے مشروب نوش کرنے کے ساتھ ساتھ کمان پر بھی گرفت رکھی لیکن وہ زہریلا ناگ پھر نمودار نہ ہوا۔

ملکہ شاطو کے ریشمی ڈوری ہلانے پر کنیز خاص انداز داخل ہوئی اور مودبانہ کھڑی ہو گئی۔

''رقص۔'' ملکہ شاطو نے حکم دیا۔

تھوڑی دیر میں پانچ سازندے اور ایک رقاصہ اندر داخل ہوئی۔ پانچوں سازندوں کو بھار پردے کے پیچھے بٹھا دیا گیا۔ شاہی رقاصہ نے ملکہ شاطو کی قدم بوسی کی اور معزز مہمان قامران کا ہاتھ چوما...... پھر وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹتی چلی گئی۔

تب ہی پردے کے پیچھے سے تیز تیز موسیقی کی لہر اٹھی اور شاہی رقاصہ اس لہر پر خود لہرانے لگی۔

قامران جسم کے اس اتار چڑھاؤ کو بڑی دلچسپی سے دیکھنے لگا۔ اس نے گاؤ تکیے سے اپنی ٹکالی اور کمان ڈھیلی چھوڑ دی۔

وہ قیامت بدن' حشر سامان رقاصہ بڑی دیر تک قامران پر بجلیاں گراتی رہی اور قامران پوری محویت سے قدم قدم بکھرتے جلوؤں سے محظوظ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ تالی بجا کر ملکہ شاطو رقص ختم کرنے کا اعلان کیا۔

قامران کی محویت ٹوٹی تو اس کے منہ سے بے اختیار ''واہ' واہ۔'' نکلی۔

''رقص اچھا لگا؟''

''بہت خوب...... ملکہ شاطو' بہت خوب۔''

''یہ مانا کہ تم نشانچی بہت اچھے ہو' لیکن اس طرح کسے کسائے کب تک بیٹھو رہو گے...... یہ تیر' کمان اور ترکش مجھے دے دو۔'' ملکہ شاطو مسکراتی ہوئی اس کی طرف بڑھی۔

''میں بغیر تیر کمان کے خود کو ادھورا سمجھتا ہوں۔'' قامران اپنی کمان پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

''میں تمہیں ادھورا نہیں رہنے دوں گی۔ میں خود تمہاری کمان بنجاؤں گی۔'' اس جملے میں ہزا معنی پنہاں تھے۔ ایک عورت اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتی تھی۔

''وہ کیسے؟'' قامران واقعی بدھو تھا' اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

''سب سمجھ جاؤ گے...... آؤ میرے ساتھ...... لو میری انگلی پکڑ لو۔''

قامران اب عمر کے اس حصے میں تو نہ تھا کہ وہ انگلی پکڑ کر چلتا۔ اس نے انگلی پکڑنے کے بجائے ملکہ کا ہاتھ تھام لیا اور اس کے ساتھ ہو لیا۔

ملکہ شاطو اسے اپنی خوابگاہ میں لے کر داخل ہوئی۔ یہ خوابگاہ تقریباً ویسی ہی تھی جیسی خواب

گاہ میں وہ چاندکا کے توسط سے آرام کر چکا تھا۔

وہی سرسراتے پردے' خوبصورت چھپرکھٹ' نازک سا فانوس' ہر طرف خوشبوئیں اور خوشگوار سا اندھیرا۔

''بیٹھو...... میں لباس تبدیل کر لوں۔''

ملکہ شاطو قامران کو بٹھا کر پردوں کے پیچھے غائب ہو گئی۔

کچھ دیر بعد جب وہ برآمد ہوئی تو زرق برق لباس اور سر سے تاج غائب تھا۔ اس کے جسم پر ایک باریک سا گاؤن تھا اور بال کھلے ہوئے تھے...... خوبصورت' سیاہ اور لمبے بال۔ وہ ایک ادا سے قامران کی طرف بڑھی۔ پھر وہ چھپرکھٹ کے پاس پہنچ کر رک گئی۔ قامران اس کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا' وہ اس کی ہر حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھا۔

وہ چھپرکھٹ پر شان سے بیٹھی' زلفوں کو جھٹک کر پیچھے کیا۔ قامران کو گہری نظروں سے دیکھا اور ایک جھٹکے سے گاؤن اتار پھینکا۔

خوبصورت بدن کی چاندنی خوابگاہ کے گوشے گوشے میں پھیل گئی۔

''آ جا۔'' ملکہ شاطو نے خواہش بھری آنکھوں سے اسے بلایا۔

قامران بہت تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھا۔ ملکہ شاطو اب کھل کر اس کے سامنے آ گئی تھی۔ اب کوئی بات ڈھکی چھپی نہ تھی۔

ملکہ شاطو کی بانہیں کھلی تھیں اور وہ قامران کی منتظر تھی۔

قامران دھیرے دھیرے آگے بڑھا۔

ملکہ شاطو کے جسم نے اس کے منہ میں لعاب بھرنا شروع کر دیا تھا۔

وہ دھیرے دھیرے بڑے مضبوط قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی اتلتی جا رہی تھی۔

''آ جا۔'' ملکہ شاطو کے روئیں روئیں سے آوازیں آ رہی تھیں۔

جب وہ چھپرکھٹ کے نزدیک پہنچا تو اس کا دہن لعاب سے بھر چکا تھا۔

وہ تھوڑا سا جھکا...... ملکہ شاطو نے اپنے جسم کو ایک دم ڈھیلا چھوڑ دیا۔

''آخ تھو۔'' ایک آواز خوابگاہ میں گونج گئی۔

قامران کے منہ سے نکلا ہوا ڈھیر سارا تھوک ملکہ شاطو کے جسم پر پڑا۔

''گندی عورت۔'' قامران نے انتہائی نفرت سے کہا اور خوابگاہ سے نکل گیا۔

ملکہ شاطو ناگن کی طرح بل کھا کر اٹھی۔ شیرنی کی طرح آواز والے طاق کی طرف لپکی۔ اس نے طاق میں منہ دے کر زور سے کہا۔ ''قامران جانے نہ پائے۔''

یہ حکم پورے محل میں گونج گیا۔ دیواریں جواب تک اپنے کانوں کے لیے مشہور تھیں' اب زبان بھی اگلی تھیں۔

قامران کو سواروں نے جلد ہی قابو میں کر کے ملکہ شاطو کے سامنے پیش کر دیا۔

ملکہ شاطو جواب مہر نہ تھی' قہر تھی' اسے دیکھ کر پھنکاری۔

"اس خبیث کو صحرائے سرخ کے حوالے کر دو۔ ہاتھ پیر باندھنا نہ بھولنا۔ ہاں یہ ایسی اذیت ناک موت مرے گا کہ آخری لمحے تک ملکہ شاطو کو یاد رکھے گا...... جاؤ اسے لے جاؤ۔" ملکہ شاطو صادر کر کے ایک لمحے کو بھی نہ رکی۔

قامران اسے بڑے صبر سے ناگن کی طرح بل کھاتے ہوئے جاتے دیکھتا رہا۔

پھر ایک دم منظر بدلا۔ اسے ہر طرف ریت اڑتی ہوئی نظر آئی۔

چند لمحوں بعد اس ریت کے بادل سے چاندکا برآمد ہوئی۔ وہ اونٹنی پر بڑی برق رفتاری سے سامنے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ وہ نزدیک آ کر رک گئی۔ اس کے رکتے ہی ہر چیز ساکت ہو گئی۔ اب قامران کے سامنے چاندکا کی ساکت تصویر کے سوا کچھ نہ تھا۔

اس ساکت تصویر میں جو خود بخود متحرک ہو جاتی تھی' قامران اپنی زندگی کے کئی اہم حصے دیکھ چکا تھا۔ یہ سب کیسے ہوتا ہے' کیونکر ہو جاتا ہے' یہ سوچنے سے وہ قاصر تھا۔

تصویر کے پردے پر وہ خود کو متحرک دیکھ کر حیران رہ جاتا تھا۔ وہ باتیں جنہیں اس نے راز سمجھ رکھا تھا کہ نیلابو اور اس کے سوا کوئی اور ان سے واقف نہیں' ریت کی دیوار ثابت ہوئی تھیں۔ کوئی اور بھی ان سے واقف تھا؟ اور بڑی اچھی طرح۔

وہ کون ہے؟......اور اسے اس کے ماضی سے اتنی دلچسپی کیوں ہے؟

یہ تھا وہ سوال جس کا جواب فوری درکار تھا۔

چاندکا نے اسے بتایا تھا کہ وہ اس کی زندگی کے ایک ایک لمحے سے واقف ہے اور قدرت رکھتی ہے کہ اس کے ماضی کے کسی بھی حصے کو متحرک انداز میں دکھا سکے۔ یہ وہ ٹھیک کہہ رہی تھی......اس نے ایسا کر دکھایا تھا لیکن سوال یہ اٹھتا ہے کہ چاندکا کو اس کے ماضی سے اتنی دلچسپی کیوں ہے؟

وہ سوچتا ہوا کمرے سے باہر نکلا۔ اسے پوری امید تھی کہ اب اسے وہاں خیمہ نظر نہیں آئے گا۔ وہ اب تک غائب ہو چکا ہوگا لیکن ایسا نہ ہوا۔ تصویر والے کمرے کے باہر خیمہ ابھی تک موجود تھا۔ خیمے کی تمام چیزیں بدستور موجود تھیں۔ وہ بلی بھی ابھی وہیں آرام فرما تھی۔ قامران کو خیمے کے اندر دیکھ کر بلی چونک کر اٹھی اور تیزی سے خیمے سے باہر نکل گئی۔

قامران نرم اور دبیز قالین پر لیٹ گیا۔

اس خیمے نے اس کا ذہن اس رات کی طرف موڑ دیا جبکہ ملکہ شاطو رات گئے اس کے خیمے میں چلی آئی تھی اور اس سے شعر سنانے کی فرمائش کی تھی۔

پھر جیسے اسے سب کچھ یاد آ گیا۔ یادوں کے جھکڑ چلنے لگے۔

غربان سے صحرائے سرخ تک سات دن کا سفر......سفر کی صعوبتیں' اذیتیں' ایک ایک کر کے سب یاد آنے لگا۔ وہ خدا خدا کر کے صحرائے سرخ پہنچے تو یہاں سے اذیتوں کا ایک نیا سفر شروع ہوا۔ ظالم تو اسے ریت کی صلیب پر چڑھا کر چلے گئے۔ ملکہ شاطو کو جب یہ اطلاع ملی ہوگی کہ اسے "بہ وخوبی" صحرائے سرخ کے حوالے کر دیا گیا ہے تو کتنی خوش ہوئی ہوگی۔ اس کے کلیجے میں ٹھنڈک پڑ گئی ہوگی۔

صحرائے سرخ کے عذاب سے بچ نکلنا آسان نہ تھا۔ وہ تو چاندکا فرشتۂ رحمت بن کر نازل ہو گئی ورنہ اب تک گدھ اس کی بوٹی بوٹی چٹ کر چکے ہوتے۔ گدھوں کا خیال آتے ہی اس کے جسم میں جھرجھری سی پھیل گئی۔ وہ اس اذیت ناک خیال کا رخ موڑنے کے لیے نیلابو کو اپنے تصور میں لے آیا۔

نیلابو سے بچھڑے کافی دن ہو چکے تھے۔ جانے وہ کیسی ہوگی۔ اس کے بارے میں کیا سوچتی ہوگی۔ ممکن ہے اس کے دل میں غلط فہمی پیدا ہو گئی ہو کہ وہ ملکہ شاطو کا ہی ہو کر رہ گیا۔ اس کے محل کی رنگینیوں میں کھو گیا۔ مرد آخر ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اسے کیا معلوم کہ وہ کس کس عذاب سے گزرا ہے۔ نیلابو سے وفاداری کی قسم نے اسے کیسی کیسی اذیتوں سے ہمکنار کیا تھا۔

قامران خوش تھا کہ وہ ملکہ شاطو کی شرانگیز ترغیبات کے باوجود پاکیزگی کا دامن اپنے ہاتھ میں مضبوط سے پکڑے رہا اور ایسا کر کے اس نے نیلابو پر ہرگز احسان نہیں کیا تھا۔ یہ ایک امتحان تھا جس سے وہ سرخرو گزرا تھا۔

سوچتے سوچتے اس کی آنکھوں میں نیند بھرنے لگی۔ وہ اپنے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ کر سو گیا۔ نیند میں اسے عجیب وغریب خواب دکھائی دیتے رہے۔ اس نے کبھی خود کو اپنے قبیلے میں' کبھی ملکہ شاطو کے محل میں گھومتے ہوئے محسوس کیا۔ کافی دیر بعد جب اس کی آنکھ کھلی تو ڈھیر سارے خوابوں میں سے ایک خواب سب پر حاوی تھا اور اسے یاد رہ گیا۔ اس نے نیلابو کو بڑے پریشانی کے عالم میں دیکھا تھا۔

وہ اس سے کہہ رہی تھی۔

"تم یہاں پڑے غفلت کی نیند سوتے ہو...... تمہیں معلوم ہی نہیں کہ تمہاری نیلابو کن اذیتوں سے گزر رہی ہے۔"

"نہیں...... نیلابو تمہیں کچھ نہیں ہو سکتا۔ اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو میں اس دنیا کو آگ لگا دوں گا" وہ آپ ہی آپ بڑبڑانے لگا۔ "سائری دیوتا تمہیں اپنی امان میں رکھے۔"

اچانک قامران کو محسوس ہوا جیسے کوئی خیمے میں داخل ہوا ہو۔ کنوارے بدن کی خوشبو ساتھ ہی پھیل گئی۔

"چاندکا...... یہ تم ہو؟" قامران نے کہا۔

"ہاں' یہ میں ہوں لیکن تم نے مجھے کیسے پہچان لیا جبکہ میں ابھی تک ظاہر بھی نہیں ہوئی۔" چاندکا کی آواز آئی۔

"تم آتی ہو تو ایک خوشبو سی پھیل جاتی ہے۔ یہ خوشبو پھولوں کی مہک سے مختلف ہے۔ یہ تو کسی لڑکی کے کنوارے بدن سے اٹھتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ کیا تمہیں اس خوشبو کا احساس نہیں؟" قامران نے آواز کے اندازے سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔"

"ہاں......تم چاندکا ہو' چاند ہو...... چاند بیچارے کو کیا معلوم کہ اس کے دم سے کتنی دنیائیں روشن ہیں۔"

''ہوگئی شاعری شروع۔''

''چاندکا تم سامنے کیوں نہیں آتیں؟ تم نے اپنے وجود کو پہلے ہی کالے لبادے میں لپیٹا ہے۔ اب وہ وجود بھی غائب ہوگیا...... یہ تو ظلم ہے ظلم۔''

''لو۔'' یہ کہہ کر چاندکا ظاہر ہوگئی۔

قامران نے دیکھا کہ وہ اس کے قریب ہی کالے لبادے میں لپٹی بیٹھی تھی۔ اتنے نزدیک کہ وہ اسے ہاتھ بڑھا کر چھو سکتا تھا۔

''میری طرف ہاتھ نہ بڑھانا۔'' تنبیہہ کی گئی۔

''ایسی عادتیں نہیں مجھ میں۔'' قامران نے اس کالے وجود کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''بڑا اعتماد ہے خود پر۔''

''وہ تو ہے...... اور اس کی گواہ تم خود بھی ہو۔''

''وہ کیسے؟''

''تم جو میری زندگی کے لمحے لمحے سے واقف ہو۔''

''مرد پھر مرد ہوتا ہے...... اسے پھسلنے میں دیر نہیں لگتی۔''

''نیلابو بھی یہی کہا کرتی تھی لیکن سات سال گزر جانے کے بعد اب وہ ایسا کہنے کے نہیں رہی۔''

''تم نے واقعی اس پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ تم چاہتے تو اس سے پہلی ہی رات چھٹکارا حاصل کر سکتے تھے۔ تم نے نہ صرف یہ کہ اسے چھوڑنا پسند نہیں کیا بلکہ اب تک زندگی بھی بڑی پاکیزگی سے گزاری ہے۔''

''نیلابو سے میں شدید محبت کرتا ہوں۔ یہ سب میں نے احسان جتانے کے لیے نہیں بلکہ محبت میں کیا ہے۔''

''تم واقعی قابل تعریف ہو...... تم پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے۔''

''چاندکا۔ میں غربان پہنچنا چاہتا ہوں۔ گھر سے نکلے ہوئے مجھے کافی دن ہو گئے ہیں۔'' قامران نے کہا۔ ''کیا تم مجھے وہاں تک پہنچانے کا بندوبست کر سکتی ہو؟''

''ہاں' کیوں نہیں...... یہ کام تو میں چٹکیوں میں کر سکتی ہوں۔''

''پھر چٹکی بجاؤ۔'' قامران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آنکھیں بند کرو۔'' چاندکا کی آواز میں مسکراہٹ تھی۔

''لو۔'' اس نے آنکھیں بند کر کے گردن اوپر اٹھائی۔

تب ہی اسے ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اس کا سر پکڑ کر زور سے ہلا دیا ہو۔

اس نے چاندکا کے کہنے پر جب آنکھیں کھولیں تو خود کو ایک حوض کے کنارے کھڑا پایا۔

''حوض میں اترو۔'' چاندکا نے حکم دیا۔

اس نے حوض میں چھلانگ لگا دی اور جب وہ کھڑا ہوا تو پانی اس کی گردن تک موجود تھا۔

''تم بہت جلد اپنے علاقے میں پہنچ جاؤ گے۔ جانے سے پہلے میری ایک بات غور سے سنتے

جاؤ۔'' چاندکا اتنا کہہ کر ٹھہر گئی۔

''ہاں۔ سناؤ۔'' قامران بات سننے کے لیے بے تاب تھا۔

''اپنے علاقے میں پہنچ کر اگر تمہیں کوئی اندوہناک خبر سننی پڑے تو ہمت سے کام لینا' صبر کرنا...... میں تمہارے ساتھ ہوں اور ہمیشہ رہوں گی۔ تم پریشان مت ہونا...... اچھا جاؤ۔''

قامران ابھی کچھ جواب بھی نہ دینے پایا تھا کہ اس نے محسوس کیا جیسے کوئی اس کی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹ رہا ہے۔

وہ نیچے اور نیچے پانی میں ڈوبتا جا رہا تھا۔

یہ کیفیت چند لمحوں تک رہی یا اس نے محسوس ہی ایسا کیا۔ اب اس کی ٹانگیں آزاد تھیں۔ اس نے تیزی سے اوپر اٹھنا شروع کیا۔

جب اس نے پانی سے سر ابھارا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ اب حوض کے بجائے میٹھے پانی کے چشمے میں موجود ہے۔

وہ لپک جھپک میٹھے پانی کے چشمے سے نکلا اور اپنی بستی کی طرف تیر کی طرح چلا۔ اسے اپنی بستی سے نکلے اگرچہ زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا لیکن اسے محسوس ایسا ہو رہا تھا جیسے کئی ماہ سے وہ اپنی بستی سے غائب ہے۔

جب وہ بستی میں داخل ہوا تو قبیلے کے لوگوں کا رویہ بالکل مختلف پایا۔ وہ اپنے قبیلے کا پسندیدہ نوجوان تھا۔ ابلا پر سواری کر لینے کے بعد اس کی مقبولیت میں مزید اضافہ ہوگیا تھا۔ قبیلے کا ہر چھوٹا بڑا شخص اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور اسے دیکھ کر خوش ہوتا تھا۔ اب جبکہ وہ کافی دنوں بعد بستی میں داخل ہوا تھا تو لوگ اسے دیکھ کر خوش ہونے کے بجائے کچھ عجیب سا رویہ اختیار کیے ہوئے

ان کے چہروں پر حزن و ملال اور خوف کی سی کیفیت طاری تھی۔

ضرور کوئی بات ہوگئی ہے۔ کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے۔ چاندکا نے بھی کسی اندوہناک خبر سننے کی پیش گوئی کی تھی۔

''آخر تم لوگ بولتے کیوں نہیں ہو؟'' قامران نے چیخ کر کہا۔ ''کیا ہوا؟''

اس کی آمد کی خبر سن کر قبیلے کے خاصے لوگ اکٹھا ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک بزرگ شخص آگے بڑھا اور اس نے قامران کے قریب پہنچ کر اس کے سر پر تین بار مخصوص انداز میں ہاتھ پھیرا۔

اس طرح سے ہاتھ پھیرنا کسی موت کی علامت تھا اور تعزیت کا اظہار۔

قامران کے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی۔

''بیٹا...... ہم سب مرنے کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ صبر کرنا... صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں۔'' یہ کہہ کر وہ شخص پیچھے ہٹ گیا۔

پھر ایک ایک کر کے لوگ اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے اور تعزیتی کلمے کہنے لگے۔

ابھی تک قامران صرف اتنا جان سکا تھا کہ کسی کا انتقال ہوگیا ہے۔ کس کی موت واقع ہوئی

ہے' یہ اسے کوئی نہیں بتا رہا تھا۔

نیلابو اور نیلابو کے باپ کے سوا اس دنیا میں اس کا تھا ہی کون؟

کیا نیلابو کا باپ انتقال کر گیا؟......لیکن تعزیت کرنے کا انداز یہ بتاتا تھا کہ کوئی اور المناک موت واقع ہوئی ہے۔

کیا نیلابو......اس سے آگے وہ نہ سوچ سکا۔

قامران اپنے سر کی طرف بڑھتے ہاتھ روکتا' لوگوں کی بھیڑ چھانٹتا اپنے جھونپڑے کی طر تیزی سے بھاگا۔ جھونپڑے کے قریب پہنچ کر وہ ایک لمحے کو ٹھٹھک گیا۔ وہاں جھونپڑا نہ تھا۔ وہار راکھ کا ڈھیر تھا اور اس راکھ کے ڈھیر پر کوئی جھلسا ہوا وجود لیٹا تھا۔ یہ وجود نیلابو کے باپ کا تھا......نی کا دور دور تک پتہ نہ تھا۔

''بابا...... یہ سب کیا ہے؟ نیلابو کہاں ہے؟'' قامران بے قراری سے بولا۔

نیلابو کے باپ نے بڑی مشکل سے اپنی آنکھیں کھولیں۔ اس کا جسم جگہ جگہ سے جھلسا تھا۔ وہ شدید زخمی تھا۔ قامران کو پہچان کر نیلابو کے باپ نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اٹھ نہ سکا۔ وہ نقاہب سے بولا۔ ''قامران تم کہاں تھے؟......تمہارے جاتے ہی اسی رات ملکہ شاطو کے سواروں اس گھر کو آگ لگا دی۔ نیلابو کو زندہ جلا دیا گیا۔ میں نے اسے بہت بچانے کی کوشش کی لیکن بچ سکا۔ ملکہ شاطو کے سواروں نے اسے بچانے نہ دیا۔ وہ بڑی اذیت میں مری۔ کاش! اس کی جگہ مر جاتا۔ مرتے دم تک وہ تمہارا نام لے کر تمہیں مدد کے لیے پکارتی رہی۔ پر تم کہاں تھے؟ تم ہوتے بھی کیا کر لیتے؟ ملکہ شاطو کے سواروں کے آگے کس کی چلی ہے؟''

نیلابو کا باپ جانے کیا کیا کہے جا رہا تھا لیکن قامران کو کچھ نہیں سنائی دے رہا تھا۔ اس ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں' دھماکے ہو رہے تھے۔ غم و غصہ اسے پاگل کیے دے رہا تھا۔

وہ دھیرے دھیرے نیلابو کے جلے ہوئے وجود کی طرف بڑھا۔ اس نے کالی کوئلہ کی ہوئی اکڑی لاش کو اپنے ہاتھوں میں اٹھایا اور دایاں پیر زمین پر مار کر بولا۔

''سائری دیوتا کی قسم......اس ظلم کا بدلہ ضرور لوں گا۔''

جب قامران نے نیلابو کی لاش کو نیلابو کے باپ کے پاس رکھا تو نیلابو کا باپ بھی اپی کے پاس پہنچ چکا تھا۔

''اوہ...... بابا' تم بھی ساتھ چھوڑ گئے۔''

یرکان قبیلے کے رسم و رواج کے مطابق دونوں لاشوں کو دفنا دیا گیا۔

تدفین کے بعد جب وہ قبیلے والوں کے ساتھ واپس لوٹ رہا تھا تو کئی نوجوانوں نے اپنی خدمات پیش کیں کہ وہ اگر ملکہ شاطو سے انتقام لینا چاہے تو وہ اس کے ساتھ ہیں۔ قامران نے کی اس پیشکش کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا اور بتایا کہ وہ اکیلا ہی ملکہ شاطو سے نمٹنے کی قسم کھا چکا ہے۔

ملکہ شاطو سے انتقام لینا آسان نہ تھا' وہ خود مجسم انتقام تھی' قہر تھی' بلا تھی۔ اس کے نام سے لوگوں پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا......لیکن!

قامران ملکہ شاطو کو بہت قریب سے دیکھ چکا تھا۔ وہ اس کے جسم کے روئیں روئیں۔

تف تھا۔ اس پر ملکہ شاطو کی ذرا بھی ہیبت نہ تھی۔ مسئلہ صرف اتنا تھا کہ وہ شاہی محل تک پہنچے کیسے؟

یہ مسئلہ خود بخود حل ہو گیا۔

قامران کی آمد کی اطلاع آناً فاناً شاہی محل تک جا پہنچی۔ وہاں سے اس کی فوری گرفتاری احکامات جاری ہوئے اور ملکہ شاطو کے سوار تعمیل حکم کے لیے بستی آ پہنچے۔ ملکہ شاطو کے سواروں کے میں داخل ہوتے ہی بستی کے نوجوانوں نے قامران کو ہوشیار کر دیا۔

''قامران......ملکہ شاطو کے کتے آ پہنچے ہیں اور تمہیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔''

''آنے دو۔'' قامران نے بلا خوف و جھجک کہا۔ ''میں تو خود گرفتار ہونا چاہتا ہوں کہ شاہی میں داخلے کا اس کے سوا کوئی حل نہیں۔''

''لیکن اگر یہ کتے تمہیں شاہی محل لے جانے کے بجائے راستے میں ہی موت کے گھاٹ یں تو پھر کیا ہوگا؟''

''نہیں......ایسا نہیں ہو سکتا......ملکہ شاطو مجھے مروانے سے پہلے ایک نظر دیکھنا ضرور چاہے صحرائے سرخ سے زندہ سلامت واپسی کسی غیر انسان ہی کی ہو سکتی ہے۔'' قامران نے مسکراتے نے کہا۔ ''آؤ' میرے ساتھ' ہم خود ہی ان کتوں کی تلاش میں نکل پڑتے ہیں۔ دیکھتے ہیں ملکہ شاطو وار میرے ساتھ کیا رویہ اختیار کرتے ہیں۔''

بستی کے ایک موڑ پر شاہی سواروں اور قامران کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ قامران کے ساتھ بستی کے ل نوجوان تھے۔

''کون ہو تم لوگ؟'' ملکہ شاطو کے ایک سوار نے پوچھا۔

''وہ جس کی تمہیں تلاش ہے۔'' قامران اندھیرے میں سینہ تانے کھڑا تھا۔

تب ملکہ شاطو کا ایک سوار آگے بڑھا۔ اس نے مشعل کی روشنی میں قامران کا چہرہ دیکھا تو لمحے کو اسے سانپ سونگھ گیا۔

یہ وہی دستہ تھا جو اسے صحرائے سرخ کے حوالے کر کے آیا تھا۔

''تم واقعی زندہ ہو......تم زندہ کیسے بچ گئے؟ ناممکن ہے یہ بات۔'' حیرت ہی حیرت۔

قامران نے اس سرخ رومال والے سوار کے چہرے پر بے یقینی آثار کے دیکھے۔ وہ مسکرا ان کی حیرت بجا تھی۔ صحرائے سرخ سے واپسی اور وہ بھی اس صورت میں کہ آدمی بندھا ہوا ہو' ن تھی' قطعی ناممکن۔ ان سواروں پر اسے دیکھ کر ایک خوف کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔

''تمہیں...... ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔'' سرخ رومال والے نے کرخت لہجے میں کہا۔

''کہاں؟'' قامران نے پوچھا۔

''ملکہ شاطو کے حضور۔'' سرخ رومال والے سوار نے اسے بتایا۔

''ٹھیک ہے......چلو۔''

''کرچنا اس کے ہاتھ باندھ کر اسے گھوڑے پر بٹھا دو۔'' حکم ہوا۔

''ہاتھ باندھنے کی ضرورت نہیں۔ میں کہیں نہیں بھاگوں گا۔ اگر فرار ہونا چاہتا تو تم میں ی میری گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا تھا لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔''

"جو شخص صحرائے سرخ سے صاف بچ نکلے' اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ تمہیں میرا حکم ما
ہوگا۔" تنبیہہ کی گئی۔

قامران نے جواب میں خاموشی اختیار کی۔ کرچنا نے اس کے ہاتھ رسی سے باندھ دیئے پھر اسے ایک گھوڑے پر بٹھا کر لگام اس کے ہاتھ میں تھما دی۔ اس پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ گھ کی اگلی پچھلی ٹانگوں میں اس طرح رسی باندھ دی گئی تھی کہ وہ مخصوص رفتار سے زیادہ تیز نہ دوڑ سکے یوں یہ قافلہ شاہی محل کی طرف روانہ ہوا۔

جب وہ سرخ رومال والا سوار ملکہ شاطو کے حضور پیش ہوا تو اس نے اسے قدم بوسی مہلت نہ دی۔ وہ قامران کی گرفتاری کے سلسلے میں جلد سے جلد جان لینا چاہتی تھی۔ بے قراری بولی۔

"قامران ہاتھ لگا؟"

"ملکہ شاطو..... تیری قسم' تیرے سوار' تیرا حکم ماننے کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ ہمارے ساتھ ہے۔" سرخ رومال والے نے پوری فرمانبرداری سے کہا۔ "قدم بوسی کی دے۔"

سرخ رومال والے نے پورے احترام سے ملکہ شاطو کے قدم چومے اور آہستہ آہستہ ہٹا۔

"حکم کر ملکہ شاطو۔"

"قامران کو کال کوٹھری میں ڈال دو۔" ملکہ شاطو نے اپنے ہونٹوں کو سختی سے بھینچتے ہو۔ دیا۔ "اور کھانا پینا بالکل بند۔"

سرخ رومال والا ملکہ شاطو کا حکم سن کر الٹے قدموں واپس ہوا۔ باہر کھڑے سواروں نے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ قامران سر جھکائے ان کے ساتھ چل دیا۔ شرف باریابی نہ جانے پر اسے حیرت تھی۔

سواروں نے قامران کو داروغۂ زنداں کے حوالے کرکے ملکہ شاطو کا حکم سنایا۔

داروغۂ زنداں جو ایک گیم شحیم چیچک رو شخص تھا' اس نے نیچے سے اوپر تک قامران کو دیکھا اور بولا۔ "ٹھیک ہے۔"

اس چیچک رو شخص نے زنداں کا دروازہ کھولا اور قامران کو اندر داخل ہونے کا اشار قامران کے پاس حکم ماننے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

ملکہ شاطو کے سواروں کے جانے کے بعد جب اسے ایک اندھیری کوٹھری میں بند کیا تھا تو قامران نے داروغۂ زنداں سے کہا تھا۔

"میں ملکہ شاطو سے ملنا چاہتا ہوں' صرف ایک بار۔"

"فی الحال تو تم اس کال کوٹھری کی سیر کرو اور ہوا کھاؤ۔" داروغۂ زنداں نے جھٹکے سے کا دروازہ بند کیا اور تالہ لگا کر واپس ہو گیا۔

قامران نے گھوم پھر کر اس تاریک کوٹھری کا طول و عرض ناپا' اس کی دیواروں کی مضبوطی

پختگی کا اندازہ کیا اور صبر شکر کرکے کوٹھری کے فرش پر بیٹھ گیا۔

یہ کوٹھری اتنی تنگ تھی کہ اس میں پاؤں پھیلا کر بھی نہیں لیٹا جا سکتا تھا۔

دوسرے دن شام کو اس کی کوٹھری کا تالہ کھولا گیا اور اس سے باہر نکلنے کو کہا گیا۔

وہ باہر نکلا تو اسے زنداں کے ایک کشادہ کمرے میں بٹھایا گیا۔

"ملکہ شاطو تم سے ملنے آ رہی ہے۔" اسے بتایا گیا۔

چند ہی لمحوں میں ملکہ شاطو اپنے سواروں کے ساتھ آ پہنچی۔

وہ دھیرے دھیرے مسکراتی ہوئی اس کی طرف بڑھی۔ قامران نے اسے نگاہیں اٹھا کر حا۔ اس کا جی چاہا کہ اسی لمحے ملکہ شاطو کا حساب کتاب چکتا کر دے لیکن ابھی اس کا وقت نہیں آیا اس نے اندر کے قامران کو تھپکی دی۔ "ذرا صبر۔"

"تم نے نافرمانی کرکے خود کو مٹی میں ملا لیا۔" ملکہ شاطو کہہ رہی تھی۔ "تم نے دیکھا کہ ملکہ ۔۔ا کہنا نہ مان کر تم نے اپنی بیوی' اپنا گھر' اپنی گھوڑی کو ہاتھ سے گنوا دیا اور خود صحرائے سرخ کی ۔۔وں میں مبتلا ہوئے۔ یہ تمہاری خوش قسمتی کہ تم صحرائے سرخ سے زندہ سلامت واپس آ گئے..... اچھا ۔۔وا۔ اب تم تمام عمر اس کال کوٹھری میں رہو گے اور ملکہ شاطو کا عذاب تم پر نازل ہوتا رہے گا۔"

یہ کہہ کر وہ واپس مڑی اور تمکنت سے چلتی ہوئی زنداں سے نکل گئی۔

اس چیچک رو شخص نے اسے اٹھنے کا اشارہ کیا اور کچھ ہی دیر میں پھر سے اسے تنگ و تاریک ۔۔ای میں بند کر دیا گیا۔

پھر پانچ دن تک کسی نے اس کا حال نہ پوچھا۔

بھوک پیاس نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔ کھڑا ہوتا تو چکرا کر زمین پر گر جاتا۔ سر اٹھاتا تو ۔۔ازنی محسوس ہوتے۔ کانوں میں سیٹیاں سی بجتیں۔ ہر وقت شائیں شائیں کی آوازیں سنائی ۔۔یہ احساس روز بروز بڑھتا جا رہا تھا کہ وہ کوٹھری کی بجائے کسی اندھے کنویں کی تہہ میں موجود ۔۔اور موت اس سے قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی ہے۔

چھٹی رات اس نے بہت سے قدموں کی آواز سنی۔ یہ قدم اس کوٹھری کے سامنے آ کر رک ۔۔الہ کھلوا گیا۔ مشعل کی روشنی میں قامران کو دیکھا گیا۔

اسے نڈھال دیکھ کر ملکہ شاطو کے ایک سوار نے اسے زور سے ہلایا۔ "اٹھو۔"

قامران نے بڑی مشکل سے اپنی آنکھ کھولی۔

"اٹھو..... ہم تمہیں لینے آئے ہیں۔ چل کر نہا لو تمہارے نہانے کا پانی گرم ہو چکا ہے۔" ۔۔ا نے اس کے قریب بیٹھ کر بتایا۔

"نہا لوں..... میں۔" قامران پر نیم بے ہوشی طاری تھی۔ "اس وقت کیا بجا ہے؟"

"بارہ بجے ہیں۔"

"رات کے یا دن کے؟"

"رات کے۔" یہ کہہ کر ملکہ شاطو کے سواروں نے اسے سہارا دے کر اٹھایا۔

"مجھے کیوں نہلانا چاہتے ہو؟" قامران نے بڑی نقاہت سے پوچھا۔

''شاید تمہارا آخری وقت آ پہنچا ہے۔''
داروغۂ زنداں نے بڑے پراسرار انداز میں کہا۔

☆......☆......☆

''آخری وقت؟'' قامران بڑبڑایا۔

کس کا آخری وقت آ پہنچا ہے؟ اس کا یا ملکہ شاطو کا۔ وہ تو یوں مرنے کے لیے نہیں ملکہ مار کر مرنے کے لیے پیدا ہوا ہے۔ وہ ملکہ شاطو کو مار کر ہی مرے گا۔ اس نے خود اعتماد سوچا۔

ملکہ شاطو کے سواروں نے اسے زنداں سے نکال کر کنیزوں کے حوالے کر دیا۔ کنیزو اسے سہارا دے کر ایک کمرے میں بٹھایا۔

بھوک کے مارے اس کی جان نکلی جا رہی تھی۔ ہاتھ پاؤں بے دم ہو چکے تھے۔ کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا...... لیکن اس نے رحم کی اپیل کرنا مناسب نہ سمجھی۔ اس نے کنیزوں کھانے پینے کو نہ مانگا۔ اس نے سامَری دیوتا سے دعا کی کہ وہ اس میں ہمت و جرات پیدا کرد.

اتنے میں کمرے کا بغلی دروازہ کھلا۔

قامران نے دیکھا کہ دروازے پر ملکہ شاطو کی کنیز خاص کھڑی ہے۔ اس کے ہاتھ م بڑی سی طشتری ہے جس پر ریشمی رومال پڑا ہے۔ کنیز خاص بڑی ادا سے مسکراتی ہوئی اس کی طرف اور نزدیک آ کر اس سے پوچھا۔

''کیسے ہیں آپ؟''

''یہ کیا بکواس ہے؟'' قامران کا ذہن پہلے ہی الجھا ہوا تھا۔ وہ اس سوال پر بگڑ اٹھا۔

''جناب والا...... بندی نے آپ کے مزاج پوچھے ہیں...... بکواس نہیں کی۔'' عرض کی گ

''کسی کو بھوکا مار کر اس کے مزاج پوچھنا کس آسمانی کتاب میں لکھے ہیں؟'' قامران غصے میں تھا۔

''ناراض نہ ہوں...... بندی آپ کی بھوک کا سامان ہی لے کر حاضر ہوئی ہے...... کچھ کھا پی لیں...... پھر نہا دھو کر تازہ دم ہو جائیں۔ ملکہ شاطو آپ کو شرف باریابی بخشنا چاہتی ہے کے لیے تیار رہیں۔'' کنیز خاص نے یہ کہہ کر طشتری سے رومال اٹھا لیا۔

کھانا دیکھ کر قامران کا جی چاہا کہ بس ایک دم ہی مع طشتری کے سب کچھ اپنے پیٹ اتار دے۔ لیکن وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے اردگرد کھڑی کنیزیں اس کی اس بے صبری سے لطف ہوں۔ اس نے اندر ہی اندر اپنے نفس پر کوڑے برسائے اور صابر ہونے کی تلقین کی۔

پھر اس نے ہدایت کے مطابق دو چار نوالے بڑی بے نیازی سے کھائے اور آدھا پانی پیا اور پیچھے ہٹ گیا۔ ضبطِ نفس کا یہ مظاہرہ کنیز خاص اور دیگر کنیزوں کو حیرت میں ڈال گیا۔

''ملکہ شاطو کی قسم...... آپ کو دنیا کا کوئی آدمی زیر نہیں کر سکتا۔'' کنیز خاص نے اتن سے کہا کہ قامران کے سوا کوئی اور نہ سن سکا۔ کنیز خاص کا یہ خاص جملہ قامران میں بے پناہ خود ا بڑھا گیا۔ قامران نے جواب میں اسے صرف ایک لمحے کو مسکرا کر دیکھا۔

''حمام بالکل تیار ہے۔'' ایک کنیز نے کنیز خاص کو اطلاع دی۔

''آیئے...... غسل فرما لیجئے۔'' کنیز خاص نے اسے سہارا دینے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔

''نہیں...... اب میں خود چلنے کے قابل ہو گیا ہوں۔'' قامران نے اس کے بڑھے ہوئے سے جھٹک دیئے۔

''بہت خوب...... تشریف لایئے۔'' کنیز خاص نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

شاہی محل کا یہ حمام سفید محل سے ملتا جلتا تھا اور نہلانے کا طریقہ بھی تقریباً سفید محل کی ں جیسا تھا۔ نہاتے ہوئے اس نے کئی بار خود کو سفید محل کے حمام میں محسوس کیا۔

تب ہی اچانک اسے چاندکا کی یاد آ گئی۔ چاندکا کی یاد آتے ہی اس کے جسم میں سنسنی پھیل جانے وہ اس وقت کہاں ہو گی؟ کون جانے اب اس سے دوبارہ ملاقات ہو گی بھی یا نہیں۔

وہ تو سفید محل کے محل وقوع سے بھی واقف نہ تھا۔ اب وہ اسے کیسے اور کہاں تلاش کرے اسے تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ کون تھی اور کیسی تھی اور اس سے کیا چاہتی تھی؟

اس کے جسم سے پھوٹتی خوشبو آج بھی اس کی سانسوں میں بسی ہوئی تھی اور اس کی باتیں لی یادیں دل و دماغ کے نرم گوشوں میں پیوست تھیں۔

نہلانے کے بعد کنیزوں نے اس کا لباس تبدیل کیا اور اس کے جسم کو خوشبوؤں میں بسایا نہانے کے بعد اس کے جسم میں چستی پیدا ہو گئی تھی مگر بھوک شدت اختیار کر گئی تھی۔

قامران کو خوشبو لگاتے ہوئے کنیز خاص نے بڑے پراسرار انداز میں ایک بات کہی۔

''آج کی رات غربان کی حکمران پر بڑی بھاری ہے۔ وہ آج پھر آئے گا۔ اے لوگو! ذرا ہنا۔'' اس نے خود کلامی کی۔

''کون آئے گا؟'' قامران نے اس کی بات سن کر پوچھا۔

''کوئی بھی نہیں۔''

''ابھی تم کیا کہہ رہی تھیں؟''

''کچھ بھی نہیں۔''

''یہ کیا مذاق ہے؟'' قامران جھنجھلا گیا۔

''آہستہ بولو...... صبر سے کام لو اور ہوشیار رہو۔'' تین ہدایتیں جاری کی گئیں۔

''اس کا کیا مطلب ہے؟'' اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

''سب سمجھ میں آ جائے گا...... وقت کا انتظار کرو۔ اچھا میں جاتی ہوں اور ملکہ شاطو کو تمہاری کی اطلاع دیتی ہوں۔'' کنیز خاص یہ کہہ کر رخصت ہوئی۔ دوسری کنیزیں پہلے ہی جا چکی تھیں۔ حیران پریشان کھڑا رہ گیا۔

آج کی رات قامران کے لیے بہت اہم تھی۔ وہ یہاں نیلابو کی موت کا انتقام لینے آیا تھا وہ ایک لمحے کو بھی نہ بھولا تھا...... وہ ملکہ شاطو تک رسائی چاہتا تھا۔ سو وہ اسے خود بخود حاصل ہو اگرچہ اس رسائی میں زنداں کی اذیتیں بھی شامل تھیں اور وہ اس نے بڑے صبر سکون سے کر لی تھیں۔

اب جبکہ اسے چند لمحوں میں شرف باریابی بخشا جا رہا تھا اور کچھ کر گزرنے کا وقت آ پہنچا تو وہ خود کو نہتا پا رہا تھا۔ اس کے پاس کسی قسم کا اسلحہ نہ تھا اور اس ماحول میں وہ مسلح رہ بھی نہیں سکتا تھ

بہر حال اس نے ملکہ شاطو کے قتل کا تہیہ کر لیا تھا اور اسلحہ کے بغیر ہی اسے موت کے گھا اتارنے کا ارادہ تھا۔ ملکہ شاطو پر اسے اتنا شدید غصہ تھا کہ اگر اس کا بس چلتا تو وہ اسے چار سے باندھ کر چروا دیتا یا اس کے سر پر آرا چلا کر اس کے جسم کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتا۔

ملکہ شاطو اس سے کم سزا کی مستحق نہ تھی لیکن یہ سب اس کے بس سے باہر تھا۔ ا اختیار میں جو تھا' وہ کر گزرنے کے لیے تیار تھا اور اس سلسلے میں اسے اپنی جان کی بھی پروا نہ تھی۔

اچانک دروازہ کھلا۔ کنیز خاص نے اطلاع دی۔

''ملکہ شاطو......آپ کی منتظر ہے۔ تشریف لے چلیے۔'' کنیز خاص نے اطلاع دی۔

''کیا تم جانتی ہو کہ اتنی رات گئے ملکہ شاطو نے مجھے کیوں طلب کیا ہے۔ وہ مجھ چاہتی ہے۔'' قامران نے آہستہ سے پوچھا۔

''آپ بھوکے ہیں؟''

''یہ سوال ہے یا جواب؟''

''یہ سوال ہے۔''

''ہاں' بھوکا تو ہوں۔ تم جانتی ہو کہ میں نے پانچ دن سے کھانا نہیں کھایا ہے اور اس بھی تمہاری ہدایت کے مطابق تھوڑا سا ہی کھایا۔ اب نہایا تو بھوک نے اور شدت اختیار کر لی ہے۔

''پھر جان لو کہ بھوکے کو کھانا ملے گا۔''

''ملکہ شاطو اچانک مجھ پر مہربان کیسے ہو گئی؟''

''ملکہ شاطو ایک عورت ہے اور آپ مرد ہیں......جان لو کہ عورت' مرد کے مقابلے میں پینترے باز ہوتی ہے۔''

''کوئی سازش؟''

''نہیں......کوئی سازش نہیں......میں ملکہ شاطو کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ بس اتنا ج کہ وہ پھر سے مہربان ہو گئی ہے۔ وہ نہیں جانتی کہ تباہی اس کے سامنے منہ کھولے کھڑی ہے۔'' خاص نے بڑی رازداری سے کہا۔ ''آیئے......اب چلیں۔ غربان کی حکمران آپ کی منتظر ہے۔''

قامران کنیز خاص سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا تھا۔ اس سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا اس نے مزید گفتگو کا موقع ہی نہ دیا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھتی چلی گئی۔

دروازے کے قریب پہنچ کر کنیز خاص نے قامران کو ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔ ''آپ ذرا ٹھہریں' میں باریابی کی اجازت لے لوں۔''

کنیز خاص اندر داخل ہوئی تو ملکہ شاطو بے چینی سے ٹہل رہی تھی' رک گئی اور بے قراری بولی۔ ''کہاں ہے وہ؟''

''تیرے دروازے پر' باریابی کا منتظر۔''

''اسے بھیجو۔''

''جو حکم ملکہ شاطو۔''

''اور سنو۔''

کنیز خاص کے قدم پتھر ہو گئے۔

''کھانے کا بھی انتظام کرو۔''

''بہتر۔'' یہ کہہ کر کنیز خاص الٹے قدموں واپس ہوئی۔

''جایئے۔'' دروازے پر پہنچ کر اس نے پروانہ راہداری عطا کیا اور خود تیزی سے محل کی ہداریوں میں گم ہو گئی۔ قامران نے سائری دیوتا کا نام لے کر دروازے میں قدم رکھا۔

''آؤ قامران۔'' ملکہ شاطو دروازے کے سامنے اس کی منتظر کھڑی تھی۔

قامران نے جھک کر رسم کے مطابق اس کے قدم چومنے چاہے۔

''نہیں......اس کی ضرورت نہیں۔ اس وقت تم ہمارے مہمان ہو۔ آؤ اٹھو۔'' ملکہ شاطو نے ے ہاتھ پکڑ کر اٹھنے کا اشارہ کیا۔

قامران فوراً کھڑا ہو گیا تا کہ اس کے ہاتھ ملکہ شاطو کے کرخت ہاتھوں میں زیادہ دیر نہ رہ

''میں تمہاری منتظر تھی' میں نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔'' پیار بکھیرا گیا۔

''غربان کی حکمران......اب تک بھوکی کیوں رہی؟'' سیدھا سادا سوال کیا گیا۔

''تمہارے ساتھ کھانے کا ارادہ تھا۔'' ساتھ ہی نظروں سے ترکش چھوڑا گیا۔

''لیکن میں تو یہاں پانچ دنوں سے ہوں۔'' بہت گھما کر طنز ہوا۔

''ہم جانتے ہیں۔'' ملکہ شاطو نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اور ہم یہ بھی مانتے ، تمہیں اصلی تیروں کے ساتھ ساتھ جملوں کے تیر بھی چھوڑنے آتے ہیں اور وہ بھی ٹھیک ٹھیک۔''

''مجھ سے گستاخی ہوئی ملکہ شاطو۔'' قامران نے معذرت چاہی۔

''نہیں' کوئی گستاخی نہیں ہوئی......تم اپنی گستاخی کی کافی سزا پا چکے ہو۔'' ملکہ شاطو نے ے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ملکہ شاطو......ایک بات کہوں تو برا تو نہ مانیں گی؟''

''کہو......ہم برا مانیں گے بھی تو تمہیں کچھ نہ کہیں گے۔''

''ملکہ شاطو۔'' قامران بات کہنے کے لیے ذرا سنبھل کر بیٹھ گیا۔ ''تیری بات نہ مان کر یں نے کی تھی تو نے اس جرم کی پاداش میں مجھے صحرائے سرخ کے حوالے بھی کر دیا تھا لیکن احترام کے پوچھتا ہوں کہ میری بیوی نیلابو نے تیرا کیا بگاڑا تھا کہ اسے نذر آتش کر دیا گیا۔''

''وہ ہماری سوت تھی۔''

''ملکہ شاطو تو سوت کا مطلب سمجھتی ہے؟'' کھلی گستاخی کی گئی۔

''نہیں......اب تمہیں اپنا اتالیق مقرر کروں گی' تم سے سیکھوں گی۔'' وہ طرح دے گئی۔

''وہ تیری سوت کدھر سے ہوئی؟'' پرنالہ پھر وہیں گرا۔

''تم نے ہماری خواہش کا احترام نہ کر کے نیلابو سے وفا کی۔ یہ بات تم مانتے ہو گے۔''

”مانتا ہوں‘ پوری سچائی سے۔“

”پھر تم اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کر سکتے کہ تم نے دو کوڑی کی چھوکری کے لیے کی حکمران کو ٹھکرا دیا۔ اب تم ہی بتاؤ کہ وہ ہماری رقیب ہوئی کہ نہیں۔ ہم نے اسے سوت کہہ کر گناہ کیا...... ہم نے تو تم دونوں کو اپنے تئیں نیست و نابود کر دیا تھا۔ اب تم پھر ہماری دنیا میں لگانے آ پہنچے۔ ہماری ہماری خواہشیں پھر سے جاگ اٹھی ہیں۔ اب تم ہمارا دامن جھٹک کر یہاں نہیں جا سکو گے۔ یہ ہم نے فیصلہ کر لیا ہے۔“ ملکہ شاطو نے کہا۔

”آخر تو مجھے پامال کرنے پر کیوں تلی ہوئی ہے؟“

”کون ظالم تمہیں پامال کرنا چاہتا ہے‘ ہم تو تمہیں اپنی پلکوں پر بٹھانے کے ہیں۔“ ملکہ شاطو نے اپنی آنکھیں بند کر کے جواب دیا۔

’لیکن میں تمہیں تیر کی نوک پر بھی بٹھانے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ قامران نے زبان سے کچھ نہ کہا۔

”کھانا تیار ہے...... ملکہ شاطو۔“ کنیز خاص نے آ کر اطلاع دی۔

’آؤ قامران کھانا کھا لیں...... باتوں کے لیے رات پڑی ہے۔ ملکہ شاطو نے کھڑے ہوئے کہا۔

”لیکن میرے پاس آپ کی بکواس سننے کے لیے وقت نہیں۔“ اس نے سوچا‘ پر زبان کچھ نہ کہا۔

شاہی دسترخوان پر دنیا کی نعمتیں بکھری پڑی تھیں۔ اتنی اقسام کے کھانے تو اس نے میں بھی نہ دیکھے تھے۔ کھانوں کی خوشبو نے اس کے ضبط کے تمام بندھن توڑ دیئے۔ وہ دسترخوان بھوکے بھیڑیئے کی طرح ٹوٹ پڑا۔

ملکہ شاطو اپنے ہاتھ سے ایک ایک کر کے کھانے اس کی طرف بڑھاتی رہی اور وہ شکر کیے بنا ہی کھانے اپنے پیٹ میں اتارتا رہا۔

جب اس نے کھانے سے ہاتھ کھینچ کر پانی پیا تو اس نے محسوس کیا کہ وہ ضرورت سے کھانا کھا گیا ہے۔ اس نے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر لمبی ڈکار لی اور کھڑا ہو گیا۔

کھانا کھاتے ہی اس کا سر بھاری ہونے لگا۔ نشے کی سی کیفیت طاری ہونے لگی۔ نیند اس کے اعصاب پر چھانے لگی۔ پانچ دن کے بعد اس نے کھانا کھایا تھا اور وہ بھی اتنا بھرپور تو آنا ہی تھا‘ خمار تو چھانا ہی تھا۔

کھڑے کھڑے اس نے انگڑائی لی اور منہ پھاڑ کر زوردار جماہی لی۔ ملکہ شاطو اسے ڈوبا دیکھ کر خوابگاہ میں لے آئی اور اسے آرام کرنے کو کہا۔ وہ نرم گداز چھپر کھٹ پر شہتیر کی طرح اور گرتے ہی نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

ملکہ شاطو نے دھیرے سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں‘ اس نے آنکھیں نہ کھولیں جرائتیں اور بھی سوا ہوئیں۔

ملکہ شاطو جب اس کے چہرے پر جھکی تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ کسی نادیدہ ہاتھ نے

پھیر دیا۔

ملکہ شاطو نے کھڑے ہو کر چاروں طرف دیکھا لیکن اسے کچھ نظر نہ آیا۔

وہ پھر جھکی لیکن جھٹکا کھا کر پیچھے ہٹ گئی۔

وہ سناٹے میں آ گئی۔

قامران اب بھی بڑے مزے سے نیند کے مزے لوٹ رہا تھا۔

ملکہ شاطو کچھ دیر کھڑی سوچتی رہی۔ وقت تیزی سے گزرا جا رہا تھا اور اسے اپنے عزائم ہوتے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ ابھی وہ کوئی ترکیب سوچ ہی رہی تھی کہ اس نے خود پر نیند ہوتے ہوئے محسوس کی اور باوجود کوشش کے خود کو نیند کے حملے سے نہ بچا سکی۔ وہ یہ سوچتے نیند کی آغوش میں چلی گئی کہ آخر اسے اتنی نیند کیوں آ رہی ہے؟

تقریباً دو گھنٹے کی گہری نیند کے بعد قامران کی آنکھ کھلی۔

اس نے گھبرا کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں تو اسے یاد آیا کہ وہ ملکہ شاطو کی خوابگاہ میں پھر اس نے اپنے سینے پر بوجھ محسوس کیا۔ دیکھا تو اس کے سامنے خوشبو دار زلفیں بکھری پڑی

جب اس نے ملکہ شاطو کو ایک طرف ہٹانے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا تو اس کا ہاتھ ریشمی جسم تک پھسلتا چلا گیا۔ اس کے جسم میں سنسناہٹ پھیل گئی۔

یہ کیا ہوا؟...... ملکہ شاطو یہاں اس طرح کیوں پڑی ہے؟ وہ بہت آہستگی سے اس کے پہلو اٹھا۔ تمام احتیاط کے باوجود ملکہ شاطو کی نیند ٹوٹ گئی۔ اس نے اٹھتے اٹھتے قامران کا ہاتھ تھام لیا بڑی لجاجت سے بولی۔

”قامران مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ‘ آؤ میرے پہلو میں آؤ۔ میرے گلے لگ جاؤ۔“

”ذلیل عورت۔“ قامران نے اسے جھنجھوڑ دیا۔ ”ہوش میں آ۔“

”تم چاہے مجھے گالیاں دو‘ چاہے مارو۔ میں سب برداشت کر لوں گی لیکن صرف ایک بار کہہ کر گلے سے لگا لو...... ملکہ شاطو تمہاری دیوانی ہے۔ تم سے شدید محبت کرتی ہے۔ وہ تمہارے بدلے میں غربان کی حکومت تمہارے حوالے کر سکتی ہے۔ اب تو مان جاؤ۔“ ملکہ شاطو نے اس اپنی بانہیں پھیلا دیں۔ وہ جنون میں جانے کیا کیا کہے جا رہی تھی اور قامران اندر ہی اندر سلگ

اسی لمحے وہ بڑی آہستگی سے خوابگاہ میں داخل ہوا۔ اسے ملکہ شاطو دیکھ سکی‘ نہ قامران۔

ملکہ شاطو نے پھر زبردستی کرنی چاہی۔

اب معاملہ قامران کی برداشت سے باہر ہو گیا تھا۔ وہ ایک دم انتقام کی آگ میں بھن گیا۔ اس نے اچھل کر ملکہ شاطو کا گلا دبوچ لیا اور اس سے پہلے کہ وہ اس کا کام تمام کر دیتا‘ اس نے ایک ست پھنکار کی آواز سنی۔ وہ زہریلا کالا ناگ ملکہ شاطو کے سر پر کھڑا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے اس سانپ نے ملکہ شاطو کی دونوں آنکھوں پر حملہ کیا اور خاموشی سے چھپر سے اتر کر خوابگاہ کے ایک گوشے میں گم ہو گیا۔

یہ سب چند ساعتوں میں ہوا۔ قامران کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی ملکہ شاطو تڑپ کر
بیٹھی۔ وہ اندھی ہو چکی تھی اور اس کی دونوں آنکھوں سے خون بہہ رہا تھا اور وہ درد سے کراہ رہی تھی
تب ہی کنیز خاص خوابگاہ میں داخل ہوئی۔ وہ اکیلی نہ تھی' اس کے ساتھ بہت سے مسلح
تھے اور کنیز خاص کے تیور کنیزوں والے نہ تھے' شاہانہ تھے۔

''بدکار عورت...... تیرا روز حساب آ پہنچا...... ملکہ شارو کے سوارو اس کمینی عورت کو زنجیر
سے جکڑ دو اور غربان کے عوام کو بتا دو کہ ظلم کی رات ختم ہوئی۔ اب ان پر کوئی ظلم نہ توڑے گا۔ ملکہ
سب کی سنے گی اور پورا پورا انصاف کرے گی۔'' کنیز خاص نے جواب ملکہ شارو بن چکی تھی' حکم دیا
ملکہ شارو کے سواروں نے آناً فاناً اس کے حکم کی تکمیل کی۔

سابقہ ملکہ کو برہنہ حالت میں زنجیروں سے جکڑ دیا گیا۔ شاطو نے جواب میں ایک لفظ
کہا۔ اس پر سکتہ سا طاری تھا۔

''اسے لے جاؤ اور پورے غربان میں منادی کرا دو کہ شاطو قید کر لی گئی ہے۔ اس
ظلموں کی فہرست تیار کرو' ہم دو دن بعد اپنا فیصلہ دیں گے۔''

''جو حکم ملکہ شارو...... ہم تیرے غلام ہیں۔'' ملکہ شارو کے جانثاروں نے بڑے مودبانہ ا
میں کہا اور شاطو کو دھکا دیتے ہوئے خوابگاہ سے نکل گئے۔

اب خوابگاہ میں ملکہ شارو اور قامران کے سوا کوئی نہ تھا۔

''شاطو نے تم پر بھی بہت ظلم کیے ہیں۔ اس صورتحال سے اب تو تم خوش ہو گے۔''
شارو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ملکہ شارو...... میں بہت خوش ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تو اسے عبرتناک انجام سے گزار
گی۔''

''ایسا عبرتناک انجام کہ آئندہ آنے والے حکمران ظلم کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کانپ
گے۔''

''ملکہ شارو...... اجازت ہو تو کچھ پوچھوں؟ میرے ذہن میں بہت سی باتیں بے لگام
رہی ہیں۔''

''ہاں پوچھو۔''

''تو نے چند گھنٹے قبل ہی اس انقلاب کی نشاندہی کر دی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ تو آ
والے وقت کے بارے میں تمام باتوں سے واقف تھی۔'' قامران نے وضاحت چاہی۔

''ہاں میں آنے والے وقت کے ایک ایک لمحے سے واقف تھی۔''

''تو نے اس کے آنے کی پیشگوئی بھی کر دی تھی اور وہ تیری پیشگوئی کے مطابق آیا بھی
اور شاطو کو اندھا کر کے چلا گیا تھا...... میں پوچھتا ہوں' وہ کون تھا؟''

''اس پر شاطو نے بڑے ظلم ڈھائے تھے' اسے بڑے عرصے سے قید کر رکھا تھا۔ مگر
تھی کہ ایک نہ ایک دن وہ شاطو سے بدلہ ضرور لے گا اور آخر موقع ملتے ہی اس نے اسے اند
ڈالا۔''

''لیکن وہ تھا کون؟''

''وہ شاطو کا شوہر تھا۔''

''کیا شوہر؟'' قامران کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ ''لیکن وہ ان حالوں کو کیسے پہنچا؟''

''شاطو نے ایک عامل کے ذریعے اسے ان حالوں پہنچایا' اب اس عامل کا انتقال ہو چکا
ہے۔'' ملکہ شاطو نے بتایا۔

''مجھے یاد پڑتا ہے کہ شاطو نے ملکہ بننے سے پہلے اپنے شوہر کی موت کی خبر پھیلائی تھی۔''

''ہاں اس نے غربان کے عوام میں یہ خبر پھیلا دی تھی کہ اس کا شوہر شیر کا شکار کرتے ہوئے
لقمہ بن گیا۔ حالانکہ ایسا نہ تھا...... شاطو بڑی عیاش طبع عورت تھی اور اس کا شوہر اس کے لیے
اب میں ہڈی کی طرح تھا۔''

''بیچارہ...... کیا وہ اب اپنی اصلی حالت میں نہیں آ سکتا؟''

''نہیں۔ کبھی نہیں۔''

''اوہ۔'' قامران نے دکھ سے کہا۔ ''اچھا یہ بتا...... کیا تجھ پر بھی شاطو نے کوئی ظلم کیا؟''

''مجھے اس نے اپنی ذاتی خادمہ بنا لیا تھا۔ حالانکہ میں اس کی سگی بہن ہوں اور اس کے بعد
تاج کی جائز وارث۔''

''اس نے اپنوں کو بھی نہ بخشا۔'' قامران نے افسوس ظاہر کیا۔

''شاطو میں بڑی خوبیاں تھیں' بڑی صلاحیتیں تھیں...... کاش وہ اپنے ذہن کو سیدھے راستے پر
اور اپنی ذہانت کا فیض غربان کے غریب عوام کو پہنچاتی تو آج اسے پوجا جا رہا ہوتا۔ میں خود بھی
عمر بھر اس کے لیے خادمہ بنی رہتی۔'' ملکہ شارو نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''اچھا تم اب آرام کرو
میں صبح ہونے کا انتظار کرتی ہوں۔''

ملکہ شارو کے جانے کے بعد وہ چھپر کھٹ پر آرام سے لیٹ گیا مگر نیند کہاں؟

اس صبح کا سورج غربان کے لیے ڈھیروں خوشیاں لایا۔ ملکہ شاطو کی گرفتاری کی خبر پورے
...... میں بڑی دلچسپی سے سنی گئی۔ جس نے سنا' وہ خوشی سے رقص کیے بنا نہ رہ سکا۔ پورے دن غربان
میں میلے کا سماں رہا۔ جشن کی سی کیفیت رہی۔

آخر یوم حساب آ پہنچا۔

دو دن کے بعد ملکہ شارو نے سابقہ ملکہ شاطو کو سرعام پھانسی دینے کا اعلان کیا اور یہ سزا اس
ظلموں سے کہیں کم تھی۔ قامران نے سوچا اور جب شاطو کو پھانسی دی گئی' اس وقت شاید ہی کوئی ایسا
شخص ہوگا جو بستی میں رہ گیا ہو۔ اس تاریخی واقعہ کو دیکھنے کے لیے غربان کا بچہ بچہ اس میدان میں امنڈ
آیا تھا جہاں شاطو کو پھانسی دی جانے والی تھی۔

ریکان قبیلے کے لوگ بڑے پیش پیش تھے کیونکہ ملکہ شاطو کی گرفتاری میں ان کے قبیلے کے
نوجوان قامران کا بڑا ہاتھ تھا۔ ریکان قبیلے کے لیے یہ بات بڑی باعث فخر تھی کہ ان کے ایک نوجوان
نے ظلم کی دیوار ڈھا دی تھی۔

ملکہ شارو کے سوار جب سرخ لباس میں میدان میں اترے اور انہوں نے پورے میدان کا

بڑی تیزی سے چکر لگایا تو سب نے اندازہ لگا لیا کہ غربان کی نئی حکمران ملکہ شارو اب ظہور پذیر ہو
والی ہے۔

ملکہ شارو کے سواروں کو دیکھ کر غربان کے عوام نے ''ملکہ شارو زندہ باد'' اور ''شاطو کمینی
باد'' کے فلک شگاف نعرے لگائے۔

تھوڑی دیر بعد ملکہ شارو سیاہ گھوڑی پر سوار' سفید لبادے میں سادگی کا مرقع بنی میدان
داخل ہوئی۔ اس کے پیچھے قامران تھا جو ابلا پر سوار تھا اور اردگرد ملکہ شارو کے جانثار۔

ملکہ شارو کے میدان میں آتے ہی پھر سے فلک شگاف نعروں کا لامتناہی سلسلہ شرو
گیا۔

''ملکہ شارو زندہ باد'' کے ساتھ ہی ''قامران جیوے ہمارا جوان'' کا نعرہ بھی سامنے آیا۔

ملکہ شارو نے دھیمی رفتار میں پورے میدان کا ایک چکر لگایا۔ عوام کو ہاتھ ہلا ہلا کر ان
نعروں کا جواب دیا۔ غربان کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا۔ جب غربان کے عوام اپنے حکمران کو
قریب سے دیکھ رہے تھے۔ ملکہ شارو چکر لگا کر اپنی مقررہ جگہ پر پہنچ کر گھوڑے سے اتر گئی۔ پھ
سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اس چبوترے پر جا بیٹھی جسے میدان کے ایک کنارے پر بنایا گیا تھا۔ ملکہ شارو
چبوترے پر بیٹھ کر اپنا بایاں ہاتھ فضا میں بلند کیا۔ چند لمحوں بعد ایک گھوڑا گاڑی میدان میں داخل
اور میدان کے بیچوں بیچ ٹھہر گئی۔

گھوڑا گاڑی کے میدان میں داخل ہوتے ہی ملکہ شارو کے سینکڑوں سوار میدان کے چار
اطراف میں پھیل گئے۔

بند گھوڑا گاڑی کا دروازہ کھولا گیا اور اس میں سے شاطو کو کھینچ کر باہر نکالا گیا۔ اب غر
کی ظالم حکمران' زنجیروں میں جکڑی عریاں حالت میں ریت پر پڑی تھی۔

شاطو کو دیکھ کر عوام بے قابو ہونے لگے۔ ہر آدمی اسے اپنے ہاتھ سے پھانسی دینے
خواہشمند تھا۔ چند نوجوانوں نے میدان میں اترنے کی کوشش کی لیکن ملکہ شارو کے سواروں نے جلد
بپھرے عوام پر قابو پا لیا۔

ملکہ شارو نے کھڑے ہو کر انہیں صبر کی تلقین کی۔ ملکہ شارو کی تلقین کا خاطر خواہ اثر ہوا۔
پر چند لمحے کے لیے ٹھہراؤ سا آ گیا۔

پھر نعرے بازی شروع ہوئی۔ ملکہ شاطو کو انتہائی غلیظ نعروں سے نوازا گیا۔ شاطو سر جھکا
یہ سب سنتی رہی۔ ایک رات نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا۔ وہ شاطو جو اب تک غربان
حکمران تھی' جس کے سواروں کی آمد بستی والوں کے دل دہلا دیا کرتی تھی اور جس کا نام بجلی بن کر لوگو
کے سروں پر گرتا تھا۔ جو مجسم قہر تھی' آج ذلت و رسوائی کے اتھاہ سمندر میں ڈوب گئی تھی' ذلیل و خوار
گئی تھی۔

ملکہ شارو کے اشارے پر ایک بزرگ صورت آدمی نے جو غربان کا مذہبی پیشوا تھا اور ج
پہلی بار پیشوائی عطا ہوئی تھی' ملکہ شاطو کے جرائم کا کچا چٹھا بیان کیا۔

اس کے ہر جرم پر ''ہائے ہائے'' اور ''تف تف'' کے نعرے بلند ہوتے رہے اور شاطو گھٹنو

رد یئے ٹپ ٹپ آنسو بہاتی رہی اور یہ آنسو شرمندگی کے نہ تھے اپنی بے بسی پر تھے۔ وہ اتنی بے
ار کیوں ہو گئی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ ملکہ شارو کے ٹکڑے اڑا دے۔

اس کا ذہن اب بھی شکست ماننے کو تیار نہ تھا۔ اسے امید تھی جلد ہی اس کے سوار باغیوں پر
لیں گے اور وہ پھر سے ملکہ بن جائے گی۔

کیا حسین فریب تھا یہ۔

فرد جرم ختم ہوئی تو ملکہ شارو نے شاطو کو ٹھکانے لگانے کا اشارہ کیا۔

ایک قوی ہیکل جلاد نے دو ریشمی رومال' جن کے ایک ایک سرے پر لوہے کے چھلے بندھے
ے تھے' شاطو کے گلے میں ڈالے اور رومال چھلوں سے گزارے اور پھر ایک ایک جھٹکا دے کر
ال کس دیئے۔

ملکہ شارو کے اشارے پر قامران میدان میں اترا اور ابلا کو تیزی سے دوڑاتا ہوا شاطو کے سر
ا پہنچا۔

جلاد نے ایک رومال کا سرا اس کے ہاتھ میں تھما دیا اور دوسرا اپنے ہاتھ میں لے کر کھڑا
گیا۔

مجمع پر اچانک سناٹا چھا گیا۔ لوگوں کے دلوں کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

ملکہ شارو چبوترے سے اتر کر سیاہ گھوڑی پر سوار شاطو کے نزدیک پہنچی۔ ملکہ شارو نے اسے
ا کہ اسے تھوڑی دیر میں پھانسی دے دی جائے گی۔ اتنی دیر میں وہ سائری دیوتا سے اپنے گناہوں کی
مافی مانگ لے۔

''میں نے کوئی گناہ نہیں کیا...... سائری دیوتا کی قسم! میں بے قصور ہوں۔'' شاطو نے چیخ کر
کہا۔

''اپنی آخری خواہش بتاؤ؟''

''شارو کی بچی میں تیرا کلیجہ چبانا چاہتی ہوں۔'' شاطو اپنے حواسوں میں نہ تھی۔

ملکہ شارو نے جواب میں کچھ نہ کہا' وہ گھوڑی پر سوار ہو کر پھر سے چبوترے پر پہنچ گئی۔

چبوترے پر کھڑے ہو کر اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ لوگ بالکل خاموش' شارو
کے اشارے کے منتظر تھے۔

پھر اشارہ ہوا۔

اشارہ ملتے ہی قامران اور اس دیو ہیکل جلاد نے رومالوں کے سرے مخالف سمت میں کھینچے۔
ن رومالوں کی گرفت شاطو کی گردن پر تنگ سے تنگ ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ سانسوں کی آمد و رفت
منقطع ہو گئی۔ شاطو کا نیچے کا سانس نیچے اور اوپر کا اوپر رہ گیا۔

چند لمحوں بعد شاطو کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔

شاطو کی موت پر لوگوں نے تالیاں بجائیں' خوشی سے نعرے لگائے۔ اتنے مجمعے میں ایک
کو بھی اس کے لیے نہیں رویا۔ ظالموں کے لیے کون روئے۔

شاطو کی لاش کو گھوڑا گاڑی میں ڈال کر مجمع کے گرد کئی چکر لگوائے گئے اور پھر اس کی لاش کو

ایک درخت سے الٹا لٹکا دیا گیا۔

عہدِ ستم ختم ہوا...... ظلم کا انجام لوگوں کو دکھا دیا گیا۔ شاطو کی لاش بڑے عرصے تک عبرت بنی رہی۔

دوسرے دن قامران ملکہ شارو سے اجازت لے کر اپنی بستی کی طرف روانہ ہوا۔ شاہی محل کی حدود سے نکلا ہی تھا کہ اس نے اپنے پیچھے ٹاپوں کی آوازیں سنیں۔ پیچھے مڑ کر دیکھا گھڑسواروں کو اپنے تعاقب میں پایا اور یہ سوار ملکہ شارو کے نہ تھے' شاطو کے تھے۔

قامران نے زور سے ایڑ لگائی' ابلا ہوا سے باتیں کرنے لگی۔

کچھ دیر کے لئے شاطو کے سواروں اور قامران کے درمیان فاصلہ بڑھ گیا لیکن کچھ د... لیے۔

ایک موڑ پر جب اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو انہیں بالکل اپنے نزدیک پایا۔

قامران اس علاقے کے ایک ہی راستے سے واقف تھا جبکہ شاطو کے سوار اس علا... چپے چپے سے واقف تھے۔ وہ اس کے مقابلے میں مختصر راستہ اختیار کر کے اس کے سر پر آپہنچے... خطرہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

قامران کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کون سا راستہ اختیار کرے؟...... فرار کے سارے مسدود ہو چکے تھے اور شاطو کے سوار اس کے سر پر سوار تھے۔ قامران نے سوچا کہ بھاگنے سے ...ہ کہ وہ رک جائے اور ان کے سوال کرنے سے پہلے ہی ان پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دے کہ وہ ...پیچھا کیوں کر رہے ہیں؟

یہ سوچتے ہی اس نے زور سے ابلا کی لگام کھینچی۔ اتنے زور سے کہ وہ بیچاری اپنے دو پاؤں ...ے ہونے پر مجبور ہو گئی لیکن لگام کھینچتے ہی ایک قدم آگے نہ بڑھی۔

پیچھے آنے والے سواروں کے لیے یہ عمل قطعی غیر متوقع تھا۔ وہ اپنے گھوڑوں کو بڑی مشکل ...کنے میں کامیاب ہو سکے۔ زور سے اور اچانک لگام کھینچنے کی وجہ سے ایک سوار تو الٹ ہی گیا۔

قامران نے ان سواروں کو غور سے دیکھا جو گنتی میں چار تھے۔ یہ سواروں کا وہی دستہ تھا جو ...صحرائے سرخ کے حوالے کر کے آیا تھا اور انہی سواروں نے اسے گرفتار کر کے زنداں کی اندھیری ...ی میں ڈلوایا تھا۔ ان سواروں کے اس کے ساتھ رکنے سے اب کسی شک و شبہے کی گنجائش نہ رہی ...ی کہ وہ قامران کے ہی تعاقب میں تھے۔ ان سواروں نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا اور اپنی ...ائیں سیدھی کر لی تھیں۔

''یہ سب کیا ہے؟'' قامران نے سوال داغا۔ ''کیا تم لوگ ملکہ شارو کا کوئی پیغام لے کر آئے

''بھول جاؤ ملکہ شارو کو...... ہم تمہاری موت کا پیغام بن کر آئے ہیں۔'' سرخ رومال والے ...سامنے کر کے کہا۔

''اب وہ عہدِ ستم ختم ہوا' ظلم کا دور تمام ہوا۔ جب تم لوگ موت کے ہرکارے بنے پھرتے ...ب وہ موت کا پیغام دینے والی خود موت کے منہ میں جا چکی ہے۔''

''اور تم اس کی موت کے ذمے دار ہو!'' الزام لگایا گیا۔

''میں نہیں' اس کے ظلم کہو۔ اس کی بدکاریاں اور بدعہدیاں کہو۔''

''اونٹ کے بچے۔'' سرخ رومال والا دھاڑا۔ ''ملکہ شاطو جیسی حکمران صدیوں میں پیدا ہوتی

''تم نے ٹھیک کہا' لوگ شیطان کے بارے میں بھی یہی کہتے ہیں۔''

''بکواس مت کرو...... وہ ساری دیوتا کی اوتار تھی۔'' اس مرتبہ کرچنا بولا۔

''اس بات پر تو ساری دیوتا بھی شرمندہ ہو گیا ہوگا کہ یہ دنیا والے اس کے ساتھ کیسے

نام جوڑتے ہیں......ہاں ملکہ شارو کا نام لیا ہوتا تو میں یقین بھی کر گزرتا۔‘‘

’’اس سرے دانی کا ہمارے سامنے نام نہ لو......ملکہ شاطو کی خادمہ کا ہم ایسا حشر کریں کہ وہ زندگی بھر یاد رکھے گی۔‘‘

’’چار عدد سوار اس کا کیا بگاڑ سکتے ہیں جبکہ غربان کی عوام اس کے ساتھ ہیں۔‘‘

’’ہمیں چار نہ سمجھو۔ ہم چار سو ہیں اور اپنے خون کا ایک ایک قطرہ نچھاور کرنے کے تیار۔‘‘

’’تم لوگ بڑبولے ہو......دراصل تم ہی لوگ اس کی موت کے ذمے دار ہو۔ اگر سر موت کا اعلان ہوتے ہی تم لوگ اپنی وفاداریاں ظاہر کر دیتے اور پوری سچائی اور خلوص سے بچانے کی کوشش کرتے تو آج اسے پھانسی لگانے والا کوئی نہ ہوتا۔ وہ آخری وقت تک اپنے جانثار ڈھونڈتی رہی اور اس کے جانثار یعنی تم جیسے سوار بلوں میں گھس گئے۔ اب وہ جہنم رسید ہوئی تو اچانک ملکہ شاطو کا دورہ پڑ گیا۔ ساری وفاداریاں تمہاری پیشانیوں پر رقم ہو گئیں۔ خودغرض لوگو کچھ کرو۔‘‘ قامران نے ان کی غیرت جگانے کی کوشش کی۔

’’کرچنا!‘‘ سرخ رومال والا زور سے چیخا۔

اسی لمحے غیر متوقع طور پر پیچھے سے اس پر رسی کا پھندا گرا۔ وہ باوجود کوشش کے سنبھل نہ سکا اور زمین پر آ رہا۔

ابلا اس کے گرتے ہی دو پاؤں پر کھڑے ہو کر زور سے ہنہنائی۔

’’کرچنا اس سرے دانی کے ڈھول کے ہاتھ پاؤں باندھ دو۔ اس نے ہماری غیرت کو للکارا ہے۔ ہم اسے بتائیں گے کہ وفاداریاں کیا ہوتی ہیں۔ اگر اس پھٹے ڈھول کو ملکہ شاطو سے دگنی سزا دے کر نہ مارا تو ہمارا نام بدلنے کا اسے حق ہوگا۔‘‘ سرخ رومال والے نے غصے سے لال ہو کر کہا۔

’’مجھے اپنی جان کی ذرا بھی پروا نہیں......جس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں باندھا تھا‘ وہی نہ رہی تو میں جی کر کیا کروں گا۔ تم اپنا شوق پورا کر سکتے ہو لیکن اتنا یاد رکھو‘ ظلم پھر ظلم ہوتا ہے۔ اپنا رنگ دکھائے بنا نہیں رہتا۔‘‘

’’تم نے ہماری ملکہ کو مارا ہے‘ تم کیا کم ظالم ہو؟‘‘

’’ظالم کو مارنا‘ ظلم نہیں۔ نیکی ہے۔‘‘

’’پھر ایک نیکی ہماری طرف سے بھی۔‘‘ سرخ رومال والے نے مسکرا کر کہا۔

’’شاید تم نہ جانتے ہو کہ تمہاری ملکہ ایک بدنیت عورت تھی۔ میں نے اس کی نفسانی خواہش پوری کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا جس کے نتیجے میں میری بیوی کو زندہ جلوا دیا گیا اور خود میرے لیے صحرائے سرخ کی سزا مقرر ہوئی......اب تم ہی کہو ظلم کس کی طرف سے ہوا؟‘‘ قامران نے سمجھانے کی کوشش کی۔

’’پاکباز کے بچے۔ ہم تجھے بتائیں گے کہ ظلم کیا ہوتا ہے۔‘‘ سرخ رومال والے نے قہر آلود نظروں سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

پھر مڑ کر اس نے کرچنا کو حکم دیا۔ ’’کرچنا‘ اسے بھوننے کا انتظام کرو۔‘‘

کرچنا نے پہلے اپنے دو ساتھیوں کی مدد سے اس کے ہاتھ پاؤں رسیوں سے جکڑ دیے۔ جس وقت وہ اسے رسیوں سے باندھ رہے تھے تو سرخ رومال والا اس کے سر پر تیر کمان لیے کھڑا رہا۔ قامران کی ذرا سی بھی مزاحمت اسے نقصان پہنچا سکتی تھی‘ لہٰذا اس نے پوری سعادت مندی سے ہاتھ بندھوا لیے۔ پھر کرچنا اپنے دونوں ساتھیوں کو لے کر ایک طرف چلا گیا۔ وہاں صرف سرخ رومال والا رہ گیا۔

’’میری بیوی کو کس نے زندہ جلایا تھا؟‘‘

’’ہمارے علاوہ کون ایسے کام کر سکتا ہے؟‘‘ سرخ رومال والے نے فخریہ کہا۔

’’تم اس کا قصور جانتے تھے؟‘‘

’’وہ ملکہ شاطو کا حکم تھا‘ اس کے علاوہ ہمیں کچھ جاننے کی ضرورت نہیں تھی۔‘‘ جواب ملا۔

’’تم لوگوں کو ملکہ شاطو مہروں کی طرح استعمال کرتی تھی اور تم اس سے ناواقف تھے۔‘‘

’’ملکہ شاطو کی ہم پر بہت عنایات تھیں۔ ہم اسے نہیں بھول سکتے۔‘‘ سرخ رومال والا بولا۔

’’کاش یہ عنایات اس نے صرف غنڈوں پر نہ کی ہوتیں تو آج اس کا انجام اس سے مختلف ہوتا۔‘‘ قامران نے بلاخوف صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

’’آج سے پہلے اگر تم نے یہ بات کہی ہوتی تو میں تمہارا قیمہ کر دیتا لیکن آج تمہیں بولنے کی پوری اجازت ہے کیونکہ تمہارا جو انجام ہونے والا ہے‘ بہت اذیت ناک ہے۔‘‘

’’مجھے مار کر کیا تم سمجھتے ہو کہ پورے غربان کے عوام کا گلا گھونٹ دو گے؟‘‘

’’عوام ہمارے ساتھ ہیں‘ ہمیں ان کا گلا گھونٹنے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے بعد شارو کی باری آئے گی‘ پھر ہم ملکہ شاطو کی بیٹی کو ملکہ بنائیں گے۔‘‘ انکشاف ہوا۔

’’ملکہ شاطو کی کوئی بیٹی بھی تھی؟‘‘ قامران حیران تھا۔

’’تھی نہیں......ہے......جب وہ ملکہ بنے گی تو پھر سے ہمارا راج ہوگا۔‘‘

’’خواب تو برا نہیں۔‘‘ قامران نے چوٹ کی۔

پر سرخ رومال والے نے اس پر توجہ نہ دی۔ آج تو برداشت کی انتہا ہو گئی تھی۔

پھر قامران نے چپ سادھ لی۔ سرخ رومال والا بھی مزید بات کرنے کے موڈ میں نہ تھا۔ اس نے قامران سے توجہ ہٹا لی اور اپنے ساتھیوں کو مختلف ہدایات دینے لگا۔ قامران کے سامنے سوکھی لکڑیاں‘ جھاڑی جھنکاڑ کا ڈھیر جمع ہو رہا تھا اور یہ کام کرچنا اپنے دو ساتھیوں کی مدد سے کر رہا تھا جبکہ سرخ رومال والے کی نگرانی جاری تھی۔

قامران کو لکڑیوں کا ڈھیر بڑھتا اور پھیلتا دیکھ کر یہ اندازہ کرنے میں دیر نہ لگی کہ وہ لوگ اس کے ساتھ کیا کرنے والے ہیں۔ وہ اس وقت شاطو کے ظالم سواروں کے رحم و کرم پر تھا اور وہ اس کے لیے چتا تیار کر رہے تھے جس پر رکھ کر اسے بھون دینا چاہتے تھے۔ بالکل کسی بکرے کی طرح۔

’’اتنی لکڑیاں کافی ہیں؟‘‘ کرچنا نے سرخ رومال والے سے دریافت کیا۔

’’ہاں۔ لکڑیاں تو کافی ہیں لیکن اسے باندھنے کے لیے گدا تو لاؤ۔‘‘

’’ہاں‘ اس کا انتظام کرتا ہوں۔‘‘ کرچنا نے کلہاڑی اٹھائی اور اپنے ساتھیوں کو پیچھے آنے کا

اشارہ کیا۔

آدھے گھنٹے بعد کرچنا درخت کا ایک ہلکا سا گدا اور چار مضبوط لکڑیاں لے کر نمودار ہوا
نے دو لکڑیوں کو قینچی کی شکل بنا کر کھڑا کیا اور جوڑ پر رسی باندھ دی۔ اسی طرح دوسری دو لکڑیوں کو
قینچی بنا لی۔ پھر اس نے قینچی نما لکڑی کو لکڑیوں کے ڈھیر کے ایک طرف اور دوسری کو دوسری طرف
کر اس پر لکڑی کا گدا رکھ دیا۔ پھر اسے ہلا جلا کر دیکھا' گدا لکڑیوں پر مضبوطی سے ٹک گیا تھا۔

اب قامران کو اٹھایا گیا اور اس لکڑی کے گدے سے باندھ دیا گیا۔ قامران کے نیچے
ہی لکڑیاں تھیں اور وہ ان لکڑیوں کے ڈھیر سے تقریباً ایک گز اوپر لٹکا ہوا تھا۔

سرخ رومال والے نے چاروں طرف گھوم کر اچھی طرح چتا کا جائزہ لیا۔ سارے ا
مکمل پا کر اس نے کرچنا کو اشارہ کیا۔ ''آگ لگاؤ۔''

کرچنا نے آگ پیدا کرنے والے دو پتھروں کو آپس میں تیزی سے رگڑا۔ چنگاریاں
سے سوکھے پتوں پر گرنے لگیں۔ آگ اچانک ہی بھڑک اٹھی۔ اتنے میں کرچنا کا ایک ساتھی بھاگ
کرچنا کے پاس آیا اور اس کے کان میں دھیرے سے بولا۔ ''عورت۔''

''عورت!'' کرچنا نے ہاتھ سے فوراً ہی پتھر پھینک دیئے۔

''عورت' سچ مچ کی' خوبصورت اور اکیلی۔'' کرچنا کے ساتھی کی حالت قابلِ دید تھی۔

''کہاں ہے؟'' کرچنا کھڑا ہو گیا۔

''وہ جنگل میں۔'' اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔

کرچنا نے یہ خوبصورت اطلاع فوراً سرخ رومال والے کو پہنچائی۔ عورت کا نام سن کر اس
رال ٹپکنے لگی۔ ایک تو عورت' اوپر سے خوبصورت اور وہ بھی اکیلی۔ یہ تو چپڑی اور دو دو والی بات ہے

چاروں سواروں نے فوراً جنگل کا رخ کیا۔ چتا میں آگ تو لگ ہی چکی تھی۔ ویسے
قامران گدے سے بندھا ہوا تھا' اس کے فرار ہونے کا کوئی خطرہ نہ تھا۔

ہاں عورت کے غائب ہو جانے کا خطرہ ضرور تھا۔

وہ چاروں سوار بڑی تیزی سے بھوکے بھیڑیوں کی طرح جنگل میں بھاگے جا رہے
کافی آگے جا کر آخر انہیں وہ عورت نظر آ ہی گئی۔ وہ زرق برق لباس پہنے' چھم چھم کرتی چلی
تھی۔ اسے علم نہ تھا کہ کچھ بھیڑیئے اس کے تعاقب میں ہیں۔

وہ چاروں' عورت کو بھرے جنگل میں تنہا دیکھ کر دیوانے ہو گئے۔ انہیں اپنے عہدوں کا
خیال نہ رہا۔ کون آقا اور کون خادم ہے۔ ان چاروں نے ایک نعرۂ مستانہ مارا اور اچھلتے کودتے عور
کی طرف بڑھے۔

عورت پر ان کی چیخ و پکار کا ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ وہ بڑی بے نیازی سے چھم چھم کرتی چلی
رہی تھی۔ البتہ اس کی رفتار میں ضرور تیزی آ گئی تھی۔

پھر وہ دیکھتے ہی دیکھتے ان چاروں کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ کسی نے کہا ادھر گئی ہے
کوئی بولا نہیں ادھر نہیں ادھر گئی ہے۔ بس جتنی زبانیں اتنے اشارے۔ آخر ہر سوار نے اپنی اپنی مرضی
راہ اختیار کی۔

ادھر قامران کی چتا میں آگ بھڑکتی جا رہی تھی اور بلند ہو کر اس کے لبادے کو لگنے ہی والی
تھی کہ فضا میں کنوارے بدن کی خوشبو پھیل گئی۔

قامران نے اس خوشبو کو محسوس کرتے ہی چاروں طرف تڑپ کر دیکھا اور زور سے بولا۔
چاندکا' یہ تم ہو؟''

''ہاں' یہ میں ہوں۔'' مخصوص سوال کا مخصوص جواب۔

''کہاں ہو' مجھے آگ سے بچا لو۔ جلدی کرو۔''

''میرے ہوتے ہوئے آگ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔'' آواز آئی۔ ''لو دیکھو۔''

قامران نے دیکھا تو اس نے ایسا محسوس کیا کہ جیسے کسی نے بھڑکتی آگ پر ڈھیروں پانی
ل دیا ہو۔

''اب میں تمہاری رسیاں کھول رہی ہوں۔ تم فوراً اپنی تیر کمان سنبھال کر درخت پر مورچہ لگا
وہ چاروں کتے واپس آئیں تو ان کا کام تمام کر دینا۔'' چاندکا نے بغیر ظاہر ہوئے ہدایت دی۔

''لیکن وہ اونٹ کے بچے آخر چلے کہاں گئے؟'' قامران نے پوچھا۔

''وہ کسی چھم چھم کرتی عورت کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔ جلد ہی واپس
آ جائیں گے۔'' چاندکا نے کہا۔

رسیوں کی قید سے آزاد ہوتے ہی قامران نے پتھر رگڑ کر چنگاری پیدا کی اور چتا میں پھر
آگ لگا دی۔ آگ تیزی سے پھیلنے اور بڑھنے لگی۔

پھر اس نے اپنا ترکش اور تیر کمان سنبھالی۔ وہ چاروں عجلت میں اپنی تیر کمانیں وہیں چھوڑ
گئے تھے۔ قامران نے انہیں آگ کی نذر کر دیا اور خود ایک گھنے اور اونچے درخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔

سب سے پہلے سرخ رومال واپس آیا۔ اس نے آتے ہی چتا پر نظر ڈالی۔ آگ آسمان سے
باتیں کر رہی تھیں۔ آگ کے شعلوں میں درخت کا گدا بھی چھپ گیا تھا۔

یہ دیکھ کر کہ قامران آگ کی نذر ہو چکا ہے' اطمینان کا سانس لیا۔ پھر اس نے اپنی تیر کمان کو
فاتحانہ نظروں سے دیکھا۔

اسی وقت قامران نے کمان کھینچ کر تیر چھوڑا جو سرخ رومال والے کی گردن کے آر پار ہو
گیا۔ وہ تیورا کر زمین پر گرا۔ قامران نے ایک تیر اور چلایا جو اس کے سینے میں دل کو چھلنی کر گیا۔ سرخ
رومال والے نے آخر تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔

سرخ رومال والے کے بعد کرچنا عورت کی تلاش میں ناکام ہو کر جھنجھلاتا ہوا واپس پلٹا۔
سب سے پہلے اس کی نظر سرخ رومال والے کی طرح آگ کے اٹھتے طوفان پر گئی۔ ابھی وہ اطمینان کا
سانس بھی نہ لے پایا تھا کہ اسے سرخ رومال والا خون میں لتھڑا ہوا نظر آیا۔ وہ دوڑ کر اس کے نزدیک

کرچنا نے اس کے سینے سے تیر کھینچ کر تیر کا جائزہ لیا۔

اور ابھی وہ دشمن کے تیر کو پہچان بھی نہ پایا تھا کہ اس کی موت نے اسے آ گھیرا۔ دو
سناتے تیروں نے اس کا کام تمام کر دیا۔

آخر میں وہ دونوں میدان حشر میں اترے اور کرچنا کو تڑپتا دیکھ کر ایک سوار نے فوراً ف راستہ اختیار کیا جبکہ دوسرا بھونچکا سا کھڑا رہ گیا۔

قامران نے پہلے اس سوار کو نشانے پر رکھا جو بھاگ کر اپنی جان بچانے کی کوشش میں قامران کے تین تیروں نے راہ فرار کے تمام راستے مسدود کر دیئے۔

اب چوتھے کی باری تھی۔ آخر وہ بھی سائری دیوتا کو پیارا ہوا۔

قامران چاروں کو ختم کر کے تیزی سے درخت سے اترا۔ اس نے سب سے پہلے رومال والے کی لاش کو اٹھایا اور آگ کے طوفان میں ڈال دیا۔ اس نے یہی عمل باقی تین لاشوں ساتھ بھی دہرایا۔

آخر قامران کو نذر آتش کرنے والے خود ہی اپنی آگ میں جل گئے۔

قامران نے شاطو کے سواروں کے گھوڑوں کو آزاد کیا اور اپنی گھوڑی ابلا پر اچھل کر سوا گیا۔ اب یہاں ایک منٹ رکنا بھی خطرے سے خالی نہ تھا۔ ابلا کو ایڑ لگتے ہی اس نے ہوا مذاکرات شروع کر دیئے۔

اب قامران کے چاروں طرف ریت ہی ریت تھی اور وہ ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے ابلا دا رہی ہو' ریت پر پھسل رہی ہو' تیر رہی ہو۔

قامران نے ابلا پر اپنی گرفت اور مضبوط کر لی۔

چند لمحوں بعد جب ابلا کے پاؤں ریت پر تیرنے لگے تو اسے سامنے کافی فاصلے پر سفید سی عمارت نظر آئی۔ جوں جوں وہ آگے بڑھتا گیا' وہ عمارت واضح ہوتی گئی۔ اب اس میں کوئی شبہ کہ وہ سفید محل پھر سے اس کے سامنے آ گیا تھا۔

سفید محل...... ایک پرفسوں عمارت۔

سفید محل کے دروازے پر پہنچ کر ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ دروازہ کیسے کھلوائے دروازے میں خود بخود حرکت ہوئی۔ وہ تیز چرچراہٹ کے ساتھ کھلتا جا رہا تھا۔ قامران سائری نام لے کر مع ابلا کے سفید محل میں داخل ہوا۔ اس کے اندر آتے ہی دروازہ خود بخود بند ہو۔ اسے دروازہ کھولنے والا' نہ بند کرنے والا نظر آیا۔

سفید محل حسب معمول ویران پڑا تھا۔ وہ ابلا سے اتر پڑا۔ اس نے گھوڑی کو ایک ستون باندھا اور ایک طرف چل دیا۔

''ٹھہرو۔'' پیچھے سے آواز آئی۔

قامران کے چلتے قدم رک گئے۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اسے ایک بغیر ناک کا آدمی دکھائی دیا۔ اس کی کمر پر ایک چمڑے کی مشک لدی ہوئی تھی۔ وہ اس کے قریب آ کر رک گیا

قامران اس بدہیئت مخلوق کو ایک نظر بھی نہ دیکھ سکا۔ اس نے اپنی نظریں دوسری طرف لیں اور اپنا سانس روک لیا کیونکہ اس مخلوق کے جسم سے اٹھتی بدبو ناقابل برداشت تھی۔

''بھائی تم نے کبھی انسانی خون پیا ہے؟'' اس سقے نے ایک عجب سوال کیا اور ابھی قا اس کا کوئی جواب دینے ہی والا تھا کہ وہ پھر سے بول اٹھا۔ ''ہاں' تم نے کہاں پیا ہوگا انسانی خو

ھائی' پیا کرو۔ دنیا میں اس سے سستی چیز اور کوئی نہیں۔ پھر مزیدار کتنا ہوتا ہے انسانی خون۔ منہ کو لگ جائے تو چھوڑنے کو جی ہی نہیں چاہتا۔ تم پیو گے...... میں پلاؤں' میری مشک پوری بھری ہے۔ تازہ تازہ انسانی خون ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے مشک کا منہ کھول دیا۔ ''لو پیو۔''

مشک کا پورا منہ کھلا تھا اور ایک موٹی دھار خون کی' سرخ اور گاڑھے خون کی فرش پر گر رہی ف رنگین اور کثیف ہوتا جا رہا تھا۔ قامران کو اتنا سارا خون دیکھ کر چکر سے آنے لگے۔ وہ سر پکڑ ''نا پر بیٹھ گیا۔ پھر ایک عجیب بات ہوئی' مشک سے گرتی ہوئی دھار منجمد ہو گی اور وہ سقہ پتھرا گیا۔ نے ہمت کر کے اسے چھوا تو وہ سقہ زمین پر آ رہا اور اس کی لاش ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گئی' کسی زدہ ممی کی طرح۔

اچانک ہوا کا ایک تیز بگولا آیا اور سقے کی لاش کے تمام ذروں کو اپنے ساتھ لے کر غائب اب فرش پر کچھ نہ تھا...... نہ خون' نہ مشک' نہ سقے کی لاش۔

قامران بڑی دیر تک ہوا کے اس بگولے کو دیکھتا رہا جس نے بڑی صفائی سے فرش سے ایک ذ رہ اٹھا لیا تھا اور آسمان کی طرف اڑتا ہوا غائب ہو گیا تھا۔

اچانک کسی نے اس کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا تو وہ بری طرح چونک پڑا۔

''کون؟''

پر جواب نہ آیا' کنوارے بدن کی خوشبو آئی۔ یہ سوالوں کا ایک جواب تھی۔

''چاندکا تم؟''

''ہاں' میں ہوں...... کیا تم ڈر گئے تھے؟''

''اس محل میں ہر طرف خوف ہی خوف ہے۔'' قامران نے کہا۔ ''ویسے یہ کیا تماشہ تھا؟''

''تماشہ کچھ نہیں...... اس بدتمیز نے خوامخواہ تم سے بے تکلف ہونے کی کوشش کی تھی' اس لیے طور پر اسے سزا دے دی گئی۔'' چاندکا نے بڑی بے نیازی سے کہا۔

''اب اس بدتمیز کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' قامران نے اپنی طرف اشارہ کر کے

''یہ بدتمیز تو ہمارے دل پر رقم ہو گیا ہے' اسے ہم کیا سزا دیں گے۔'' چاندکا نے ظاہر ہوتے کہا۔ وہ اسی سیاہ لبادے میں تھی۔

''سچ؟'' قامران نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''بالکل سچ...... تم میرا صدیوں کا انتخاب ہو۔''

''صدیوں کا انتخاب...... اس کا کیا مطلب ہے؟''

''آج میں تمہیں بہت سی باتیں بتاؤں گی' پھر کوئی سوال باقی نہ رہے گا۔''

''جلدی بتاؤ...... جلدی سناؤ۔'' قامران نے بے قراری سے کہا۔

''ایسی بھی کیا بے تابی...... آؤ تصویر والے کمرے میں چلو۔'' چاندکا بولی۔

''کدھر ہے...... وہ کمرہ؟''

''آنکھیں بند کرو۔''

قامران نے فوراً آنکھیں بند کر لیں۔ تب ہی اس نے محسوس کیا جیسے کسی نے اسے پکڑ دیا ہو۔ جب اس نے آنکھیں کھولیں تو خود کو تصویر والے کمرے میں پایا لیکن چاندکا کا کہیں پتہ البتہ کمرے میں چاندکا کی تصویر موجود تھی۔

سیاہ لبادے میں چھپی، اونٹنی پر بیٹھی ہوئی اور پس منظر میں ریت ہی ریت۔

قامران نے اس تصویر پر اپنی نظریں جما دیں۔ تصویر فوراً ہی حرکت میں آ گئی۔

قامران نے دیکھا کہ چاندکا اپنی اونٹنی کو بیٹھنے کا اشارہ کر رہی ہے۔ اونٹنی کے بیٹھتے ؛ نے چھلانگ لگا دی اور ریت پر آ گری۔ اونٹنی پیٹھ خالی ہوتے ہی فوراً بھاگ اٹھی اور بھاگتی ہو چلی گئی، پھر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

چاندکا سیدھی کھڑی ہوئی، اس نے ایک جھٹکے سے اپنے چہرے سے نقاب اتار پھینکا قامران کو مسکرا کر دیکھا۔

سر سے نقاب اترتے ہی اس کی سیاہ زلفیں شانوں پر بکھر گئیں۔ چاندکا نے ادا۔ نیازی سے سر کو جھٹکا دے کر زلفوں کو پیچھے پھینکا۔

قامران چاندکا کو دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ نیلابو کو دنیا کی حسین ترین لڑکی تصور کرتا تھا چاندکا کے پیروں کی دھول بھی نہ تھی۔ یہ چاندکا کا مکھڑا دیکھ کر احساس ہوا۔

پھر چاندکا نے بقیہ سیاہ لبادہ بھی اتار پھینکا۔ وہ اندر زرق برق لباس پہنے تھی۔ اس اس کے جسم کے چاند سورج پورے عروج پر تھے۔

وہ چمک رہی تھی، مہک رہی تھی، دہک رہی تھی۔

چاندکا نے مسکرا کر قامران کو دیکھا اور پھر اپنا دایاں ہاتھ فضا میں بلند کیا۔ ہاتھ فضا ہوتے ہی تصویر کا فریم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر آ رہا۔

قامران جھجک کر پیچھے ہٹا۔ پلک جھپکتے ہی کھیل ختم ہو گیا۔ اب دیوار پر کوئی تصویر فریم ٹوٹتے ہی چاندکا بھی غائب ہو گئی تھی لیکن وہ غائب کہاں ہو گئی؟ قامران نے خود اسے فر بھگتے ہوئے دیکھا تھا۔

قامران نے پلٹ کر دیکھا تو سارے اسرار کھل گئے۔ چاندکا اس کے پیچھے شرمائی شر کھڑی تھی۔

''چاندکا...... یہ اتنا سارا حسن تم نے کہاں سے جمع کر لیا...... تم نے تو یرکان قبیلے کی لڑ بھی مات کر دیا۔ یرکان قبیلے کو تو اپنی لڑکیوں پر بڑا ناز ہے۔ تم نے تو ان لڑکیوں کے حسن کو مٹی دیا۔''

''قامران تم نے کبھی آئینہ دیکھا ہے؟''

''کیوں؟''

''میں نے اگر تمہارے علاقے کی لڑکیوں کا حسن گہنا دیا ہے تو تم بھی تو کچھ کم تمہارے اپنے قبیلے، پورے غربان بلکہ پوری دنیا میں تم جیسا حسین مرد میں نے آج تک نہیں دیکھ ''کیوں غلط فہمی میں مبتلا کرتی ہو؟''

''ملکہ شاطو تو تمہاری ایک نظر التفات کے لیے تخت و تاج ہارنے کے لیے تیار تھی۔''

''وہ تو ہوس کی پتلی تھی۔''

''یہ ایک الگ مسئلہ ہے...... تمہارے پرکشش ہونے میں بہرحال کوئی کلام نہیں۔''

''چاندکا...... جب تم نے اپنے چہرے سے بہت سے اسرار کے پردے ہٹا دیئے ہیں تو اب بھی بتا دو کہ تم کون ہو؟''

''سنو گے!''

''ہاں بہت شوق سے۔''

''میں جو کچھ سناؤں گی، اس پر یقین بھی کر لو گے؟''

''ہاں، کیوں نہیں۔''

''میں جو کچھ کہوں گی، اس پر عمل بھی کرو گے؟''

''چاندکا، میں تمہارے لیے پاتال میں بھی جانے کے لیے تیار ہوں۔''

''پھر سنو...... میں صدیوں سے بھٹکتی ہوئی ایک روح ہوں۔''

''روح!'' قامران نے اس کے دلکش چہرے پر نگاہیں گاڑ دیں۔

''ہاں...... ایک ایسی روح جو دس ہزار سال سے تم جیسے مرد کی تلاش میں تھی۔ قامران تم میرا ں کا انتخاب ہو...... اب سمجھ میں آیا کہ میں نے تمہیں صدیوں کا انتخاب کیوں کہا تھا؟''

''نہیں...... اب تک نہیں۔''

''ٹھہرو...... میں شروع سے بتاتی ہوں۔ اس وقت سے جب میری شادی ہوئی۔ شادی کے مر بمشکل سے سولہ سال ہو گی۔ میری نسبت اس زمانے کے ایک بہت بڑے تاجر سے ٹھہری ل ریشم کے کپڑے کی تجارت کرتا تھا اور اس کے کاروبار کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ ہیرے بھی کم نہ تھے۔ میرے حسن کی چمک سے ایک دنیا روشن تھی۔ میری کئی سہیلیاں مجھ پر دل سے فدا تھیں، پھر مردوں کا کیا ہو گا۔ یہ تم خود سوچ لو......''

''سوچ کیا لوں...... میں اپنی آنکھ سے جو دیکھ رہا ہوں۔ تمہارا حسن یقیناً مثالی'' قامران نے فتویٰ دیا۔

''ہمارے علاقے کے رسم و رواج کے مطابق لڑکی کی قیمت لگتی تھی اور جس کی جتنی قیمت لگتی، وہ خود کو خوش قسمت سمجھتی۔ ماں باپ، ذات برادری والے الگ فخر محسوس کرتے۔ اس تاجر نے ت پانچ ہیروں کے ہار مقرر کی۔ اس وقت یہ قیمت بہت بڑی تھی کیونکہ اس زمانے میں ایک م کے چار پانچ تھانوں میں بہ آسانی مل جاتی تھی اور خود پر فخر کرتی...... جب وہ تاجر میرے گھر ے تھال میں جگمگاتے ہیروں کے ہار سجائے داخل ہوا تو میں جھوم جھوم اٹھی۔ میری سہیلیوں نے ا چوم لیا۔ میرے ماں باپ نے مجھے اپنے کلیجے سے لگا لیا۔ مجھے اس تاجر پر ٹوٹ کر پیار آیا اور ا ابھی اسی وقت اس کے ساتھ چلی جاؤں جس نے میری اتنی قیمت لگا کر میری قدر افزائی کی ں رسم کے مطابق میں ایک سال سے پہلے اس کے ساتھ نہیں جا سکتی تھی۔ پھر ایک سال بعد میری موم دھام سے شادی ہوئی۔ وہ رات آئی جس کے لڑکیاں جانے کیا کیا سہانے خواب دیکھتی ہیں۔

میں نے بھی بہت سے سہانے خواب دیکھے تھے۔ اس کے لیے جانے کیا کیا سوچا تھا...... لیکن وہ میرے لیے منحوس ثابت ہوئی۔ اس رات نے میری زندگی اندھیر کر دی' سارے سہانے خواب کرچی ہو کر بکھر گئے...... زندگی میں آنسوؤں کے سوا کچھ نہ رہا...... بس یوں سمجھ لو کہ شادی کی پہلی تمہارا دل بھی زخمی ہوا اور میرا بھی۔ جس طرح تمہاری نیلابو تمہارے لیے ناکارہ ثابت ہوئی بالکل ہی میرا شوہر میرے لیے بغیر پانی کا دریا ثابت ہوا۔ تمہاری بیوی اس سلسلے میں قصور وار نہ تھی نے اسے ایسا ہی بنایا تھا۔ میرا شوہر بھی بے قصور تھا' فطرت نے اس کے ساتھ بھی مذاق کیا تھا۔ رات بہت شرمندہ تھا' کئی بار میں نے اس کی آنکھوں میں آنسو بھی دیکھے' تم مرد لوگ اس معاملے ویسے ہی بے حد حساس ہوتے ہو۔ اس کمزوری نے اس کی ہڈیاں پگھلانا شروع کر دیں۔ میں نے ہر طرح سمجھایا' تسلیاں دیں کہ میرا لیے تمہارا جسم کوئی مسئلہ نہیں۔ مسئلہ ہے تمہاری محبت' اس : پاؤں گی تو رنجیدہ ہوں گی لیکن اس نے میری تسلیوں کو قابل توجہ نہ سمجھا۔ وقت گزرتا رہا۔ خاندان لوگ' دوست احباب بچہ نہ ہونے پر اس پر انگلیاں اٹھانے لگے تھے...... پھر اس نے ایک دن حرکت کی۔ اس زمانے کی تہذیب کے خلاف گھریلو کام کاج کے لیے میرا ہم عمر ایک لڑکا ملازم اور مجھے اشاروں اشاروں میں سمجھایا کہ میں اس لڑکے کے ساتھ اپنا دامن الجھا دوں۔ میں گندے خیال کو بری طرح جھٹک دیا اور اس ملازم لڑکے کو دوسرے دن ہی چلتا کیا۔ میں نے شوہر کو پھر سمجھایا کہ وہ میری فکر کرنا چھوڑ دے۔ میں پوری زندگی یونہی اس کی محبت کے سہارے دوں گی۔ بظاہر اس نے میرے اس فعل کو توصیفی نظروں سے دیکھا لیکن اندر ہی اندر وہ گھلتا گیا دن اس نے تنگ آ کر خودکشی کر لی...... میں نے اپنا عہد شباب اس کے ساتھ گزارا۔ زندگی ۔ سال میں نے اپنے شوہر کے ساتھ کاٹے اور اس عہد میں کئی ایسے مواقع پیدا ہوئے کہ میں اپنے شوہر کی عزت خاک میں ملا سکتی تھی جبکہ خود میرا شوہر اپنی ناموس کو مٹی میں ملانے پر تلا ہوا میں نے ایسا نہ ہونے دیا۔ میں نے چودہ سال پوری پاکیزگی سے گزارے اور اپنے شوہر کی خدمت اس کی قدر میں کبھی کمی نہ آنے دی۔" چاندکا' قامران کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے چند لمحو لیے خاموش ہو گئی۔

"تمہاری کہانی مجھ سے کس قدر ملتی ہے' بس فرق صرف مرد عورت کا ہے۔" قامران خاموش ہوتے ہی بولا۔

"دراصل اس مشابہت نے ہی ہم دونوں کو اس قدر نزدیک کیا ہے۔" چاندکا نے کی۔ "میں دس ہزار سال سے ایک ایسے مرد کی تلاش میں تھی جس کی شادی کسی ناکارہ عورت سے ہو اور اس نے پوری پاکیزگی سے پوری زندگی گزار دی ہو۔ اس صدیوں پر محیط عرصے میں' سینکڑوں مردوں کا بڑے نزدیک سے مطالعہ کیا۔ میں نے پاکیزہ مرد کی تلاش میں دنیا کا کونہ کو مارا اور اب میں مایوس ہونے لگی تھی' اپنی شکست تسلیم کرنے والی تھی کہ اچانک تم مل گئے...... تم ہر آزمائش میں پورے اترے۔ تم جو میری صدیوں سے پیاسی روح کا قرار ثابت ہوئے۔ نیلابو سے نباہ کر کے مردوں کی لاج رکھ لی۔"

"اس سلسلے میں مجھے کس کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ تمہارا یا سائری دیوتا کا؟" قامرا

تے ہوئے کہا۔

"سائری دیوتا کا جس نے تمہارے جیسا مرد بنایا۔" چاندکا بولی۔

"میں پھر شکر گزار ہوں سائری دیوتا کا جس نے مجھے بنایا اور چاندکا جیسی لڑکی سے ملوایا۔" قامران نے اوپر دیکھتے ہوئے کہا۔

"قامران...... ایک بات بتاؤ اور پوری سچائی سے۔"

"ہاں پوچھو۔"

"کیا تمہارے دل میں مجھے حاصل کرنے کی خواہش نہیں پیدا ہوئی؟"

"یہ کیوں پوچھ رہی ہو؟" قامران نے اسے ترچھی نظروں سے دیکھا۔

"اس لیے کہ......" پھر چاندکا کچھ کہتے کہتے رک گئی اور گھبرا کر بولی۔ "'کیوں' نہ پوچھوں۔ تمہیں برا لگا؟"

"میرا مطلب یہ تھا کہ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔" قامران نے بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "جس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں باندھا گیا تھا' وہ تو دنیا میں رہی نہیں۔ اب کیا تم بھی مجھے تنہا چھوڑ کر جانا چاہتی ہو؟"

"لیکن ہمارا ملاپ اتنا آسان نہیں۔" اب چاندکا اصل موضوع پر آئی۔

"کتنا مشکل ہے؟ خدایا بتاؤ۔" قامران نے پوچھا۔

"میں روح ہوں اور تم جسم...... روحیں بھی بھلا کبھی جسموں سے ملی ہیں۔"

"پھر ہم تم کیسے ملیں گے؟"

"ملیں گے اور ضرور ملیں گے...... بس تمہیں میرے کہے پر عمل کرنا ہوگا۔"

"چاندکا...... تم مجھے اپنا غلام سمجھو۔"

"میں تمہیں اپنا غلام نہیں' آقا بنانا چاہتی ہوں۔ تمہارے مضبوط بازوؤں میں رہنا چاہتی ہوں لیکن اس خواہش کے پورا ہونے تک تمہیں کڑی آزمائش سے گزرنا پڑے گا۔"

"چاندکا...... تمہارے لیے میں ہر آزمائش سے گزر جاؤں گا۔"

"سچ۔" چاندکا خوش ہوتے ہوئے بولی۔

"سو فیصد۔" قامران نے بڑے مستحکم انداز میں کہا۔

"پھر لمبے سفر کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

"میں تیار ہوں' تم ہدایت دو۔"

چاندکا نے قامران کو بہت سی باتیں سمجھائیں۔ کہاں کہاں جانا ہوگا؟ کن کن بستیوں سے گزرنا پڑے گا۔ کیسے کیسے واقعات سے دوچار ہونا ہوگا؟ اسی طرح کی اور بہت سی دوسری باتیں...... پھر قامران اس کی ہدایت کے مطابق ابلا پر بیٹھ کر سفید محل سے باہر نکلا اور سفید محل پر الوداعی نظر ڈال کر گھوڑی کو ایڑ لگائی۔ ابلا دیکھتے ہی دیکھتے ہوا سے باتیں کرنے لگی۔

چند لمحوں بعد قامران نے محسوس کیا کہ گھوڑی دوڑ نہیں اڑ رہی ہے۔ اس کے پیر ریت پر نہیں رہے تھے۔ ویسے اس کے اردگرد ریت چھائی ہوئی تھی۔

کچھ دیر کے بعد جب دھند چھٹی اور ابلا کے پاؤں زمین پر پڑے تو وہ سامنے کا منظر دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

☆......☆......☆

پریشان ہونے والی بات ہی تھی۔ وہ منظر تھا کہ اچھے بھلے آدمی کے ہوش اڑ سکتے تھے۔ قامران نے ابلا کی لگام کھینچی تو اس نے خود کو ایک ہرے بھرے' سرسبز و شاداب علاقے میں پایا جس کے اردگرد پھولوں اور پھلوں سے لدے درخت تھے۔ خوبصورت رنگ برنگے پرندے ڈال ڈال چہک رہے تھے اور پرندوں کی آوازیں سن کر درخت جھوم رہے تھے۔

قامران نے اگر وہ وحشت ناک منظر فوراً ہی نہ دیکھ لیا ہوتا تو وہ اس ماحول' اس موسم سے ضرور محظوظ ہوتا۔ فطری مناظر کا حسن اسے بہت متاثر کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شادی سے پہلے وہ نیلا بو اکثر میٹھے پانی کے چشمے میں پڑے پتھروں پر بیٹھے رہا کرتے تھے اور گھنٹوں۔

اس بڑے درخت کے نیچے چار پانچ آدمیوں نے اسے پکڑ رکھا تھا۔ اس کا سر ایک لکڑی کے شکنجے میں جکڑا ہوا تھا۔ ایک آدمی کے ہاتھ میں تیز دھار کا چمکتا خنجر تھا۔

''نہیں......نہیں...... مجھے بے زبان نہ کرو۔ میری زبان نہ کاٹو۔'' وہ چیخ رہا تھا۔

''تو زبان رکھ کر کیا کرے گا؟'' خنجر والے آدمی نے پوچھا۔

''میں بولنا چاہتا ہوں' میں بولتے رہنا چاہتا ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

''کیا تو نہیں جانتا کہ بولنے میں بڑی طاقت صرف ہوتی ہے اور چقمان قبیلے کا سردار کاچاک نہیں چاہتا کہ اس کے قبیلے کا ایک بھی آدمی کمزور ہو......پھر تجھے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ زبان کٹوائے بغیر تو شادی نہیں کر سکتا۔'' اس آدمی نے خنجر لہرایا۔

''مجھے اپنی زبان پیاری ہے۔ مجھے شادی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میری زبان نہ کاٹو' مجھ پر رحم کرو۔'' اس نے خنجر والے آدمی کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

''میں مجبور ہوں' مجھے ہر صورت میں سردار کاچاک کے حکم کی پیروی کرنی ہے۔'' خنجر والے نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ''چقمان قبیلے کے لوگ تو خوشی خوشی اپنی زبان کٹوا لیتے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں احتجاج کی کیا سوجھی۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ زبان کٹوانے سے انکار کی سزا کیا ہے؟''

''جانتا ہوں......موت۔''

''کیا تو موت قبول کرے گا' زبان نہ کٹوائے گا۔''

''ہاں' میں موت قبول کر لوں گا لیکن زبان نہیں کٹنے دوں گا۔''

''بے وقوف......موت بھی تو ایک طرح کی زبان بندی ہے تو مر جائے گا تو کیا قبر میں بولے گا؟'' خنجر والے نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''پاگل مت بن' اپنی زبان آرام سے کٹوا لے اور خوشیاں بٹور۔''

پھر خنجر والے آدمی نے اس کا جواب سنے بغیر اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔ ان گونگے ساتھیوں نے اس کا منہ کھول کر کوئی چیز ڈال دی' اب وہ اپنا منہ بند نہیں کر سکتا تھا۔ پھر خنجر والے آدمی نے بڑے آرام سے اس کی زبان پکڑ کر باہر کی طرف کھینچی اور ایک لمحے میں اس کی ''پیاری زبان'' اس

سے جدا ہو کر خنجر والے آدمی کے ہاتھ میں آ رہی۔

اس کے منہ سے خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔

اور یہ تھا وہ منظر جسے دیکھ کر قامران پریشان ہو گیا تھا۔ ان آدمیوں کو قامران کی موجودگی کا احساس نہ ہوا۔ وہ اپنے کام میں اتنے منہمک تھے کہ انہیں کسی غیر آدمی کی آمد کا پتہ ہی نہ چلا۔ وہ درختوں کی اوٹ میں کھڑا یہ وحشت ناک کارروائی دیکھ رہا تھا۔

پھر خنجر والے آدمی نے خنجر ایک کپڑے سے صاف کر کے لکڑی کے چھوٹے سے بکس میں رکھا۔ ایک ڈبے سے مرہم قسم کی چیز نکال کر زخم پر لگائی۔

زخم پر مرہم لگتے ہی منہ سے نکلتا ہوا خون کا فوارہ بند ہو گیا۔

''شکنجہ کھولو۔'' اس نے ایک مصنوعی گونگے کو حکم دیا اور پھر اس کی کٹی زبان کو احتیاط سے رومال میں لپیٹ کر لکڑی کے بکس میں ڈال دیا۔

شکنجہ کھول کر دو آدمیوں نے اسے سہارا دے کر اٹھایا اور بستی کی طرف لے چلے۔

''زندگی بڑی خوبصورت چیز ہے' اس کی قدر کرنا سیکھو۔'' خنجر والے نے اس سے کہا۔ ''جاؤ شادی کرو اور عیش کرو۔''

اس تازہ زبان کٹے نے جواب میں کچھ کہا لیکن سوائے ''اژژ......اژژ'' کے کچھ سنائی نہ دیا۔ چہرے کے تاثرات بتاتے تھے کہ اس نے خنجر والے آدمی کو ایک سخت قسم کی گالی دی ہے لیکن گالیاں اب بے اثر تھیں۔

''جاؤ......اسے لے جاؤ۔'' خنجر والے نے حکم دیا۔

وہ چاروں گونگے اس تازہ گونگے کو لے کر ایک طرف چل دیئے۔

خنجر والے آدمی نے بھی اپنا سامان سمیٹا اور قریب ہی کھڑی ایک چھوٹی سی گاڑی میں جا بیٹھا۔ اس گاڑی میں چھ کتے جتے ہوئے تھے جو اپنی شکل سے انتہائی خونخوار اور جسامت میں گدھے سے بڑے تھے۔

خنجر والے کے ہنٹر اٹھاتے ہی کتوں میں حرکت پیدا ہو گئی۔ ہنٹر جھٹکتے ہی وہ کتے کسی گولی کی طرح چل پڑے۔ قامران اس کتا گاڑی کی رفتار پر حیرت زدہ رہ گیا۔

وہ آناً فاناً درختوں کے جھنڈ سے باہر آیا اور اس نے اپنی ابلا کو اس کتا گاڑی کے تعاقب میں ڈال دیا۔ اس کا خیال تھا کہ چند لمحوں میں اس کی گھوڑی کتا گاڑی کو جا لے گی لیکن یہ خیال خام ثابت ہوا۔

اس نے ابلا کو اور تیز چلنے کا اشارہ کیا۔ اشارہ پاتے ہی سرکش گھوڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ اور اس سے پہلے کہ وہ کتا گاڑی کو پکڑتا ایک تیر سنسناتا ہوا اس کے کان کے پاس سے گزر گیا۔

قامران نے ابلا کی زور سے لگام کھینچی۔ لگام کھینچتے ہی ابلا وہیں کی وہیں جام ہو گئی۔

پھر اسے ترکش سے تیر نکالنے اور کمان پر چڑھانے میں چند لمحے لگے۔ اس نے تیر کی سمت کا اندازہ کر کے گھوڑی دوڑا دی۔ اب وہ اس گھنے درخت کے نیچے تھا جہاں سے اس کے اندازے کے مطابق تیر چلایا گیا تھا۔

قامران کا نشانہ بے خطا اور اندازے بڑے صحیح ہوا کرتے تھے۔

تیر چلانے والا درخت پر موجود تھا اور قامران نے اس کی جھلک دیکھتے ہی اسے نشانے پر لے لیا تھا۔

"خیریت اسی میں ہے کہ خاموشی سے اتر آؤ۔" قامران نے للکار کر کہا۔ "دوسری میں تمہاری لاش نیچے آئے گی' میرا نشانہ تم سے کہیں بہتر ہے۔"

"میں نیچے آ رہا ہوں...... تیر مت چلانا۔" اوپر سے آواز آئی اور چند ہی لمحوں نوجوان قامران کے سامنے تھا۔ اس کے ہاتھ میں بانس کا ایک گز بھر لمبا ٹکڑا تھا اور کچھ تیر اس میں دبائے ہوئے تھے۔ کمان اس کے پاس نہ تھی۔

"کمان کیوں اوپر چھوڑ آئے؟" قامران نے اس نوجوان سے پوچھا۔

"میرے پاس کوئی کمان نہیں۔"

"پھر تم نے مجھ پر تیر کیسے چلایا؟"

"اس سے۔" اس نے بانس کے مضبوط اور کھوکھلے ٹکڑے کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ میں تم سے بعد میں پوچھوں گا کہ تم نے مجھ پر حملہ کیوں کیا؟ فی الحال مجھے یہ اس بانس کے ٹکڑے سے تیر کس طرح چلتا ہے؟" قامران نے پوچھا۔

اس نوجوان نے ایک تیر اس کھوکھلے بانس کے ٹکڑے میں ڈالا اور درخت پر بیٹھے ایک پرندے کا نشانہ لے کر بانس کے ٹکڑے میں زور سے پھونک ماری۔ پھونک مارتے ہی تیر بانس سے اس تیزی سے نکلا کہ قامران دیکھتا ہی رہ گیا...... تیر سیدھا پرندے کے لگا اور وہ مع پھڑپھڑاتا نیچے آ رہا۔

"بھئی...... یہ تو کمال کی چیز ہے...... اسے کیا کہتے ہیں؟"

"توفو۔" نوجوان نے بتایا۔

"نوجوان' تمہارا اپنا نام کیا ہے؟" قامران نے دریافت کیا۔

"شاکا...... اور تمہارا نام؟" شاکا نے پوچھا۔

"شاکا...... میرا نام قامران ہے۔" قامران نے جواب دیا۔

"قامران' تم کس علاقے کے رہنے والے ہو؟"

"میں پورب سے آیا ہوں...... کیا تم نے مجھے اجنبی سمجھ کر مار ڈالنا چاہا تھا؟" قامرا اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"نہیں...... میرا مارنے کا کوئی ارادہ نہ تھا' میں تمہیں صرف متوجہ کرنا چاہتا تھا...... مجھے مدد کی ضرورت ہے۔ امید ہے تم انکار نہیں کرو گے' میرا ساتھ دو گے۔" شاکا نے اس کی طرف ہوئے کہا۔

قامران نے تیر کمان سے نکال کر ترکش میں رکھا اور گھوڑی سے چھلانگ لگا دی۔

"ایک اجنبی...... تمہاری کیا مدد کر سکتا ہے؟" قامران نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف بڑھایا۔

"ایک اجنبی ہی میری مدد کر سکتا ہے۔" شاکا نے ہاتھ پکڑ کر پہلے اپنے سر پر رکھا' کچھ لمحے کے بعد اسے چوم کر چھوڑ دیا اور اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔

جواب میں قامران نے بھی پہلے اس کا ہاتھ اپنے سر پر رکھا اور پھر چوم کر چھوڑ دیا اور بولا۔

"میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟"

"تم چاکور کے پیچھے کہاں جا رہے تھے؟"

"چاکور کون...... کہیں یہ اس گاڑی والے کا نام تو نہیں جس نے ایک لڑکے کی بڑی بیدردی بان کاٹی تھی؟"

"ہاں میں اسی کتے کا ذکر کر رہا ہوں۔"

"میں اس سے اس مسئلے پر بات کرنا چاہتا تھا۔ اس ظلم کی وجہ معلوم کرنا چاہتا تھا لیکن تم یر چلا کر اسے میرے ہاتھ سے نکال دیا۔" قامران نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"وہ کہیں نہیں جا سکتا' وہ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اسے کسی بھی وقت بہت آسانی سے ہلاک جا سکتا ہے لیکن صرف اسے ہلاک کرنے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ دوسرے دن کسی اور کو اس کام پر کر دیا جائے گا۔" شاکا نے کہا۔

"پھر مسئلہ کیسے ہلاک کرنے سے حل ہوگا؟" قامران نے پوچھا۔

"چقمان قبیلے کے سردار کو۔"

"کیا تمہارا تعلق چقمان قبیلے سے ہے؟"

"ہاں۔" شاکا نے بتایا۔

"قبیلے کا سردار تو باپ جیسا ہوتا ہے۔ تم اسے کیوں ہلاک کرنا چاہتے ہو؟" قامران نے نرمی پوچھا۔

"ہمارے قبیلے میں لڑکے کے بالغ ہوتے ہی سردار کے حکم سے زبان کاٹ دی جاتی ہے بقول سردار کاچاک اس طرح عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔ پھر بغیر زبان کٹوائے اس کی شادی بھی ہوتی۔"

"کیا کاچاک نے اپنی زبان بھی کٹوا رکھی ہے؟"

"نہیں...... نہ صرف سردار کی زبان کٹی ہوئی نہیں بلکہ اس کے کچھ پسندیدہ لوگ بھی اس سے ئی ہیں جن میں ایک چاکور بھی ہے۔"

"گویا یہ زبان بندی کی لعنت صرف عوام تک محدود ہے؟"

"ہاں یہی سمجھو۔"

"حیرت ہے عوام کتنی آسانی سے اپنی زبانیں کٹوا لیتے ہیں۔"

"چقمان قبیلے کے لوگ انتہائی سیدھے ہیں۔ وہ سردار کاچاک سے اندھی عقیدت رکھتے ویسے بھی زبان نہ کٹوانے کی سزا موت ہے۔ لوگ موت کے مقابلے میں زبان کٹوانے کو ہی ترجیح ہیں۔"

"یہ تو انتہائی ظلم ہے۔" قامران نے ہمدردی ظاہر کی۔ "کیا یہ ظلم عورتوں کے ساتھ بھی ہوتا

ہے؟"
"نہیں......عورتیں اس کالے قانون سے بچی ہوئی ہیں۔"
"تمہارے خیال کے مطابق سردار کاچاک ہر بالغ آدمی کی زبان کیوں کٹوا دیتا ہے؟"
"تاکہ وہ بول نہ سکے۔"
"لیکن وہ ہر بالغ آدمی کو خاموش کیوں رکھنا چاہتا ہے؟" قامران نے بات کی کی کوشش کی۔"کیا اس نے اپنے بیٹوں کے ساتھ بھی یہی سلوک روا رکھا ہے؟"
"اس کا کوئی بیٹا نہیں......اس نے آج تک شادی نہیں کی۔"
"آخر کیوں؟"
"اسے شادی کی ضرورت ہی کیا ہے۔"
"کیوں......کیا وہ بہت بوڑھا ہے؟"
"نہیں۔ وہ تو ہٹا کٹا ہے......اس کی عمر بھی زیادہ نہیں۔" شاکا نے بتایا۔
"پھر؟"
"شادی سے پہلے قبیلے کی ہر لڑکی کو اس کے پاس رہنا پڑتا ہے۔"
"اگر کوئی لڑکی اس کے ساتھ نہ رہنا چاہے تو؟"
"یہ ممکن نہیں...... ہر لڑکی کو اس کے ساتھ مجبوراً رہنا پڑتا ہے۔ انکار کی صورت میں یہ کہ اس کی شادی نہیں ہوتی بلکہ اسے اندھا بھی کر دیا جاتا ہے۔" شاکا نے بڑے دکھ سے کہا۔
"کیا آج تک کوئی ایسی لڑکی بھی پیدا ہوئی جس نے سردار کاچاک کے ساتھ رہنے سے انکار کر دیا ہو؟"
"ابھی تک نہیں۔"
"کوئی لڑکا ایسا پیدا ہوا جس نے زبان کٹوانے سے انکار کر دیا ہو؟"
"ہاں۔ وہ لڑکا تمہارے سامنے موجود ہے۔"
"انکار کے بعد تم زندہ کیسے ہو؟"
"زبان کٹنے کا دن مقرر ہوتے ہی میں اپنے علاقے سے فرار ہو گیا تھا اور آج تک ہوں۔ میری گرفتاری کے لیے سردار کاچاک نے دو خوبصورت لڑکیوں کا انعام مقرر کیا ہے۔" شا مسکراتے ہوئے کہا۔"تم چاہو تو مجھے گرفتار کروا کے دو لڑکیاں حاصل کر سکتے ہو۔"
"مجھے لڑکیوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔"
"پھر میں یقین کر لوں کہ تم ظلم کے خاتمے میں میرا بھرپور ساتھ دو گے؟"
"یقیناً۔" مختصر مگر مستحکم جواب۔
"پھر چومو میری پیشانی کہ عہد کی پختگی میں کوئی شبہ نہ رہے۔"
"ضرور۔" قامران نے بڑھ کر شاکا کی پیشانی چومی۔ جواباً شاکا نے بھی یہی کارروائی کی
"اب میں تمہیں بستی کا پتہ بتاتا ہوں اور سارا منصوبہ سمجھاتا ہوں۔ تم وقت ضائع کیے بستی پہنچو۔ بستی میں پہنچ کر میرے باپ سے ملو۔ پھر تم اس کے مہمان ہو گے۔ وہ تمہیں ایک

ثیت سے قبیلے والوں سے ملوائے گا تاکہ کسی کو شبہ نہ رہے۔"
"تاجر تو میں ہوں' اس میں شبہے کی کوئی بات نہیں۔"
"تم تاجر ہو؟......لیکن تمہارے پاس تیر کمان کے سوا کچھ نہیں۔ کیا اس بستی میں تم اپنے تیر فروخت کرنے آئے ہو؟" شاکا نے ہنستے ہوئے کہا۔
"میرے پاس دنیا کے بیش قیمت ہیرے ہیں۔"
"کہاں ہیں؟"
"زین کے نیچے۔"
"بس پھر تو مسئلہ ہی آسان ہو گیا......اب تو تم سردار کاچاک سے بھی آسانی سے مل سکو گے۔ اسے ہیروں سے بڑی دلچسپی ہے۔" شاکا نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔"میرا باپ تمہیں ثمرنہ سے ملوا دے گا۔ ثمرنہ میری منگیتر ہے۔ وہ بڑی سمجھدار ہے۔ اسی کے ایماء پر میں نے فرار اختیار کی۔ وہ ہمارے منصوبے کی اہم کڑی ہے۔"
پھر شاکا نے سردار کاچاک سے نجات حاصل کرنے کا منصوبہ قامران کے سامنے رکھا۔ قامران نے پوری دلجمعی سے اس کے منصوبے کا لفظ لفظ سنا۔ پھر اس نے اپنی طرف سے کچھ ترامیم پیش کیں جو تھوڑی بحث کے بعد منظور کر لی گئیں۔
پھر قامران' شاکا کو ایک محفوظ مقام پر پہنچا کر بستی کی طرف روانہ ہو گیا۔
قامران کو بستی میں پہنچنے میں تو کچھ دیر لگی مگر شاکا کے گھر پہنچنے میں ذرا بھی دیر نہ لگی۔ بستی میں داخل ہوتے ہی اس نے ایک بچے سے شاکا کے گھر کا پتہ دریافت کیا۔ اس نے فوراً ہی شاکا کے گھر کے سامنے اسے جا کھڑا کیا اور بھاگ کر کسی کو گھر سے بلا بھی لایا۔
گھر سے نکلنے والا ایک ادھیڑ عمر شخص تھا۔ چہرے سے پریشاں حال اور اداس سا۔
"کیا آپ شاما ہیں؟" قامران نے پوچھا۔
ادھیڑ عمر شخص نے اقرار میں گردن ہلائی۔ بولنا اس کے بس کا نہ تھا۔
قامران گھوڑی سے کود پڑا۔ اس نے پہلے شاما کا ہاتھ اپنے سر پر رکھا' پھر اس کے ہاتھ کو چوما۔ شاما نے بھی جواباً ایسا ہی کیا۔
"میں آپ کے لیے ایک انتہائی اہم پیغام لایا ہوں۔" قامران نے ادھر ادھر دیکھ کر بہت آہستگی سے کہا۔"شاکا کا پیغام۔"
شاما نے شاکا کا نام سنا تو اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر گھر میں لے گیا۔
شاما اسے ایک چٹائی پر بیٹھنے کا اشارہ کر کے اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں واپس آیا تو اس کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر کی عورت اور ایک کم عمر لڑکی بھی تھی۔
لڑکی کی شکل شاکا سے ملتی جلتی تھی۔ قامران کو یہ اندازہ کرنے میں دیر نہ لگی کہ وہ لڑکی شاکا کی بہن اور ادھیڑ عمر عورت اس کی ماں ہے۔
"میرا بیٹا کیسا ہے؟" ادھیڑ عمر عورت بے قراری سے بولی۔

"بالکل ٹھیک ہے۔" قامران نے اطمینان دلایا۔
"وہ کہاں ہے؟" ممتا اب بھی بے قرار تھی۔
"وہ جہاں بھی ہے' بالکل محفوظ ہے۔ میں احتیاطاً اس کا پتہ نہیں بتاؤں گا کہ اسی میں اس
بھلائی ہے۔" قامران نے بڑے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ "ویسے وہ بستی سے بہت دور نہیں ہے۔"
"شاکا نے فرار ہو کر بہت برا کیا۔ سردار کاچاک اسے زندہ نہ چھوڑے گا۔" شاکا کی
پریشان تھی۔ "اس سے کہو واپس آ جائے' سردار اس کی خطا معاف کر دے گا۔"
"آپ چاہتی ہیں کہ وہ بھی اپنی زبان کٹوائے؟" قامران نے پوچھا۔
"ارے...... یہ کون سی نئی بات ہے۔ اس قبیلے کی ریت ہی یہی ہے۔"
اتنے میں شاما نے مداخلت کی اور ہاتھ کے اشارے سے قامران کو سمجھانے کی کوشش
جسے قامران نہ سمجھ سکا لیکن شاکا کی ماں نے سمجھ لیا۔ وہ جھنجلا کر بولی۔
"تم سٹھیا گئے ہو جی۔"
"یہ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" قامران شاکا کی بہن سے مخاطب تھا۔
"بابا کہہ رہے ہیں کہ شاکا کو ہرگز واپس نہ بھیجنا۔ اس نے جو کچھ کیا ہے' اچھا کیا ہے۔"
شاکا کی بہن نے بتایا۔
شاما نے پھر اشارے سے کوئی بات کی جسے قامران نے اندازے سے سمجھ لیا۔ اس
پوچھا تھا کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟
"میں ہیروں کا سوداگر ہوں اور پورب سے آیا ہوں۔ اس بستی کے باہر میں نے
نوجوان کی زبان کٹتے دیکھی' آگے جا کر آپ کے بیٹے سے ملاقات ہوگئی۔ اس سے اس بستی
کالے قوانین کا پتہ چلا۔ پھر ہم دونوں نے مل کر ایک منصوبہ بنایا اور فی الحال میں اس منصوبے پر
درآمد کرنے کے لیے آ گیا ہوں۔" قامران نے بتایا۔ "اب آپ پر لازم ہے کہ آپ میرا ساتھ د
اور میرے کہے پر عمل کرتے جائیں۔"
شاما نے اپنا سینہ ٹھوک کر اشارے سے اپنی حمایت کا اعلان کیا اور پوچھا کہ "بولو کیا
ہوگا؟"
قامران نے جواب دیا۔ "فی الحال تو میرے بارے میں یہ مشہور کر دیں کہ پورب سے
ہیروں کا سوداگر آیا ہے اور آپ کے یہاں ٹھہرا ہوا ہے۔ یہ خبر جتنی جلد سردار کاچاک تک پہنچ جائے
اتنی اچھا ہے۔"
"ٹھیک ہے یہ کام میں ابھی کر دیتا ہوں۔" شاما نے چٹکی بجا کر اشارہ کیا اور اپنی بیٹی
بیوی سے قامران کا خیال رکھنے کا کہہ کر باہر نکل گیا۔
شاما کے جانے کے بعد ماں بیٹی نے اس کے لیے کچھ کھانے پینے کا بندوبست کیا اور
آرام کرنے کے لیے اس کا بستر بچھا دیا۔ قامران نے اس دن گھر سے نکلنا مناسب نہ سمجھا' وہ پور
دن گھر میں لیٹا آرام کرتا رہا۔
دوسرے دن صبح ہی سردار کاچاک کا ہرکارہ آ دھمکا۔ اس نے شاما کو آواز دے کر باہر بلایا

"سنا ہے تمہارے گھر کوئی ہیروں کا سوداگر ٹھہرا ہوا ہے؟"
شاما نے اثبات میں گردن ہلائی۔
"اسے بھیجو...... سردار کاچاک اس سے ملنا چاہتا ہے۔"
شاما نے اندر جا کر قامران کو ساری صورتحال سے آگاہ کیا۔ قامران فوراً ہی اٹھ کھڑا ہو گیا۔
ترکش اپنی پشت پر ڈالا اور کمان اٹھا کر کندھے پر رکھی۔ پھر کچھ سوچ کر ترکش اور کمان اتار
ہیروں کی مخملی تھیلی لے کر باہر آ گیا۔
قامران نے باہر آ کر دیکھا کہ جو شخص اسے لینے آیا ہے' وہ چاکور ہے اور کتوں والی گاڑی
چاکور نے قامران کو دیکھ کر گاڑی سے چھلانگ لگائی اور اس کے نزدیک آ کر پوچھا۔ "تم ہو
سوداگر؟"
قامران نے گردن اثبات میں ہلائی۔ منہ سے کچھ نہ بولا۔
چاکور نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پہلے اپنے سر پر رکھا' پھر چوم کر چھوڑ دیا۔ قامران کو بھی جواباً ایسا
ورنہ چاکور کو دیکھ کر اس کا دل نفرت سے بھر گیا تھا۔ وہ فوراً اس کا گلا دبا دینا چاہتا تھا۔
"آؤ میرے ساتھ...... سردار کاچاک تمہارا منتظر ہے۔" چاکور نے اسے گاڑی میں بیٹھنے کا
ا
اس چھوٹی سی گاڑی میں وہ دونوں بمشکل سمائے۔ چاکور نے ہنٹر اٹھایا اور زور سے
کتے حرکت میں آ گئے۔
سردار کاچاک کی رہائش گاہ پر پہنچ کر کتا گاڑی رک گئی...... یہ ایک لکڑی کا دو منزلہ مکان تھا
خاصی اونچائی پر بنایا گیا تھا۔ اتنی اونچائی پر کہ سردار کاچاک بہ آسانی یہاں سے پوری بستی کو
تھا۔ یہ مکان بستی کے بیچوں بیچ تھا۔
چاکور اور قامران کو دیکھ کر دروازے پر کھڑا غلام فوراً پیچھے ہٹ گیا۔ چاکور نے قامران کو اندر
ایک جگہ بٹھا دیا اور بولا۔ "انتظار کرو۔"
چند لمحوں بعد پچھلے دروازے سے ایک خونخوار کتا اندر داخل ہوا۔
قامران ذرا سنبھل کر بیٹھ گیا لیکن وہ گدھے جیسا کتا قامران کی طرف نہ آیا بلکہ کمرے میں
بڑی سی چوکی کے نزدیک پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا اور اپنی گز بھر لمبی زبان اندر باہر کرنے لگا۔
"سردار کاچاک آنے والا ہے۔ اس کے احترام میں فوراً کھڑے ہو جانا اور اس بات کا
کہ اسے ہاتھ چومنے سے کوئی دلچسپی نہیں اور جب تک وہ خود نہ بیٹھ جائے' بیٹھنے کی حماقت نہ
چاکور نے دھیرے دھیرے اسے سمجھایا۔
سردار کاچاک بڑے شاہانہ انداز سے چلتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ ہدایت کے مطابق
فوراً کھڑا ہو گیا اور اس وقت تک کھڑا رہا جب تک سردار نے خود اسے بیٹھنے کو نہ کہا۔
"مال دکھاؤ۔" سردار کاچاک نے کہا۔
قامران نے کمر سے بندھی تھیلی کھولی اور سردار کاچاک کے نزدیک دو زانو ہو کر بیٹھ گیا۔ پھر
بجائے ایک ایک ہیرا دکھانے کے پوری تھیلی اس کے سامنے الٹ دی۔

''نوجوان......تم کب سے یہ کاروبار کر رہے ہو؟'' ہیروں کی چمک نے سردار کی
خیرہ کر دیں۔

''مجھے یہ کاروبار کرتے ہوئے زیادہ دن نہیں ہوئے۔ ویسے یہ پیشہ پشتوں سے
گھرانے میں چلا آتا ہے۔''

''تب ہی اتنے نایاب پتھر تم نے اکٹھا کر رکھے ہیں......نوجوان پہلے اپنا نام بتاؤ
ہیروں کی قیمت۔'' اس نے جگمگاتے ہیروں کو بڑی حریص نگاہوں سے دیکھا۔

''سردار میرا نام قامران ہے......رہی ان پتھروں کی قیمت تو میں سوداگر ضرور ہو
قدردان کے سامنے ان پتھروں کی قیمت بتانا اس کی توہین کرنے کے مترادف سمجھتا ہوں۔'' قام
پینترہ استعمال کیا۔

''بہت خوب......مال بھی اچھا رکھتے ہو اور زبان بھی خوب چلا لیتے ہو......نوجوا
ہم تم سے مل کر خوش ہوئے ہیں۔'' سردار کاچاک نے اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔'
ہیرے ہم خرید لیں گے۔ تمہیں مزید صحراؤں کی خاک نہیں چھاننی پڑے گی اور آج سے تم
مہمان ہو۔ جب تک اس بستی میں ہو' ہمارے ساتھ رہو۔''

قامران کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ سردار کاچاک ہیرے دیکھ کر اس قدر خوش
گا کہ اسے اپنا مہمان ہی بنا لے گا......سردار کا مہمان بننے میں تو کوئی حرج نہ تھا لیکن یہاں
بندھ جاتا۔ وہ آزادی سے بستی میں گھومنا پھرنا چاہتا تھا تاکہ آنے والے وقت کے لیے راہ
سکے۔ سردار کاچاک کا سحر توڑ سکے......یہاں رہ کر خفیہ سرگرمیاں جاری رکھنا ممکن نہ تھا۔

''سردار تیری عزت افزائی کا شکریہ......ابھی میں شاما کے گھر ٹھہرا ہوں اور کچھ دن
چاہتا ہوں۔''

''کیوں اس کی لڑکی پسند آگئی ہے کیا؟'' سردار کاچاک نے بے تکلفی سے کہا۔

''نہیں ایسا تو نہیں۔'' قامران نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''ویسے بھی سردار تیری بستی
لڑکی کو پسند کرنا اتنا آسان بھی تو نہیں۔''

''کیا تم اس بستی کے رسم و رواج سے واقف ہو گئے ہو؟''

''ہاں......اسی لیے کہہ رہا ہوں۔''

''ہم تمہارے ساتھ ایک رعایت برتنے کے لیے تیار ہیں۔''

''وہ کیا؟''

''تمہیں اگر شاما کی لڑکی واقعی پسند آگئی ہے تو ہم تمہاری شادی اس سے کروا دیں
تمہاری چرب زبانی بھی باقی رہے گی لیکن اس لڑکی کو شادی سے پہلے ہمارے ساتھ رہنا ہوگا'
میں تبدیلی ممکن نہیں۔'' سردار کاچاک نے اسے بتایا۔

''سردار تیری نوازشوں کا شکریہ۔'' قامران نے ہیرے سمیٹتے ہوئے کہا۔ ''میں
ہوں لیکن دلوں کے سودے کرنا میرا کام نہیں۔ میں شاما کی لڑکی کو بہن کی طرح سمجھتا ہوں۔''

''برخوردار......ابھی تم کچے سوداگر ہو۔'' سردار کاچاک نے مسکراتے ہوئے کہ

ے پتھر ہمارے حوالے کر دو......آج رات کا کھانا ہمارے ساتھ کھاؤ۔ اسی وقت ہم ان ہیروں کی
ادا کر دیں گے......ٹھیک ہے۔''

''بالکل ٹھیک۔'' قامران نے مخملی تھیلی سردار کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ ''اب جانے کی
ت ہے؟''

''چاکور......نوجوان سوداگر کو شاما کے گھر چھوڑ آؤ۔'' سردار کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

''نہیں سردار' شکریہ......میں گاڑی کے بجائے پیدل جاؤں گا۔ تیری بستی کی سیر کرنا چاہتا
ہوں۔''

''شوق سے......چاکور' قامران کو دروازے تک چھوڑ دو۔''

''جو حکم سردار۔'' چاکور نے قامران کو دروازے کی طرف چلنے کا اشارہ کیا۔

قامران دروازے پر آیا تو اس نے دیکھا کہ مکان کے سامنے بستی کے بہت سے لوگ جمع
ہیں۔ قامران نے چاکور سے پوچھا۔

''یہ لوگ کیوں جمع ہیں؟''

''سردار کاچاک کی صورت دیکھنے......درشن کا وقت ہو چکا ہے۔''

سردار کاچاک کے درشن کے لیے شاید پوری بستی امڈ آئی تھی۔ اس بھیڑ میں عورتیں اور بچے
بھی تھے......قامران بھی اس بھیڑ میں تماشہ دیکھنے شامل ہو گیا۔

چند لمحوں بعد سردار کاچاک پوری شان سے دروازے سے برآمد ہوا۔ سردار کو دیکھتے ہی
لوگوں نے نعرے بازی شروع کر دی۔ تب سردار کاچاک نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اپنی بستی کے لوگوں کو
خاموش رہنے کا اشارہ کیا......فوراً ہی فضا میں خاموشی چھا گئی۔

پھر سردار کاچاک نے اپنے گرد لپٹی ہوئی چادر کو اتارا اور عوام کی طرف اچھال دیا۔ ریشمی
چادر فضا میں لہراتی ہوئی مجمع پر آگری۔ لوگ چادر پر بھوکے بھیڑیے کی طرح ٹوٹ پڑے۔ کسی کو کسی کا
ہوش نہ رہا۔ عورتیں پستی ہیں یا بچے کچلتے ہیں' کسی کو فکر نہ تھی۔ فکر تھی تو صرف یہ کہ کسی طرح یہ چادر
ہاتھ آ جائے۔

چادر ایک تھی اور اس کو حاصل کرنے والے ہاتھ بہت تھے۔ نتیجے میں چادر جھیر جھیر ہو گئی
اور لوگوں کے ہاتھ چند دھجیوں کے سوا کچھ نہ آیا لیکن وہ اسی میں خوش تھے۔

دوسری منزل کا دروازہ بند ہو گیا۔ سردار کاچاک درشن دے کر جا چکا تھا۔

بستی والوں نے اپنے گھروں کا رخ کیا۔ جنہیں تبرک مل گیا تھا' وہ خوش تھے اور دوسرے کف
افسوس میں ہاتھ ملتے ہوئے جا رہے تھے۔

''قامران۔''

قامران ابھی زیادہ آگے نہ گیا تھا کہ کسی نے اسے پیچھے سے پکارا۔

قامران رک گیا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو تذبذب میں مبتلا ہو گیا۔ اسے آواز دینے والی
ایک لڑکی تھی اور یہ شاما کی بہن ہرگز نہ تھی۔

''میں ثمرنہ ہوں۔'' اس لڑکی نے قامران کے نزدیک پہنچ کر دھیرے سے کہا۔

"اچھا ہوا تم خود ہی مل گئیں۔ میں تو تمہارے لیے پیغام بھیجنے والا تھا۔"

"مجھے تمہارا پیغام بغیر بھیجے ہی مل گیا۔" ثمرنہ نے ادھر ادھر دیکھا اور انتہائی رازداری
بولی۔ "میں رات کو شاکا سے ملی تھی۔"

"اچھا' ثمرنہ یوں کرو کہ رات کو شاما کے گھر آ جاؤ' پھر تفصیل سے باتیں ہوں گی......
یہ باتیں مناسب نہیں۔" قامران نے کہا۔

"ٹھیک ہے' میں آ جاؤں گی......تم نے یہ تماشہ دیکھا۔"

"ہاں یہ تماشہ دیکھ کر اندازہ ہوا کہ سردار کے عقیدت مند یہاں کافی ہیں۔ ویسے سر
شخصیت بھی کافی پرکشش ہے۔"

"تم نے اسے ابھی بولتے ہوئے نہیں دیکھا۔ جب وہ تقریر کرتا ہے تو سماں باندھ دیتا
لوگوں پر سحر کر دیتا ہے۔" ثمرنہ بولی۔

"مجھے اندازہ ہے' میں ابھی اس سے مل چکا ہوں۔ خاص کر اس کی آنکھیں بڑی سحر
ہیں۔" قامران نے کہا۔

"اچھا میں چلتی ہوں......زیادہ دیر تمہارے ساتھ رہنا مناسب نہیں۔ میں پھر رات کو
گی۔" ثمرنہ یہ کہہ کر چھلاوے کی طرح غائب ہو گئی۔

قامران گھر پہنچا تو شاما کو اپنا منتظر پایا۔ وہ قامران کو دیکھتے ہی بے قراری سے اس کی ط
لپکا اور اشارے سے ملاقات کا حال پوچھا۔

قامران نے ملاقات کی تمام روداد اس کے گوش گزار کر دی۔ ساری باتیں سن کر شاما
اشارے سے اسے سمجھایا کہ تمہیں ہیرے سردار کے حوالے نہیں کرنے چاہئیں تھے۔ اگر دیئے
قیمت بھی ساتھ ہی وصول کر لیتے۔

قامران شاکا کا مطلب سمجھ کر مسکرایا اور بولا۔ "کوئی بات نہیں' قیمت رات کو مل جائے گی

شام ہوتے ہی قامران نے سردار کاچاک کے گھر کا رخ کیا۔ جب وہ دروازے پر پہنچا
اس نے دروازہ بند پایا۔ وہاں صبح کی طرح کوئی غلام نہ تھا۔

دروازہ کھٹکھٹانے پر ایک غلام نے کھولا اور اسے اجنبی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"میں سردار کا مہمان ہوں۔" قامران نے بتایا۔

یہ سن کر غلام اندر چلا گیا اور دروازہ بند ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں دروازہ پھر کھلا اور ایک
آدمی دروازے پر نمودار ہوا اور اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"میں قامران ہوں' ہیروں کا سوداگر......سردار کاچاک نے مجھے رات کو کھانے پر بلایا
میں حاضر ہو گیا ہوں۔"

"سردار کاچاک مراقبے میں چلا گیا ہے۔ تین دن سے پہلے اس سے ملاقات ممکن نہیں
گیا سوال رات کے کھانے کا تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ سردار نے آج تک رات کو کھانا نہیں کھایا
یہ کہہ کر وہ معتبر آدمی واپس مڑا اور کھٹاک سے دروازہ بند کر لیا۔

قامران پر سکتہ طاری ہو گیا۔

اسے لگا جیسے اس کا ذہن ماؤف ہو گیا ہو۔ چند لمحے تو اس کی سمجھ میں ہی نہ آیا کہ یہ ہوا
ھانے پر بلا کر کھلانے سے انکار کر دینا جہاں مہمان کے لیے باعث شرم تھا وہاں میزبان کی
ی کا بھی اظہار ہوتا تھا۔

اب قامران کو خود پر غصہ آنے لگا تھا۔ اس نے سردار کاچاک کی دعوت ہی کیوں قبول کی۔
بھروسہ ہی کیوں کیا۔ شاید سردار کی نیت بدل گئی ہے۔ وہ ہیرے قیمت دیئے بنا ہی ہڑپ کر لینا
ہے۔

صبح شاما نے سردار کاچاک پر ٹھیک ہی شبہ ظاہر کیا تھا جسے اس نے مسکرا کر ٹال دیا تھا۔
کو اس وقت ہیرے جانے کا اتنا غم نہ تھا' دکھ تھا تو اس توہین کا جو بلاجواز اس کے ساتھ روا رکھی

قامران نے انگارہ بھری آنکھوں سے سردار کاچاک کے گھر کے بند دروازے کو دیکھا اور
ے وہاں سے چل دیا۔ جب وہ گھر پہنچا تو شاما اسے دروازے پر ہی مل گیا۔

"کیا ہوا؟" اس نے اشارے سے قامران سے پوچھا۔ وہ اس کی اتنی جلد واپسی پر حیران
امران نے اندر چلنے کا اشارہ کیا۔

"یہ آپ کا سردار بھی خوب ہے۔" قامران نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا۔ "دعوت دے کر
میں چلا گیا۔"

"کیا مراقبہ؟" شاکا کی بہن شاما کی زبان بن گئی۔

"مجھے کیا معلوم کہ تمہارے سردار کی کیا کیا عادتیں ہیں۔"

"کیا اس نے ہیروں کی قیمت ادا کر دی؟" شاما نے اشارے سے پوچھا۔

"آپ قیمت کی بات کرتے ہیں' اس ذلیل نے تو کھانا کھلانے سے بھی انکار کر دیا۔"

"وہ ظالم تو تھا ہی......اب بدعہد اور بدنیت بھی ہو گیا ہے۔" شاکا کی بہن غصے سے بولی۔

"کوئی بات نہیں......چند روز کی بات ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" قامران نے سنجیدگی
آج رات ثمرنہ یہاں آئے گی تو اس سے ساری بات طے کر لی جائے گی۔"

رات کو وعدے کے مطابق ثمرنہ آ پہنچی' ساتھ میں اس کا چھوٹا بھائی تھا۔ ثمرنہ کے آتے ہی
ندر والے کمرے میں سب لوگ اکٹھا ہو گئے اور باتیں شروع ہو گئیں۔

"ہاں اب بتاؤ کہ تمہاری ملاقات شاکا سے کیسے ہوئی؟ کیا وہ خود بستی میں آ پہنچا تھا؟"
ثمرنہ سے پوچھا۔

''اس سے میری ملاقات پہلے سے طے تھی۔ وقت اور جگہ کا تعین ہو چکا تھا۔ اس اثناء سے اس کی ملاقات ہو گئی اور تم نے ہماری مدد کرنے کا عہد کر لیا۔ میں شاکا سے ملی تو اس نے تم فوراً ملنے کا حکم دیا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ قامران کے ہر حکم کی تعمیل کرنا۔ گویا ایک طرح سے ہم آپ نگرانی میں آ گئے ہیں۔'' ثمرنہ نے اپنے خوبصورت بالوں کو پیچھے جھٹکتے ہوئے کہا۔ ''اب بولیں کیا ہے اور کیسے کرنا ہے؟''

''آج پورا دن میں نے بستی میں گھوم پھر کر گزارا۔ بہت سے لوگوں سے باتیں کیں۔ سے باتیں کر کے وہ تاثر جو میں نے سردار سے مل کر اور درشن کا حال دیکھ کر قائم کیا تھا' زائل میرا خیال تھا کہ سردار کا چاک سے چقمان قبیلے کے لوگ اندھی عقیدت رکھتے ہیں اور اس کے میں شاید ایک لفظ بھی سننا پسند نہ کریں لیکن جب میں نے یہاں کے لوگوں' خاص کر نوجوانوں کو سن بلوغت کو پہنچنے والے ہیں' کریدا تو ان کے اندر نفرت کی چنگاریاں بھڑکتے دیکھیں۔ میرا خیال کہ ہمیں سب سے پہلے ان نوجوانوں میں کام کرنے کی ضرورت ہے۔ انہیں آسانی سے اپنا ہموار سکتا ہے اور ہمیں انقلاب لانے کے لیے بہر حال ایسے نوجوانوں کی ضرورت ہے..... تمہارا کیا خیال ثمرنہ؟''

''آپ کی رائے سو فیصد صحیح ہے۔ میں آپ سے مکمل اتفاق کرتی ہوں' ساتھ ہی یہ او چاہتی ہوں کہ یہاں کے نوجوان ہی نہیں بلکہ ہر ایک عام آدمی بھی سردار کا چاک کے کالے قوانین نالاں ہے' بیزار ہے لیکن مسئلہ بلی کے گلے میں گھنٹی باندھنے کا ہے۔ جیسے ہی گھنٹی باندھنے والے سا آ جائیں گے' ہر آدمی ان کا خوشی خوشی ساتھ دینے کو تیار ہو جائے گا۔''

شاما نے بھی ان باتوں کی پرزور تائید کی۔

''پھر کام کہاں سے شروع کیا جائے؟'' ثمرنہ نے ہدایت مانگی۔

''ہم نوجوانوں سے شروع کریں گے۔ اس وقت موقع بھی اچھا ہے۔ سردار کا چاک میں ہے۔ اس کی غفلت سے فوراً ہی فائدہ اٹھا لیا جائے۔'' قامران نے تجویز پیش کی۔

''ٹھیک ہے' ہم یہ کام..... روشنی کی پہلی کرن پھوٹتے ہی شروع کر دیں گے۔'' کہا۔

''تین دن تک یہ مہم جاری رہے گی..... چوتھے دن اسی وقت یہاں ملاقات رہے قامران بولا۔

''ٹھیک ہے۔'' ثمرنہ یہ کہہ کر کھڑی ہو گئی۔

چقمان قبیلے کے لوگوں کے بارے میں قامران کا تجزیہ بڑی حد تک صحیح تھا۔ جب اور ثمرنہ نے اپنے اپنے طور پر ''زبان بچاؤ'' مہم کا آغاز کیا تو وہاں کے نوجوانوں نے فوراً لبیک اندر ہی اندر پکتے لاوے کو باہر نکلنے کا راستہ دکھائی دیا تو وہ فوراً ہی پھوٹ بہا۔ سردار کا چاک کی کم ہونے لگی' نفرت بڑھنے لگی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگ برملا سردار کا چاک سے اپنی نف اظہار کرنے لگے۔ کالے قوانین ختم کرنے کا مطالبہ ہونے لگا۔ زبان کاٹنے اور قبیلے کی کنواری داشتہ بنانے کے عمل کو انتہائی نفرت انگیز اور ظالمانہ سمجھا جانے لگا۔

پہلے دن جب درشن کا وقت ہوا تو قامران اس بھیڑ میں موجود تھا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ دراقب میں ہے' درشن دینے آتا ہے کہ نہیں۔ اسی مجمع میں ثمرنہ بھی موجود تھی۔ دونوں نے ایک ادلہ کر نگاہ چرالی تھیں' اجنبی بن گئے تھے۔

مقررہ وقت پر دوسری منزل کا دروازہ کھلا۔ چند لمحوں بعد جو آدمی دروازے سے داخل ہوا' وہ نہ تھا' کوئی اور تھا۔ اپنے چہرے مہرے اور لباس سے وہ سردار کا کوئی خاص آدمی دکھائی

''چقمان قبیلے کے لوگو!'' وہ بندۂ خاص مخاطب تھا۔ ''تمہارا سردار تمہاری بھلائی کی خاطر ال ہے۔ وہ تین دن کے بعد اپنا جلوہ دکھائے گا۔ جب تک تم لوگ کولابہ کو دیکھو' کولابہ سردار کا اپنی جان سے پیارا ہے۔''

چند لمحے توقف کے بعد اس بندۂ خاص نے ''کولابہ'' کہہ کر زور سے آواز دی۔

آواز سنتے ہی وہ گدھا نما کتا اپنی گز بھر لمبی زبان باہر نکالے مجمع کے سامنے آ گیا۔ آج وہ جائے دو پاؤں پر کھڑا ہو گیا اور اس وقت تک کھڑا رہا جب تک اس بندۂ خاص نے اسے شارہ نہ کیا۔

قامران نے سوچا کہ سردار کا چاک بھی خوب ہے۔ خود نہ آیا' اپنے کتے کو ہی بھیج دیا۔ گویا سردار کو چاک کو دیکھنا ایک ہی بات ہے۔ ویسے قامران کے نزدیک سردار کی حیثیت کتے سے گیا۔

دوسرے دن پھر سردار کا چاک کی جگہ کتے کے درشن کرائے گئے۔ ثمرنہ اور قامران کی مہم زور پہ جاری تھی۔ انہوں نے اس کتے کے درشن کو بھی سردار کے خلاف استعمال کیا۔ تیسرے دن نے والوں کی تعداد میں نمایاں کمی آ گئی۔

چوتھے دن جب سردار کا چاک نے خود ہی درشن کے لیے آنا تھا تو وہاں برائے نام لوگ تھے اور یہ بات سردار کا چاک کے لیے غصے کا سبب بن سکتی تھی' لہٰذا سردار کا چاک کے درشن دینے بندۂ خاص کے حکم پر چھ گاڑیاں برق رفتاری سے سردار کا چاک کے گھر کے احاطے سے ستی کے مختلف راستوں میں گم ہو گئیں۔

سردار کا چاک کے ہرکاروں نے زبردستی لوگوں کو گھروں سے نکال کر کتا گاڑیوں میں ڈالنا دیا۔ اگر کسی نے مزاحمت کی تو مار پیٹ سے بھی دریغ نہیں کیا گیا۔ لوگوں سے بھری گاڑیاں سردار کا چاک کے گھر کے سامنے آنے لگیں۔

دیکھتے ہی دیکھتے مجمع میں اضافہ ہوتا گیا۔ سردار کا چاک کے گھر کے سامنے والا میدان لوگوں سے کھچا کھچ بھر گیا۔

تب دوسری منزل کا دروازہ کھلا اور حسب دستور کولابہ داخل ہوا اور اپنی گز بھر لمبی زبان کے ساتھ وہیں سے بیٹھ گیا۔

چند لمحے ہی گزرے تھے کہ سردار کا چاک پوری آن سے دروازے پر جلوہ نما ہوا۔ لوگوں نے دیکھتے ہی نعرے لگائے لیکن ان نعروں میں پہلے والا جوش نہ تھا۔ سردار کا چاک کو اس مرتبہ مجمع کو

خاموش کرنے کے لیے ہاتھ نہیں اٹھانے پڑے' وہ خود بخود خاموش ہو گیا۔

کچھ دیر خاموش کھڑے رہنے کے بعد سردار کاچاک نے اپنے جسم سے چادر ا بڑے انداز سے ہوا میں اچھال دی۔ ریشمی چادر اڑتی ہوئی لوگوں کی طرف بڑھی۔

وہ جوش و خروش جو قامران نے پہلے دن دیکھا تھا کہ چادر کے ہوا میں لہراتے ہی لو بے قراری بڑھ گئی تھی اور اس کے نیچے آتے ہی وہ بھوکے بھیڑیوں کی طرح اس پر ٹوٹ پڑ لوگوں میں موجود نہ تھا۔

سردار کاچاک کے پھینکے ہوئے تبرک کو لوگوں نے بڑے صبر سے دیکھا اور جب لوگوں پر گری تو کوئی خاص ہلچل نہ مچی۔ اس چادر کے مشکل سے تین چار ٹکڑے ہوئے۔ قامرا کر اندر ہی اندر مسکرا دیا۔

سردار کاچاک جو درشن دے کر جا چکا تھا' یہ اندازہ نہ کر سکا کہ اس کے قبیلے میر مقبولیت اب نچلی سطح پر جا پہنچی ہے۔

ہدایت کے مطابق ثمرنہ چوتھے دن کی رات شاما کے گھر آ پہنچی۔ اس کے ساتھ حسب اس کا چھوٹا بھائی بھی تھا...... فوراً ہی سب لوگ اندرونی کمرے میں جمع ہو گئے۔ شاما نے درو سے بند کر لیا۔

''ثمرنہ' کیا خبریں ہیں؟'' قامران نے گفتگو کا آغاز کیا۔

''آپ کے حکم کے مطابق ہم نے نوجوانوں میں زبان بچاؤ اور عصمت بچاؤ مہم بڑے دھماکے سے کیا۔ ہماری تحریک جنگل کی آگ بن کر بستی کے نوجوان میں پھیلتی چلی گئی ہمارے پاس ساٹھ نوجوان ایسے موجود ہیں جو ہمارے لیے جان کی بازی لگانے کے لیے تیار ؟ ساٹھ جانثاروں میں دس لڑکیاں بھی شامل ہیں۔''

''لڑکیوں کو چھوڑ کر کیا یہ سارے جوان زبانوں والے ہیں؟'' قامران نے پوچھا۔

''سارے نہیں...... آدھے زبانوں والے' آدھے زبان کٹے۔'' ثمرنہ نے وضاحت ساٹھ جانثاروں کے علاوہ تقریباً ڈیڑھ سو رضاکار ایسے ہیں جنہوں نے اس تحریک کی بھرپور اعلان کیا ہے۔''

''ٹھیک ہے' اب وقت آ گیا ہے کہ تمہاری شادی کا اعلان کر دیا جائے۔'' قامران۔ کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

شادی کا ذکر سن کر اس خوبصورت بالوں' رسیلے ہونٹوں اور پرکشش جسم والی لڑکی کے پر شرم کی سرخی پھیل گئی۔

''ثمرنہ کی شادی کیسے ہو سکتی ہے...... شاکا تو مفرور ہے۔'' شاکا کی بہن بولی۔

''ثمرنہ کی شادی شاکا سے نہیں ہو گی۔'' قامران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہائے' کیوں؟'' شاکا کی بہن پریشان ہو گئی۔

''اس لیے کہ ہم نہیں چاہتے کہ اس کی زبان کٹ جائے۔'' قامران نے جواب دیا۔

''کیا آپ نے اس سلسلے میں شاکا سے بات کر لی ہے؟''

''ہاں' میں نے تمام سلسلوں میں شاکا سے بات کر لی تھی۔ منصوبے کے مطابق ثمرنہ کی ، اس نوجوان سے کی جائے گی جس کی ابھی چار پانچ روز پہلے زبان کاٹی گئی ہے۔'' قامران نے ا لور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ثمرنہ' وہ نوجوان ہمارے جانثاروں میں شامل ہے یا رضاکاروں ''

''جانثاروں میں...... وہ بہت جوشیلا نوجوان ہے۔''

''خیر تم پریشان نہ ہو۔'' قامران شاکا کی بہن سے مخاطب تھا۔ ''یہ شادی صرف اعلان کی حد لی اور یہ بات اس نوجوان کو سمجھا دی جائے گی۔''

''نہیں' میں پریشان نہیں تھی۔'' شاکا کی بہن نے کہا۔ ''آپ جو کریں گے' ٹھیک کریں گے۔ پ پر اعتماد ہے۔''

''ثمرنہ...... ابھی ابھی میرے ذہن میں ایک خیال آیا ہے۔'' قامران نے چٹکی بجاتے ہوئے پہلے یہ بتاؤ کہ شادی کی تاریخ سے کتنے دن پہلے سردار کاچاک کی خدمت میں حاضر ہونا پڑتا

''تین دن پہلے۔''

''میں سوچ رہا ہوں کہ تمہاری شادی کے ساتھ کسی ایک اور لڑکی کی شادی کا بھی اعلان کر دیا شادی کی تاریخ ایک ہو۔''

''آپ یہ چاہتے ہیں' میرے ساتھ ایک اور لڑکی سردار کی خدمت میں حاضر ہو؟''

''ہاں' یہی چاہتا ہوں۔''

''لیکن کبھی ایسا ہوا نہیں۔'' ثمرنہ نے اپنے بالوں کو جھٹکتے ہوئے کہا۔ ''پتہ نہیں سردار بیک ، لڑکیوں کو قبول کرے گا یا نہیں۔''

''دیکھتے ہیں' کیا ہوتا ہے...... فی الحال تم اپنے جیسی ایک لڑکی شادی کے لیے اور تیار کرو۔ اصل تمہیں اکیلا سردار کاچاک کے حوالے کرنے سے ڈرتا ہوں۔''

''سردار کاچاک میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ میں مر جاؤں گی پر اپنے جسم پر آنچ نہیں آنے دوں

''یہ میں جانتا ہوں...... لیکن مجھے تمہاری جان عزیز ہے۔ اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ ایک کی ، دلہنیں اس خبیث کی خدمت میں پیش کی جائیں۔ اس طرح خطرہ کم سے کم ہو جائے گا۔''

''میں ثمرنہ کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوں۔'' شاکا کی بہن نے پیشکش کی۔

قامران نے جواب دینے کے بجائے شاما کی طرف دیکھا۔

شاما نے اشارے سے اس خیال کی تائید کی۔

اب قامران نے شاکا کی ماں کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''جیسا تم مناسب سمجھو...... مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' شاکا کی ماں نے بڑا حوصلہ افزا جواب

''ٹھیک ہے...... ثمرنہ' اس کے لیے کوئی دعویدار تلاش کرو۔'' قامران نے فیصلہ دیا۔

''اس کے لیے میں حاضر ہوں۔'' ثمرنہ کا بھائی بولا۔

''نہیں' تم نہیں......ہم تمہاری زبان نہیں کٹوانا چاہتے......کیا ہمارے جانثاروں میں کو نوجوان نہیں جس کی زبان کٹ گئی ہو لیکن شادی ابھی باقی ہو۔''

''ہاں' ایسے کئی نوجوان موجود ہیں۔'' ثمرنہ نے بتایا۔

''بس ٹھیک ہے' تم آج ہی کسی ایسے نوجوان سے بات کرلو اور اسے یہ بات اچھی ذہن نشین کرا دو کہ یہ شادی محض دکھاوا ہوگی۔''

یہ کہہ کر قامران اٹھ گیا۔

دوسرے ہی دن ثمرنہ نے لڑکوں کے راضی ہونے کی اطلاع دیدی۔ قامران نے ایک بعد کی تاریخ مقرر کر دی۔

چقمان قبیلے کی رسم کے مطابق دونوں لڑکیوں کے باپ سردار کاچاک کو اپنی بیٹیوں کی کی تاریخ سے آگاہ کرنے پہنچے۔

خیال تھا کہ سردار کاچاک دو لڑکیوں کی شادی ایک ہی تاریخ میں شاید منظور نہ کرے لی خیال خام ثابت ہوا۔ چیڑی اور دو دو کا ذکر سن کر اس کی باچھیں کھل گئیں۔ اس نے فوراً ہی لڑکیوں کو قبول کر لیا اور انہیں بتایا کہ شادی سے تین دن پہلے گاڑی ان کی لڑکیوں کو لینے پہنچ جا۔ وہ انہیں تیار رکھیں......یہ سن کر لڑکیوں کے باپ بڑی فرمانبرداری سے اٹھ کر آ گئے۔

ان لڑکیوں کے سردار کاچاک کی تحویل میں جانے سے پہلے قامران نے شاکا سے ما کی اور اسے تمام صورتحال سے آگاہ کیا اور بولا۔

''اب کچھ کر گزرنے کا وقت آ پہنچا ہے......کل کی رات ہمارے لیے بہت اہم ہے۔ بہن اور تمہاری منگیتر دونوں اس ریچھ کے قبضے میں ہوں گی۔ نہ صرف انہیں بچانا ہے بلکہ سردار کام قلع قمع بھی کرنا ہے۔''

''مجھے صرف اتنا بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہے؟'' شاکا بولا۔

''آؤ میرے قریب آؤ۔'' قامران نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہیں ہوں کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔''

پھر وہ بڑی دیر تک منصوبے کے ایک ایک پہلو پر غور کرتے رہے تھے۔ جب وہ مطمئن ہو گئے تو قامران نے اس سے رخصت چاہی۔

شاکا نے چلتے وقت اپنی ثمرنہ کے لیے ایک پیغام دیا تھا جسے قامران نے اپنے دل پر لیا تا کہ حرف بہ حرف اسے سنا سکے۔

دوسرے دن صبح ہی صبح شاما کے گھر کتا گاڑی آ پہنچی۔ اس گاڑی کو باقاعدہ سجایا گ گاڑی سے چاکور اترا' اس نے شاما کو آواز دے کر لڑکی باہر بھیجنے کو کہا۔

چقمان قبیلے کے رسم و رواج کے مطابق شاکا کی بہن کو لباس عروسی پہنا دیا گیا تھا۔ آواز سن کر شاکا کی ماں نے اپنی بیٹی کو کلیجے سے لگالیا اور آنکھوں میں آنسو بھر لائی۔

''پریشان ہونے کی بالکل ضرورت نہیں......یہ سب ناٹک ہے۔'' قامران نے تسلی

ے کہا۔ ''اپنی بیٹی کو خوشی خوشی کر دیں وداع۔''

شاما نے اپنی بیٹی کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا اور اسے باہر چلنے کو کہا۔

چاکور شاکا کی بہن کو باہر آتا دیکھ کر گاڑی سے کودا اور شاکا کی بہن کو ساتھ عزت کے اپنی ی میں بٹھایا۔ پھر خود اچھل کر بیٹھا۔ ہنٹر ہوا میں لہرایا۔ ہنٹر کی آواز سنتے ہی کتوں نے رفتار پکڑ لی۔

گاڑی جانے کے بعد قامران نے کھڑکی آہستہ سے بند کر دی اور ایک گہرا سانس لیا اور بعد کی کارروائی کے بارے میں سوچنے لگا۔

گاڑی اڑتی ہوئی ثمرنہ کے گھر پہنچی۔ ابھی چاکور نے آواز دے کر ثمرنہ کو باہر بھیجنے کو کہا ہی تھا مرنہ اپنے باپ کے ساتھ دروازے پر نمودار ہوئی۔ اس کے پیچھے اس کا چھوٹا بھائی تھا۔ ثمرنہ نظریں ے دل میں انتقام کی آگ بھڑکائے شاکا کی بہن کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ گاڑی چل پڑی۔

سردار کاچاک گھر کے دروازے پر گاڑی کا منتظر تھا۔ ساتھ ہی اس کے کولا یہ تھا جو اپنی گز بھر ی زبان نکالے رال ٹپکا رہا تھا۔

گاڑی رکتے ہی سردار کاچاک آگے بڑھا۔ اس نے دونوں لڑکیوں کو ہاتھ کا سہارا دے کر اتارا اور پھر اندر لے چلا۔

''چاکور۔'' سردار کاچاک نے چلتے ہوئے آواز دی۔

''حکم کر سردار۔'' چاکور بھاگ کر سردار کے سامنے آ گیا۔

''ان دونوں کنواریوں میں شاکا کی بہن کون ہے؟'' سردار کاچاک نے پوچھا۔

''تیرے بائیں طرف والی سردار۔'' چاکور نے شاکا کی بہن کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ۔'' سردار کاچاک نے اسے اپنے سے الگ کرتے ہوئے کہا۔ ''اس سے پوچھو کہ اس کا ھائی کہاں ہے؟''

''اے......لڑکی سردار کو جواب دو۔''

''مجھے نہیں معلوم۔'' شاکا کی بہن نے جواب دیا۔

''فی الحال اس کنواری کو تہہ خانے میں ڈال دو اور شاما سے کہلوا دو کہ اپنی لڑکی کی شادی کرنا چاہے ہو تو شاکا کو ہمارے سامنے حاضر کر دو ورنہ یہ کنواری زندگی بھر ہماری تحویل میں رہے گی۔''

''جو حکم سردار۔''

شاکا کی بہن نے یہ حکم سن کر ثمرنہ کی طرف دیکھا' ثمرنہ نے آنکھوں آنکھوں ہی میں اسے لی دی۔

سردار کاچاک نے شاکا کی بہن کو چاکور کے حوالے کر دیا اور ثمرنہ کو اپنے بازوؤں میں لیے ی طرف چلا گیا۔

چاکور نے شاکا کی بہن کو اپنے ہاتھ سے تہہ خانے میں بند کیا اور پھر گاڑی لے کر روانہ ہو گیا۔

شاما کسی کام سے باہر نکلا تھا کہ اس نے اپنے دروازے پر کتوں والی گاڑی رکتے دیکھی۔ وہ ی میں پڑ گیا۔

چاکور نے گاڑی سے اترنے کے بجائے شاما کو اشارے سے اپنے قریب بلایا اور بولا۔
''سردار کاچاک کا پیغام لایا ہوں۔''
شاما نے اشاروں سے اسے پیغام سنانے کو کہا۔
''سردار کاچاک' شاکا کی حاضری تین دن کے اندر اندر چاہتا ہے ورنہ تمہاری بیٹی کی شادی نہ ہو سکے گی۔'' چاکور نے اتنا کہہ کر ہنٹر اٹھایا۔
''ٹھہرو۔'' ابھی وہ ہنٹر جھٹک نہ پایا تھا کہ اندر سے آواز آئی۔
چاکور نے مڑ کر دیکھا تو دروازے پر قامران کو کھڑا پایا۔
''اوہ......نوجوان سوداگر۔'' چاکور نے اسے حیرت سے دیکھا۔ ''تم ابھی تک یہیں ہو۔''
''میں اتنی جلدی کیسے جا سکتا ہوں جبکہ سردار کاچاک نے ہیروں کی قیمت ابھی تک ادا نہیں کی۔'' قامران نے نرم لہجہ اختیار کیا۔ ''میں کل شام اس بستی کو چھوڑ جانا چاہتا ہوں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آج شام مجھے ہیروں کی قیمت مل جائے؟''
''اس کے لیے تمہیں سردار سے ملنا پڑے گا۔'' چاکور نے ترچھی نظروں سے دیکھا۔
''آج شام اس سے ملاقات ہو سکتی ہے؟'' قامران نے پوچھا۔
''سردار آج کل بہت مصروف ہے۔'' چاکور نے سنجیدگی سے کہا۔ ''بہرحال تم شام کو آ جانا میں کوشش کروں گا کہ تمہاری ملاقات ہو جائے۔''
چاکور کے جانے کے بعد قامران نے شاما کو خاصی تسلی تشفی دی اور وہ بڑی تیزی سے نئی صورتحال کا جائزہ لینے لگا۔ اس نے طے کیا کہ وہ شام کو سردار کاچاک سے ضرور ملے گا۔
شام کو جب وہ سردار کاچاک کے گھر پہنچا تو دروازے پر حسب معمول ایک غلام کو کھڑا پایا۔ قامران نے اس غلام کا بغور جائزہ لیتے ہوئے اس سے پوچھا۔ ''چاکور کہاں ہے؟''
چاکور کا نام سن کر وہ غلام فوراً اندر چلا گیا' تھوڑی دیر میں واپس آیا تو اپنے ساتھ چاکور کو بھی

''تم آ پہنچے۔'' چاکور نے قامران کو دیکھتے ہوئے کہا۔
''کیا ملاقات ہو سکتی ہے؟'' قامران نے براہ راست سوال کیا۔
''ٹھہرو......میں سردار سے بات کرتا ہوں۔''
یہ کہہ کر وہ اندر چلا گیا۔ خاصی دیر کے بعد جب وہ واپس آیا تو اس کے چہرے پر عجیب طرح کی مسکراہٹ تھی۔
''سردار نے تمہیں ملاقات کا وقت دے دیا' آؤ میرے ساتھ۔''
قامران کی چھٹی حس نے اسے کسی آنے والے خطرے سے آگاہ کیا۔ اس نے اندر ہوئے اپنی کمر ٹٹولی۔ تب اسے معلوم ہوا کہ وہ چلتے وقت اپنی کمر سے خنجر باندھنا بھول گیا ہے۔
خیر! اس نے ساری دیوتا کا نام لے کر اندر قدم رکھا۔
کمرے میں سردار کاچاک پہلے ہی سے موجود تھا۔ وہ بڑی سی چوکی پر اکڑا ہوا بیٹھا تھا اس کا ایک ہاتھ اس گدھے نما کتے کی پیٹھ پر تھا جو چوکی کے برابر ہی کھڑا' اپنی گز بھر لمبی زبان کو

اہر کر رہا تھا۔
''سردار......میں تیرے حکم کے مطابق اس دن رات کو......''
''ہمیں معلوم ہے کہ تم اس دن رات کو آئے تھے۔ ہمیں یاد نہیں رہا تھا کہ ہم اس وقت مراقبے میں چلے جائیں گے۔''
''لیکن سردار مجھے یہاں کسی نے بتایا تھا کہ تو رات کو کھانا کھاتا ہی نہیں۔'' قامران نے اسے شرم دلانی چاہی۔
''تمہیں ٹھیک بتایا گیا......ہم نے واقعی آج تک رات کا کھانا نہیں کھایا لیکن اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ ہم کسی اور کھانا نہیں کھلا سکتے۔'' سردار کاچاک نے تمسخرانہ انداز اختیار کیا۔ ''آخر ہم اپنے کو بھی تو رات کا کھانا کھلاتے ہیں۔''
یہ سن کر قامران کا جی چاہا کہ آگے بڑھ کر سردار کا گلا دبوچ لے اور اس وقت تک دبوچے رکھے جب تک وہ تڑپ تڑپ کر جان نہ دے دے۔ اس نے بڑی مشکل سے خود پر قابو پایا۔
''سردار' اس وقت میں ہیروں کی قیمت وصول کرنے آیا ہوں۔'' کوشش کے باوجود وہ اپنے لہجے پر قابو نہیں پا سکا۔
''لڑکے......ہم چقمان قبیلے کے حاکم ہیں اور حاکم تیز لہجے میں بات سننا پسند نہیں کرتے۔ ہاتہ کرنا ضرور پسند کرتے ہیں۔ رہی تمہاری ہیروں کی قیمت تو جو چیز سردار کاچاک کو پسند آتی ہے' وہ ند آ جاتی ہے......کسی چیز کی قیمت ادا کرنا سردار کاچاک کی شان کے خلاف ہے۔'' سردار کاچاک نے پنے کتے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ''لیکن اگر تم چاہو تو تمہیں قیمت ادا کی جا سکتی ہے۔''
''سردار تیری بڑی مہربانی ہوگی۔'' قامران نے جھک کر کہا۔
''اچھا۔'' یہ کہہ کر سردار کاچاک نے اپنے کتے کی طرف دیکھا۔ ''کولابہ کیا خیال ہے' یہ رب کا احمق سوداگر تمہارے حاکم سے قیمت وصول کرنا چاہتا ہے۔ ذرا اسے تھوڑے سے آداب سکھا

اشارہ پاتے ہی وہ گدھے نما کتا جو اب تک گدھے سے بھی سیدھا دکھائی دیتا تھا' ایک دم خون آشام بن گیا۔
وہ اپنی ٹانگوں پر پیچھے کی طرف جھکا اور ایک دم اچھل کر قامران پر حملہ آور ہوا۔ قامران اگر تیزی سے بیٹھ نہ جاتا تو وہ سیدھا تیر کی طرح اس کے گلے میں لگتا۔ اس نے اب تک نرخرہ دبوچ کر پھاڑ ڈالا ہوتا۔
قامران کو اس وقت اپنی بھول کا شدت سے احساس ہوا۔ اگر اس وقت اس کے پاس خنجر ہوتا تو اس کتے سے نمٹنے میں چند منٹ لگتے لیکن نہتا اس سے مقابلہ کرنا بے حد خطرناک تھا۔
اب کولابہ سے نجات کا ایک ہی راستہ تھا......فرار۔
قامران تیزی سے دروازے کی طرف بھاگا۔ کولابہ نے بھی تیزی دکھائی۔ قامران نے دروازے کے نزدیک پہنچ کر اپنے سر سے رومال کھولا اور اس کی طرف اچھال دیا۔ کتے نے زمین پر گرتے ہی رومال کو اوپر ہی پکڑ لیا اور اسے بھنبھوڑ ڈالا۔

عافیت کے ان لمحوں نے قامران سے فائدہ اٹھایا۔ وہ چھلانگ لگا کر دروازے سے باہر گیا اور پلٹ کر فوراً ہی باہر سے کواڑ بند کر دیئے اور تیزی سے جست لگاتا ہوا سردار کاچاک کے مکا سے غائب ہوگیا۔

سردار کاچاک اس دن بہت خوش تھا۔ ایک تو صبح ہی ایک کے بجائے دو دو کنواریاں اس خدمت میں حاضر ہوگئی تھیں۔ دوسرے بیش قیمت ہیرے بغیر کچھ دیئے ہاتھ آگئے تھے۔ آج کے د سردار کاچاک جتنا بھی خوش ہوتا' کم تھا کیونکہ اس کی زندگی کی گھڑیاں کم سے کم ہوتی جا رہی تھیں اور اس سے بے خبر تھا۔

آج کی رات سردار کاچاک پر بڑی بھاری تھی۔ اس لیے وہ بجھتے چراغ کی طرح تیزی۔ بھڑک رہا تھا۔ ہنس رہا تھا' قہقہے لگا رہا تھا۔

رات دھیرے دھیرے گہری ہوتی جا رہی تھی۔ چقمان قبیلے کے کچھ لوگ سونے کی تیاری میں مصروف تھے اور کچھ لوگ اپنے سر سے کفن باندھ رہے تھے۔

بستی پر ایک مہیب سناٹا طاری تھا۔

اب قامران اور شاکا اس درخت پر پہنچ چکے تھے جس کی شاخیں سردار کاچاک کے گھر کھڑکی سے ملی ہوئی تھیں۔ ان موٹی موٹی شاخوں کے ذریعے سردار کاچاک کے گھر میں اترا جا سکتا تھا منصوبے کے مطابق اس کھڑکی کو اب تک کھل جانا چاہیے تھا۔ کھڑکی کھولنے کا کام ثمرنہ کرنا تھا اور یہ کوئی مشکل کام نہ تھا۔ تازہ ہوا کے بہانے اس کھڑکی کو کھولا جا سکتا تھا۔

اچانک فضا میں گیدڑ بولنے کی آواز بلند ہوئی اور پھر وقفے وقفے سے بلند ہوتی رہی۔ وقت تک جب تک ثمرنہ نے کھڑکی نہ کھول دی۔

کھڑکی کھول کر ثمرنہ نے درخت کی شاخوں میں چھپے شاکا اور قامران کو دیکھنے کی کوشش لیکن اسے اندھیرے میں کچھ نظر نہ آیا۔ البتہ! قامران اور شاکا نے اسے بغور دیکھا کیونکہ اندر روشنی موجود تھی۔

ثمرنہ ابھی تک بالکل ٹھیک ٹھاک تھی ورنہ وہ خطرے کا فوراً اشارہ کرتی۔ ثمرنہ کھڑکی کھو کر واپس پلٹ گئی۔ قامران اور شاکا نے اطمینان کا سانس لیا۔

کھلی کھڑکی سے انہیں صرف دیوار نظر آ رہی تھی جس پر ایک مشعل روشن تھی۔ دوسری منزل کی یہ کھڑکی راہداری میں کھلتی تھی۔

ابھی قامران نے گیدڑ کی آواز نکالنے کے لیے منہ پر ہاتھ رکھے ہی تھے کہ کھڑکی میں سردار کاچاک کا چہرہ نظر آیا۔

قامران اور شاکا دونوں ہوشیار ہو کر بیٹھ گئے۔

سردار کاچاک جونہی ادھر ادھر دیکھ کر کھڑکی بند کرنے لگا۔ اتنے میں پیچھے سے کسی نے اسے آواز دی۔ وہ کھڑکی بند کرتے کرتے رک گیا اور مڑ کر دیکھنے لگا۔ اندر سے پھر کسی نے اس سے کچھ کہا۔ تب وہ گردن ہلاتا ہوا کھڑکی کھلی چھوڑ کر چلا گیا۔

قامران اور شاکا نے ایک گہرا سانس لیا۔

تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد قامران نے اپنے منہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر گیدڑ کی زوردار نکالی۔

چند لمحوں بعد کسی نے دور سے اس کا جواب دیا۔ اب وقفے وقفے سے گیدڑ کی آواز آ رہی اور قامران آوازوں کو شمار کرتا جا رہا تھا۔ گنتی ساٹھ پر پہنچتے ہی آوازیں آنی بند ہوگئیں۔

''شاکا......کارروائی شروع کر دو' ہر جانثار اپنے ٹھکانے پر موجود ہے......'' قامران نے سے کہا۔

شاکا کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا لیکن پتوں کی کھڑکھڑاہٹ سے قامران نے اندازہ لگایا شاکا نے اس کی ہدایت پر عمل درآمد شروع کر دیا ہے۔

پھر قامران نے شاکا کو کھڑکی میں اترتے دیکھا لیکن اسی وقت کچھ ہوا۔ شاکا بجائے اندر نے کے بڑی تیزی سے درخت پر واپس آیا اور قامران کے نزدیک پہنچ کر ہانپنے لگا۔

''کیا ہوا؟'' قامران نے سرگوشی کی۔

☆......☆......☆

''وہاں ہر طرف سانپ ہی سانپ ہیں۔'' شاکا نے اپنی سانس درست کرتے ہوئے کہا۔

''سانپ!......سانپ کہاں سے آگئے؟'' قامران حیرت زدہ تھا۔ ''کہیں تمہاری نظروں نے دھوکا تو نہیں کھایا؟''

''نہیں قامران......وہاں فرش پر سانپوں کا جال بنا ہوا ہے۔ کہیں پاؤں رکھنے کی بھی جگہ اب تم خود جا کر دیکھ لو۔''

قامران قدم سنبھالتا ہوا کھڑکی کی طرف بڑھا اور جیسے ہی وہ کھڑکی کے نزدیک پہنچا تو شاکا بیان کی تصدیق ہوگئی۔ کھڑکی کے نیچے فرش پر ہر جگہ سانپ ہی سانپ تھے۔ جیتے جاگتے اور انتہائی زہریلے۔ قامران ان سانپوں کو اپنے تیروں سے ختم تو کر سکتا تھا لیکن یہ سانپ تیروں کی تعداد سے بہت زیادہ تھے۔ وہ سوچ میں پڑ گیا' کیا کرے! تب ہی وہی مانوس سی خوشبو اس کے اردگرد پھیل گئی۔

کنوارے بدن کی خوشبو' چاندکا کے آنے کی اطلاع۔

''قامران یہ سانپ نہیں......رسیاں ہیں رسیاں۔'' چاندکا نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ ''بے خطر کود پڑو۔''

اور پھر قامران پھنکارتے ہوئے سانپوں کے درمیان بے خطر کود پڑا۔ شاکا اسے کھڑکی میں سے دیکھ کر حیران رہ گیا......ابھی وہ حیران ہی ہو رہا تھا کہ ایک دلدوز چیخ کی آواز سنائی دی۔ یہ چیخ قامران کی نہ تھی' کسی لڑکی کی تھی اور وہ لڑکی ثمرانہ کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتی تھی۔

شاکا جلد جلد کودتا پھاندتا کھڑکی کے نزدیک پہنچا۔ قامران کو سانپوں کے درمیان کھڑا دیکھ کر اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔

''جلدی آؤ۔'' قامران نے اسے کھڑکی سے نیچے اترنے کا اشارہ کیا۔

''یہ سانپ......وہ چیخ۔'' شاکا کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہے۔

''یہ سانپ ہمیں کچھ نہیں کہیں گے۔ تم جلدی نیچے اتر آؤ۔ میرا خیال ہے کہ ثمرنہ خطرے

میں ہے۔" قامران یہ کہہ کر سانپوں سے بچتا بچاتا اندر کی طرف بھاگا۔

شاکا نے ہمت کر کے اس کی تقلید کی۔

کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ قامران نے دروازے میں قدم رکھتے ہی جو منظر دیکھا دہشت ناک تھا۔ وہ گدھے نما کتا کولابہ ثمرنہ سے لپٹا ہوا تھا اور کمرے میں سردار کا چاک کا پتہ نہ تھا۔ قامران نے اپنی کمان سنبھالی' ادھر شاکا نے اپنی توفو میں تیر ڈالا۔

پھر چند لمحوں میں اتنے تیر چلے کہ کولابہ کا جسم چھلنی ہو گیا۔ وہ پیٹھ کے بل زمین پر گرتے ہی جہنم رسید ہوا۔

"شاکا کی بہن' کہاں ہے؟" قامران نے ثمرنہ پر چادر ڈالتے ہوئے پوچھا۔ اس کا اس کتے نے تار تار کر دیا تھا۔

"نیچے تہہ خانے میں۔" ثمرنہ پر اب تک خوف طاری تھا۔ وہ بمشکل بولی۔

قامران بجائے نیچے جانے کے کھڑکی کی طرف بھاگا۔ اب وہاں فرش پر سانپ موجود بلکہ رسیاں پڑی تھیں۔ قامران نے کھڑکی سے منہ نکال کر اپنے دونوں ہاتھ منہ پر رکھے اور تین جلد گیدڑ کی آواز نکالی۔ اس سگنل کے نشر ہوتے ہی فضا میں ایک بھونچال سا آ گیا۔ جانثاروں مستانہ لگا کر ایک ساتھ ہلہ بول دیا۔ قامران کھڑکی سے پھر واپس پلٹا۔ کمرے میں ثمرنہ کو بیٹھنے کا کر کے وہ زینے کی طرف بھاگا۔ شاکا اس کے پیچھے پیچھے تھا۔

"یہ مردار کا چاک کدھر گیا؟" قامران سیڑھیاں اترتا ہوا بولا۔

"کہیں...... نیچے تہہ خانے میں نہ ہو۔" شاکا نے اظہار خیال کیا۔

"آؤ جلدی آؤ...... کہیں وہ تمہاری بہن کو نقصان نہ پہنچا دے۔" قامران تیزی سے جاتا ہوا بولا۔

نیچے سے کتوں کے بھونکنے اور جانثاروں کے نعروں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ پھر قامران اپنے کچھ ساتھیوں کو اوپر کی طرف آتے دیکھا۔

"نیچے واپس چلو...... اوپر سب ٹھیک ہے۔" قامران نے ان نوجوانوں کو حکم دیا۔ وہ فو واپس پلٹ پڑے۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد انہیں تہہ خانے کا راستہ مل گیا۔ وہ نیچے پہنچے تو تہہ خا دروازہ کھلا پایا۔ تہہ خانہ اندر سے خالی تھا۔ وہاں کوئی نہ تھا نہ شاکا کی بہن' نہ سردار کا چاک۔ خا خانے کو دیکھ کر دونوں نے ایک دوسرے کو خالی خالی نظروں سے دیکھا۔

"یہ تمہاری بہن کہاں چلی گئی؟"

"مجھے اپنی بہن سے زیادہ سردار کی فکر ہے۔ وہ مردار کہیں نکل نہ جائے۔" شاکا نے کہ

اسنے میں دو خونخوار کتے تہہ خانے میں داخل ہوئے اور بھونکتے ہوئے ان دونوں کی بڑھے۔ قامران نے اپنے تیروں سے ان کا سواگت کیا۔ شاکا ابھی اپنی توفو میں تیر ہی ڈال رہا وہ کتے قامران کے تیروں کی تاب نہ لا کر فرش راہ ہو گئے۔

"آؤ۔" قامران دوڑتا ہوا تہہ خانے سے نکل گیا۔

شاکا اس کے نقش قدم پر چل دیا۔ قامران جب وہ کمرہ تلاش کر کے جہاں اس کی

ل سے ملاقات ہوئی تھی' اندر داخل ہوا تو اسے شاکا کی بہن نظر آ گئی۔ وہ سردار کا چاک کی چوکی پر اطمینان سے بیٹھی تھی۔

"سردار کا چاک کہاں ہے؟" قامران نے اس سے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" شاکا کی بہن گویا ہوئی۔ "مجھے تھوڑی دیر پہلے ہی قید خانے سے نکالا گیا

"تمہیں کس نے نکالا؟"

"چاکور نے۔"

"یہ چاکور کا بچہ بھی کہیں نہیں دکھائی دیا...... یہاں تو ہر طرف کتے ہی کتے ہیں۔ انسان ایک م نہیں دکھائی دے رہا۔"

قامران اور شاکا نے مکان کا ایک ایک چپہ چھان مارا لیکن سردار کا کہیں پتہ نہ چلا۔ مکان جانثاروں کا مکمل قبضہ ہو چکا تھا۔ ہر طرف کتوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ ایک دو جانثار بھی جاں بحق ہو گئے تھے۔ کتوں نے ان کے نرخرے چبا ڈالے تھے۔ تھک ہار کر وہ پھر اوپر پہنچے اور ثمرنہ سے کہا۔

"سردار کا چاک کو تم نے کب دیکھا تھا؟"

"کیا وہ نکل گیا؟" ثمرنہ افسردہ ہو گئی۔

"نہیں' وہ نکل نہیں سکتا...... لیکن حیرت ہے کہ وہ اتنی جلدی کہاں غائب ہو گیا۔ ہم نے گھر ل ایک کونہ چھان مارا ہے۔ اسے کسی جانثار نے بھی باہر نکلتے نہیں دیکھا۔" قامران نے بیٹھتے ہ کہا۔

"وہ ابھی تو یہیں تھا۔" ثمرنہ نے بتایا۔ "جب میں نے تمہارا اشارہ سنا تو گرمی کا بہانہ کر کے ے کھڑکی کھولنے کی اجازت چاہی جو اس نے فوراً ہی دے دی۔ میں کھڑکی کھول کر واپس آئی تو وہ س کے بعد باہر نکلا اور پھر واپس نہ آیا...... واپس آیا تو اس کا کتا کولابہ اندر داخل ہوتے ہی مجھ ہ لپٹ گیا۔ ڈر کے مارے میری چیخ نکل گئی۔ اس کے بعد ہی تم دونوں اندر آ گئے۔"

"آؤ...... ایک بار اس اوپر کے حصے کو اور اچھی طرح دیکھ لیں۔"

اس ساری تلاش کا بھی نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات نکلا۔ قامران اور شاکا دونوں سر پکڑ بیٹھ گئے۔ ان کی ساری محنت اکارت جاتی دکھائی دے رہی تھی۔ قامران نے ایسے ہی کولابہ کی لاش ر ہی گاڑ دیں۔ وہ بھیم بحیم خونخوار کتا' اب ٹانگیں آسمان کی طرف اٹھائے بے جان پڑا تھا۔ قامران اس کے جسم پر لگے تیروں کو گنا۔ کل نو تیر تھے۔ تین تیر شاکا نے چلائے تھے جبکہ چھ تیر قامران کی ل کا نتیجہ تھے۔

قامران نے اٹھ کر کولابہ کی لاش کو الٹا پلٹا۔ پھر ایک خیال خود بخود اس کے دماغ میں جڑ گیا۔ قامران نے ایک ایک کر کے اس کتے کے جسم سے تیر نکالنے شروع کیے۔ ثمرنہ اور شاکا اس کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ جب آخری دو تیر اس کے جسم میں رہ گئے تو قامران نے ایک ٹھوکر مار کر لاش کو الٹا دیا اور واپس پلٹنے لگا۔ تب کسی نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"قامران ان دونوں تیروں کو بھی نکال دو۔"

یہ آواز چاندکا کے سوا کسی کی نہ تھی کیونکہ اس آواز کے ساتھ ہی کنوارے بدن کی خوشبو اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ قامران یہ سن کر پھر کولابہ کی لاش کی طرف چل دیا اور اس کے بھیجے لگے دونوں تیروں کو جھٹکے سے کھینچ لیا۔ سر سے تیر نکلتے ہی کولابہ تڑپ کر اٹھا اور پھر ایک دم لیٹ کمرے میں اچانک سردی کی لہر دوڑ گئی۔ ہر شخص کانپنے لگا۔ پھر ایک اور عجیب بات ہوئی۔

کتے کی لاش انسانی جسم میں تبدیل ہونے لگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ٹانگیں، دھڑ، سینہ اور انسانی شکل اختیار کر گئے لیکن گردن اور سر میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

اب ان کے سامنے ایک ایسا انسانی جسم پڑا تھا جس کا سر کتے اور بڑ جسم آدمیوں جیسا اور یہ شخص وہ تھا جس کی شاکا اور قامران کو تلاش تھی۔

چقمان قبیلے کا حکمران سردار کاچاک اب اپنی اصلی شکل میں ان کے سامنے موجود شاکا کی بہن اور ثمرنہ اس عجیب الخلقت آدمی کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گئیں۔ پھر قامران نے حکم دیا کہ اس میں جتنی بھی کتوں کی لاشیں موجود ہیں، ان کے جسموں سے تیر نکال لیے جائیں۔ سردار کاچاک مکان میں بے شمار کتوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ جب ان کتوں کے جسموں کو تیروں سے بے نیم گیا تو وہ اپنی اصلی شکل میں نمودار ہو گئے۔ کتے نما انسان یا انسان نما کتے۔

یہ خبر پورے قبیلے میں بڑی دلچسپی سے سنی گئی کہ سردار کاچاک کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے اور اس کی جگہ ایک نیا سردار آ گیا ہے۔ وہ سردار کون ہے، اس کی تصدیق نہ ہو سکی...... لوگوں سے کہا گیا تھا کہ وہ درشن کے وقت سردار کاچاک کے گھر کے سامنے اکٹھا ہو جائیں، وہیں ان پر صورتحال واضح کر دی جائے گی۔

درشن کے مقررہ وقت سے بہت پہلے قبیلے کے لوگ مکان کے سامنے اکٹھا ہونے شروع ہو گئے۔ وقت ہوتے ہوتے بستی میں ایک بھی آدمی نہ رہا۔ وہ بوڑھے جو چلنے پھرنے سے معذور ہو چکے تھے، گھسٹتے ہوئے نئے سردار کی شکل دیکھنے آ گئے تھے۔

جوں جوں وقت گزر رہا تھا، لوگوں میں بے قراری بڑھتی جا رہی تھی۔ ان کے صبر کا پیمانہ چھلکنے کو تھا کہ اوپری منزل کا دروازہ کھلا۔ قامران پوری شان و شوکت سے دروازے میں داخل ہوا۔ لوگوں میں ہلچل مچ گئی۔

"یہ تو ہیروں کا سوداگر ہے!" لوگ اسے دیکھ کر تذبذب میں پڑ گئے۔

"یہ یہاں کہاں؟"

"کیا یہ ہمارا نیا سردار ہے؟" قیاس آرائیاں جاری تھیں۔

قامران نے اچانک دونوں ہاتھ فضا میں بلند کیے اور لوگوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اس کا اشارہ ملتے ہی لوگ خاموش ہو گئے۔ لوگ خاموش ہو گئے تو قامران کو کچھ بولنا چاہیے تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کہاں سے شروع کرے۔ وہ انہیں کیا بتائے اور کیسے بتائے۔ اس نے کبھی تقریر نہیں کی تھی اور اتنے سارے لوگوں کے سامنے کچھ کہنا، تیر چلانے سے بھی مشکل کام تھا۔

"چقمان قبیلے کے لوگو! تمہیں مبارک ہو۔" بہرحال کچھ نہ کچھ تو بولنا تھا، اس نے شروع کیا۔

"کیا مبارک ہو؟" نیچے سے کچھ خواتین نے نعرہ لگایا۔

"آج کے بعد سے اس قبیلے کے کسی نوجوان کی زبان نہیں کاٹی جائے گی اور......"

لوگوں نے آگے سنا ہی نہیں، خوشی سے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔

"اور......اور......سنو، سنو۔" قامران نے ہاتھ کے اشارے سے لوگوں کو خاموش رہنے کے لیے کہا۔ "اور قبیلے کی کسی کنواری کی عزت آج کے بعد پامال نہ ہوگی......"

"سردار کاچاک کا کیا ہوا...... وہ کہاں گیا؟" نیچے سے پوچھا گیا۔

"سردار کاچاک کہیں نہیں گیا، وہ یہیں ہے۔ ابھی تم لوگوں کے سامنے اسے پیش کیا جائے گا۔ چقمان قبیلے کے لوگو! کیا تم جانتے ہو کہ تم پر اب تک کون حکومت کرتا تھا؟" سوال اٹھایا گیا۔

"سردار کاچاک!" جواب دیا گیا۔ چقمان قبیلے کے لوگ واقعی سیدھے تھے۔

"چقمان قبیلے کے لوگو! سردار کاچاک انسان نہ تھا۔ کتا تھا، کتا جو ہر وقت دوسروں پر بھونکتا دوسروں کی ٹانگ لیتا تھا لیکن دوسروں کو اس کے سامنے بولنے کی اجازت نہ تھی۔ اس نے پوری قوم کو گونگا کر دیا تھا۔"

"وہ مردار کہاں ہے؟ اسے بلاؤ، ہمیں دکھاؤ۔" نعرے بازی شروع ہو گئی۔

"اسے لاؤ۔" قامران نے دروازے کی طرف منہ کر کے زور سے کہا۔

تب چار جانثار سردار کاچاک کی لاش لے کر دروازے میں نمودار ہوئے۔ انہوں نے اس کی لاش کو سہارا دے کر کھڑا کر دیا۔

سردار کاچاک کی لاش دیکھ کر لوگ چیخ اٹھے۔ "لعنت ہے، لعنت ہے۔"

"ہاں، اس پر جتنی لعنت بھیجی جائے، کم ہے۔ ایسے لوگ انسانیت کے نام پر دھبہ ہوتے ہیں۔ ان کا مٹ جانا ہی بہتر ہے۔" پھر قامران نے ایک جانثار کو مخاطب کر کے کہا۔ "وہ صندوق لاؤ۔"

چند لمحوں میں لکڑی کا ایک صندوق قامران کے سامنے حاضر کر دیا گیا۔

"چقمان قبیلے کے لوگو! کیا تم جانتے ہو کہ اس صندوق میں کیا ہے؟"

"نہیں...... نہیں۔" بہت سی گردنیں اور زبانیں ہلیں۔

"اس صندوق میں اس ظالم کا ظلم اور تمہاری امانتیں محفوظ ہیں جو میں تمہاریں لوٹا رہا ہوں۔"

پھر قامران نے وہ صندوق الٹ دیا۔

صندوق سے سوکھی زبانیں گرنے لگیں۔ گونگی قوم اپنی زبانوں کو دیکھ کر خوشی سے جھوم اٹھی۔ فضا میں رنگ ہی رنگ بکھر گئے۔

"ثمرنہ، شاکا اور اس کی بہن کو بلاؤ۔" قامران نے ایک جانثار سے کہا۔

وہ آئے تو قامران نے شاکا کو اپنے دائیں اور ثمرنہ اور شاکا کی بہن کو اپنے بائیں طرف کھڑا کر دیا اور بولا۔ "چقمان قبیلے کے لوگو! یہ ثمرنہ اور یہ شاکا کی بہن ہے۔ ان دونوں نے اپنی عزتیں خطرے میں ڈالیں اور یہ شاکا ہے۔ تمہارے قبیلے کا قابل فخر نوجوان جس نے تن تنہا سردار کاچاک جیسے طاقتور آدمی سے ٹکر لی اور آخر اسے موت کے گھاٹ اتار کر ہی دم لیا۔ آج کے بعد سے یہ تمہاری عزت اور جان کا محافظ ہوگا۔ یہ سردار کاچاک کی طرح جلوہ نہیں دکھائے گا بلکہ جلوے والے کام کرے

گا...... کیا تم اسے اپنا سردار بنانا قبول کرو گے؟"

عوام سے رائے مانگی گئی۔

پوری قوم نے بیک زبان شاکا کو سردار بنانے کی منظوری دے دی۔

"چقمان قبیلے کے لوگو! میرے دوستو...... جہاں تم لوگوں نے مجھے اپنا سردار مقرر کرنے کا موقع عطا کیا ہے' وہاں اس نوجوان ہیروں کے سوداگر کو مت بھولو۔ اگر ہمارے ساتھ نہ ہوتا تو نہیں معلوم کب تک ہم سردار کاچاک کے چنگل میں پھنسے اپنی زندگی رہتے۔ یہ ہمارا نجات دہندہ ہے' ہمارا محسن ہے۔ میرا خیال ہے کہ دیوتاؤں نے اسے ہماری واسطے بھیجا تھا...... اے لوگو! اسے سلام کرو۔"

جواب میں ہر طرف سے نعرے لگنے لگے۔ "ہمارا نجات دہندہ زندہ باد... سوداگر زندہ باد۔"

قامران نے ہاتھ کے اشارے سے سب کا شکریہ ادا کیا۔

دوسرے دن رسم دستار بندی کے بعد قامران نے شاکا سے اجازت چاہی۔ "اب گا۔"

شاکا یہ سن کر بگڑ اٹھا۔ "نہیں' یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ چقمان قبیلے کے لوگ اتنے نہیں۔ وہ اپنے نجات دہندہ کو ہرگز اتنی جلد نہ جانے دیں گے۔"

"میں مسافر ہوں' کب تک یہاں رہوں گا؟"

"قامران تم صحرا صحرا پھرنا چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ ہماری بستی میں مستقل قیام کر لڑکی سے کہو گے' تمہاری شادی کر دی جائے گی۔"

"شادی کی تمنا نہیں...... اپنی شادی تو ہو چکی...... اب تو صحرا ہیں اور میں ہوں قیمت پر سفر جاری رکھنا ہے...... ایک لمبا سفر' اس کے لیے جو دس ہزار سال سے میری تلاش اب ہمیشہ کے لیے میری ہونے والی ہے...... مجھے جانا ہی ہوگا۔" قامران نے کھوئے کھوئے کہا۔ "میں اس سے محبت کرتا ہوں' اس کے لیے فنا ہو جانا چاہتا ہوں۔"

"قامران میں نے تو تمہیں ایک جنگجو اور سوداگر کی حیثیت سے پہچانا تھا۔ تم سخت عاشق مزاج نکلے۔ پتہ نہیں کس کا ذکر کر رہے ہو' جانے کون تمہارا دس ہزار سال سے شاکا نے قامران کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "خیر اگر تم مستقل قیام کے لیے یہاں سکتے تو کچھ دن تو ہمارے ساتھ رہو' کم از کم میری شادی تک۔"

"ممکن نہیں...... مجھے آج ہی اس بستی سے نکلنا ہے۔ یہ اس کا حکم ہے۔" قامران کن انداز میں کہا۔

پھر اپنی کمر سے ہیروں کی تھیلی کھولی۔ یہ وہی تھیلی تھی جس پر سردار کاچاک نے قبضہ جو بعد میں اس کے گھر سے ملی تھی۔

قامران نے اس مخملی تھیلی کو شاکا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میری طرف سے تحفہ۔ دیکھو شاکا انکار نہ کرنا۔"

"قامران' تم بھی عجیب ہو...... ہمیں صرف دینا چاہتے ہو...... تم نے میری قوم کو آزادی دلا بہت ہے۔ اب ہم تم سے کچھ نہ لیں گے۔"

"میں یہ ہیرے تمہیں نہیں دے رہا۔ یہ شمرنہ کے لیے ہیں۔ اب بحث نہ کرو' قبول کر لو۔" تھیلی اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے بولا۔

چند گھنٹوں بعد جب قامران شاکا سے رخصت ہو کر ابلا کی پیٹھ پر سوار ہوا اور بستی کے آخری کنارے پہنچا تو اس نے اپنے پیچھے پورے چقمان قبیلے کو پایا۔

چقمان قبیلے کے سیدھے عوام جواب تک قوت گویائی سے محروم تھے' اپنی آنکھوں میں آنسو لیے نجات دہندہ کو جاتا دیکھ رہے تھے۔

قامران نے اپنی گھوڑی کو موڑ کر ہاتھ اٹھا کر سب کو الوداع کہا اور پھر ابلا کو زور سے ایڑ لگائی اور سے کہ وہ اچانک اپنے دو پاؤں پر کھڑی ہو گئی اور پھر جو پاؤں زمین پر پڑے تو یوں لگا جیسے ہی نہیں' وہ ہوا میں اڑنے لگی۔

چقمان قبیلے کے لوگوں نے ابلا کے پیچھے بہت کچھ باندھ دیا تھا۔ اتنا کہ وہ بغیر پریشان ہوئے کئی دن تک سفر جاری رکھ سکتا تھا۔

قامران ان کی محبت سمیٹے اڑا چلا جا رہا تھا۔ یہ بڑا سرسبز علاقہ تھا۔ قامران فطری مناظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

شام ہوتے ہوتے یہ ہریالی' یہ شادابی غائب ہونے لگی۔ اب وہ ایسے علاقے میں داخل ہو گیا جہاں ہر طرف خشکی پھیلی ہوئی تھی۔ یہ ایک پتھریلا علاقہ تھا۔ کہیں کہیں درخت ضرور تھے لیکن وہ بھی سوکھے اور جلے ہوئے۔

رات اس نے انہی پتھروں میں گزاری۔

پھر رات نے جب اپنا گھونگھٹ الٹا اور اس کے چہرے پر سرخی عیاں ہونے لگی تو قامران نے اٹھ کر ایک بھرپور انگڑائی لی۔

ابلا کی پیٹھ سے بندھی چمڑے کی تھیلی کھولی۔ اس میں سے تھوڑا سا پانی لے کر منہ پر چھپاکے مارے۔ تھیلی دوبارہ ابلا کی پیٹھ سے باندھ کر اس کی گردن تھپتھپائی اور اس کے منہ سے لگام نکال لی تاکہ وہ ادھر ادھر گھوم پھر کر تھوڑا منہ مارے۔ اگرچہ وہاں منہ مارنے کو کچھ نہ تھا۔

قامران نے پھر کچھ خشک میوے نکال کر چبائے' دو چار گھونٹ پانی پیا اور ایک بڑے سے پتھر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

ابلا پتھروں میں سے سر ابھارے پودوں کو چن چن کر کھا رہی تھی اور قامران اس کو بغور دیکھ رہا تھا۔ اس نے ابلا پر نظر پیار کی تھی۔ وہ اسے پودوں میں منہ مارتی ہوئی بڑی اچھی لگ رہی تھی۔

اچانک ابلا کھاتے کھاتے پیچھے ہٹی اور اپنے دونوں پاؤں پر کھڑی ہو کر زور سے ہنہنائی۔

قامران کا ہاتھ فوراً کمان پر گیا' اس نے ایک لمحے میں تیر چڑھا لیا۔

ابلا ایک بار پھر تیزی سے پیچھے ہٹی اور اپنے دونوں پاؤں پر کھڑی ہو گئی۔

اب قامران کو شبہ نہ رہا کہ ابلا کے آس پاس کوئی ایسی چیز موجود ہے جسے دیکھ کر وہ ڈر رہی

ہے۔ قامران تیزی سے ابلا کی طرف بھاگا۔

نزدیک پہنچا تو اسے وہ خطرناک شے دکھائی دے گئی۔

قامران فوراً ایک بڑے سے پتھر پر چڑھ گیا تاکہ نشانہ لینے میں آسانی رہے۔ پھر تیر چھوڑا۔ ایک تیر نے ہی اس کا کام تمام کر دیا۔

وہ ایک خطرناک پہاڑی بچھو تھا...... سیاہ اور زہریلا۔ اگر وہ بچھو ابلا کو ڈنک میں کامیاب ہو جاتا تو وہ زمین پر پڑی دم توڑ رہی ہوتی اور قامران اس ویرانے میں یک و تنہا قامران نے آگے بڑھ کر ابلا کی گردن تھپتھپائی' اس کا منہ چوما اور اس کے لگام چڑھا دی۔

''چلو...... بیٹا' یہاں سے نکل چلو۔'' قامران نے اس کی پیٹھ پر بیٹھ کر کہا۔

ابلا زور سے ہنہنائی۔ گویا اس نے قامران سے پورا اتفاق کیا۔

چند لمحوں بعد ابلا دوڑنے لگی۔ راستہ ناہموار ہونے کی وجہ سے اس کی رفتار زیادہ پھر بھی وہ ایک عام گھوڑے کے مقابلے میں تیز دوڑ رہی تھی۔

سہ پہر ہوتے ہوتے پھر سے ہرا بھرا علاقہ شروع ہو گیا۔ ابلا نہ صرف بھوکی تھی بھی تھی۔ خود قامران کو بھی بھوک لگ رہی تھی' لہٰذا قامران نے ایک سرسبز' خوبصورت سا گو کر کے ابلا کو آزاد کر دیا۔ ابلا آزاد ہوتے ہی ہری ہری گھاس پر اس طرح ٹوٹی جیسے گھاس زمین بھی چٹ کر جائے گی۔

قامران بھی کچھ کھا پی کر آرام کرنے لیٹ گیا کیونکہ تھکا ہوا تھا' اس لیے لیٹتے ہی گئی۔

جانے وہ کتنی دیر سویا ہو گا کہ اچانک اس نے محسوس کیا جیسے کسی نے اس کے پاؤں ہلا دیا ہو۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اس نے چاروں طرف نظریں گھمائیں' اسے کوئی نہ دکھائی دیا۔

ابلا کا بھی کہیں پتہ نہ تھا۔ یہ گھوڑی کہاں گئی؟ شاید چرتی ہوئی دور نکل گئی ہے۔ وہ تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ ابلا تھوڑی سی تلاش کے بعد اسے نظر آ گئی۔ وہ بڑے انہماک سے گھا میں مصروف تھی۔

قامران نے اس کی طرف سے مطمئن ہو کر ایک زوردار انگڑائی لی۔ ہاتھ نیچے کیے اپنے سامنے خرگوش کا ایک بے حد خوبصورت بچہ نظر آیا۔

وہ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھا تاکہ اسے زندہ پکڑ سکے۔ جیسے ہی وہ نزدیک پہنچ پکڑنے کے لیے جھکا' خرگوش کے بچے نے چھلانگ لگائی اور سامنے درختوں کے جھنڈ میں غائب

قامران دھیرے دھیرے اس جھنڈ کی طرف بڑھا جدھر وہ بچہ جا کر چھپ گیا تھا۔ قا تیز نظروں نے آخر اسے ڈھونڈ ہی لیا۔ وہ ایک چھوٹے سے پتھر کے پیچھے چھپا بیٹھا تھا۔ اس آنکھیں دور ہی سے چمک رہی تھیں۔

قامران نے جیسے ہی اس کے نزدیک پہنچ کر اس پر ہاتھ مارا' وہ پھر سے چھلاوہ بن کے ہاتھ نہ آیا۔

اب وہ بڑی گھاس کے درمیان قلانچیں بھرتا ہوا جا رہا تھا اور قامران اس کے پیچھے

اں جیسے ہی اسے پکڑنے کے لیے جھکتا' وہ چھلانگ لگا کر اس کے ہاتھوں سے نکل جاتا۔

قامران کو اس کھیل میں بڑا مزا آ رہا تھا۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ اس خرگوش کے بچے کو زندہ ر رہے گا اور شاید اس خرگوش کے بچے نے بھی یہ طے کر لیا تھا کہ چاہے کچھ ہو جائے' ہاتھ نہیں جان جائے پر آن نہ جائے۔

آگے جا کر وہ ایک درخت کے پیچھے چھپ گیا۔ قامران بہت آہستہ آہستہ اس درخت کی بڑھا اور جب اس نے اندازے سے اسے پکڑنے کے لیے جھپٹا مارا تو اسے وہاں کچھ نظر نہ آیا۔ ں کا بچہ وہاں سے حیرت انگیز طور پر غائب تھا جبکہ قامران نے اسے درخت کے پیچھے جاتے دیکھا مسلسل اسے اپنی نظروں میں رکھے ہوئے تھا۔ کہیں وہ بل میں تو نہیں گھس گیا۔ قامران نے ی جڑیں اور آس پاس بل تلاش کیا مگر وہاں بل ہوتا تو ملتا۔ پھر وہ خرگوش کا بچہ کہاں گیا؟ یہ ہوا وہ واپس آیا اور ابلا کو تلاش کرنے لگا۔

ابھی وہ اپنے ٹھکانے کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ اسے ابلا کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی۔ لی سے درختوں کے جھنڈ پار کرتا ابلا کی طرف بڑھا۔

اب ابلا اس کے سامنے تھی اور وہ بڑی حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

قامران نے ایک لمحے میں کمان پر تیر چڑھایا۔

تیر ہمیشہ کی طرح نشانے پر لگا' وہ خرگوش کا بچہ تیر کے ساتھ ہی دور جا پڑا۔ قامران جب تک کے نزدیک پہنچا' وہ دم توڑ چکا تھا۔

''شریر بچے۔'' قامران نے خرگوش کے بچے کی لاش کو ہاتھوں میں اٹھا لیا اور اس کے جسم ر ہلانے لگا۔

ابھی وہ تیر نکال بھی نہ پایا تھا کہ اس نے زور سے بجلی کے کڑکنے کی آواز سنی۔ اس کی ھوں کے سامنے تارے ناچ گئے۔ چند لمحوں میں وہ اپنے ہوش گنوا بیٹھا۔

جب اسے ہوش آیا تو اس نے خود کو زنجیروں میں جکڑا ہوا پایا۔ اس کے چاروں طرف ھیرا پھیلا ہوا تھا۔ بالکل گھپ اندھیرا۔ کچھ دیر تو اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کہاں پڑا ہے۔ آہستہ اسے سب یاد آتا گیا۔ بجلی کی کڑک اور آنکھوں کے آگے تارے ناچنا اور پھر ہوش گنوا بیٹھنا۔ وہ جنگل میں نہ تھا اور آزاد بھی نہ تھا۔ یہ کوئی کال کوٹھڑی تھی جس میں اسے پابہ زنجیر کر کے ڈال دیا تھا۔ کوئی ایک گھنٹے کے بعد کوٹھڑی کا دروازہ کھلا۔ تیز روشنی کے ساتھ اچانک سردی کی لہر دوڑ گئی۔

''اٹھو۔'' دو آدمیوں نے اسے سہارا دے کر اٹھایا۔

''میں کہاں ہوں؟''

''ہمارے ساتھ چلو...... تھوڑی دیر میں سب کچھ پتہ چل جائے گا۔'' ایک نے کہا۔

''تم لوگ مجھے کہاں لے جانا چاہتے ہو؟'' قامران نے پوچھا۔

''تمہاری پیشی ہو گی۔'' بتایا گیا۔

''کس کے سامنے اور کیوں؟'' سوال کیا گیا۔

''زیادہ ٹرٹر مت کرو۔'' ایک آدمی نے اسے آگے دھکا دیتے ہوئے کہا۔ ''تم تو بڑے بہادر

آدمی ہو اب اس قدر خوفزدہ کیوں ہو گئے؟''

''میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا' آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو؟'' قامران نے پوچھا۔

''فی الحال صرف اتنا کہ اپنی زبان پر تالہ لگاؤ اور ہمارے ساتھ خاموشی سے چلو اور تک تم سے بولنے کو نہ کہا جائے' اس وقت تک نہ بولنا ورنہ نتائج کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔'' ایک نے تنبیہہ کی۔

وہ دونوں آدمی اسے کوٹھری سے نکال کر مختلف راہداریاں پار کراتے ہوئے ایک بڑے در کے پاس لے آئے اور دروازے کے نزدیک پہنچ کر ان میں سے ایک آدمی نے بلند آواز میں جسے قامران نہ سمجھ سکا۔ وہ کچھ عجیب و غریب الفاظ تھے..... چند لمحوں بعد دروازہ خود بخود کھل گیا۔

وہ دونوں قامران کو لیے اندر داخل ہوئے۔

سیڑھیاں اترتے ہی قامران کو ایک بہت بڑا میدان دکھائی دیا جو رات ہونے کے جگمگا رہا تھا۔ یہ روشنی کہاں سے آ رہی تھی اور کس چیز کی تھی' یہ قامران کی سمجھ میں نہ آیا۔

قامران کو میدان کے ایک کونے میں لا کر بٹھا دیا گیا۔

پھر بہت سے خاکروب اسی بڑے دروازے سے اندر داخل ہوئے اور میدان کی کر کے چلے گئے۔ خاکروبوں کے جانے کے بعد بہت سے سقے پانی کی مشکیں لادے میدان اترے۔ تھوڑی دیر میں ہی میدان پانی سے بھیگ گیا۔ سقوں کے جانے کے بعد میدان میں فرش جانے لگا۔ کچھ لوگ ایک بڑا سا تخت لے آئے۔ اس تخت پر ایک خوبصورت سا قالین اور گاؤ تکیے دیے گئے۔

اب لوگ آنے شروع ہوئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورا میدان لوگوں سے بھر گیا۔

لوگ بڑے صبر و تحمل اور سلیقے سے بیٹھے تھے۔ چند لمحوں بعد ایک دراز قد بزرگ دروا سے داخل ہوئے۔ سفید براق لباس' سرخ سفید چہرہ' یہ لمبی سفید ریشم جیسی داڑھی' بارعب اور پروقار

ان بزرگ کو دیکھتے ہی سب لوگ احتراماً کھڑے ہو گئے۔ پھر انہوں نے تخت پر بیٹھ کر لوگوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

ان بزرگ کے بیٹھتے ہی ایک شخص نے دہائی دینی شروع کی۔ قامران کیونکہ کافی پیچھے تھا' اس لیے وہ کچھ نہ سن سکا۔

تب ان بزرگ نے کوئی اشارہ کیا۔ اشارہ پاتے ہی قامران کو ان بزرگ کے سامنے دیا گیا۔ راستے میں ان دونوں آدمیوں نے بتا دیا تھا کہ اسے شاہ جنات کے سامنے پیش کیا جا لہٰذا کوئی ایسی ویسی حرکت نہ کرے۔

قامران نے شاہ جنات کے سامنے پہنچ کر اسے بغور دیکھنا چاہا لیکن نہ دیکھ سکا کیونکہ جنات کا چہرہ اب غصے سے سرخ ہو چکا تھا۔

شاہ جناب کے ہاتھ کے ایک اشارے سے اس کے جسم پر بندھی ساری زنجیریں آ رہیں اور وہ کڑک کر بولے۔ ''آدم زاد تیری یہ جرات۔''

قامران نے حیرت سے شاہ جنات کو دیکھا' اسے ابھی تک اپنا جرم معلوم نہ تھا۔

''دیکھتے کیا ہو؟'' شاہ جنات نے اسے ڈانٹا۔ ''کیا تم جانتے نہیں کہ تم نے کیا کیا ہے؟''

''نہیں۔'' قامران کو واقعی کچھ معلوم نہ تھا۔

''اچھا۔'' شاہ جنات نے کسی کو اشارہ کیا۔ ''اسے لاؤ۔''

چند لمحوں بعد ایک آدمی اسے اپنے ہاتھوں پر اٹھائے آیا۔ وہ ایک سفید چادر سے ڈھکا ہوا اسے شاہ جنات کے قدموں میں رکھ دیا گیا۔

''چادر ہٹاؤ۔'' شاہ جنات نے حکم دیا۔

چادر ہٹائی گئی۔

''اسے دیکھو۔'' شاہ جنات نے اس کی طرف اشارہ کیا۔

قامران نے جب اسے دیکھا تو سناٹے میں آ گیا۔ اس کے سامنے ایک بچے کی لاش پڑی اس کے جسم میں ایک تیر پیوست تھا اور یہ تیر قامران کی کمان سے نکلا ہوا تھا۔ قامران نے اپنا تیر تو لیکن اس نے یہ تیر اس بچے پر کب چلایا اور کیوں چلایا' یہ اسے یاد نہ تھا۔

''اب کیا کہتے ہو؟'' شاہ جنات نے سوال کیا۔

''یہ تیر ضرور میرا ہے' اس سے مجھے انکار نہیں لیکن یہ میری کمان سے نہیں نکلا..... میں اس عالم نہیں۔'' قامران نے صفائی پیش کی۔

''تم اس بچے کے قاتل ہو۔'' شاہ جناب نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ ''یہ شریر بچہ سے نکل کر کھیل رہا تھا..... یاد کر وہ خرگوش کا بچہ..... یاد آیا' اس بچے نے اس وقت خرگوش کی اختیار کی ہوئی تھی۔ تم نے کچھ دیر اس کا پیچھا کیا' اسے زندہ پکڑ لینا چاہا' جب یہ تمہارے قابو میں نہ آ ہی نہیں سکتا تھا تو تم نے غصے میں اس پر تیر چلایا' اسے ہلاک کر دیا..... اب کہو' کیا اب بھی اپنے جرم کی صحت سے انکار ہے؟''

''نہیں..... میں اقرار کر لیتا ہوں کہ اس خرگوش کے بچے پر میں نے ہی تیر چلایا تھا لیکن بچہ ہی جان کر..... اگر مجھے علم ہو جاتا کہ یہ وہ نہیں جو دکھائی دے رہا ہے تو میں ہرگز تیر نہ قامران نے بڑے مودبانہ انداز میں کہا۔ ''یہ سب مجھ سے نادانستگی میں ہوا ہے' اب آپ جو اویں۔ میں آپ کا ہر حکم مانو گا۔''

''تم پہلے انسان ہو جس نے اتنی آسانی سے اپنے جرم کا اقرار کر لیا ورنہ یہ آدم زاد تو بڑے اور ہٹ دھرم واقع ہوئے ہیں۔'' شاہ جنات کا غصہ کچھ کم ہوا۔ ''اس قتل میں کچھ حصہ مقتول کا ایک تو وہ اپنی حدود میں نہ تھا۔ دوسرے اپنے قالب میں نہ تھا۔ اگر وہ اپنی شکل اور اپنے

علاقے میں رہتا تو کاہے اپنی جان سے ہاتھ دھوتا اور آدم زاد تمہارا قصور یہ ہے کہ تم نے اس چلاتے ہوئے اپنی عقل استعمال نہ کی۔ ایک چھوٹا سا جانور بھلا کس طرح گھوڑی کی پیٹھ پر سوار تھا...... اس قصور کی سزا تمہیں بھگتنی ہوگی۔"

"میں تیار ہوں...... سزا مقرر کیجئے۔"

"سزا اس بچے کا باپ مقرر کرے گا۔" شاہ جنات نے ایک شخص کی طرف اشارہ کر "آؤ سامنے۔"

"شاہ جنات آج کل میں ایک مشکل میں گرفتار ہوں۔ اگر یہ آدم زاد اس مشکل نجات دلا دے تو میں اس کا قصور معاف کرنے کو تیار ہوں۔" اس شخص نے کہا۔

"مشکل بتا۔" شاہ جنات نے حکم دیا۔

"مجھے ایک آدم زاد نے اپنے عمل سے اپنا غلام بنا لیا ہے۔ وہ مجھ سے ناجائز کام ہے۔ میں اس آدم زاد سے چھٹکارا چاہتا ہوں۔ اگر یہ آدم زاد میری آزادی پھر سے بحال کرا میں نہ صرف اس کا قصور معاف کر دوں گا بلکہ زندگی بھر اس کا ممنون رہوں گا۔" وہ شخص شاہ جنات مخاطب تھا۔

"بولو آدم زاد کیا کہتے ہو؟" شاہ جنات نے پوچھا۔

"میں تیار ہوں...... مجھے اس آدم زاد کا نام اور پتہ بتایا جائے۔ میں کوشش کروں گا کہ اس ظالم کے چنگل سے نکال دوں۔" قامران بولا۔

"شاباش، ہمیں تم سے یہی امید تھی۔" شاہ جنات نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ "جس زہر کو زہر مارتا ہے ویسے ہی ایک آدم زاد کا تریاق آدم زاد ہی ہو سکتا ہے۔ جاؤ...... حامنا، اس آدم زاد کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور اسے پورے حالات سے آگاہ کرو۔ ہمیں قوی امید ہے کہ جلد خود کو آزاد پاؤ گے۔"

حامنا نے قامران کا ہاتھ پکڑا اور بولا۔ "آؤ میرے ساتھ۔"

وہ دونوں بڑے دروازے کی طرف چل دیئے۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے جب قا پیچھے مڑ کر دیکھا تو حیران رہ گیا۔ اب وہاں کوئی نہ تھا۔ نہ شاہ جنات، نہ لوگ، نہ تخت۔ جانے یہ منٹوں میں کہاں اور کیسے غائب ہو گئے۔

"پہلے تو یہ سارے لوگ اس دروازے سے آئے تھے اب اچانک یہ کس طرح گئے جبکہ اس دروازے کے علاوہ جانے کا کوئی اور راستہ نہیں۔" قامران نے اپنی معلومات میں چاہا۔

"یہی تو فرق ہے ہم میں، تم میں۔" حامنا نے کہنا شروع کیا۔ "تم لوگ خاکی ہو بنائے گئے ہو۔ ہم آتشی ہیں، آگ سے ہمارا خمیر اٹھا ہے۔ ہمیں ہمارے بنانے والے نے مکان کی قید سے آزاد رکھا ہے۔ ہم جب چاہیں، جہاں چاہیں پلک جھپکتے جا سکتے ہیں، جو شکل اختیار کر سکتے ہیں لیکن آدم زاد کو بنانے والے نے زمان و مکان کی قید میں رکھا ہے اور ایک عق عطا کی ہے۔ ان پابندیوں کے باوجود وہ ہم سے زیادہ طاقتور ہے۔"

"وہ کیسے؟" قامران نے پوچھا۔

"وہ جو شعور اور عقل رکھتا ہے، ہم اس سے کورے ہیں۔ وہ اپنی عقل کے ذریعے ہر نا قابل چیز کو قابل تسخیر بنا لیتا ہے کہ ہم جیسی آتشی مخلوق بھی بعض اوقات اس کے آگے بے بس ہو جاتی

"حامنا، اس وقت تم جس شکل میں ہو، کیا یہ تمہارا اصلی روپ ہے؟"

"نہیں۔" حامنا نے بتایا۔ "اور ابھی اس میدان میں جتنے لوگوں کو تم نے دیکھا، وہ اپنی اصلی ت میں تھے اور نہ ہی شاہ جنات۔"

"پھر تمہاری اصل شکل و صورت کیا ہے؟ کیا تم مجھے دکھانا پسند کرو گے؟"

"نہیں...... ہم اپنی اصلی صورت میں اپنی مخلوق کے سامنے ہی آ سکتے ہیں۔ کسی غیر مخلوق کو اصل شکل دکھانے کی اجازت نہیں ہمیں۔"

"کیوں؟" قامران نے پوچھا۔

"اس سے زیادہ میں نہیں جانتا کہ یہ شاہ جنات کا حکم ہے۔"

"حامنا، کیا ممکن ہے کہ تم مجھے اپنی بستی میں لے چلو۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم لوگ کس طرح رہتے ہو۔"

"نہیں، یہ ممکن نہیں...... کسی آدم زاد کا ہماری بستی میں گزر بہت مشکل ہے۔"

"پھر اس وقت ہم کہاں چل رہے ہیں؟"

"میں تمہیں اپنی بستی سے دور ایک غار میں لیے چلتا ہوں، وہاں آرام سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ اب چلنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ میں تمہارا ہاتھ پکڑ لیتا ہوں۔ تم ذرا اپنی ٹانگوں پر مضبوطی سے کھڑے ہو جاؤ۔" حامنا نے اسے سمجھایا۔

وہ دونوں چلتے چلتے رک گئے۔ حامنا نے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھا اور مضبوطی سے قامران کا ہاتھ تھام لیا۔ قامران نے ایسا محسوس کیا جیسے اس کی کلائی کو تپتے لوہے کے شکنجے میں جکڑ دیا گیا ہو۔ حامنا کے کلائی پکڑتے ہی وہ دونوں ہوا میں بلند ہونے لگے۔

یہ اڑان چند منٹوں سے زیادہ کی نہ تھی۔ جب وہ زمین پر دوبارہ واپس آئے تو قامران نے خود کو ایک غار کے دہانے پر پایا۔

"آؤ اندر۔" حامنا نے اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

قامران کا اندھیرے میں چلنا بہت مشکل تھا۔ وہ دھیرے دھیرے آگے بڑھا جبکہ حامنا تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ شاید تاریکی اس کی راہ میں حائل نہ تھی۔

"حامنا۔" قامران ایک پتھر سے ٹکرایا تو چیخا۔

"آؤ نا۔" حامنا نے پیچھے پلٹ کر کہا۔

"آؤں کیسے...... راستہ سجھائی نہیں دے رہا۔" قامران نے بے بسی ظاہر کی۔

"اوہ...... یہ تو مجھے خیال ہی نہیں رہا کہ میرے ساتھ ایک آدم زاد بھی ہے جسے صرف دن کی روشنی میں دکھائی دیتا ہے۔" حامنا پلٹ کر واپس آیا۔

پھر اس نے قامران کا ہاتھ پکڑلیا اور بولا۔ ''بس' چلے آؤ۔''

غار میں باہر کے مقابلے میں اور بھی اندھیرا تھا' اتنا گھور اندھیرا کہ آنکھیں کھلی مشکل تھیں قامران آنکھیں بند کیے حامنا کے سہارے آگے بڑھ رہا تھا۔

آگے جا کر اس کی بند آنکھوں نے روشنی کا پتہ دیا۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو غار کو م پایا۔ قامران نے چاروں طرف نظریں دوڑا کر روشنی کا ذریعہ معلوم کرنا چاہا کہ روشنی کدھر سے آ رہی۔ اور کس چیز کی ہے لیکن ناکام رہا۔

حامنا' قامران کو کھڑے رہنے کا اشارہ کر کے غار میں بنے ایک سوراخ میں چلا گیا۔ کچھ کے بعد نکلا تو اس کے ہاتھ میں لپٹا ہوا قالین اور گاؤ تکیہ موجود تھا۔ اس نے قالین بچھا کر' گاؤ تکیہ پر جمایا اور قامران سے کہا۔ ''آؤ بیٹھو۔''

قامران آرام سے آلتی پالتی مار کر قالین پر بیٹھ گیا تو حامنا نے پوچھا۔ ''بولو' کیا کھ گے؟''

''تم لوگ جو کھاتے ہو وہی۔'' قامران نے کہا۔

''ہمارا کھانا انسانوں سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ تم وہ نہیں کھا سکو گے۔''

''پھر مجھے انسانوں والا ہی کھانا کھلا دو۔''

''ابھی لو۔'' یہ کہہ کر حامنا نے اپنے دونوں ہاتھ آگے پھیلائے اور بیٹھے بیٹھے غائب ہو گیا کچھ دیر کے بعد وہ واپس آیا تو اپنے ساتھ انواع و اقسام کے کھانے لایا اور اس کے سامنے رکھتا ہ بولا۔ ''لو کھاؤ۔''

سارے کھانے ایک دم گرم اور بے حد مزیدار تھے۔ قامران کا دو دن سے خشک میوں اسی طرح کی الابلا چیزوں پر گزارا تھا۔ اب کھانا سامنے آیا تو اس کی بھوک ایک دم چمک اٹھی۔ سائری دیوتا کا نام لے کر قابوں پر ٹوٹ پڑا۔

حامنا اسے بڑی دلچسپی سے کھانا کھاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ کھانے سے فارغ ہو کر قامر نے اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرا اور لمبی ڈکار لیتے ہوئے بولا۔ ''ہاں' حامنا اب سناؤ۔''

''بس کیا سناؤں اے آدم زاد......''

''میرا نام قامران ہے۔'' قامران نے اسے ٹوک دیا۔

''قامران' بس یوں سمجھ لو کہ میری جان بڑی مشکل میں ہے اور نہیں معلوم کہ اس ظالم سے میرا چھٹکارا کب ہو؟''

''تم کس کے قبضے میں ہو؟''

''لائی چامہ کے۔''

''یہ کسی جگہ کا نام ہے یا کسی شخص کا؟''

''لائی چامہ اس ظالم کا نام ہے جس نے مجھے قید کر رکھا ہے۔''

''لیکن تم تو مجھے کسی کی قید میں دکھائی نہیں دیتے۔ کیا قیدی ایسے ہی ہوتے ہیں......تم بڑے آرام سے میرے سامنے بیٹھے ہو۔'' قامران بولا۔

''ہاں' یہ نام نہاد آزادی بیڑیوں والی قید سے کہیں بہتر دکھائی دیتی ہے لیکن ایسا نہیں لائی چامہ مجھے کسی بھی وقت بلا سکتا ہے۔ اس کا اشارہ ملتے ہی مجھے اس کی خدمت میں حاضر تا ہے۔''

''تمہیں کس طرح معلوم ہوتا ہے کہ وہ بلا رہا ہے؟''

''جب اس کا بلاوا آتا ہے تو میری گردن میں سوئیاں سی چبھنے لگتی ہیں اور اس وقت تک رہتی ہیں جب تک اس کے سامنے حاضر نہ ہو جاؤں اور یہ چبھن اتنی تیز ہوتی ہے کہ مجھے اپنی جاتی ہوئی دکھائی دینے لگتی ہے۔''

''تم اس کی قید میں کب سے ہو؟''

''بہت عرصے سے......میرا خیال ہے چار پانچ سال تو ہو گئے ہوں گے۔''

''وہ تم سے کس قسم کے کام لیتا ہے......تم کچھ ناجائز کاموں کا ذکر رہے تھے؟''

''شروع میں تو وہ مجھ سے اشیاء کی فراہمی کا کام لیتا رہا۔ بعد میں اس نے مجھے ایک ایسے لگا دیا جو نہ صرف ذلت آمیز ہے بلکہ افسوسناک بھی اور میرا خیال ہے کیونکہ میں لوگوں کے دل ہوں' اسی لیے کائنات کے مالک نے میرا اکلوتا بچہ مجھ سے چھین لیا...... پر میں کیا کروں' بے بس مجبور ہوں۔'' حامنا یہ کہہ کر رو پڑا۔

''وہ کام تو بتاؤ۔'' قامران نے اس کے آنسوؤں کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔

''وہ مجھ سے لڑکیاں منگواتا ہے۔'' حامنا نے اپنے آنسو پونچھے۔

''لڑکیاں؟'' قامران کچھ سمجھا' کچھ نہ سمجھا۔

''لائی چامہ کو ہر رات ایک نئی لڑکی درکار ہوتی ہے اور ان لڑکیوں کی فراہمی کا کام میرے ہے۔'' حامنا کی آنکھوں میں پھر آنسو تیرنے لگے۔ ''اب تم ہی کہو' یہ کام ذلت آمیز اور دل والا ہے کہ نہیں؟''

''اس میں کیا شبہ ہے۔'' قامران نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ''حامنا تم فکر نہ کرو' سائری چاہا تو تمہیں اس ظلم سے نجات مل جائے گی۔ میں تمہارے ساتھ ہوں اور اس وقت تک چین نہیں لوں گا جب تک تمہیں آزادی نہیں مل جاتی۔''

''قامران' میں سات پشتوں تک تمہارا احسان مند رہوں گا اور جب تک جیوں گا' تمہاری وں گا۔'' حامنا بڑی ممنونیت سے بولا۔

''لائی چامہ رہتا کہاں ہے؟'' قامران نے سوال کیا۔

''لائی چامہ یہاں سے مغرب کی طرف روپ چانامی بستی میں رہتا ہے۔''

''تم مجھے بستی تک پہنچا سکتے ہو؟''

''کیوں نہیں......بہت آسانی سے۔''

''اچھا' اگر میں گھوڑی پر سوار ہو کر جاؤں تو کتنے دن میں وہاں پہنچوں گا؟''

''تقریباً چار دن۔''

''اور تم مجھے کتنی دیر میں پہنچا دو گے؟''

''صرف چند لمحوں میں۔''

''ٹھیک ہے' پھر میں وقت کیوں ضائع کروں؟ تم مجھے وہاں تک پہنچا دو لیکن میری کے ساتھ۔''

''میں تیار ہوں۔''

''مجھے وہاں پہنچانے سے پہلے ایک کام کرو...... مجھے کچھ ہیرے لا دو' میں ہیروں کے کی حیثیت سے روپ چا میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے' تم آرام کرو...... میں ہیرے لے کر آتا ہوں۔''

یہ کہہ کر حامنا نے اپنے دونوں ہاتھ آگے پھیلائے اور غائب ہوگیا۔

قامران' حامنا کے جانے کے بعد قالین پر آرام سے لیٹ گیا۔ تھکا ہوا تو تھا ہی' اوپ کھانا ضرورت سے زیادہ کھا لیا تھا۔ لیٹتے ہی نیند کی آغوش میں چلا گیا۔ جانے وہ کتنی دیر سویا۔ حام تو اس نے قامران کے کندھے کو ہلا کر اٹھایا۔ قامران ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

''لے آئے؟'' قامران نے اپنی آنکھیں ملتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں...... پہلے یہ دیکھو۔''

حامنا نے اپنی بغل سے ایک خوبصورت سا لباس نکال کر اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

''یہ تم نے بہت اچھا کیا' لباس بھی لے آئے۔ میرا لباس کافی میلا ہوگیا تھا۔ لاؤ... ہیرے کہاں ہیں؟'' قامران نے لباس اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

حامنا نے کمر سے بندھی ایک مخملی تھیلی نکال کر قامران کے سامنے کی۔ ''یہ لو' دنیا کے قیمت ہیرے۔''

قامران نے اس تھیلی کو الٹ پلٹ کر دیکھا' اسے یہ تھیلی کچھ مانوس سی لگی۔ کچھ س ہوئے اس نے تھیلی کھولی۔

جگمگ جگمگ کرتے پتھروں کو دیکھ کر اس کا شبہ یقین میں بدلنے لگا۔

''حامنا' یہ ہیرے دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اپنا ہی تیر اپنے آ لگا ہو۔'' قامران مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب...... میں سمجھا نہیں۔'' حامنا پریشان سا ہوگیا۔

''یہ ہیرے تم کہاں سے لائے ہو؟''

''بستی کا نام تو مجھے معلوم نہیں' البتہ میں تمہیں وہاں پہنچا سکتا ہوں۔''

''یہ ہیرے تم نے لکڑی کے بڑے سے مکان سے اٹھائے ہیں۔''

''ہاں...... غالباً وہ اس بستی کے سردار کا گھر تھا۔ اس سے بڑا مکان وہاں کوئی نہ تھا۔'' نے بتایا۔

''سارٔی دیوتا کی قسم...... تم نے مروا دیا...... حامنا میں نے تم سے ہیرے لانے کو کہا چرانے کو؟''

''قامران کیا تم نہیں جانتے کہ میرے پاس ہیرے کی کوئی کان نہیں۔ ظاہر ہے ہیرے

ہی لا سکتا ہوں۔'' حامنا نے صاف صاف جواب دیا۔

''یہ ہیرے تم چقمان قبیلے سے اٹھا لائے ہو۔ میں نے وہاں کے سردار کو تحفے میں دیئے اسی لیے میں نے اس تھیلی کو دیکھ کر کہا تھا کہ اپنا تیرا اپنے ہی آ لگا ہے۔''

''یہ تو بہت برا ہوا...... لاؤ میں ابھی واپس رکھ آتا ہوں۔''

''رہنے دو...... پھر تم کہیں اور سے چوری کر لاؤ گے...... یہ ہیرے کم از کم اپنے تو ہیں۔ کام کے بعد واپس وہیں رکھوا دیں گے' کیوں ٹھیک ہے نا؟''

''ٹھیک ہے۔'' حامنا کچھ شرمندہ سا ہوگیا۔

حامنا نے قامران کو روپ چا چھوڑنے سے پہلے کچھ نامانوس سے الفاظ یاد کروائے جن کے ے ہی حامنا' پھر اس کی خدمت میں حاضر ہو سکتا تھا۔

قامران نے وہ الفاظ پوری توجہ سے ذہن نشین کر لیے۔

صبح ہونے سے کچھ دیر پہلے حامنا نے قامران کو مع ابلا روپ چا پہنچا دیا۔

روپ چا کے چاروں طرف اونچی اونچی فصیلیں تھیں۔ قامران اس بلند دروازے کے سامنے ے گیا جو بستی میں داخل ہونے کا واحد راستہ دکھائی دیتا تھا۔ دروازہ ابھی بند تھا۔ قامران نے کچھ کر سپیدۂ سحر نمودار ہونے کا انتظار کیا۔ تھوڑی ہی دیر میں ہر سو اجالا پھیلنے لگا۔ پھر سورج بھی نکل دروازہ بدستور بند رہا۔

قامران کا خیال تھا کہ صبح ہوتے ہی دروازہ خود بخود کھل جائے گا لیکن یہ خیال خام ثابت کر وہ ابلا سے اتر کر دروازے کے نزدیک پہنچا اور اس میں لگی بھاری زنجیر کو زور سے ہلایا۔

''کون ہے؟'' دروازے کے اندر سے آواز آئی۔

''ایک مسافر۔'' قامران نے جواب دیا۔

''اچھا ٹھہرو۔'' ادھر سے کہا گیا اور پھر دروازہ کھولے جانے کی آوازیں آنے لگیں۔ کھٹاک کی کئی آوازوں کے بعد دروازہ کھل گیا۔

''یہاں کیا لینے آئے ہو؟'' قامران کے سامنے چھوٹی آنکھوں اور پست قد کا محافظ کھڑا تھا۔ ے ہاتھ میں تیز دھار کا نیزہ تھا۔

''میں پورب سے آیا ہوں...... سوداگر ہوں...... ہیرے بیچتا ہوں۔'' قامران نے بتایا۔

''ہیروں کے سوداگر ہو!'' اس محافظ نے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھیں بڑی کرنے کی کوشش کی۔ ''اندر آؤ۔''

''جانتے ہو' یہ کس کی بستی ہے؟'' وہ محافظ دروازہ بند کر کے بولا۔

''نہیں۔'' قامران نے گردن ہلا کر انکار کیا۔

''یہ لاشا کی بستی ہے' وہ یہاں کا راجہ ہے لیکن نام کا راجہ۔''

''نام کا کیوں' کام کا کیوں نہیں؟''

''راج تو یہاں لائی چامہ کا چلتا ہے' مقدس لائی چامہ کا اور وہ ہے بھی راج کے قابل۔''

''لیکن اصل راجہ اتنا بے بس کیوں ہے؟'' قامران نے وضاحت چاہی۔

''نہیں' بے بس تو نہیں...... ہمارے راجہ کو مقدس لائی چامہ سے خود اتنی عقیدت ہے بغیر اس کے مشورے کے کوئی کام نہیں کرتا......اور تم جب مقدس لائی چامہ کو دیکھو گے تو تمہارا کے سامنے سے ہٹنے کو نہ چاہے گا......وہ روشنی ہی روشنی ہے' ٹھنڈی روشنی۔'' محافظ نے لائی چامہ کی میں قصیدہ کہتے کہتے اپنی آنکھیں بند کر لیں جیسے وہ اس کے تصور میں آ گیا ہو۔

''تم نے مقدس لائی چامہ کی اتنی تعریف کی ہے کہ میرا جی اسے دیکھنے کے لیے بے قر گیا ہے۔ بتاؤ' میں اس سے کیسے مل سکتا ہوں؟'' قامران نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے

''تمہیں مقدس لائی چامہ سے صرف شوشو ملوا سکتی ہے۔'' محافظ نے بتایا۔

''شوشو کون؟''

''اس بستی کی سب سے دلچسپ عورت اور اس بستی کی واحد سرائے کی مالکہ۔'' محافظ شوشو کا غائبانہ تعارف کروایا۔

''پھر تو میں وہاں ٹھہر بھی سکتا ہوں۔''

''ہاں' کیوں نہیں......وہ تمہارا خاص خیال رکھے گی۔ اسے تم جیسے جوانوں سے ملنا آتا ہے۔ اس سے جا کر میرا نام لینا' کہنا کہ تائی شیک نے تمہیں بھیجا ہے۔ وہ نہ صرف تمہیں لائی چامہ سے ملوا دے گی بلکہ تمہارے آرام کا بھی ہر طرح سے خیال رکھے گی۔'' محافظ نے مسکرا ہوئے کہا۔ ''اور اسے یہ بتانا ہرگز نہ بھولنا کہ تم ہیروں کے سوداگر ہو۔''

''ٹھیک ہے' میں چلتا ہوں۔'' یہ کہہ کر قامران نے جست لگائی اور ابلا کی پیٹھ پر۔

''جاؤ......مقدس لائی چامہ تمہاری حفاظت کرے۔'' محافظ نے دعا دی۔

قامران نے ابلا کو ہلکی سی ایڑ لگائی۔ ابلا آہستہ روی سے چلنے لگی۔

قامران ادھر ادھر دیکھتا بھالتا آگے بڑھنے لگا۔ اسے راستے میں جتنے مرد اور آئیں' ان میں خوبصورتی نام کو نہ تھی۔ وہی چھوٹے چھوٹے قد' بڑے بڑے سر' چھوٹی چھوٹی موٹے موٹے ہونٹ' رنگت سفید پر زردی مائل۔ عام جسمانی صحت بھی کوئی خاص نہ تھی' ایسے ہی ڈھالے جسم۔

قامران نے آبادی میں پہنچ کر شوشو کی سرائے کا پتہ معلوم کیا جو اسے فوراً ہی بتا دیا گیا۔

قامران نے سرائے کے دروازے پر ابھی اپنی گھوڑی کو کھڑا ہی کیا تھا کہ سرائے کا د کھل گیا اور جو عورت اس دروازے سے برآمد ہوئی' وہ ان عورتوں سے بہت مختلف تھی جنہیں اب قامران نے بستی میں دیکھا تھا۔

قد تو اس کا بھی چھوٹا ہی تھا لیکن سر اور جسم اس کا بڑا متناسب تھا۔ آنکھیں قدرے بڑ غلافی' ہونٹ بھرے بھرے' دہانہ چھوٹا اور نازک۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرائی اور مستانہ چال چلتی ا طرف بڑھی......وہ واقعی دلچسپ عورت تھی اور اسے شوشو ہی ہونا چاہیے تھا۔

''شوشو ہو تم؟'' قامران نے اسے اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر تصدیق چاہی۔

''میں تو خیر شوشو ہوں' پر تم کون ہو؟'' شوشو نے ایک ادا سے کہا۔

''ہیروں کا سوداگر!'' قامران نے اپنا تعارف کروایا۔

''ہیروں کا سوداگر!'' شوشو کی آنکھیں قدرے اور بڑی ہو گئیں۔

''ہاں......میں ہیروں کا سوداگر ہوں۔ میرے پاس دنیا کے بیش قیمت ہیرے موجود ہیں اور رب سے آیا ہوں......کیا تمہاری سرائے میں مجھے چند دن قیام کرنے کی جگہ مل سکتی ہے؟'' ن ابلا سے اترتے ہوئے بولا۔

''سرائے تو بہت چھوٹی ہے نوجوان سوداگر۔'' شوشو نے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر رکھتے ہوئے ''ہم تمہیں اپنے دل میں جگہ دینے کو تیار ہیں۔''

''تمہارا دل سرائے سے بھی بڑا ہے کیا؟'' قامران نے خوشدلی سے کہا۔

''سرائے تو کچھ نہیں......میرے دل میں تو پوری کائنات سما سکتی ہے۔'' شوشو ہنستے ہوئے

''تمہارے بارے میں تائی شیک نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ تم واقعی اس بستی کی سب سے عورت ہو۔''

''اور تائی شیک کے بچے نے تم سے کیا کہا؟''

''اس نے یہ بھی کہا کہ تم مقدس لائی چامہ سے مجھے آسانی سے ملوا سکتی ہو۔''

''کیا تم مقدس لائی چامہ سے ملنا چاہتے ہو؟''

''ہاں۔'' قامران نے خواہش ظاہر کی۔

''لیکن کیوں؟'' سوال ہوا۔

''اس بستی میں آ کر اگر مقدس لائی چامہ کی زیارت نہ کی تو پھر کیا کیا؟'' قامران نے بڑی مندی سے کہا۔

''اچھا میں کوشش کروں گی۔'' شوشو نے جواب دیا۔

پھر اس نے سرائے کے دروازے کی طرف منہ کر کے زور سے آواز دی۔ ''لوچا۔''

تھوڑی دیر میں دروازے سے ایک بدصورت سا آدمی بھاگ کر آیا اور شوشو کے سامنے ہاتھ ر کھڑا ہو گیا۔

''جاؤ......یہ گھوڑی لے جاؤ اور اس کی دیکھ بھال کرو۔'' شوشو نے حکم دیا۔

اس بدصورت ملازم نے ابلا کی لگام تھام لی اور اسے ایک طرف لے کر چلا گیا۔

''آؤ......نوجوان سوداگر تم میرے ساتھ آؤ......تمہاری دیکھ بھال میں کرتی ہوں۔'' شوشو ے کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔ ''لمبے سفر سے آئے ہو' پہلے نہا دھو لو۔ پھر کھانے پینے کی بات چلے

''بہت خوب۔'' قامران اس کے ساتھ سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

قامران جب نہا دھو کر غسلخانے سے باہر نکلا تو صبح کا ناشتہ بالکل تیار تھا۔

''آ جاؤ......نوجوان سوداگر......ناشتہ ایک دم تازہ ہے۔'' شوشو نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

''میرا نام قامران ہے۔'' قامران اس چھوٹی سی چوکی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''قامران؟......یہ کیا نام ہوا بھلا۔'' شوشو نے اپنی چھوٹی سی ناک چڑھاتے ہوئے کہا

''کیوں......؟ کیا برائی ہے؟'' قامران لقمہ منہ میں رکھتے ہوئے بولا۔

''کچھ عجیب سا ہے!'' شوشو نے منہ بنا کر کہا۔

''شوشو سے تو اچھا ہے۔''

''میرا اصل نام شونار ہے......لوگوں نے خوامخواہ میرا نام بگاڑ رکھا ہے۔''

''اچھا...... یہ بتاؤ مقدس لائی چامہ سے کب ملوا رہی ہو؟''

''تم اس سے تنہائی میں ملنا چاہتا ہو یا سب کے سامنے ...... ویسے وہ مردوں سے
ہوئے کتراتا ہے۔''

''اور عورتوں سے؟''

''عورتوں سے وہ کسی بھی وقت مل لیتا ہے' کوئی پابندی نہیں۔''

''بہت خوب۔'' قامران کے لہجے میں طنز تھا۔''اس بستی کے مردوں کو اس بات پر
نہیں۔''

''نہیں......اس میں اعتراض کی کیا بات ہے بھلا...... یہاں کے مرد خود اپنی عورتوں کو اس
خدمت میں بھیج دیتے ہیں اور وہ عورت یہاں خوش قسمت گردانی جاتی ہے جو مقدس لائی چامہ
مقدس خاک لے کر واپس آئے۔''

''مقدس خاک؟......اس کا کیا فائدہ؟'' قامران نے پوچھا۔

''بس یوں سمجھ لو کہ مقدس خاک سو دکھوں کا ایک علاج ہے......جس کے پاس مقدس
ہو وہ مالا مال ہو جاتا ہے۔''

''کیا مجھے بھی وہ مقدس خاک مل سکتی ہے......میں اس مقدس خاک کے بدلے تمام ہیر
اسے دینے کے لیے تیار ہوں۔'' قامران نے بڑے جوش سے کہا۔

''مقدس لائی چامہ کو ہیرے جواہرات کی ضرورت نہیں' وہ بے لوث ہے۔ کہیں اس سے مل
کر ایسی احمقانہ پیشکش نہ کر دینا۔'' شوشو نے تنبیہ کی۔

''پھر مجھے مقدس خاک کیسے ملے گی؟''

''مقدس خاک مانگنے سے نہیں ملتی' وہ جسے چاہتا ہے دے دیتا ہے۔ ملنی ہوتی ہے تو پہلے
دن مل جاتی ہے ورنہ برسوں نہیں ملتی۔''

''خیر ہم بھی قسمت آزما کر دیکھیں گے۔'' قامران نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ضرور......میں تمہیں کل ہی لے چلوں گی۔''

ناشتے کے بعد قامران بستی میں گھومنے کے لیے نکل گیا۔ وہ دوپہر تک بستی میں گھومتا رہا
وہ جدھر بھی نکل جاتا لوگ اسے دیکھنے کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ اس بستی کی عورتوں کے لیے وہ بطور
خاص توجہ کا مرکز بنا۔ ایسا خوبصورت قد آور نوجوان بستی کی عورتوں نے بھلا کہاں دیکھا تھا؟

دوپہر کے بعد اس نے سرائے میں آرام کیا اور شوشو سے باتیں کیں' اسے ہیرے دکھائے۔

رات ہوتے ہی شوشو نے اس کے لیے ایک آرام دہ بستر لگا دیا اور کمرے میں چراغ جلا کر
چلی گئی۔ دن میں آرام کر لینے کی وجہ سے رات کو بڑی دیر میں اس کی آنکھ لگی۔ وہ کروٹیں بدلتا

کو یاد کرتا رہا۔ پھر جانے کب اسے نیند نے آگھیرا۔

سوتے سوتے اچانک اس نے ایسا محسوس کیا جیسے کسی نے اس کے بازو میں کاٹ لیا
وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اس نے پریشان ہو کر اپنے بازو کی طرف دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔

ایک نیزے کی نوک اس کے بازو میں گھسی ہوئی تھی اور اس کے چاروں طرف چھ سات
۔صورتوں والے آدمی کھڑے تھے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں تیز دھار کا نیزہ تھا اور ہر نیزے کی
ں کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔

تب ہی دروازے سے شوشو داخل ہوئی' بڑی ادا سے مستانہ چال چلتی ہوئی وہ قامران کے
نزدیک آ کر بولی۔

''قامران' اگر زندگی چاہتے ہو تو تمام ہیرے میرے حوالے کر دو۔''

☆......☆......☆

اب یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی تھی کہ شوشو واقعی روپ چا کی سب سے دلچسپ
ہے۔ اس ڈرامے باز عورت نے زبردست ڈرامہ کر دیا تھا۔ قامران اس وقت خود کو بے بس پا

''شوشو مجھے تم سے ہرگز ایسی امید نہ تھی کہ تم پتھروں کی خاطر میری جان کے درپے ہو جاؤ
تمہیں ہیرے پسند آ گئے تھے تو مجھ سے مانگ لیتیں' اگر میں انکار کرتا تو پھر چھیننے کی کوشش
ایک بار مجھ سے فرمائش تو کی ہوتی۔'' قامران کچھ سوچنے کی مہلت چاہتا تھا۔ اس لیے اس
باتوں میں الجھانے کی کوشش کی۔

''مانگے وہ جسے چھیننا نہ آتا ہو۔'' شوشو اکڑتے ہوئے بولی۔

''اچھا......پھر ایک بات بڑے غور سے سن لو اور اپنے چیلوں کو بھی ذہن نشین کروا دو۔''
نے شوشو کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''قامران نے اس طرح کبھی کچھ نہیں دیا' اسے اپنے مال کی
کرنا آتی ہے......وہ خود چھیننے والوں میں سے ہے۔''

''نوجوان سوداگر کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑا ہے......میں نہیں چاہتی کہ تیرا خون میری
ا نے۔ بہتر یہی ہے کہ تو سیدھے ہاتھ سے ہیرے میرے حوالے کر دے۔'' شوشو نے اس کی
میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

''شوشو میری جان کی فکر مت کر......ہیرے میرے سرہانے بستر کے نیچے رکھے ہیں' آگے
لے لے۔'' قامران نے ہنس کر اسے آنکھ ماری۔

''تیری یہ جرات۔'' شوشو بھڑک اٹھی۔

قامران نے اتنی دیر میں طے کر لیا تھا کہ کیا کرنا ہے۔ اس نے دل ہی دل میں حامنا کو
لے والے الفاظ دہرائے۔

ابھی الفاظ کی بازگشت اس کے دل ہی میں تھی کہ حامنا حاضر ہو گیا۔ چند لمحوں میں اس نے
لی صورتحال کا اندازہ لگا لیا اور قامران سے مطمئن رہنے کا اشارہ کیا۔

حامنا اس وقت شوشو کے بالکل پیچھے کھڑا تھا اور اسے اس وقت قامران کے سوا کوئی اور نہیں

دیکھ سکتا تھا۔ قامران نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی۔

''یہ بے وقوف سوداگر بغیر جان سے ہاتھ دھوئے نہیں مانے گا...... چلو اس کے سرہا
ہیروں کی تھیلی نکال لو۔'' شوشو نے اپنے ایک گرگے کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ ''اگر یہ مزاحمت کر
ساتوں نیزے ایک ساتھ اس کے جسم میں اتار دو۔''

''روپ چا کے بدصورت لوگو...... میں آخری بار تمہیں تنبیہ کر رہا ہوں' اگر ہیروں کی
ہاتھ لگایا تو نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔'' قامران نے سخت لہجے میں کہا۔

''آگے بڑھو۔'' شوشو نے حکم دیا۔

ان ساتوں گرگوں میں سے ایک گرگا جوان میں سب سے زیادہ مضبوط تھا' آگے بڑھا
کے آگے بڑھتے ہی حامنا اس کے پیچھے چلا۔ قامران سرہانے سے پیچھے کھسک آیا اور حامنا کی کار
دلچسپی سے دیکھنے لگا۔

قامران کو پیچھے ہٹتے دیکھ کر وہ گرگا مسکرایا جیسے کہہ رہا ہو بس ویسے ہی رعب جما رہے
جیسے ہی وہ گرگا تھیلی نکالنے کے لیے جھکا تو قامران چیخا۔

''حامنا...... اس اونٹ کے بچے کو اٹھا کر باہر پھینک دو۔''

حامنا نے زور سے اس کی گردن پکڑی۔ اس غیر متوقع آفت پر وہ زور سے چلایا۔''
چھوڑو۔''

پھر شوشو اور اس کے گرگوں نے اس گرگے کو چھت کی طرف اٹھتا ہوا دیکھا۔ جیسے کسی
اس کی گردن پکڑ کر ٹانگ لیا ہو۔ پھر وہ اسی طرح ٹنگے ٹنگے دروازے سے نکل گیا اور پھر اندر والو
ایک زوردار دھماکے اور چیخ کی آواز سنائی دی۔ جیسے اس گرگے کو بلندی سے کسی نے اٹھا کر دے
ہو۔

شوشو اور اس کے گرگے قامران کا شعبدہ دیکھ کر سکتے میں آ گئے۔

حامنا دوبارہ کمرے میں داخل ہوا اور اس نے اشارے سے پوچھا۔ ''اب کیا کروں؟''

''انہیں نہتا کر دو۔'' قامران نے بلند آواز میں کہا۔

صرف چند لمحوں میں ان گرگوں کے نیزے زمین پر تھے۔ حامنا نے بڑے اطمینان سے
ایک نیزہ اکٹھا کیا۔

پھر وہ یہ دیکھ کر مزید خوفزدہ ہو گئے کہ تمام نیزے خودبخود ایک جگہ اکٹھا ہوئے اور فضا
تیرتے ہوئے باہر نکل گئے۔

''اب بولو...... شوشو۔'' قامران نے ایک مرتبہ پھر اسے آنکھ ماری۔

''مجھے معاف کر دو قامران۔'' شوشو اس کے پاؤں پر گر پڑی۔

گرگوں نے شوشو کو اس طرح قدموں میں گرتے دیکھا تو وہ خود بھی سجدے میں گر
حامنا یہ منظر دیکھ کر مسکرایا...... قامران بھی جواباً مسکرایا اور اسے جانے کا اشارہ کیا۔ حامنا اس کا
پاتے ہی زمین پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ آگے پھیلائے اور غائب ہو گیا۔

قامران نے قدموں میں گری شوشو کو اٹھایا اور اس کا چہرہ اپنی طرف کرتے ہوئے

ل ہیرے چاہئیں...... ٹھہرو' میں دیتا ہوں۔''

قامران نے اپنے سرہانے سے مخملی تھیلی نکالی اور اس کے سامنے ڈال دی۔ ''یہ لو
اب خوش ہو جاؤ۔''

''مجھے مزید شرمندہ نہ کرو...... مجھ سے بھول ہو گئی' مجھے معاف کر دو۔''

''اب تو کسی مسافر کو لوٹنے کی کوشش نہیں کرو گی؟'' قامران نے عہد لیا۔

''نہیں...... کبھی نہیں۔ میں صدق دل سے توبہ کرتی ہوں۔''

''پھر اٹھو اور ان ذلیل صورتوں کو میرے سامنے سے بھگاؤ۔''

''چلو بھاگو۔'' شوشو نے اپنے گرگوں کو حکم دیا۔

ایک گرگے نے عقیدت سے اس کے قدم چومنے کی کوشش کی جس پر قامران بھڑک اٹھا۔
اگر کسی نے میرے ہیروں کو ہاتھ لگانے کی کوشش کی!''

سارے گرگے سہم کو ایک دوسرے پر گرتے پڑتے کمرے سے نکل گئے۔ ان گرگوں کے
شوشو نے ایک مرتبہ پھر قامران کے قدموں میں گرنے کی کوشش کی لیکن قامران نے اسے
میں ہی تھام لیا۔

''تم نے اگر صدق دل سے اپنے گناہ سے توبہ کر لی ہے تو میں نے بھی تمہیں صدق دل
ف کر دیا ہے...... اب تم میری گھوڑی تیار کروا دو' میں تمہاری سرائے چھوڑنا چاہتا ہوں۔ میں
ایک پل بھی نہیں رہنا چاہتا۔'' قامران نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''اس کا مطلب ہے کہ تم نے ابھی تک مجھے معاف نہیں کیا...... اور ٹھیک بھی ہے' میں نے
ایسی ہی کی تھی۔ معافی تو دور کی بات ہے تم مجھ پر جتنا غصہ کرو' کم ہے۔'' شوشو نے عقیدت
ان کا ہاتھ تھام لیا۔ ''میں تم سے ایک گزارش کروں گی کہ اب گزارش ہی کر سکتی ہوں۔ تم جب
تی میں ہو' میری سرائے نہ چھوڑو' مجھے کچھ خدمت کا موقع دو۔''

''اچھا ٹھیک ہے' میں رک جاتا ہوں۔'' قامران نے پلٹ کر ہیروں سے بھری تھیلی اٹھائی
طرف بڑھائی۔ ''یہ ہیرے اپنے پاس رکھ لو۔''

''نہیں' میں نہیں لوں گی۔'' شوشو پیچھے ہٹتی ہوئی بولی۔

''یہ تھیلی میں تمہیں بخش نہیں رہا بلکہ امانتاً رکھوا رہا ہوں۔ مجھے ضرورت پڑے گی تو تم سے
گا۔'' قامران نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ اب تم مجھ سے بہتر حفاظت کر سکو گی
کی۔''

''ایک لٹیرے پر اتنا اعتماد۔'' شوشو نے اسے بڑی احسان مندی سے دیکھا۔

''ہاں...... لٹیرا جب محافظ بنتا ہے تو حق ادا کر دیتا ہے۔'' قامران نے اس کے ہاتھوں پر
لی رکھ دی اور بولا۔ ''یہ لو اور جاؤ...... میں اب ذرا تھوڑا سا آرام کر لوں۔''

''کل پھر مقدس لائی چامہ سے ملنے کا ارادہ ہے؟'' شوشو نے جاتے جاتے پوچھا۔

''ہاں' بالکل۔'' قامران نے بستر پر لیٹتے ہوئے کہا۔ ''ذرا دروازہ بند کر جانا۔''

دروازہ بند ہوتے ہی قامران نے اطمینان سے ٹانگیں پھیلا دیں۔ اس کی آنکھیں نیند سے

بوجھل ہو رہی تھیں، وہ لیٹتے ہی سو گیا۔

صبح ہوتے ہی شوشو نے قامران کے کمرے کے کئی چکر لگائے مگر اسے ہر بار سوتا اس نے اسے جگانے کی کوشش نہیں کی۔

پھر خود ہی قامران کی آنکھ کھل گئی۔ سورج خاصا چڑھ آیا تھا۔ ایک کھڑکی میں دھو ہوئی تھی۔ اس نے بڑی تیزی سے بستر چھوڑ دیا۔ کھڑے ہو کر اس نے ایک زوردار انگڑائی لی میں شوشو دروازے میں دکھائی دی۔

وہ نئے ریشمی لباس میں بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ شاید یہ تیاری اس نے لائی چا ملاقات کے سلسلے میں کی تھی۔

''اٹھ گئے۔'' شوشو اندر آتے ہوئے بولی۔

''ہوں۔'' قامران نے مسکراتے ہوئے گردن اثبات میں ہلائی۔

''نہاؤ گے؟''

''ہاں۔''

''ٹھیک ہے، پھر جلدی سے نہا لو ناشتہ تیار ہے۔''

''بس میں یوں نہا کر آیا۔'' قامران نے چٹکی بجائی۔ ''تم جب تک کھانے پینے کرو۔ میرا مطلب ہے ناشتہ لے آؤ۔''

غسل خانے میں داخل ہوتے ہی اس نے کپڑے اتار پھینکے اور دھڑا دھڑ سر پر لگا۔ نہاتے نہاتے اچانک اسے محسوس ہوا جیسے کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔

قامران نے دروازہ پر نگاہ کی۔ دروازہ مکمل بند تھا۔ وہاں کسی کی موجودگی کا گمان

قامران نے پھر چاروں طرف نظریں دوڑائیں لیکن اسے کوئی ایسی جگہ دکھائی سے اسے دیکھا جا سکے...... پھر اس نے اس خیال کو اپنا وہم سمجھ کر دل سے جھٹک دیا اور جلد لگا۔

قامران نہا کر اٹھا۔ بڑی پھرتی سے اس نے کپڑے پہنے اور پھر اس چھوٹے سے سامنے آ کھڑا ہوا جو غسل خانے کی دیوار پر لگا ہوا تھا۔ قامران نے اپنے ہاتھوں سے بالوں اور پھر غسل خانے سے باہر نکلنے لگا۔

باہر نکلتے نکلتے اسے کچھ خیال آیا۔ وہ واپس پھر آئینے کی طرف پلٹا اور ہاتھ بڑھا دیوار سے اتار لیا۔ آئینہ اتارتے ہی اسے ایک سوراخ دکھائی دیا جو دیوار کے آر پار تھا۔

آئینہ بھی خاصا پرانا تھا۔ اس کی جگہ جگہ سے قلعی اکھڑی ہوئی تھی۔ قامران نے خاص طور سے محسوس کی کہ آئینے کی قلعی سوراخ کے سامنے سے بھی اکھڑی ہوئی ہے۔ اس سے غسل خانے میں بڑی آسانی سے جھانکا جا سکتا تھا۔

قامران کی چھٹی حس نے اسے ٹھیک ہی آگاہ کیا تھا۔ یہ خیال کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے، وہم نہ تھا، حقیقت تھا۔

لیکن مسئلہ یہ تھا کہ یہاں سے کس نے اسے جھانکا تھا۔ اس وقت وہاں کوئی نہ تھا

ہ شوشو کی تھی؟ قامران آئینہ دیوار پر جوں کا توں لگا کر سوچتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ دیں اسے شوشو دکھائی دی جو اسی کی طرف آ رہی تھی۔

قامران نے اس کا چہرہ بغور دیکھا لیکن وہاں اسے سوقیانہ پن کے آثار دکھائی نہ دیئے۔ اس ہرے پر ایک طرح کی معصومانہ سنجیدگی طاری تھی۔ قامران نے مصلحتاً غسل خانے والے سوراخ کا ذکر کیا۔ اس نے خاموشی سے ناشتہ کیا اور پھر وہ دونوں مقدس لائی چامہ سے ملنے کے لیے سرائے نکل آئے۔

راستے میں شوشو نے کچھ ہدایتیں دیں۔ ان ہدایتوں میں سرفہرست جو بات تھی وہ یہ کہ مقدس چامہ کے سامنے کوئی بات کرنا بدترین جرم ہے اور اس کی سزا بھی بہت سخت ہے۔ وہ اپنے عمل کے اپنے سامنے بولنے والے آدمی کو گونگا بہرہ کر دیتا ہے۔ قامران نے یہ ہدایت اپنی گرہ میں لی۔

مقدس لائی چامہ کی رہائش گاہ غار نما تھی۔ سرخ پتھروں کی اس چھوٹی سی عمارت کا ایک ہی تھا اور وہ بھی بہت چھوٹا کہ روپ چا کے لوگوں کو سر جھکا کر اس کے منہ میں داخل ہونا پڑتا تھا قامران کو اپنی کمر تک جھکانی پڑی۔

قامران نے جب سر اٹھایا تو حیران رہ گیا۔ اس کے سامنے ایک بہت بڑا ہال تھا جس میں شمار مرد اور عورتیں بیٹھی تھیں اور بالکل خاموش...... خاموش بھی ایسی کہ سوئی گرنے کی آواز تک سنائی جائے۔

اس ہال کے ایک کونے میں ایک چھوٹا سا دروازہ اور تھا جو بند تھا اور اس پر ایک نیزہ بردار موجود تھا۔ شوشو نے آگے بڑھ کر اس محافظ سے آہستہ سے بات کی جسے قامران نہ سن سکا۔ اس نے شوشو کی بات سن کر اقرار میں گردن ہلائی اور دروازے پر ایک مخصوص انداز میں دستک دی۔ لمحوں میں دروازہ کھل گیا۔

وہ دونوں اندر داخل ہوئے...... یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ بالکل خالی لیکن خوشبوؤں میں بسا قامران نے خوشبو محسوس کر کے دو چار لمبے لمبے سانس لیے۔ اندر موجود نیزہ بردار محافظ نے ایک نگاہ دونوں پر ڈالی اور اندرونی دروازے پر اسی مخصوص انداز میں دستک دی۔

اس طرح وہ دونوں آگے بڑھتے رہے۔ مخصوص دستکوں کے جواب میں دروازے کھلتے یہاں تک کہ انہوں نے سات دروازے اسی طرح عبور کیے۔ اب ان کے سامنے آٹھواں تھا۔ یہ دروازہ دوسرے دروازوں کے مقابلے میں بہت بڑا تھا اور اس دروازے پر بھاری لکڑی کواڑ چڑھے ہوئے تھے۔

ایک خاص بات اور تھی...... یہاں کوئی نیزہ بردار محافظ نہ تھا۔ نیزہ بردار محافظوں کی جگہ دو لڑکیاں موجود تھیں۔ ان کے ہاتھ میں لکڑی کے دو چھوٹے چھوٹے ڈنڈے تھے۔

ان دونوں کو دیکھ کر ان میں سے ایک لڑکی مسکرائی۔ شاید وہ شوشو سے واقف تھی۔ پھر اس کچھ کہے بغیر کواڑ میں بنے ایک بڑے سے سوراخ میں ڈنڈا ڈالا اور اسے چابی کی طرح گھمایا۔ پھر اس کو دھکا دے کر دیکھا۔ دروازہ کھل چکا تھا۔

ایک لڑکی دروازہ کھول کر اندر چلی گئی جبکہ دوسری دروازے پر ڈنڈا گھماتی ہوئی ادھر رہی۔ اس نے ان دونوں سے کوئی بات نہ کی۔

چندلمحوں بعد وہ لڑکی اندر سے واپس آئی اور اس نے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ پھر ان کے ساتھ ہی اندر داخل ہوئی جبکہ دوسری دروازے پر ہی رہ گئی۔

سات سیڑھیاں چڑھ کر وہ اوپر پہنچے تو قامران اس عالیشان کمرے کی خوبصورتی دیکھتے گیا۔

یہ کمرہ بے حد قیمتی سفید پتھروں سے بنایا گیا تھا۔ اس کمرے کے درمیان میں ایک چبوترہ تھا جس کے دونوں طرف سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ غالبًا یہ جگہ مقدس لائی چامہ کے بیٹھنے کمرے میں اس وقت لائی چامہ موجود نہ تھا۔ البتہ کئی لڑکیاں نیم عریاں لباسوں میں ادھر ادھ رہی تھیں۔ اس لڑکی نے ان دونوں کو ایک جگہ بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود دروازے کی طرف گئی۔

تھوڑی دیر میں سامنے کا دروازہ کھلا۔ چند لڑکیاں برآمد ہوئیں۔ وہ راستے میں پھول ہوئی آ رہی تھیں۔ یہاں تک کہ یہ پھول اس چبوترے کی سیڑھیوں تک پہنچ گئے۔ یہ لڑکیاں پھول چبوترے کے ایک ایک کونے پر کھڑی ہو گئیں۔

اب وہ شخص داخل ہوا جو مقدس کہلاتا تھا' لائی چامہ جس کا نام تھا۔ کچھ اس طرح کہ اس بازوؤں میں دونو جوان لڑکیاں دبی ہوئی تھیں اور وہ ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھے بڑی شان سے لا چبوترے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

قامران اور شوشو اسے دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے اور اپنے سر جھکا لیے اور اس وقت جھکائے رہے جب تک انہیں اندازہ نہ ہو گیا کہ لائی چامہ اب بیٹھ چکا ہوگا......شوشو کے سر اٹھا قامران نے بھی اپنی گردن سیدھی کر لی۔

پھر رسم کے مطابق شوشو بوسے کے لیے سیڑھیاں چڑھتی لائی چامہ کے نزدیک پہنچ گئی۔ نے لائی چامہ کا ہاتھ پکڑ کر تین بار چوما اور پھر اپنی آنکھوں سے لگایا۔ مقدس لائی چامہ اس عمل دوران پتھر بنا بیٹھا رہا۔ شوشو ہاتھ چوم کر واپس آئی اور قامران کے نزدیک بیٹھ گئی۔

لائی چامہ پستہ قد اور چھوٹی آنکھوں والا ایک بدصورت آدمی تھا۔ تائی شیک نے اسے ہی روشنی کہا تھا جبکہ قامران کو وہ اندھیرا ہی اندھیرا لگا۔ اس کی آنکھوں سے ہوس رال بن کر ٹپک تھی۔ لائی چامہ بڑی دلچسپی سے قامران کو دیکھ رہا تھا جبکہ قامران نے اسے چند لمحے دیکھ کر اپنی آ جھکا لی تھیں۔

''خوبصورت نوجوان......کیا پیو گے؟'' اچانک مقدس لائی چامہ کی باریک سی آواز دی۔

شوشو نے آواز سنتے ہی خوشی بھرے لہجے میں قامران کے کہنی ماری۔

''قامران......فوراً جواب دو۔''

''نہیں شوشو۔'' قامران نے آہستہ سے کہا۔ ''میں گونگا بہرہ نہیں ہونا چاہتا۔''

''تم بڑے خوش قسمت ہو قامران کہ مقدس لائی چامہ نے تم سے بات کی ہے۔ اس موقع کو ہ ست جانے دو۔ بات کرو' بولو۔'' شوشو نے سمجھایا۔

''مقدس لائی چامہ......مجھ حقیر سے بندے کی عزت افزائی کا بے حد شکریہ۔'' قامران نے انداز میں کہا۔ ''تیرے ہاتھوں تو مجھے اگر زہر بھی مل جائے تو اپنی خوش بختی پر عمر بھر ناز

مقدس لائی چامہ کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ آگے پھیلایا اور لیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے ہاتھ پر ایک چاندی کا کٹورا نمودار ہو گیا۔ پاس کھڑی لڑکی نے چامہ کی ہتھیلی سے وہ کٹورا اٹھا لیا اور کولہے مٹکاتی ہوئی قامران کی طرف بڑھی۔

اس کٹورے میں سرخ رنگ کا خوشبودار مشروب موجود تھا۔ قامران نے ایک گھونٹ بھرا تو ب کی لذت نے اس پر سرشاری طاری کر دی۔ پھر قامران ایک ہی سانس میں سارا شربت

''خوبصورت نوجوان کہاں سے آئے ہو؟'' لائی چامہ پوچھ رہا تھا۔

''پورب سے۔'' قامران نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

''اس بستی میں آنے کا مقصد؟'' سوال ہوا۔

''تیری زیارت۔''

''اس کے علاوہ؟''

''کچھ نایاب ہیرے ہیں میرے پاس' جوہریوں کو ڈھونڈتا پھرتا ہوں۔''

''گویا ہیروں کے سوداگر ہو......ہیرے لائے ہو اپنے ساتھ؟''

''نہیں......مقدس لائی چامہ تیرے نزدیک ہیروں کی حیثیت کوئلوں جیسی ہوگی...... اس لیے ساتھ نہیں لایا۔''

''خوبصورت نوجوان سوداگر تم خاصے سمجھدار ہو۔'' مقدس لائی چامہ نے مسکرا کر کہا۔ ''کیا تم ...سے ملے ہو؟''

''نہیں......ویسے ملنے کا ارادہ ہے۔''

''لاشا سے آج ہی مل لو۔ اس سے میرا نام لینا' وہ سارے ہیرے خرید لے گا۔''

''میں تیرا ممنون ہوں لائی چامہ۔''

''ٹھیک ہے جاؤ۔''

''مقدس لائی چامہ......اب تو نے قوت گویائی بخشی ہے تو کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔''

''ہاں بولو۔''

''مجھے مقدس خاک چاہیے۔''

''نوجوان' پھر کسی دن آنا......تمہاری یہ خواہش پوری کر دی جائے گی۔'' مقدس لائی چامہ یہ ...ا ہو گیا اور جواب سنے بغیر ہی ان دونوں نوجوان لڑکیوں کو بازوؤں میں لیے سیڑھیاں اترتا

شوشولائی چامہ کے جاتے ہی قامران سے لپٹ گئی۔

''ارے......ارے......خیر تو ہے۔''

''مقدس لائی چامہ نے یہاں آنے والے لوگوں میں سے اور وہ بھی کسی مرد سے خطاب کیا ہے۔تم بہت خوش بخت ہو قامران......اب میں تمہیں لپٹوں بھی نہیں۔'' شوشو نے پرجوش لہجے میں کہا۔''اب مجھے تمہاری سوداگری پر شبہ ہونے لگا۔تم وہ نہیں ہو جو دکھائی دیتے ہو۔''

''میں تمہیں کیا دکھائی دیتا ہوں؟''

''آؤ' باہر چلو......پھر بتاؤں گی۔''

پھر وہ دونوں باہر نکلے تو ہر محافظ نے جھک کر اسے احترام دیا۔

جب وہ ہال میں داخل ہوا تو وہاں بیٹھے ہوئے تمام مرد عورت کھڑے ہو گئے۔شاہ لائی چامہ کے قامران سے بات کرنے کی خبر یہاں تک پہنچ چکی تھی۔ ہال میں موجود ہر شخص سے بات کرنا چاہتا تھا۔ کچھ عورتوں نے اس کے ہاتھ بھی چومنے کی کوشش کی۔ شوشو اسے بڑی سے اس بھیڑ سے نکالنے میں کامیاب ہو سکی۔

دوپہر کے کھانے کے بعد وہ بستر پر لیٹا تو لائی چامہ کی ہوس بھری آنکھیں اس کے آ گئیں۔ جب سے لائی چامہ نے اس سے خطاب کیا تھا' وہ مسلسل سوچے جا رہا تھا کہ آخر یہ عمل کیوں وجود میں آیا؟ لائی چامہ اس پر مہربان ہوا تو آخر کیوں؟......جبکہ وہ مردوں سے ہی سوتیلانہ سلوک کرتا آیا ہے۔

ابھی اس مسئلے پر غور و فکر جاری تھا کہ دروازے پر کسی نے دستک دی۔ اس وقت سے ملنے آ گیا۔ شوشو تو ابھی اسے کھانا وانا کھلا کر گئی ہے۔ ویسے بھی اسے اندر آنے کے لیے کسی کی ضرورت نہیں۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ پھر کون اس سے ملنے آ گیا؟ وہ تذبذب کے عالم اور سر کھجاتا ہوا دروازے تک پہنچا۔ دروازہ کھولا تو وہ مبہوت سا کھڑا رہ گیا۔ دروازے پر ایک دوشیزہ کھڑی تھی اور یہ دوشیزہ اس بستی کی دکھائی نہ دیتی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر بڑی دل ر مسکرائی اور بڑی بے تکلفی سے کمرے کے اندر آ گئی اور آرام سے بستر پر بیٹھ گئی۔

''کون ہو تم؟'' قامران کو اس کی بے تکلفی ایک آنکھ نہ بھائی۔

''ہاں جی......اب ہمیں کیوں پہچانیں گے۔'' جواب میں ادا دکھائی گئی۔

''اس کا مطلب ہے کہ تم مجھ سے مل چکی ہو؟''

''بلاشبہ۔''

''لیکن مجھے بالکل یاد نہیں کہ میری تم سے کہیں ملاقات ہوئی ہے اور یہ بات بھی جان میری یادداشت بہت اچھی ہے۔ میں ایک بار آدمی سے مل لوں تو پھر اسے ہر روپ میں پہچا ہوں۔'' قامران نے اعتماد سے کہا۔

''ارے......خوبصورت سوداگر' یہ تمہاری بھول ہے۔''

''خوبصورت سوداگر۔'' قامران کو فوراً لائی چامہ یاد آ گیا۔''لڑکی کیا تمہیں مقدس لائی چامہ نے بھیجا ہے؟''

''یہی سمجھ لو۔''

''مقدس لائی چامہ کا کوئی پیغام لائی ہو؟''

''پیغام تو کوئی نہیں' البتہ لائی چامہ نے مجھے تفتیش کے لیے بھیجا ہے۔''

قامران نے یہ بات بطور خاص محسوس کی کہ اس پرشباب حسینہ نے لائی چامہ کے نام سے پہلے ''مقدس'' نہیں لگایا۔

''لائی چامہ یا مقدس لائی چامہ؟'' اس نے پوچھا۔

''مقدس تمہارے لیے ہوگا......مجھے تو اس میں تقدیس نام کی کوئی چیز نہیں دکھائی دی۔'' اس نے بھنویں چڑھاتے ہوئے کہا۔

''تم اس کی توہین کر رہی ہو۔'' قامران نے مصلحتاً لائی چامہ کی حمایت کی۔

''میں اس کی توہین کر سکتی ہوں۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔

''تم یہاں کس قسم کی تفتیش کرنے آئی ہو؟''

''یہ کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟''

''میں مقدس لائی چامہ کو بتا چکا ہوں کہ میں پورب سے آیا ہوں۔''

''پورب کی بستی کا نام تو نہیں۔''

''میں غربان سے آیا ہوں۔''

''اور قبیلے کا نام؟''

''مرکان۔''

''نادان سوداگر......مجھے تو خیر تم نے اپنے علاقے اور قبیلے کا نام بتا دیا ہے مگر اس بستی کے کسی آدمی کو اپنا پتہ نہ بتا بیٹھنا' خاص طور سے لائی چامہ کو۔''

''مجھے پہلے یہ بتاؤ کہ آخر تم چیز کیا ہو؟''

''اچھا......چلو بتائے دیتی ہوں......ایک لمحے کے لیے دروازے کی طرف تو دیکھو۔''

قامران نے گردن موڑ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ بند تھا۔

''وہاں تو کچھ......'' قامران اس ہوشربا دوشیزہ سے مخاطب ہوتے ہوتے رک گیا کیونکہ بستر پر اب وہ دوشیزہ موجود نہ تھی' اس کی جگہ کوئی اور بیٹھا ہوا تھا۔

''ارے......حامنا یہ تم تھے......آخر اس شرارت کی وجہ؟'' قامران نے پوچھا۔

''لائی چامہ۔'' حامنا نے جواب دیا۔''تمہارے جاتے ہی لائی چامہ نے مجھے طلب کر کے یہ ہدایت دی کہ میں تم سے خوبصورت لڑکی کے روپ میں ملوں اور تم سے تمہارا پتہ معلوم کروں......'' کچھ کہتے کہتے حامنا رک گیا۔

''اسے میرے پتے سے آخر کیا دلچسپی ہو گئی؟''

''تمہاری خوبصورتی۔''

''حامنا ذرا صاف صاف بات کرو۔''

''تمہاری خوبصورتی دیکھ کر اس کی رال ٹپک پڑی ہے۔ وہ تمہارا علاقہ معلوم کر کے وہاں

سے کوئی لڑکی اٹھوانا چاہتا ہے کیونکہ اس کا خیال ہے کہ تمہارے علاقے کی لڑکیاں تم سے خوبصورت نہیں تو تمہارے جیسی ضرور ہوں گی......اب سمجھ میں آ گئی ساری بات؟"

"اس خبیث کی یہ جرات...... میں اس کا خون پی جاؤں گا۔"

"کچھ ایسا ہی ارادہ میرا بھی ہے۔" حامنا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"پھر اب کیا کریں؟" قامران نے دروازہ اندر سے بند کرتے ہوئے کہا۔

"یہ تم مجھ سے پوچھتے ہو قامران...... کیا تم بھول گئے کہ تم مجھے نجات دلانے آئے ہ حامنا نے اسے یاددہانی کروائی۔

"حامنا...... آج رات بھی تم کوئی لڑکی لے کر اس کے پاس جاؤ گے؟"

"ہاں...... یہ تو روز کا معمول ہے۔"

"کیا یہ ممکن ہے کہ رات کو مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو؟"

"میں تمہیں وہاں پہنچا تو سکتا ہوں لیکن یہ یاد رکھو کہ تم کسی بھی وقت خطرات میں گھر سکتے ہو۔" حامنا نے بتایا۔ "آخر تم وہاں کیوں جانا چاہتے ہو؟"

"میں وہاں رہ کر اس ماحول کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ شاید کوئی راہ نجات ہاتھ آ جائے۔"

"ٹھیک ہے...... آج آدھی رات کو تیار رہنا۔ میں تمہیں آ کر لے جاؤں گا...... جو ہوگا' دیکھا جائے گا۔" یہ کہہ کر حامنا زمین پر بیٹھ گیا اور اپنے ہاتھ آگے پھیلاتے ہوئے بولا۔ "اچھا میں چلا ہوں۔"

قامران حامنا کے جاتے ہی بستر پر لیٹ گیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا تاکہ رات کو تازہ دم رہ سکے۔ تھوڑی سی کوشش سے آخر اسے نیند آ ہی گئی۔

وہ مغرب تک بے خبر سوتا رہا۔ کسی نے دروازے پر دستک دی تو اس کی آنکھ کھلی۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ دروازے پر شوشو کھڑی مسکرا رہی تھی۔

"خیر تو ہے!" شوشو اندر آتے ہوئے بولی۔ "آج تو گھوڑے بیچ کر سو گئے تھے۔"

"ارے ...... اپنے گھوڑے کہاں...... کچھ ہیرے ضرور ہیں اور وہ تم جانتی ہو کہ ابھی نہیں۔" قامران نے اپنی آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔

"راجہ لاشا سے مل لو...... وہ یقیناً تمہارے سارے ہیرے خرید لے گا۔"

"آج اس کے پاس جانے کا خیال تھا مگر دن تو سونے میں ہی گزر گیا۔ اب کل صبح کے پاس جاؤں گا...... تم بھی ساتھ چلو گی نا؟"

"لے چلو گے تو ضرور چلوں گی۔" شوشو نے اپنائیت سے کہا۔ "اچھا' اب منہ ہاتھ تاکہ کھانا کھایا جا سکے۔"

کھانا کھانے کے بعد قامران اکیلا باہر ٹہلنے کے لیے نکل گیا۔ چاندنی رات تھی۔ وہ رو کی دھندلی گلیوں میں بہت دیر تک یونہی بھٹکتا رہا۔ رات گہری ہونے لگی تو وہ سرائے میں آ گیا۔ کم میں پہنچا تو اسے اپنا کمرہ درست نظر آیا۔ چراغ روشن تھا اور بستر کو شکنوں سے پاک کر دیا گیا تھا۔

قامران نے دروازہ اندر سے بند کر لیا اور چراغ کو پھونک مار کر بجھا دیا۔ کمرے میں تا

بھا گئی۔ وہ بستر پر لیٹ کر حامنا کا انتظار کرنے لگا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔

"قامران۔" کسی نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"حامنا؟" قامران فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"ہاں...... یہ میں ہوں...... اب چلنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ میں نے تمہارے لیے ایک بہت اچھی جگہ تلاش کر لی ہے۔ تم وہاں سے سب کچھ دیکھ سکو گے لیکن تمہیں کوئی نہ دیکھ سکے گا۔ آؤ' جلدی کرو اٹھو۔" حامنا نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

وہ واقعی سب سے محفوظ جگہ تھی۔

حامنا نے اسے لائی چامہ کی رہائش گاہ کی چھت پر جا بٹھایا تھا۔ یہاں کسی آدم زاد کا گزر نہ مگر وہ اس روشن دان سے کمرے کا منظر بہ آسانی دیکھ سکتا تھا۔ قامران نے زمین پر لیٹ کر روشن دان میں اپنا سر ڈال دیا۔

سب سے پہلے اس کی نظر "مقدس" لائی چامہ پر پڑی۔ وہ ہوس پرست شیطان لباس سے بے نیاز میں نہ تھا۔ وہ جھومتا جھامتا اس نازک سی لڑکی کی طرف بڑھ رہا تھا جو بستر پر لیٹی ہوئی اسے خوف بھری آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

شیطان لائی چامہ اچانک اس پر بھوکے بھیڑیئے کی طرح ٹوٹ پڑا اور اپنے ہوس کے ہاتھوں سے اس کی چادر عصمت تار تار کرنے لگا۔

☆......☆......☆

دہشت اور خوف سے اس نازک لڑکی کی چیخیں بلند ہو رہی تھیں لیکن اس وحشی پر اس کا کوئی اثر نہ تھا۔ وہ معصوم لڑکی جتنا چیختی اتنا ہی اس خبیث کا چہرہ کھل اٹھتا۔

لڑکی کی بے بسی دیکھ کر قامران کے اعصاب میں تناؤ پیدا ہو گیا۔ اس کی مٹھیاں بھنچنے لگیں۔ اس کا جی چاہا کہ وہ روشن دان سے چھلانگ لگا کر شیطان لائی چامہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے اور اس کی لاش گدھوں کی خوراک بنا دے۔

قامران نے اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے روشن دان سے سر نکال لیا۔ ابھی کچھ کر گزرنے کا وقت نہیں آیا تھا۔ پھر اس غصے کا فائدہ کیا تھا۔ ابھی ٹھنڈے دل سے بہت کچھ سوچنا تھا اور پرسکون اعصاب سے بڑا مشکل کام لینا تھا۔

یہ سوچ کر اس کا غصہ کچھ کم ہوا تو اس نے اپنی آنکھیں پھر روشن دان سے لگا دیں۔

اب وہ شرمناک کھیل ختم ہو چکا تھا۔ وہ معصوم اور نازک سی لڑکی وحشتوں کی تاب نہ لا کر نڈھال سی بستر پر پڑی تھی۔ اس کی حالت دیکھ کر قامران کا دل بھر آیا اور اس نے طے کر لیا کہ چاہے جان چلی جائے' پر اس لائی چامہ کے بچے کو نہیں چھوڑنا' اسے موت کے گھاٹ اتار کر ہی دم لینا ہے۔

قامران مصمم ارادہ کر کے اٹھنے لگا تو اس نے دیکھا کہ لائی چامہ کمرے کے ایک کونے میں رکھے بڑے سے مٹکے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ قامران چند لمحوں کے لیے اور رک گیا۔ اب لائی چامہ غسل کرنے میں مصروف تھا۔ تھوڑی دیر میں اس نے غسل سے فراغت حاصل کر کے ایک ریشمی چادر اپنے گرد لپیٹ لی اور دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازے کھولتے ہی حامنا اندر آیا۔ آتے ہی اس نے بڑا سا مٹکا اٹھا کر اپنے کندھے پر رکھ لیا اور باہر نکل گیا۔ چند لمحوں بعد وہ پھر اندر آیا۔ اس کے کندھے پر اب کچھ نہ تھا۔ شاید وہ مٹکا باہر پھینک آیا تھا۔ اب اس نے نڈھال لڑکی کو اپنے ہاتھوں پر اٹھایا اور تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔

قامران نے حامنا کے کمرے سے نکلتے ہی اپنا سر روشندان سے نکال لیا اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔ لیٹے لیٹے اس کے پٹھے اکڑ گئے تھے۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کرے؟ اتنے میں حامنا اس کے سامنے آ گیا اور آہستہ سے بولا۔ ''آؤ' جلدی کرو...... یہاں سے نکل چلیں۔''

تھوڑی دیر بعد وہ سرائے میں موجود تھا۔

''ہاں' قامران...... دیکھ لیں تم نے لائی چامہ کی حرکتیں؟'' حامنا بولا۔

''ہاں...... بہت اچھی طرح۔'' قامران کے لہجے میں دکھ تھا۔

''ارے...... تم تو ایک ہی رات کا تماشہ دیکھ کر اداس ہو گئے۔ میں تو ہزار راتوں سے یہی

ہوں...... اب تم ہی سوچو کہ مجھ پر کیا گزرتی ہوگی۔'' حامنا نے مسکرانے کی کوشش کی۔

''حامنا' فکر مت کرو۔ میں نے نجات کا راستہ تلاش کر لیا ہے۔''

''ذرا مجھے بھی بتاؤ۔'' حامنا اس کے نزدیک کھسک آیا۔

''دو تیروں میں اس کا کام تمام کر دوں گا...... کل رات پھر مجھے اپنے ساتھ لے چلنا۔''

''لے تو چلوں گا لیکن یہ بتاؤ کہ تیر کہاں سے چلاؤ گے؟''

''روشندان سے۔''

''قامران تیر چلانے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔'' حامنا پر مایوسی طاری ہو گئی۔

''کیوں؟''

''لائی چاما حصار کھینچ دیتا ہے۔ تمہارا تیر روشندان کے اندر بھی نہ جا سکے گا۔'' حامنا نے ''اگر اسے ختم کرنا اتنا ہی آسان ہوتا تو میں کب کا اس سے چھٹکارا پا چکا ہوتا قامران!''

''اچھا...... یہ بتاؤ' کیا وہ روز غسل کرتا ہے؟''

''ہاں...... روز۔'' حامنا نے بتایا۔ ''اگر وہ بغیر غسل کے حصار سے باہر آ جائے تو وہ رات کی رات ثابت ہو۔''

''غسل کرنے کے لیے پانی تم ہی لا کر دیتے ہو؟'' قامران نے سوال کیا۔

''ہاں...... یہ کام بھی مجھ غریب کو کرنا پڑتا ہے۔''

''بس' بن گیا کام۔'' قامران نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ ''کل کی رات لائی چامہ پر بڑی

''کیسے...... آخر کچھ مجھے بھی تو بتاؤ۔''

''اب تم کل میرے پاس آنا...... پھر میں ساری تفصیل تمہیں بتا دوں گا کہ کیا کرنا ہے اور تمہارا زیادہ دیر یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔''

''ی تمہاری مرضی...... میں اب چلتا ہوں۔ کل رات پھر تم تیار رہنا۔'' حامنا یہ کہہ کر

نا کے جانے کے بعد قامران بستر پر لیٹا کروٹیں بدلتا رہا۔ نیند اس کی آنکھوں سے تھی۔ بار بار اس کے تصور میں وہ بے بس لڑکی آ جاتی تھی۔ اس لڑکی کی چیخیں اس کے دل رہی تھیں۔ کمرے میں تاریکی تھی' وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور اندھیرے میں اندازے سے بڑھا۔ کھڑکی کھولتے ہی چاندنی کمرے میں اتر آئی۔ وہ چاند کو دیکھنے لگا۔ پرشباب نی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ چاند کو دیکھتے دیکھتے چاندکا اس کے تصور میں آ گئی۔

چاندکا...... جس نے انجانے سفر پر اسے ڈال دیا تھا اور خود جانے کہاں گم ہو گئی تھی۔

چاندکا...... جس کی دوشیزگی کی خوشبو اچھے بھلے آدمی کے ہوش اڑا دیتی تھی۔

چاندکا...... وہ حسین چاندکا جو اب صرف ایک روح تھی' اپنی مرضی سے آتی اور اپنی مرضی

ج قامران کو چاندکا شدت سے یاد آئی تھی لیکن اس کے پاس اسے بلانے کا کوئی ذریعہ نہ

تھا۔ وہ اسے اپنی مرضی سے نہ دیکھ سکتا تھا' نہ چھو سکتا تھا' نہ باتیں کر سکتا تھا۔ اس کی محبوبہ بھی
اور وہ ہر طرح سے بے بس۔

"چاندکا...... تم کہاں ہو؟" قامران نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"تمہارے پاس۔" اچانک اس کے دل کے قریب سے ایک مترنم آواز آئی اور وہ
دینے والے کنوارے بدن کی خوشبو اس کے اطراف میں پھیل گئی۔

قامران کھل اٹھا۔ "چاندکا تم آ گئیں!"

"تم پکارو اور نہ آؤں...... یہ کیسے ممکن ہے؟"

"سائری دیوتا کی قسم...... تم نے تو تڑپا دیا۔ مجھے انجانی راہوں پر ڈال کر ایسی غائب
کہ میں صورت دیکھنے سے بھی گیا۔"

"بس گھبرا گئے...... ابھی تو تمہارا سفر شروع ہوا ہے۔"

"سفر سے کون ظالم گھبرایا ہے...... میں تمہیں حاصل کرنے کے لیے صدیوں سفر
ہوں۔" قامران نے بڑے یقین سے کہا۔

"پھر کیے جاؤ سفر۔"

"ایسے پھیکے سفر کا کیا فائدہ؟"

"کیا مطلب...... سفر کیسے رنگین بنے؟"

"تم میرے ساتھ رہو۔"

"ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ میں اس معاملے میں بالکل مجبور ہوں۔ شاید تم نہیں جانتے
ساتھ رہنے کی خواہش مجھ میں تم سے کہیں زیادہ ہے۔ میں نے صدیوں بعد تمہیں پایا ہے۔ میں تو
ہوں کہ زندگی کا ایک لمحہ ضائع کیے بنا تمہاری بانہوں میں سما جاؤں لیکن دیوتاؤں کو ابھی ہمارا ملاپ
نہیں' ہمیں انتظار کرنا ہوگا' صبر کرنا ہوگا۔" چاندکا نے پیار سے اسے سمجھایا۔

"تم بڑی ظالم ہو چاندکا...... تمہیں میرا ذرا بھی خیال نہیں۔"

"میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔" چاندکا نے بے بسی سے کہا۔

"سمجھانے کی کیا بات ہے۔ میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔"

"کیا دیکھ رہے ہو؟"

"یہی کہ تمہیں آئے ہوئے کتنی دیر ہو گئی ہے لیکن صورت ابھی تک سات پردوں
ہوئی ہے...... اب کہو تمہیں میرا کتنا خیال ہے؟"

"ہاں' واقعی یہ تو ظلم ہوا...... لو میں ابھی تمہاری خواہش پوری کر دیتی ہوں۔"

"ابھی ٹھہرو۔" قامران نے کہا۔ "میں ذرا کھڑکی بند کر دوں اور چراغ جلا لوں۔"

"تم صرف کھڑکی بند کر دو' چراغ خود بخود جل جائے گا۔"

قامران کھڑکی بند کر کے واپس پلٹا تو چراغ واقعی جل چکا تھا۔ اتنی روشنی چراغ جلنے
ہوتی جتنی روشنی چاندکا کے ظہور پذیر ہونے سے ہو گئی تھی۔

"واہ۔" قامران نے چراغ حسن کی تعریف کی۔ "تیرے حسن کا چراغ

چاند بھی شرما جاتا ہے۔"

"ہو گئی شاعری شروع۔"

"کیا کروں...... حسن اور شاعری تو لازم و ملزوم ہیں...... کہو تو ساری رات تمہارے حسن کے
گاتا رہوں۔"

"نہ بابا بخشو!"

"کیوں حسن کی تعریف پسند نہیں؟"

"مرد کی ایک نظر تحسین شاعری کے ہزار دیوانوں پر بھاری ہوتی ہے۔ پھر کیا ضرورت ہے
اس اظہار لفظوں میں کیا جائے؟" چاندکا کے گلاب جیسے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"لیکن ملکہ شاطو تو ایک رات میرے پاس صرف اشعار سننے کی غرض سے آئی تھی' کیا وہ
تھی؟"

"وہ تو ضرورت سے زیادہ عورت تھی۔" چاندکا نے اپنی پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔ "اور وہ
شعر سننے ہرگز نہ آئی تھی۔ تم بدھو تھے' اس کی بات سمجھے ہی نہیں۔ تب ہی اس نے تمہیں ایک
دعوت دے ڈالی۔"

"وہ بھی خوب عورت تھی!" قامران نے شانے اچکائے۔

"خوب عورت تھی تو اس کی دعوت قبول کر لی ہوتی' اسے پھانسی کیوں چڑھا دیا؟" چاندکا
عورت تھی' دوسری عورت کا ذکر برداشت نہ کر سکی۔

"بس آ گیا غصہ۔"

"وہ تو آنا ہی تھا۔" چاندکا نے پوری صاف گوئی سے کہا۔

"میں اسے تمہاری محبت کی دلیل سمجھتا ہوں۔"

"گویا' مجھے آزمایا جا رہا تھا۔"

"نہیں' تمہیں کیا آزماؤں گا...... روشنی ہر حال میں روشنی ہی رہتی ہے۔"

"پھر تعریف؟" چاندکا اٹھلائی۔

"لیکن سچی۔"

"چلو مان لیتی ہوں۔"

"پھر ایک بات اور مان لو۔"

"اچھا...... میں چلتی ہوں' تم بدمعاشی پر اتر آئے۔" چاندکا اٹھ گئی۔

"ارے...... ارے...... بیٹھو تو۔"

"نہیں' اب جانا ہی ہوگا۔ کافی وقت ہو گیا۔"

"دیکھو' پھر میں ہاتھ پکڑ کر بٹھا لوں گا۔"

"میں تمہیں اس سے پہلے بھی یہ بات بتا چکی ہوں' ایک مرتبہ پھر دہرائے دیتی ہوں۔ گرہ
لو۔" چاندکا سنجیدگی سے بولی۔ "مجھے کبھی چھونے کی غلطی نہ کر بیٹھنا...... نہیں تو سارا بنا بنایا
جائے گا۔"

''ٹھیک ہے......دے لو دھمکیاں۔ کبھی میرا بھی وقت آئے گا۔''

''ہاں' ضرور آئے گا اور جب تمہارا وقت آئے گا تو سب کچھ تمہارا ہوگا۔ میں تمہاری ہو بن جاؤں گی۔''

''اچھا...... یہ بتاؤ' اس خبیث لائی چامہ سے کیسے نمٹوں؟''

''تم نے جو منصوبہ بنایا ہے' وہ لاجواب ہے......دیوتاؤں نے چاہا تو فتح تمہاری ہوگی۔'' چاندکا نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

''لیکن تمہیں کیا پتہ کہ میں نے کیا منصوبہ بنایا ہے؟'' قامران نے حیرانی سے کہا۔'' منصوبہ تو ابھی میرے ذہن میں ہے' میں نے حامنا کو بھی نہیں بتایا...... پھر تم نے کیسے جان لیا؟''

''میں تمہارا دل اور دماغ ہوں۔'' چاندکا نے بڑے پیار سے کہا۔

''اسے میں شاعری سمجھوں؟''

''شاعری مجھے نہیں آتی ...... میں ٹھوس اور حقیقی باتوں پر یقین رکھتی ہوں۔'' چاندکا نے ا گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تمہارا حال اور مستقبل بھی میرے سامنے اسی طرح روشن ہے تمہارا ماضی تھا......بس تم مجھے اپنے دل کی دھڑکن سمجھو۔''

''اچھا میرے دل کی دھڑکن'......پھر لائی چامہ کو ٹھکانے لگانے کا وہ نسخہ ٹھیک ہے؟'' قامران نے پوچھا۔

''ہاں' بالکل ٹھیک ہے......تم مجھے باتوں میں الجھا کر وقت گزارے جا رہے ہو' اب میں ہوں۔ پھر ملیں گے۔'' یہ کہتے ہی چاندکا جل بجھی۔

چاندکا کے جاتے ہی کمرے میں تاریکی پھیل گئی۔ قامران آرام سے پاؤں پھیلا کر بستر لیٹ گیا۔ چاندکا کے دیدار نے اس کے بے چین دل کو قرار بخش دیا تھا۔ چند کروٹوں نے اسے نیند جھولے پر ڈال دیا۔ وہ خراٹے بھرنے لگا۔

صبح قامران کافی دیر سے اٹھا۔ دن چڑھ چکا تھا۔ شوشو کئی مرتبہ دروازہ پیٹ کر جا چکی تھی دروازے کی ہر دستک پر وہ ''اچھا'' تو کہہ دیتا تھا لیکن آنکھیں مل کر پھر سو جاتا۔ آخر خاصی دیر کے بعد نیند کا جال ٹوٹا۔ وہ جست لگا کر بستر سے اٹھا اور کھڑکی کھول کر ایک بھرپور انگڑائی لی۔ باہر دھوپ نیچے اتر آئی تھی۔ پھر دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اور دبے قدموں اس نے شوشو کے کمرے میں جھانکا...... پر اس کا کمرہ خالی تھا۔ شاید وہ کسی کام سے باہر گئی ہوگی' قامران نے سوچا۔

وہ نہانے کے لیے غسل خانے کی طرف بڑھا تو اسے چند قدم کے فاصلے سے اندر گرنے کی آواز آئی۔ یہ اندر کون گھسا ہوا ہے؟...... قامران اس سوراخ کی طرف بڑھا جہاں سے کا منظر صاف دکھائی دیتا تھا۔ اس نے سوراخ سے آنکھ لگائی تو اندر ایک ہیجان خیز منظر دکھائی قامران نے فوراً سوراخ سے اپنی آنکھ ہٹا لی۔ اندر شوشو محوِ غسل تھی۔

قامران واپس اپنے کمرے میں آیا اور بستر پر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد شوشو اپنے گیلے ہاتھوں میں سمیٹے کمرے میں داخل ہوئی اور اسے جاگتا پا کر مسکرائی۔ ''شکر ہے' اٹھ تو گئے۔''

''تم کہاں چلی گئی تھیں' میں ابھی تمہارا کمرہ جھانک کر آ رہا ہوں۔'' قامران نے غ

...ار گول کر دیا جان بوجھ کر۔

''میں نہا رہی تھی......اور یہ تم دروازہ بند کر کے کیوں سونے لگے ہو' آخر تمہیں اٹھانے میں ...ائش آتی ہے۔ دروازہ پیٹتے جاؤ' اٹھتے ہی نہیں۔'' شوشو ایک ادا سے اپنی زلفیں جھٹکتے ہوئے

''مجھے بلیوں سے بہت ڈر لگتا ہے۔''

''یہ بلی بیچ میں کہاں سے کود پڑی؟''

''دروازہ کھلا رہ جائے تو آنے کا خطرہ رہتا ہے۔''

''ایک آدھ بار کوئی بلی اندر آ چکی ہے کیا؟''

''ہاں آ تو چکی ہے......اسی لیے تو اب دروازہ بند کر کے سوتا ہوں۔''

''قامران' میں اس سے پہلے بھی معافی مانگ چکی ہوں۔ اب پھر مانگے لیتی ہوں۔ مجھے اتنا ...رو۔'' شوشو روہانسی ہوگئی۔

''ارے تو بہ......شوشو میرا ہرگز وہ مطلب نہ تھا جو تم سمجھی ہو۔ میں تو سچ مچ کی بلی کا ذکر کر رہا ...مقصد محض تفریح تھا۔'' قامران نے بات صاف کرنے کی کوشش کی۔

''اچھا...... جاؤ' نہا لو......اور ہاں' یہ بتاؤ کہ راجہ سے ملنے چلو گے آج؟''

''مقدس لائی چامہ سے ملنے کے بعد' اب کسی سے ملنے کی خواہش نہیں رہی۔''

''ہیرے فروخت نہیں کرنے؟'' شوشو نے یاد دلایا۔

''ہیروں کا کیا ہے' بک ہی جائیں گے...... یہاں نہیں تو کہیں اور......بستیوں کی کیا کمی ہے

''کیا تم یہاں سے جانا چاہتے ہو؟''

''ہاں' ارادہ تو ہے......ممکن ہے آج کی رات ہی کچھ فیصلہ ہو جائے۔''

''اس بستی میں تمہارا دل نہیں لگا؟''

''یہ بستیاں دل لگانے کے لیے تو نہیں......ان بستیوں کو عارضی سرائے جانو کہ ہم سب ایک دن سب نے جانا ہے' کوئی آگے کوئی پیچھے۔''

''تم سے تو بات کرنی بھی آسان نہیں......اچھا جاؤ نہا کر آؤ' میں ناشتے کا انتظام کرتی ...لہے مٹکاتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

قامران نے پورا دن شوشو کے ساتھ گزارا۔ بستی میں ادھر ادھر گھوم کر' لوگوں سے مل ملا ...ات میں دونوں نے گھڑسواری کی۔ راستے میں جو ملا شکار کیا اور پھر سورج غروب ہونے ...نے واپس آ گئے۔ رات کے کھانے کے بعد قامران نے نیند کا بہانہ کیا اور اپنے کمرے کا ...بند کر کے لیٹ گیا۔

...ے حامنا کا انتظار تھا۔ اس کا خیال تھا کہ حامنا لڑکی کو لائی چامہ کے حوالے کر کے پھر اس ...گا لیکن ایسا نہ ہوا۔ وہ خلاف توقع آدھی رات سے بہت پہلے قامران کی خدمت میں قامران نے اسے پورا منصوبہ سمجھایا۔ منصوبہ سن کر حامنا کی باچھیں کھل گئیں۔ منصوبہ ایسا تھا

کہ اس میں لائی چامہ کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ چند ہی گھنٹوں بعد وہ حامنا کے چنگل میں
تھا اور حامنا نے طے کر لیا تھا کہ اسے کہاں اور کیسے مارنا ہے۔ پھر حامنا نے قامران کو اپنے
اسے روشندان کے نزدیک چھوڑا اور خود زندگی کا آخری ظلم کرنے اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا
قامران نے روشندان میں سر ڈال کر دیکھا۔ کمرے میں کوئی نہ تھا۔ قامران نے اپنا
لیا اور ترکش میں پڑے اپنے تیروں کو شمار کرنے لگا۔

تھوڑی دیر اس نے پھر روشندان میں سے جھانکا۔ اب لائی چامہ کمرے میں موجود
اس وقت وہ ایک چوکی پر آلتی پالتی مارے آنکھیں بند کیے گیان دھیان میں مصروف تھا۔

تب ہی قامران نے دروازے پر دستک کی آواز سنی۔ لائی چامہ دستک کی آواز
اچھل کر کھڑا ہو گیا اور بڑی بے قراری سے دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھلتے ہی اسے
آیا۔ حامنا کے ہاتھوں پر ایک لڑکی لیٹی ہوئی تھی جسے دیکھتے ہی لائی چامہ نے اس کے ہاتھوں
کر اپنے کندھوں پر ڈال لیا۔ لڑکی کی آنکھیں بند تھیں۔ غالباً بے ہوش تھی۔ لائی چامہ دروازہ
بستر کی طرف پلٹا۔ اس نے لڑکی کو بڑی احتیاط سے بستر پر ڈال دیا اور اس کے جسم کا بغور
لگا۔ پتہ نہیں حامنا اس لڑکی کو کس علاقے سے اٹھا کر لایا۔ وہ ایک بے حد حسین لڑکی تھی، نرم و
کی مالک۔ اس کے چہرے کی معصومیت اس کی پاکیزگی کا پتہ دیتی تھی۔ قامران کا جی چاہا کہ
لباس دوشیزگی تار تار ہونے سے پہلے ہی اسے بچا لے لیکن ایسا ممکن نہ تھا۔ منصوبے میں اہم
قربانی شامل تھی۔ اسے نہیں بچایا جا سکتا تھا۔ اس نے یہ سوچ کر اپنے دل کو تسلی دی کہ یہ ظلم
رات ہے۔ آج کے بعد کسی لڑکی پر ظلم نہ ہو سکے گا۔ آج کے بعد کسی لڑکی کی عزت خطرے
پڑے گی۔ یہ خبیث آج کے بعد کسی دوشیزہ کا جسم آلودہ نہ کر سکے گا۔

دروازے پر ایک مرتبہ پھر دستک ہوئی۔ لائی چامہ لڑکی کے جسم کو گھورتا ہوا دروازے کی
طرف بڑھا۔ دروازے پر حامنا ہی تھا، اس نے پانی سے بھرا مٹکا لائی چامہ کے حوالے کیا اور
ہی باہر سے بند کر لیا۔ لائی چامہ نے جلدی سے مٹکا کمرے کے ایک کونے میں رکھا اور بڑی
سے لڑکی کی طرف بڑھا۔ قامران نے اسے لڑکی کی طرف بڑھتے دیکھ کر سکون کا سانس لیا۔ اس
موت یقینی ہو گئی تھی۔

پھر قامران نے روشن دان سے سر نکال لیا۔ اب وہاں جو کچھ ہونے والا تھا۔ وہ
کی برداشت سے باہر تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد قامران نے لڑکی کی چیخ کی آواز سنی۔ شاید اب
میں آ گئی تھی اور خود کو ایک شیطان کے قبضے میں دیکھ کر اپنے اعصاب پر قابو نہ رکھ سکی تھی۔

تب ہی قامران نے اپنے کندھے پر کسی کے ہاتھ کا بوجھ محسوس کیا۔ مڑ کر دیکھا تو
اپنے برابر بیٹھا پایا۔ اس نے بڑی گرمجوشی سے قامران سے ہاتھ ملایا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ
دکھا آیا ہے۔ حامنا کے سپرد جو کام کیا گیا تھا، وہ صرف مٹکے میں سوراخ کرنے کی حد تک تھا
سوراخ جسے لائی چامہ محسوس بھی نہ کر سکے اور مٹکا اس انسانیت سوز کھیل سے پہلے خالی بھی ہو
حامنا اپنا کام بڑی خوش اسلوبی سے کر آیا تھا اور لائی چامہ جس کے اعصاب پر لڑکی سوار تھی
نکلتے ہوئے پانی پر توجہ بھی نہ دے سکا تھا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے بعد حامنا نے اشارہ کر کے قامران کو بتایا کہ شیطانی کھیل ختم ہو چکا
ران نے روشندان میں سر ڈال کر دیکھا تو لائی چامہ اسے مٹکے کی طرف بڑھتا ہوا دکھائی دیا۔
لی سی چوکی پر بیٹھ کر جب اس نے پانی نکالنے کے لیے مٹکے میں ہاتھ ڈالا تو مٹکا اسے اپنی
ی طرح خالی دکھائی دیا۔ اس نے جلدی سے مٹکے میں جھانک کر دیکھا، وہاں ایک بوند پانی کی

لائی چامہ کے چہرے پر زردی پھیلنے لگی۔ ایک لمحے کو وہ کانپ کر رہ گیا۔ پھر وہ ننگ
لباس آدمیت سے بے نیاز دروازے کی طرف بڑھا اور دروازہ کھولنے لگا۔ ایک ہاتھ میں اس
لٹک رہا تھا۔

قامران نے اپنا ہاتھ پیچھے کر کے کچھ ٹٹولنے کی کوشش کی۔ حامنا اس کے پاس سے جا چکا
س کر کے اس نے اپنا ہاتھ آگے کر لیا اور نظریں دروازے پر ٹکا دیں۔

دروازہ کھلا تو حامنا سامنے ہی کھڑا تھا۔ لائی چامہ نے پہلے اس سے کچھ کہا۔ غالباً اسے
الی ہوگی کہ وہ ٹوٹا ہوا مٹکا کیوں لے کر آیا۔ حامنا نے مودبانہ انداز میں کچھ جواب دیا، غالباً
ں کی معافی مانگی ہوگی۔ لائی چامہ نے کواڑ کی آڑ میں ہو کر مٹکا دروازے سے باہر پھینک دیا اور
الانے کو کہا۔ پھر اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ لائی چامہ کے ذہن میں دور تک یہ بات
اس کے گرد ریشمی جال پھیلا دیا گیا ہے اور وہ چند لمحوں میں قید ہونے والا ہے۔ وہ بڑے
ے مسکراتا ہوا لڑکی کی طرف بڑھا۔ لڑکی جو پہلے ہی ایک اذیت ناک تجربے سے گزر چکی تھی،
ارہ اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر چیخ مار کر اٹھ بیٹھی اور اس کے قدموں میں گر گئی۔ لائی چامہ نے
بے مپلے سے اپنے قدموں سے اٹھایا اور سینے سے لگا کر زور سے بھینچ لیا۔

تب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ لائی چامہ لڑکی کو بستر پر دھکا دے کر دروازے کی طرف
وازہ کھولنے پر دستک دینے والا دور تک نہ دکھائی دیا۔ البتہ پانی سے بھرا مٹکا دروازے سے
ے فاصلے پر ضرور رکھا تھا۔ لائی چامہ نے حامنا کو زور سے کئی آوازیں دیں لیکن حامنا کا دور
پتہ تھا۔ لائی چامہ چند لمحے بے بسی سے کھڑا سوچتا رہا۔ اسے حامنا پر غصہ تو بہت تھا لیکن وہ
ہ پکار نہ سکتا تھا، اس وقت تک جب تک غسل کر کے پاک نہ ہو جائے۔

لائی چامہ بغیر کچھ سوچے سمجھے غصے سے لال پیلا ہوتا مٹکے کی طرف بڑھا تاکہ اسے اٹھا کر
رائے اور پاک صاف ہو کر حامنا کو اس کی بدتمیزی کا مزا چکھا سکے۔ اس نے جیسے ہی دروازے
با قدم آگے جا کر مٹکا اٹھانا چاہا، حامنا اس پر قیامت بن کر ٹوٹ پڑا۔ ایک تو لائی چامہ ناپاک
ے اپنے قائم کیے ہوئے حصار سے باہر۔ اب اس کا کوئی عمل کارگر نہ ہو سکتا تھا۔ اس کی
حامنا کے سامنے مچھر سے زیادہ نہ تھی۔

حامنا نے اسے گردن سے پکڑ کر زمین سے ایک گز اوپر اٹھا لیا۔ لائی چامہ بے بسی سے ہوا
ا تھا اور اس کے حلق سے بھنچی بھنچی چیخیں برآمد ہو رہی تھیں۔

پھر حامنا چشم زدن میں اسے اڑاتا ہوا چھت پر قامران کے پاس لے آیا اور بولا۔
"میں ذرا اس موذی کو ٹھکانے لگا آؤں۔ تم ٹھہرو۔"

"اسے کہاں لیے جا رہے ہو؟" قامران نے پوچھا۔

"میں اسے اتنی بلندی سے پھینکنا چاہتا ہوں کہ گرتے ہوئے اس کا راستے ہی م جائے۔" حامنا نے لائی چامہ کو ہوا میں لہراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے یہ تمہارا مجرم ہے۔ اسے تم جو سزا دینا چاہو دو لیکن ایک بات میری بھی قامران نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"جلدی بولو۔" حامنا اسے لے جانے کے لیے بے قرار تھا۔

"میں دو تیر چلانا چاہتا ہوں۔" قامران نے تیر کمان سیدھی کرتے ہوئے کہا۔ "اگر ہو تو چلاؤں؟"

"چلاؤ..... تم بھی اپنی حسرت پوری کر لو۔" حامنا نے ہاتھ لمبا کر کے لائی چامہ کو کافی اونچا اٹھا لیا۔ "لو دکھاؤ..... اپنا نشانہ۔"

قامران نے کھٹا کھٹ دو تیر چلائے جو سیدھے اس کی آنکھوں میں لگے۔ لائی کرب سے تڑپ اٹھا۔

"واہ قامران..... تم نے ان ہوس ناک آنکھوں کا نشانہ لے کر میرا کلیجہ ٹھنڈا کر میں اسے کوہ مراد سے نیچے گرا کر آتا ہوں۔" یہ کہہ کر حامنا لائی چامہ کو لے اڑا۔

تھوڑی دیر کے بعد جب حامنا واپس آیا تو اس کے چہرے پر خوشی جھلک رہی ہی اس نے "قامران زندہ باد" کا نعرہ لگایا۔

"یہ نعرے بازی بعد میں ہوتی رہے گی' اب اس لڑکی کو بھی اس کے علاقے میں

"ارے..... اسے تو میں بھول ہی گیا تھا۔" پھر وہ فوراً ہی لڑکی کو لے اڑا۔

لڑکی کو اس کے ٹھکانے پر پہنچا آنے کے بعد حامنا نے قامران سے کہا۔ " تمہارے ٹھکانے پر پہنچا دوں۔"

چند لمحوں بعد ہی وہ دونوں سرائے کے کمرے میں تھے۔

کچھ دیر حامنا نے قامران سے باتیں کیں' اس کا شکریہ ادا کیا اور پھر اس چاہی۔ "اچھا قامران میں اب چلوں گا' تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

"ٹھیک ہے حامنا' تم جاؤ..... میں بھی صبح ہوتے ہی اس بستی سے رخصت ہو جاؤ

حامنا نے آگے بڑھ کر اس سے ہاتھ ملایا۔ قامران اس کے آگ جیسے ہاتھ کو سے تھام سکا۔ ہاتھ ملانے کے بعد حامنا زمین پر بیٹھ گیا۔ اس نے آگے کی طرف ہاتھ غائب ہو گیا۔

قامران کا اب اس بستی میں کام ختم ہو چکا تھا۔ صبح ہوتے ہی قامران نے اپنی اعلان کر دیا اور شوشو سے پوچھا۔ "ہاں بھئی' اپنا حساب کتاب بتاؤ۔"

"حساب کتاب تو میں بتاؤں گی' پہلے تمہاری امانت تو دے دوں۔"

"کیسی امانت؟"

"ہیروں کے سوداگر' وہ ہیروں کی تھیلی بھول گئے؟" شوشو نے یاد دلایا۔

"ارے' مارے گئے۔" قامران نے اپنا سر پیٹ لیا۔

حامنا جا چکا تھا..... قامران ان ہیروں کو واپس بھجوانا چاہتا تھا۔ یہ ہیرے حامنا چقمان قبیلے لایا تھا۔ اب کیا کیا جائے' یہ ہیرے شاکا تک کیسے پہنچائے جائیں۔ قامران کی سمجھ میں نہیں تھا۔

"یہ لو۔" شوشو نے اس کے ہاتھ میں مخملی تھیلی رکھتے ہوئے کہا۔ "گن لو۔"

قامران نے ہیروں کی تھیلی اس کے ہاتھ سے لے لی۔ پھر اچانک اسے وہ الفاظ یاد آگئے نا نے اسے بلانے کے لیے ذہن نشین کروائے تھے۔ اس نے دل ہی دل میں وہ الفاظ دہرائے۔ ہراتے ہی اسے ایک زوردار چکر آیا' وہ جھوم کر زمین پر آ رہا۔

شوشو گھبرا کر اس کی طرف بڑھی۔ "قامران..... قامران..... تمہیں کیا ہوا؟"

قامران نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ بے سدھ زمین پر پڑا ہوا تھا۔

☆.....☆.....☆

شوشو اسے بے ہوشی کے عالم میں دیکھ کر فوراً پانی لینے بھاگی۔ جب وہ ایک چھوٹے سے میں پانی لے کر آئی تو قامران اٹھ کر بیٹھ چکا تھا۔

"یہ اچانک کھڑے کھڑے تمہیں کیا ہو گیا تھا؟" شوشو نے اس کی طرف پانی بڑھایا۔

"کچھ نہیں۔" قامران اپنے کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے چند گھونٹ پانی پیا اور اتا ہوا بولا۔ "غلطی دراصل مجھ ہی سے ہو گئی تھی۔ میں نے پنجرے سے اڑے ایک طوطے کو نا چاہا تھا۔"

"تم نے اسے آزاد ہی کیوں کیا؟" شوشو بغیر اصل بات کی تہہ تک پہنچے بولی۔

"میں اُسے آزاد کروانے کا پابند تھا۔"

"آزاد کروانے کے پابند تھے تو اسے دوبارہ قید کرنے کی فکر میں کیوں تھے؟"

"نہیں قید نہیں..... بس ذرا سا ایک کام تھا..... خیر ان باتوں پر اب خاک ڈالو اور ذرا یب آؤ۔" قامران نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

شوشو جانے کیا سمجھی..... وہ بڑی بے تابی سے قامران کی طرف بڑھی اور اس کے اتنے کھڑی ہو گئی کہ فاصلہ نہ رہا۔ قامران تیزی سے پیچھے ہٹ گیا۔ 'اب اتنے قریب بھی نہیں۔' اس کی زبان سے کچھ نہ نکلا۔ اس نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اپنے سامنے پھیلائے اور ہیروں کی تھیلی اس کے ہاتھ پر رکھتا ہوا۔ بولا۔ "یہ اب تمہارے ہیں۔"

"نہیں..... یہ میں نہیں لوں گی۔ مجھے شرمندہ نہ کرو۔" شوشو نے اپنے ہاتھ تیزی سے پیچھے

"چھوٹی سی گڑیا۔" قامران نے پھر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "مجھے ضد زیادہ پسند نہیں' میں جو کہتا اموشی سے مان لو۔"

شوشو نے تھوڑی سی حیل و حجت کے بعد وہ ہیروں سے بھری تھیلی قبول کر لی اور ہنستی ہوئی ہیں بھی میری بات ماننی ہو گی۔"

''بولو۔''

''ذرا اپنا سر نیچے جھکاؤ۔''

''لو۔'' قامران نے اپنا سر جھکایا تو وہ اس سے امربیل کی طرح لپٹ گئی۔ قامران نے اپنا جھکا ہوا سر اوپر اٹھالیا' پست قد شوشو اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکی۔

''تم کیا کرنے لگی تھیں؟'' قامران نے پوچھا۔

شوشو نے جھینپ کر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ وہ کیسے بتاتی کہ وہ کیا کرنے لگی تھی قامران نے اس کی طرف اپنے ہاتھ بڑھائے اور بولا۔ ''میں تمہیں اپنے ہاتھ چومنے کی اجازت دے سکتا ہوں۔''

شوشو نے فوراً ہی قامران کا سیدھا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور اس کے پشت پر اپنے سلگتے ہونٹ رکھ دیئے۔ قامران نے دوسرے ہی لمحے بڑی آہستگی سے اپنا ہاتھ ہاتھوں سے آزاد کرالیا۔ اس الوداعی بوسے کے بعد قامران بڑی خاموشی سے سرائے سے نکلا. تو اس کی چہیتی گھوڑی باہر کسی ہوئی کھڑی تھی۔ قامران نے پیار سے اس کی گردن تھپتھپائی۔ ہنہنا کر اس کے پیار کا جواب دیا۔

''یہ تمہاری گھوڑی بڑی پیاری اور سیدھی ہے۔'' شوشو نے ابلا کو تعریفی نظروں سے ہوئے کہا۔

''ہاں پیاری تو یہ ہمیشہ سے ہے لیکن سیدھی ابھی ہوئی ہے۔''

''کیا مطلب؟'' شوشو نے ابلا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''کچھ عرصہ پہلے یہ بڑی سرکش اور منہ زور ہوا کرتی تھی۔ بس یہ اتفاق سے ہی میرے آ گئی ورنہ اس نے اچھے اچھے سواروں کو اپنی ٹاپوں تلے کچل مارا ہے۔''

''ہائے...... یہ اتنی خونخوار ہوا کرتی تھی...... پر اب تو بڑی مسکین سی لگتی ہے۔'' شوشو کولہے پر ہاتھ مار کر بولی۔ ''تم نے اس پر ایسا کیا جادو کر دیا؟''

''میں نے اس پر فتح حاصل کی ہے۔'' قامران نے ابلا کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔ ''اس پر سوار ہو کر اس کے غرور کو توڑا ہے۔''

''قامران...... کیا تم جانتے ہو کہ گھوڑی اور عورت کے مزاج میں بڑی یکسانیت ہوتی ہے'' شوشو نے فلسفہ بگھارا۔

''وہ کس طرح؟'' قامران حیرت میں پڑ گیا۔

''وہ بھی فتح ہونا چاہتی ہے۔ اس کے تصور میں ہمیشہ ایک ایسا مرد ہوتا ہے جو اس کی سرکشی اور منہ زوری کو توڑ سکے اور جب ایسا مرد اسے مل جاتا ہے تو وہ اس کی پناہ میں چلی جاتی ہے۔'' شوشو نے بڑے کھوئے ہوئے انداز میں کہا۔

قامران نے جان بوجھ کر اس نازک موضوع کو طول دینے کی کوشش نہ کی۔ وہ جواب میں صرف مسکرا کر رہ گیا۔ شوشو یکلخت اداس ہوگئی۔ جواب نہ پا کر یا قامران کے وقت رخصتی کی بنا پر قامران نے چھلانگ لگائی اور ابلا کی پیٹھ پر سوار ہوگیا۔ اس نے ابلا کو ایڑ لگائی اور

اس نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

شوشو کے لبوں میں یکا یک لرزش سی ہوئی۔ اس کا گلا رندھ گیا اور دو چمکدار موتی اس کی آنکھوں سے نکل کر رخساروں پر لڑھکنے لگے۔ شوشو اپنی ڈبڈباتی آنکھوں سے قامران کو اس وقت تک دیکھتی رہی جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گیا۔

قامران نے بستی کی چار دیواری سے نکلتے ہی ابلا کو تیر بنا دیا۔ ابلا کو بھی کئی دن بعد آج دوڑنے کا موقع ملا تھا' اسی لیے وہ اچھی رفتار سے بھاگ رہی تھی۔

کوئی ایک گھنٹے کی مسافت کے بعد وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں راستہ دو سمتوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ اس نے زور سے ابلا کی لگام کھینچی اور سوچنے لگا کہ کون سی راہ اختیار کرے۔ ایک راستہ مغرب کی طرف جاتا تھا اور دوسرا شمال کی طرف۔

پہلے قامران نے مغرب کے آسمان کو بغور دیکھا' پھر شمالی آسمان کا جائزہ لیا۔ شمالی آسمان پرندوں سے بالکل خالی تھا جبکہ مغرب کے آسمان پر کچھ چیلیں اڑتی دکھائی دے رہی تھیں۔ اس نے دیوتا کا نام لے کر اپنی گھوڑی کو مغربی راستے پر ڈال دیا...... دوپہر ہوتے ہوتے وہ ایک گھنے جنگل میں پہنچ گیا۔ اب اسے شدت کی بھوک لگنے لگی تھی۔ اگرچہ اس کے پاس کھانے پینے کی اشیاء وافر مقدار میں موجود تھیں مگر وہ سب خشک حالت میں تھیں۔ قامران نے کافی عرصے سے پرندوں کا تازہ گوشت نہیں کھایا تھا' اسی لیے اس نے ترکش سے تیر نکال کر کمان پر چڑھا لیا کہ جنگل میں پرندے بے شمار تھے۔

چار پانچ پرندوں کو شکار کرکے اس نے انہیں آگ پر بھون لیا اور مزے لے لے کر کھانے لگا۔ دونوں پرندے ہضم کر کے اس نے لمبی ڈکار لی اور ابلا کو آزاد کر کے وہ کچھ دیر آرام کرنے کے لیے ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

ابھی اس پر غنودگی طاری ہونے ہی والی تھی کہ اس کے کانوں نے ایک عجیب سی آواز سنی۔ اسے محسوس ہوا جیسے کوئی پاس ہی بیٹھا ہڈیاں چبانے میں مصروف ہے۔ ''کڑ کڑ'' کی آوازوں نے اس کی نیند کو کوسوں دور بھگا دیا۔ اس نے بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے' بغیر حرکت کیے اپنی آنکھوں کی پتلیوں سے اطراف کا جائزہ لیا۔ ہڈیاں چبانے کی آواز سامنے والی گھنی جھاڑیوں سے آ رہی تھی۔ وہ جھاڑیاں اتنی گھنی اور اندھیرے میں تھیں کہ باوجود کوشش کے اسے کچھ نہ دکھائی دیا۔ یہ جنگل گھنا ضرور تھا لیکن اسے اب تک کسی درندے کے آثار نظر نہ آئے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ یہ جنگل درندوں سے پاک ہے لیکن اب ہڈیاں چبائے جانے کی آواز نے اس کے خیال کو باطل کر دیا تھا۔ ان گھنی جھاڑیوں میں یقیناً کوئی درندہ اپنا شکار کھانے میں مصروف تھا۔

قامران بہت احتیاط سے اٹھا اور بڑی تیزی سے بے آواز اس اونچے درخت پر چڑھ گیا جس کے نیچے لیٹا تھا۔ محفوظ مقام پر پہنچ کر قامران نے نیچے جھاڑیوں کو دیکھا۔ اب وہ اسے صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھا گوشت کھانے میں مصروف تھا۔ قامران اس عفریت کو دیکھ کر کانپ اٹھا۔ وہ نہ کوئی شیر تھا' نہ چیتا اور نہ ہی اسی قسم کا کوئی اور درندہ۔

قامران اسے دیکھ کر تیر چلانا بھی بھول گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا چیز دیکھ رہا

ہے۔

اتنے میں وہ بلا پتھر سے اٹھی۔ اس عفریت کے جسم پر بال ہی بال تھے۔ سرخ آنکھیں، انسانوں کی طرح چار ہاتھ پاؤں اور قد عام انسانوں سے دگنا، تجیم شحیم اور خوفناک نوکیلے دانت منہ سے جھانکتے ہوئے۔

قامران ابھی اچھی طرح اس عفریت کا جائزہ بھی نہ لینے پایا تھا کہ وہ چھلانگیں لگاتا ا کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اس نے ایک گہرا اور ٹھنڈا سانس لیا۔ کچھ دیر وہ یونہی درخت پر ! لیکن جب اس بلا کے واپس لوٹنے کی توقع نہ رہی تو وہ جلدی جلدی درخت سے اترا اور ابلا کو کرنے لگا۔ اسے فکر تھی کہ کہیں اس کی گھوڑی کو اس بلا نے نقصان نہ پہنچا دیا ہو۔ اگر ایسا ہو گ کہیں کا نہ رہے گا۔ آخر ایک دن وہ خود بھی اس عفریت کا نوالۂ تر بن جائے گا۔

وہ محتاط مگر پھرتیلے انداز میں ابلا کو ڈھونڈتا ہوا کافی آگے نکل گیا۔ آخر ایک جگہ اسے ا گھاس پر منہ مارتی ہوئی دکھائی دے گئی۔ قامران نے فوراً اپنے سارے دیوتا کا شکر ادا کیا اور بھا اس کے پاس پہنچا۔ ابلا نے اپنے مالک کو اس طرح بے قراری سے اپنی طرف آتا دیکھ کر گھاس منہ اٹھا لیا اور حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ قامران نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر لگام اس کے م دی اور جست مار کر اس پر سوار ہو گیا۔ وہ اشارہ پاتے ہی اڑنے لگی۔

جنگل ختم ہوتے ہی قامران نے ابلا کی رفتار کم کر دی۔ وہ عفریت کو بہت پیچھے چھوڑ آ اس لیے اب بلاوجہ گھوڑی کو بھگانے کی ضرورت نہ تھی۔ ابلا آہستہ روی سے راستہ ناپتی ہوئی بڑھنے لگی۔

ابھی قامران زیادہ دور آگے نہ گیا تھا کہ اسے راستے میں ایک عورت بیٹھی ہوئی دکھائی وہ اپنے سینے پر دوہتڑ مار مار کر بین کر رہی تھی۔ قامران نے اس کے قریب پہنچ کر گھوڑی روک اتر کر اس ادھیڑ عمر عورت کی طرف بڑھا۔ اس عورت نے قامران پر کوئی توجہ نہ دی یا اس نے اسے ہی نہیں۔ وہ بدستور اپنے سینے پر ہاتھ مار مار کر روتی رہی۔

"اے..... کیا ہوا؟" قامران نے اس کے سر پر پہنچ کر کہا۔

آواز سن کر اس روتی ہوئی عورت نے اپنا سر اٹھا کر قامران کو دیکھا۔ قامران کو وہ دو ادھیڑ عمر عورت نظر آئی تھی لیکن ایسا نہ تھا۔ وہ ایک جوان اور تیکھے نقوش والی عورت تھی۔ اس کی آ سے چھم چھم برستے نیر نے اسے اور حسین بنا دیا تھا۔

اس عورت نے ڈبڈباتی آنکھوں سے قامران کو دیکھا تو دیکھتی رہ گئی۔ اس نے فورا آنکھیں پونچھ ڈالیں اور چند لمحوں کے لیے اپنا غم بھول گئی۔ اس نے اپنی زندگی میں اتنا مضبوط اور مرد نہیں دیکھا تھا۔

"کیوں روتی ہو؟" قامران نے اس کی محویت توڑنی چاہی۔

"ہائے! میرا بچہ۔" اس کے زخم پھر سے ہرے ہو گئے۔ وہ بین کرنے لگی۔

"کیا ہوا تمہارے بچے کو؟"

"اسے بلا اٹھا کر لے گئی۔"

قامران کی نگاہوں میں فوراً وہ جھاڑیوں کا منظر گھوم گیا۔ وہ گوشت کھاتا ہوا عفریت! اس کے جسم میں سردی کی لہر دوڑ گئی۔ کیا وہ وہاں بیٹھا اسی عورت کا بچہ چبا رہا تھا؟ قامران نے سوچا کسی نتیجے پر پہنچنے کے لیے ابھی مزید سوالات کی ضرورت تھی۔

"کیسی بلا..... کیا اس علاقے میں کوئی بھیڑیا وغیرہ آیا ہوا ہے؟"

"نہیں، بھیڑیا نہیں۔"

"کوئی شیر، چیتا یا....."

"نہیں، یہ بھی نہیں۔"

"پھر وہ کیسی بلا ہے؟"

"اسے آج تک کسی نے نہیں دیکھا..... وہ کالے جنگل میں رہتی ہے اور ہر روز آدھی رات آتی ہے اور بستی میں سے ایک بچہ اٹھا لے جاتی ہے۔" اس جوان عورت نے اپنے آنسو پونچھتے کہا۔

ابھی قامران کوئی بات کرنے والا ہی تھا کہ اسے سامنے سے چار پانچ آدمی آتے دکھائی ان دو آدمیوں نے اس عورت کے پاس کسی گھڑسوار کو کھڑے دیکھا تو بھاگتے ہوئے اس کی ے۔ پھر ایک مرد نے قریب آتے ہی اس عورت کو ڈانٹا۔ "کالبائی! تو پھر یہاں آ گئی؟"

"میں یہاں سے نہیں جاؤں گی، نہیں جاؤں گی..... مجھے میرا بچہ چاہیے۔" اس عورت نے رونا شروع کر دیا۔

"تم کون ہو نوجوان؟" اس مرد نے قامران سے سوال کیا۔

"ایک مسافر..... ادھر سے گزر رہا تھا، یہاں کالبائی کو روتا دیکھ کر اتر پڑا۔ یہ شاید تمہاری ہے؟" قامران نے اس سے پوچھا۔

"ہاں، یہ میری بیوی ہے..... اسے میں کئی بار یہاں سے اٹھا کر لے جا چکا ہوں مگر یہ ہر بار کر بیٹھ جاتی ہے۔ شاید اس آس کہ میں کالے جنگل سے وہ بلا نکلے گی اور اس کا بچہ اس کر واپس لوٹ جائے گی..... کم عقل عورت۔" اس مرد نے اسے ہاتھ پکڑ کر اٹھا لیا ا سے کھڑی ہو گئی۔

"تمہاری بات ٹھیک ہے..... تم مرد ہو، اس حقیقت کو تسلیم کر چکے ہو کہ تمہارا بچہ آئے گا۔ اسے بلا لے جا چکی ہے..... لیکن یہ عورت ہے، اس بچے کی ماں ہے۔ اس کی ممتا تو طرح قرار نہیں۔ جھوٹی آس پر یہاں آ بیٹھتی ہے۔ میری مانو، اس کے ساتھ نرمی کا سلوک" قامران نے کالبائی کے شوہر کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"نوجوان کیا تم کالے جنگل کی طرف سے آ رہے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔" قامران نے جواب دیا۔

"ہم نے سنا ہے کہ وہ بلا وہیں رہتی ہے۔"

"ہاں..... تم لوگوں نے ٹھیک سنا ہے۔ میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آ رہا ہوں۔"

"ہیں..... کیا کہا..... تم نے اس بلا کو دیکھا ہے۔"

وہ سارے لوگ بلا کا ذکر سنتے ہی خوف سے ایک دوسرے کے قریب آ گئے اور حیرت سے قامران کو دیکھنے لگے۔

"لیکن تم اس کے ہاتھوں بچ کر کیسے آ گئے؟" ان میں سے ایک مرد نے سوال کیا۔

"اس نے مجھے کچھ نہیں کہا.....شاید اس نے مجھے دیکھا ہی نہیں...... وہ بلا اپنے کام مصروف تھی.....کچھ دیر بعد وہ چھلانگیں لگاتی ہوئی میری نظروں سے غائب ہو گئی۔" قامران نے بلا گوشت کھانے کا ذکر جان بوجھ کر نہ کیا کہ کالبائی کو مزید دکھ پہنچتا۔

"ترپان!" ایک مرد نے کالبائی کے شوہر کو مخاطب کیا۔ "اسے ونشا کے پاس لے چلو۔"

"کیوں نوجوان.....تم ہمارے ساتھ چلو گے؟" ترپان نے پوچھا۔

کالبائی اسے امید بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ ڈر رہی تھی کہ کہیں یہ نوجوان بستی جانے سے انکار نہ کر دے۔

"تم لوگ مجھے کہاں لے جانا چاہتے ہو؟" قامران نے کالبائی کی طرف دیکھتے پوچھا۔

"اپنی بستی میں.....سردار ونشا سے ملوانے۔" ترپان نے جواب دیا۔

"کیوں؟" قامران نے حقیقت جاننی چاہی۔

"تم پہلے شخص ہو جس نے اپنی آنکھ سے اس بلا کو دیکھا ہے.....اب تک اس بلا کے بارے میں افسانے ہی مشہور ہیں۔ تم ہمارے ساتھ چل کر ہمارے سردار کو اس بلا کی حقیقت بتاؤ تاکہ اسے ... کرنے کے بارے میں سوچا جا سکے۔"

"ٹھیک ہے چلو؟" قامران کی مہم جو طبیعت مچل اٹھی۔ وہ ابلا کی طرف بڑھا اور اچھل کر ... پر سوار ہو گیا۔

ترپان نے اپنی بیوی کالبائی کو اپنے کندھے پر بٹھا لیا۔ ایک مرد نے ابلا کی لگام پکڑ لی ... ہی ... لیے تیار ہو گئے۔

قامران نے جب محسوس کیا کہ وہ اسے بھی اپنے ساتھ پیدل چلانا چاہتے ہیں تو ... "مجھے تم لوگ اپنی بستی کا پتہ بتا دو، میں وہاں پہنچ جاتا ہوں، تم لوگ آتے رہنا۔"

"نہیں، سب ساتھ ہی چلتے ہیں۔ تم آرام سے گھوڑی پر بیٹھے رہو۔" ترپان نے کہا۔

پھر ان لوگوں نے دوڑنا شروع کر دیا۔ ترپان اپنی بیوی کو کندھے پر بٹھا کر اس طرح بھاگ رہا تھا جیسے کسی بچے کو بٹھا رکھا ہو۔ ان لوگوں کے دوڑنے کی رفتار خاصی تیز تھی۔ قامران نے اپنی گھوڑی کی لگام چھوڑ رکھی تھی۔ اب وہ گھوڑی کے ساتھ ساتھ بھاگ رہے تھے اور قامران ان لوگوں کی رفتار ... کر حیران ہو رہا تھا۔

بستی میں داخل ہوتے ہی ترپان نے اپنی بیوی کالبائی کو کندھے سے اتار پھینکا اور آ... آ کر گھوڑی کی لگام تھام لی اور پھر بھاگنے لگا۔

بستی میں ایک سجیلے گھڑسوار کو دیکھ کر بستی کے اور لوگ بھی اس چھوٹے سے جلوس کے ... ہوتے گئے۔ سردار ونشا کے گھر تک پہنچتے پہنچتے بستی کی تمام آبادی امنڈ آئی۔ سردار ونشا نے

...دار اور اپنی پوری قوم کو اپنے گھر کی طرف بڑھتے دیکھا تو وہ فوراً باہر نکل آیا اور چیخ کر بولا۔

"یہ کیا تماشہ ہے؟"

اس سے پہلے کہ کوئی اور جواب دیتا۔ قامران نے مسکراتے ہوئے بڑی نرمی سے کہا۔

"...دار ونشا میں تماشہ نہیں، قامران ہوں قامران.....ایک مسافر۔"

"سردار.....یہ مسافر جس نے ابھی ابھی اپنا نام قامران بتایا ہے، بڑے کام کا ہے۔" ترپان ...دار ونشا سے مخاطب تھا۔

"اسے تم کہاں سے پکڑ لائے ہو؟" سردار ونشا کا غصہ ابھی برقرار تھا۔

"سردار، یہ کالے جنگل سے آ رہا ہے۔"

"یہ" سردار نے منہ کھول کر قامران کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ کہتا ہے کہ اس نے اس بلا کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔" ایک اور انکشاف۔

"کیوں نوجوان.....کیا نام بتایا تم نے.....ہاں، قامران۔" سردار ونشا کا پارہ اچانک نیچے اتر...

"ہاں.....یہ سچ ہے۔" قامران نے پورے اعتماد سے کہا۔

"آؤ پھر.....تم باہر کیوں کھڑے ہو، اندر آ جاؤ۔" سردار ونشا نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور اسے لے چلا۔ اندر پہنچ کر سردار ونشا نے اسے بڑے احترام سے ایک جگہ بٹھایا اور بلا کا احوال پوچھنے ... قامران نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا من و عن سردار ونشا کی خدمت میں عرض کر دیا۔ سردار ... احوال سن کر فکر میں ڈوب گیا۔ پریشانی اس کے ماتھے پر لکیریں بن کر ابھر آئی۔

"سمجھ میں نہیں آتا.....کیا کیا جائے.....وہ خبیث بلا اس بستی کے بے شمار بچوں کو کھا چکی ... ان بچوں میں میرا بھی ایک بچہ شامل ہے۔" سردار ونشا نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ اس کی دلچسپی صرف بچوں تک محدود ہے.....بڑوں کو اس نے کبھی ...صان نہیں پہنچایا۔" قامران نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"نہیں.....آج تک نہیں۔" سردار ونشا کی بجائے ترپان بولا۔

"ٹھیک ہے.....پھر زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ سمجھ لو کہ اس بستی کو اس عفریت ...جات مل گئی۔"

"اس ظالم بلا پر قابو پانا اتنا آسان نہیں.....وہ بہت چالاک ہے۔ وہ بڑی ہوشیاری سے ...ی میں داخل ہوتی ہے اور بڑی خاموشی سے بچے کو اٹھا کر چلتی بنتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود کوشش ... آج تک کوئی نہیں دیکھ سکا۔" سردار ونشا نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"میں نے اس بلا کو اپنی آنکھ سے دیکھ لیا ہے۔ اب میں ہی اس کی موت کا سبب بنوں ...ردار تم بالکل فکر نہ کرو، اب میں بستی میں اس وقت تک رہوں گا جب تک اس بلا کا قلع قمع نہیں ...جاتا۔" قامران نے مٹھیاں بھینچ کر بڑے یقین سے کہا۔

"ہم زندگی بھر تمہارے احسان مند رہیں گے۔" سردار ونشا نے بڑی عاجزی سے کہا۔ "اور ... اب تم یہاں ہو، میرے مہمان رہو گے۔"

شام ہونے کو تھی...... قامران نے سوچا کہ دن ڈھلنے سے پہلے ہی بستی کا جائزہ لے لیا تاکہ مورچہ بندی کرنے میں آسانی رہے۔ وہ سردار ونشا سے اجازت لے کر بستی کی سیر کے لیے کھڑا ہوا۔ کوئی آدھے گھنٹے میں اس نے ابلا پر سوار ہو کر پوری بستی کا جائزہ لے لیا۔ بلا کے داخے امکان اسی راستے سے تھا جدھر سے قامران بستی میں داخل ہوا تھا۔ قامران نے بستی سے چار پانچ اور مضبوط نوجوانوں سے اس درخت پر جو بستی کے کنارے پر تھا' مورچہ بنانے کو کہا۔ مورچہ تیار ہو گیا قامران نے ان نوجوانوں سے اپنے گھروں سے ہتھیار لانے کو کہا۔ ہتھیار کا نام سن کر ان نوجوانوں نے مایوسی سے گردن ہلائی۔ اس نے جب زیادہ زور دیا تو وہ اپنے گھروں سے چھوٹے چھوٹے ڈنڈے اٹھا لائے۔ قامران ان ڈنڈوں کو دیکھ کر ہنس پڑا۔

''یارو! ان ڈنڈوں سے بلا کو مارو گے۔''

''بس ہمارے پاس یہی کچھ ہے۔''

''جاؤ...... سردار ونشا کے ہاں سے کچھ لے آؤ۔ اس کے پاس ضرور کوئی ہتھیار ہوگا۔''

''قامران...... یہ امن پسندوں کی بستی ہے۔ یہاں کسی کے ہاں کوئی ہتھیار نہیں نکلے گا۔ ہمیں آج تک کسی پر ہتھیار اٹھانے کی ضرورت نہیں پڑی۔''

''کسی پر ہتھیار اٹھانا یقیناً بری بات ہے لیکن اپنے بچاؤ کے لیے ہتھیار رکھنا ہرگز برا نہیں۔'' قامران نے سمجھانے کی کوشش کی۔

''ہمارے سردار نے اس بستی کو ہتھیاروں سے خالی ہی رکھا ہے۔ ہتھیار گھر میں ہو تو استعمال کرنے کو جی چاہ ہی سکتا ہے۔''

''عجیب فلسفہ ہے۔''

''ہاں' تم مسافروں کے لیے یہ بات عجیب ضرور ہے لیکن ہمارے لیے باعث سکون۔ دوسری بستیوں کی طرح ہتھیاروں کی دوڑ لگا کر راتوں کی نیندیں حرام نہیں کرنا چاہتے۔''

''اور اس بلا نے جو تم لوگوں کی نیند حرام کر رکھی ہے' اس سے نمٹنے کے لیے تمہارے پاس ہے۔ آج تم لوگوں کے پاس ہتھیار ہوتے تو کسی کام آتے۔''

''وہ بلا آسمانی ہے...... بستی والوں کی تو پیدا کردہ نہیں' اس سے نمٹنے کے لیے تم آ پہنچے اسے اپنی امن پسندی کا انعام سمجھتے ہیں۔''

''اچھا میرے امن پسند بھائیو! میری بات غور سے سنو۔ ہم لوگوں نے آج پوری جاگ کر اس درخت پر گزارنی ہے اور اس بلا کا انتظار کرنا ہے۔''

''ٹھیک ہے...... ہم سب تیار ہیں۔''

رات گہری ہوتے ہی قامران نے ان پانچوں نوجوانوں کے ساتھ اس گھنے درخت پر کیا۔ چاندنی رات تھی۔ روشنی اتنی تیز تھی کہ اس بلا کو بآسانی دور ہی سے دیکھا جا سکتا تھا۔

رات جوں جوں سیاہ ہوتی جا رہی تھی' اس بستی کے نوجوانوں میں خوف کی لہر بڑھتی تھی۔ قامران بڑی حد تک پرسکون تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ ایک بار اس عفریت کو اپنی آنکھ سے تھا اور نہتا بھی نہ تھا۔

بستی کے نوجوان بار بار قامران سے اس بلا کے بارے میں استفسار کرتے تھے کہ وہ کیسی ہے۔ قامران نے اس عفریت کی شکل و صورت کے بارے میں انہیں کچھ نہ بتایا کہ خوامخواہ ان کے دل میں دہشت بیٹھ جائے اور کہیں وہ اسے اکیلا ہی چھوڑ کر نہ بھاگ جائیں...... ان نہتے نوجوانوں سے کسی عملی مدد کی توقع نہ تھی اور نہ اس نے اس غرض سے انہیں اپنے ساتھ بٹھایا تھا۔ اس کا مقصد اتنا تھا کہ ان نوجوانوں کی وجہ سے رات آسانی سے کٹ جائے گی۔

پھر قامران نے ان نوجوانوں کو باتوں میں لگا لیا۔ پہلے اس نے انہیں اپنی آپ بیتی سنا ڈالی' نوجوانوں سے اس بستی کے رسم و رواج پوچھتا رہا۔ اس کی آنکھیں دور تک اس عفریت کو تلاش رہیں اور کان ان نوجوانوں کی باتیں سنتے رہے۔

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ بستی میں چاروں طرف سکون پھیلا ہوا تھا۔ عفریت کا پتہ نہ تھا۔ باتیں ختم ہوئیں تو عشق و محبت کی داستانیں چھڑ گئیں۔ حسن و شباب کے نغمے گائے گئے...... وقت گزرتا رہا۔

تب قامران کو اچانک بستی کے کسی کونے سے چیخ و پکار کی آواز سنائی دی۔ بستی کے نوجوان یہ سن کر سہم گئے۔ چند لمحوں بعد یہ چیخ و پکار رونے کی آواز میں تبدیل ہو گئی۔ قامران کو محسوس ہوا کئی عورتیں مل کر بین کر رہی ہوں۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ عورتیں اچانک کیوں رونے لگیں؟

''کیا ہوا؟'' قامران نے نوجوانوں سے پوچھا۔

''شاید بلا اپنا کام کر گئی۔'' کسی ایک نوجوان نے کپکپاتے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں۔'' قامران نے اپنی تیر کمان سنبھالی اور درخت سے تیزی سے نیچے اترتے کہا۔ ''آؤ' میرے ساتھ۔''

قامران کی صدا پر کسی نے لبیک نہ کہا' کوئی نوجوان اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا۔

''ارے جلدی اترو...... ڈرتے کیوں ہو؟ میرے ہوتے ہوئے بلا تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔'' نے نیچے پہنچ کر انہیں تسلی دی۔

خدا خدا کر کے وہ نوجوان درخت سے اترے۔ جب قامران ان نوجوانوں کے ساتھ جائے پہنچا تو یہ جان کر حیران رہ گیا کہ وہ عفریت ایک گھر سے بچہ اٹھا کر لے جا چکا تھا۔ صدمے عورت کا برا حال تھا۔ شادی کے سات سال بعد تو اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا تھا۔ ابھی وہ تین کا تھا کہ آج رات وہ بلا کے ہتھے چڑھ گیا۔ قامران نے بڑی پھرتی سے پورا گھر اور آس پاس چھان مارا لیکن اس عفریت کا دور تک سراغ نہ لگا۔

قامران نے اس عفریت کو کالے جنگل میں دیکھا تھا' بستی والے بھی یہی کہتے تھے کہ وہ بلا جنگل میں رہتی ہے۔ کالے جنگل سے جو راستہ بستی کی طرف آتا تھا' اس راستے پر اس نے مورچہ لگایا اور پوری توجہ سے وہ اس راستے کی نگہبانی کر رہا تھا۔ وہ بلا بھی کوئی چھوٹی موٹی چیز نہ تھی۔ وہ شے تھی' دور ہی سے دکھائی دے جانے والی۔ پر اس بلا نے سارا منصوبہ خاک میں ملا دیا۔ اس کے باوجود وہ اپنا کام کر گئی تھی۔ گویا ان سب کی آنکھوں میں دھول جھونک گئی تھی۔ قامران سردار ونشا کے گھر واپس پہنچا۔

سردار ونشا تک اس تازہ واردات کی اطلاع پہنچ چکی تھی۔ وہ قامران ہی کا منتظر تھا۔ قام
نے اسے دیکھ کر مایوسی سے گردن ہلائی اور بنا کوئی بات کیے کمرے میں جا کر لیٹ گیا۔

اگرچہ کمرے میں اجالا تھا لیکن قامران کے دل میں یہاں سے وہاں تک اندھیرا پھیلا تھا۔ عفریت کے اس طرح خاموشی سے نکل جانے کا اسے بڑا دکھ تھا...... وہ کروٹیں بدل بدل کر اس سے نجات پانے کے راستے تلاش کر رہا تھا کہ اچانک کمرے کا دروازہ کھلا۔ آنے والے نے فوراً دروازہ پلٹ کر بند کر دیا اور دھیرے دھیرے قامران کی طرف بڑھا...... قامران اسے دیکھ کر پریشان گیا۔

☆......☆......☆

آنے والا دراصل "آنے والا" نہ تھا بلکہ آنے والی تھی اور یہی بات قامران کے لیے ...الی کا باعث تھی۔ ان مرمریں بدنوں سے خود کو بچانا ایسا ہی تھا جیسے کوئی دریا میں غوطہ لگائے اور سوکھا ...آئے۔ قامران اب تک تو سوکھا نکلتا رہا تھا۔ اب ایک اور آزمائش اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس ...بدن لڑکی نے جس بے تکلفی سے پلٹ کر دروازہ بند کیا تھا، اس سے اس کے عزائم واضح ہوتے

وہ ہنستی مسکراتی قامران کے سرہانے بیٹھ گئی اور قامران جو اسے دیکھ کر بستر پر بیٹھ چکا تھا، ...نے اس کی گردن میں اپنے ریشمیں بازو حمائل کر دیئے اور شیریں لبوں کو کھولا...... "اے اجنبی ... میں تیری خوشنودی کے لیے آئی ہوں۔"

قامران نے بہت پیار سے اپنی گردن کو اس کے ریشمیں بازوؤں کے پھندے سے آزاد کیا ...اراضگی ظاہر کیے اس سے خاصا فاصلہ کر لیا۔

"تم کون ہو؟...... اور مجھ سے غریب مہمان کی خوشنودی حاصل کر کے تمہیں کیا ملے گا؟" ...نے لہجے کی شگفتگی برقرار رکھتے ہوئے پوچھا۔

"میری نیت پر شبہ نہ کرو...... میں خلوص نیت سے یہاں آئی ہوں۔ تم ہمارے مہمان ہو اور ...انوں کی تعظیم کے لیے میزبان اپنی بیٹی کو مہمان کی خدمت گزاری کے لیے بھیج دیا کرتا ہے۔" اس ...بدن نے نظریں نیچی کر کے بتایا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم سردار ونشا کی بیٹی ہو؟"

"تم ٹھیک سمجھے۔"

"کیا سردار ونشا کو معلوم ہے کہ اس وقت تم یہاں موجود ہو؟"

"ہاں...... اسی نے مجھے سوتے سے اٹھا کر بھیجا ہے کہ یہی اس بستی کی ریت ہے۔"

"کیسی شرمناک رسم ہے یہ؟"

"نہیں...... بالکل نہیں...... اس میں شرم کی کیا بات ہے۔ مہمان کی خدمت کرنا، اسے تعظیم ...وتا نے گناہ نہیں جانا۔"

"مجھے ذرا اس دیوتا کا نام بتاؤ جس نے یہ کہا ہو کہ اپنی بہن، بیٹی کو مہمان کی خدمت میں ..."

"اے اجنبی مہمان...... کیونکہ تم مرد ہو اس لیے کمرے میں کسی لڑکی کی آمد کا غلط مطلب ... میرے باپ نے کسی غلط نظریے سے مجھے تمہاری خدمت میں نہیں بھیجا...... یہ بات ذرا

اپنے ذہن میں صاف کرلو۔"

"پھر ذرا واضح الفاظ میں اپنے آنے کا مقصد بتاؤ۔"

"میں اس لیے یہاں آئی ہوں کہ تمہاری خدمت کروں۔ تمہارے ہاتھ پاؤں دبا تمہارے سر کی مالش کروں.....تم سے دنیا جہان کی باتیں کروں تاکہ تمہارا لمحہ لمحہ خوشی میں گزرے، راحت ملے اور اس کے جواب میں تم سے اس بات کی توقع رکھوں کہ تم میری عصمت پر آنچ نہ آ گے.....اپنے میزبان کی بیٹی کا پورا پورا خیال رکھو گے۔"

"کیسی عجیب بات ہے کہ کوئلے کی کان میں گھس جاؤ اور توقع رکھو کہ جسم میلا نہ ہو' ایسا ممکن ہے؟"

"بالکل ممکن ہے.....اس بستی میں صدیوں سے یہی ہوتا چلا آیا ہے لیکن آج تک کوئی مثال موجود نہیں کہ کسی مہمان نے میزبان کی لڑکی یا بہن کی عزت کو نقصان پہنچایا ہو۔"

"اے لڑکی میں....."

"میرا نام سہاتا ہے۔"

"سہاتا میں ایک کمزور انسان ہوں.....میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تمہیں کوئی نقصان جائے۔ بہتر یہی ہوگا کہ تم واپس چلی جاؤ اور دن کی روشنی میں مجھ سے ملو' پھر ہم ڈھیر ساری کریں گے۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا.....اگر میں واپس چلی گئی تو یہ بات میرے بابا کو شدید ناگوار گزرے وہ اسے اپنی توہین سمجھے گا۔ یہ صدمہ اس کے لیے ناقابل برداشت ہوگا۔ تم کیونکہ کسی دور دیس سے آ ہو' اس لیے اس علاقے کے رسم و رواج سے آگاہ نہیں ہو۔ ان کی اہمیت سے واقف نہیں ہو۔" نے سنجیدگی سے اسے سمجھایا۔ "تم نے جس خدشے کا اظہار کیا ہے' اس خطرے میں بخوبی آگاہ ہوں نے خود کو کمزور انسان کہا ہے' ہو گے لیکن میں کمزور لڑکی نہیں ہوں.....خطرہ دیکھتے ہی میں خود کو ہلاک لوں گی' گوہر عصمت نہ لٹنے دوں گی اور اس طرح میری موت خود بخود تمہاری ہلاکت کا سبب بن گی۔ تمہیں ابلتے پانی کے چشمے میں پھینک دیا جائے گا۔"

"ابلتے پانی کا چشمہ' وہ کہاں ہے؟"

"قریب ہی ہے' صبح میرے ساتھ چلنا دکھا دوں گی۔"

"تم خود کو ہلاک کس چیز سے کرو گی؟ کیا تم نے اپنے لباس میں کوئی خنجر چھپا رکھا قامران نے پوچھا۔

"شاید تمہیں علم نہ ہو کہ ہماری بستی میں خنجر' ہتھیار قسم کی کوئی چیز نہیں۔"

"پھر اس امن پسند بستی کی دوشیزہ خود کو کس طرح ہلاک کرے گی؟"

"میرے پاس ایک ایسی چیز ہے جو مجھے چند ساعتوں میں موت سے ہمکنار کر سکتی ہے"

"ذرا اپنے ہاتھ دکھاؤ۔"

تا نے اپنے خوبصورت مخروطی ہاتھ قامران کے سامنے کر دیئے۔ انگلیاں خالی تھیں۔

ے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جو ہلاکت کا سبب بن سکے۔"

"ہے۔" سہاتا نے ہنستے ہوئے کہا۔ "جب میں صبح یہاں سے جاؤں گی تو تمہیں وہ چیز دکھا ں گی۔"

"خیر۔" قامران نے وہ ہلاکت خیز چیز دکھانے کا اصرار نہ کیا اور بولا۔ "پھر تم نے فیصلہ کر لیا ح سے پہلے یہاں سے نہ جاؤ گی۔"

"ہاں یہی سمجھو۔"

"اچھا ٹھیک ہے.....تم یوں کرو کہ بستر پر آ جاؤ' میں نیچے لیٹ جاتا ہوں۔ مجھے دراصل نیند ' میں سونا چاہتا ہوں۔"

"تم شوق سے سوؤ.....اور اپنے بستر پر ہی.....میں کیونکہ سو چکی ہوں' اس لیے یہ چند گھنٹے کر گزار دوں گی۔" یہ کہہ کر سہاتا نے قامران کا بستر چھوڑ دیا اور اس سے کچھ فاصلے پر آرام بیٹھ گئی۔

قامران کو واقعی نیند آ رہی تھی' تھکن الگ تھی۔ اس نے تکلف بالائے طاق رکھ کر بستر پر ا اور کروٹ لے کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر میں اس کے خراٹے گونجنے لگے تو ان رہ گئی۔ اس کے ہاں آج تک کوئی ایسا مہمان نہ آیا تھا جس نے اس کے حسین وجود سے ازی برتی ہو۔ یہ سوچ کر جانے کیوں حسین' نازک اور حساس سہاتا افسردہ ہو گئی۔ اس کے دل کو پہنچی۔ اس نے اپنا چہرہ گھٹنوں میں چھپا لیا اور چپکے چپکے جانے کتنی دیر آنسو بہاتی رہی۔ یہاں اس پر غنودگی طاری ہو گئی۔

قامران دن چڑھے تک خراٹے بھرتا رہا۔ اس پر نیند کا ایسا غلبہ تھا کہ اس نے اب تک نہ بدلی تھی جبکہ صبح ہوتے ہی سردار ونشا نے دروازہ کھٹکھٹا دیا تھا۔ دستک کی آواز سن کر سہاتا ی تھی اور بڑی آہستگی سے دروازہ کھول کر اپنے باپ کے ساتھ چلی گئی۔

قامران نے اپنے چہرے پر کوئی گرم گرم چیز محسوس کی تو وہ پریشان ہو کر اٹھ بیٹھا۔ پھر یہ ا کہ اس کا چہرہ گرم کرنے والی وہ دھوپ ہے جو کھڑکی سے اس کے بستر پر پڑ رہی تھی۔

اوہ' اتنا دن چڑھ گیا.....کمرے میں سہاتا بھی نہیں' جانے وہ کب چلی گئی۔ وہ ایسا سویا کہ ا۔ قامران سوچتا ہوا کھڑکی کی طرف بڑھا۔

ابھی وہ باہر کے مناظر سے لطف اندوز ہو ہی رہا تھا کہ پیچھے سے آواز آئی۔

"آخر تم اٹھ ہی گئے۔"

قامران نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو سردار ونشا کو دروازے میں داخل ہوتے پایا۔

"کہو رات کیسی گزری؟" سردار ونشا نے پوچھا۔

"بہت بری.....بہت اچھی۔"

"وہ کیسے؟"

"بہت بری یوں کہ میرا خیال تھا کہ آج کی رات اس بلا سے بستی والوں کو نجات دلا دوں گا نجات دلانا تو دور کی بات رہی' میں اس بلا کی صورت بھی نہ دیکھ سکا اور وہ میری موجودگی نہیں.....اچھی یوں کہ وہاں سے واپس آیا تو بہت گہری نیند سویا' اتنی گہری کہ اب آنکھ کھلی

ہے۔" قامران نے مسکراتے ہوئے وضاحت کی۔

"اچھا......اب تم ضروریات سے فارغ ہو لو' پھر کچھ کھانے پینے کی بات چلے' تمہا انتظار میں میں نے بھی ابھی کچھ نہیں کھایا ہے۔"

"ارے ارے......یہ تو بہت برا ہوا......میں بس چند منٹوں میں تیار ہو جاتا ہوں' مجھے غسلخانہ دکھائیں۔" قامران دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

اتنے میں سہاتا کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ غالباً ابھی نہا کر آ رہی تھی' تازہ گلاب کی' شاداب۔ اس نے مسکرا کر قامران کی طرف دیکھا۔ قامران بھی جواباً مسکرایا......دونوں کی مسکراہٹ زمین آسمان کا فرق تھا اپنے معنی کے اعتبار سے......پھر سہاتا' سردار ونشا کے پاس کھڑی ہو گئی۔

"سہاتا......اپنے مہمان کو ساتھ لے جاؤ' ان کا ہاتھ منہ دھلواؤ۔"

"آؤ۔" سہاتا نے اپنے نازک لبوں کا دائرہ بنایا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ناشتے میں مصروف تھے۔ ناشتے کے بعد قامران نے باہر خواہش ظاہر کی تو سردار ونشا نے سہاتا کو ہدایت کی کہ وہ قامران کے ساتھ چلی جائے۔

قامران پر وہ بلا سوار تھی' وہ اسی کے بارے میں سوچتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ جائے؟......اور وہ سوچ میں اس قدر ڈوب گیا کہ اسے سہاتا کا بھی خیال نہ رہا کہ وہ بھی اس کے چل رہی ہے۔ وہ اس وقت بری طرح چونک پڑا' جب سہاتا نے کہا۔ "قامران! میرا ہاتھ تھام لو"

قامران نے بڑی فرمانبرداری سے اس کا ریشمی ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔ "کیا یہ بھی اس بستی کی ریت ہے؟"

"قامران! میں سوچ رہی ہوں کہ تم جیسے مرد کو پیدا کر کے دیوتاؤں نے کیا کارنامہ ہے؟" سہاتا نے سنجیدگی اوڑھ لی۔

"ہاں' یہی بات کبھی کبھی میں بھی سوچتا ہوں۔" پر قامران سنجیدہ نہ ہوا۔

"تم اس قدر بنتے کیوں ہو؟" سہاتا نے قامران کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ "اپنی کس چیز ہو؟"

"ارے' تم تو ناراض ہو گئیں۔" قامران نے اس کا ہاتھ دوبارہ پکڑ لیا۔ "میری مہمانوں سے ناراض نہیں ہوا کرتے......آؤ' ذرا اس طرف چلیں جہاں سے رات کو بلا لے ہے۔"

سہاتا نے جواب میں کچھ نہ کہا' اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش بھی نہ کی۔ وہ خاموشی اس طرف لے چلی جہاں وہ جانا چاہتا تھا۔

اس گھر کے سامنے بستی کے بے شمار لوگ اکٹھا تھے اور گھر کے اندر سے رونے کی آ رہی تھیں۔ بین کی آوازیں سن کر قامران کا جگر کٹنے لگا۔ اس نے سہاتا کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ لوگوں نے قامران کو اور سردار کی بیٹی کو آتا ہوا دیکھا تو احتراماً ان کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔ اس وہ نوجوان بھی شامل تھے جنہوں نے رات قامران کے ساتھ درخت پر گزاری تھی۔ وہ بھی اس ہو لیے۔ قامران نے مکان کے پچھواڑے جہاں آدمیوں کی آمد و رفت نہ تھی' ایک چوڑی سی

لی دیکھی۔ یہ پگڈنڈی دور تک لہراتی ہوئی چلی گئی تھی۔ قامران چھت سے اتر کر فوراً گھر کے ے پہنچا۔ قریب سے دیکھنے پر محسوس ہوا جیسے کسی کیم کیم آدمی کو زمین پر ڈال کر گھسیٹا گیا ہو۔ لے بستی کے ایک نوجوان کو حکم دیا کہ وہ دیکھ کر آئے کہ یہ نشانات کہاں جا کر ختم ہوتے ہیں۔ کم سنتے ہی اس نوجوان نے دوڑ لگا دی۔ آدھے گھنٹے بعد جب وہ نوجوان واپس آیا تو اس نے و نشانات کالے جنگل تک گئے ہیں۔

قامران کا شبہ اب یقین میں بدل گیا۔ اس نے سہاتا کا ہاتھ پکڑا اور بولا۔ "آؤ چلیں۔"

"کہاں؟" سہاتا نے پوچھا۔

"ارے......آؤ تو۔" وہ اسے گھسیٹتا ہوا بولا۔

قامران نے سردار ونشا کے گھر پہنچ کر اپنی گھوڑی طلب کی۔ خود کو تیر کمان سے لیس کیا اور ابلا پر سوار ہو کر سردار ونشا سے بولا۔ "میں ذرا کالے جنگل تک جا رہا ہوں۔"

"تم اکیلے!" سردار ونشا نے حیران ہو کر پوچھا۔

"قامران! اکیلے نہ جاؤ......کہیں بلا تمہیں نقصان نہ پہنچا دے۔" سہاتا نے بڑی بے قراری

"میں یہاں سے اگر کچھ نوجوانوں کو لے بھی جاؤں تو اس کا کوئی فائدہ نہیں' نہتے نوجوان لیے جی کا جنجال بن جائیں گے۔" قامران نے ابلا کا رخ موڑتے ہوئے کہا۔ "ویسے پریشان ی ضرورت نہیں۔ آپ لوگ میرے لیے دعا کریں۔"

جواب میں سردار ونشا نے رسمی رعائیہ کلمے کہے جبکہ سہاتا نے سچے دل سے اس کی زندگی کے لی۔ قامران نے ابلا کو زور سے ایڑ لگائی۔ وہ ہنہناتی ہوئی دو پاؤں پر کھڑی ہو گئی' پھر جو اس اگائی تو سردار ونشا اور سہاتا کو دھول کے سوا کچھ نہ دکھائی دیا......سہاتا بہت دیر تک اس غبار کو

پتہ نہیں بستی والے اسے کالا جنگل کیوں کہتے ہیں۔ شاید اس لیے کہ وہ بہت گھنا تھا' دن میں بھی اندھیرا رہتا تھا۔ قامران اس اندھیرے جنگل میں دو تین گھنٹے تک گھومتا رہا لیکن اس کا کہیں سراغ نہ ملا۔ قامران تھک ہار کر واپس بستی کی طرف پلٹ پڑا۔ سردار ونشا کے مکان کے میں ابلا کے داخل ہوتے ہی سہاتا مکان سے نکل پڑی۔ پیچھے پیچھے سردار ونشا تھا۔

"کہو قامران......کیا ہوا؟" سردار نے پوچھا۔

سہاتا نے اسے گہری نظروں سے اوپر سے نیچے تک دیکھا اور آنکھیں بند کر کے دیوتا کا شکر ادا کیا زبان سے کچھ نہ بولی۔

"میں نے کالے جنگل کا چپہ چپہ چھان مارا لیکن اس بلا کا کہیں پتہ نہ چلا۔" قامران نے ے چھلانگ لگاتے ہوئے کہا۔

"اب مجھے شبہ ہونے لگا ہے کہ اس بلا کو تم نے اپنی آنکھ سے دیکھا تھا؟" سردار ونشا نے ہوئے کہا۔

"سردار......جنگل کی خاک چھاننے کے بعد اب میرا یقین بھی متزلزل ہونے لگا ہے۔ پتہ

نہیں میں نے جسے دیکھا تھا وہ یہی آدم خور بلا تھی یا کچھ اور ہی تھا...... خیر آج کی رات اور سمجھ
ہیں' کیا ہوتا ہے؟''

دوپہر کے کھانے کے بعد قامران نے آرام کیا...... سونے کی کوشش کی پر نیند نہ کروٹیں بدل بدل کر بلا کے بارے میں سوچتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کا دماغ سوچتے سوچتے گیا۔ تب اسے سباتا یاد آئی۔ اس وقت اسے واقعی اس کی ضرورت تھی۔ وہ ہوتی تو اس سے کرواتا۔ مہمان کی خدمت دن میں بھی تو ہوسکتی ہے۔ ان لوگوں نے رات کے اندھیرے کو لیے کیوں مخصوص کر رکھا ہے؟

اسی طرح الا بلا سوچتے شام ہوگئی۔

سردار ونشا نے اس کے کمرے میں جھانکا۔ قامران کو آنکھوں پر ہاتھ رکھے دیکھ کر میں نہ آیا کہ قامران جاگ رہا ہے یا نیند میں ہے۔

''قامران! کیا تم جاگ رہے ہو؟'' سردار ونشا نے آہستہ سے پوچھا۔ اتنی آہستہ کہ رہا ہو تو اس کی آنکھ نہ کھلے اور اگر جاگ رہا ہو تو فوراً جواب دے دے۔

''جاگ...... رہا ہوں سردار۔'' قامران نے اپنی آنکھوں سے ہاتھ ہٹا لیے۔

''ارے...... تمہاری آنکھیں تو لال ہو رہی ہیں۔ کیا بات ہے؟''

''سونا چاہتا تھا' پر سو نہیں سکا۔''

''کیوں؟''

''سر کچھ بھاری سا ہو رہا ہے۔''

''اچھا...... تم لیٹو' میں سباتا کو بھیجتا ہوں...... وہ تمہیں کالا شربت بنا کر پلا دے گی۔'' سردار ونشا کمرے سے نکل گیا۔

تھوڑی دیر میں سباتا مسکراتی ہوئی' ہاتھ میں مٹی کا پیالہ لیے کمرے میں داخل ہوئی۔
''لو پیو......''

قامران نے اٹھ کر پیالے میں جھانکا...... اس میں کالے رنگ کا کوئی مشروب تھا جس کی شکل ہی سے کڑواہٹ ٹپک رہی تھی۔

''کڑوا ہے؟'' قامران نے ناک سکیڑ کر پوچھا۔

''کیسے جانا؟''

''اس کی شکل بتا رہی ہے۔''

''جس طرح ہر چمکدار چیز سونا نہیں ہوتی' ویسے ہی ہر کالے رنگ کی چیز کڑوی نہیں ذرا پی کر دیکھو۔ پھر چھوڑنے کو بھی جی نہیں چاہے گا۔'' سباتا نے مشروب کا پیالہ اس کے ہونٹوں سے لگاتے ہوئے کہا۔

قامران نے ایک گھونٹ لیا تو اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ وہ شربت شکل کا اس کی سیرت بری نہ تھی۔ اس نے غٹ غٹ سارا شربت چڑھا لیا اور ہونٹوں پر زبان پھیر
''بھئی کمال ہے۔''

''ابھی کوئی کمال نہیں...... تھوڑی دیر میں ذرا اس کا کمال دیکھنا۔''

''کیا میں اڑنے لگوں گا؟'' قامران نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اب کون سے تم کم اڑتے ہو۔'' سباتا نے جواب دیا۔

پھر وہ اپنے ہونٹ کاٹتی' مٹی کا پیالہ لے کر تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔ قامران خاصی اس کے جملے سے محظوظ ہوتا رہا۔ سباتا نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ اس کالے شربت کا اثر حیرت انگیز ...ی ہی دیر میں سر کا بھاری پن ختم ہوگیا۔ آنکھوں کی جلن جارتی رہی۔ جسم میں ایک طرح کی ...ا ہوگئی۔ وہ چاق و چوبند ہو کر اٹھ بیٹھا۔

بستی میں پہنچ کر اس نے نوجوانوں کو اکٹھا کیا جو کل رات درخت پر اس کے ساتھ موجود ...ں نے انہیں ایک مرتبہ پھر رات کو اکٹھا ہونے کی دعوت دی۔ اس دعوت کو نوجوانوں نے خوشی ...ل کر لیا۔

جب قامران رات گہری ہونے پر اس درخت کے نیچے پہنچا تو سارے نوجوان وعدے کے ...رخت پر مورچہ جما چکے تھے۔

''ہاں بھئی' خیریت تو ہے۔'' قامران نے درخت پر اپنی جگہ سنبھالتے ہوئے کہا۔

''ہاں...... ابھی تک تو خیریت ہے۔'' ان میں سے ایک نوجوان بولا۔

یہ درخت اتنا تناور اور ایسی جگہ تھا جہاں سے چاروں طرف نہیں تو کم از کم تین اطراف میں ...ھا جا سکتا تھا۔ قامران نے دو دو نوجوانوں کی ہر سمت میں نظر رکھنے کی ڈیوٹی لگا دی کہ جیسے ہی ...مولی چیز دکھائی دے' فوراً اسے اشارے سے بتا دیں۔

''ایک بات اور اپنے ذہن میں رکھنی ہے۔'' قامران نے انہیں سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ ٹھیک ...ں عفریت کا قد ایک عام انسان سے دگنا ہے اور وہ اپنے قد کی وجہ سے دور ہی سے دیکھا جا ...ن یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب وہ اپنے پیروں پر چل کر آئے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے' وہ بلا پیروں کے بجائے چاروں ہاتھ پاؤں پر چل کر آئے گی؟''

''وہ اگر چوپائے کی طرح چل کر آئے تو بھی اسے آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے۔'' یہ کہہ کر ...ل گیا۔ پھر تھوڑے توقف کے بعد بولا۔ ''لیکن یہاں معاملہ ہی کچھ اور ہے۔''

''وہ بلا آخر کس طرح آئے گی؟'' نوجوان پریشان ہونے لگے۔

''میرے اندازے کے مطابق رینگتی ہوئی آئے گی' پیٹ کے بل...... کل وہ ہماری نظروں ...ں نہ آسکی۔ ہم سب نے زمین سے خاصی اونچائی پر اپنی نظریں رکھیں جبکہ وہ رینگتی ہوئی ...ں کے سامنے سے گزر گئی۔ آج ہم سب نے اپنی نظریں زمین پر رکھنی ہیں تاکہ وہ ہماری ...ے بچ نہ سکے۔'' قامران نے ہدایت کی۔

پھر سب نوجوانوں کو وہ چوڑی سی پگڈنڈی یاد آگئی جیسے کسی لمبی چوڑی چیز کو زمین پر ڈال کر ...ا۔ یہ سوچ کر کہ بلا ان کے سامنے سے رینگتی ہوئی گزرے گی' ان کے بدن میں سردی کی

”کیا وہ بلا درخت پر بھی چڑھ سکتی ہے؟“

”کچھ نہیں کہہ سکتا۔“ اس جملے نے ان نوجوانوں کو مزید کپکپا دیا۔

اس کے بعد نوجوانوں کی طرف سے دو تین الٹے سیدھے سوالات اور آئے لیکن نے انہیں قابل توجہ نہ سمجھا۔ پھر اس نے ان سے نجات پانے کے لیے انہیں اپنی اپنی جگہ جا۔ دیا۔ نوجوان ڈرتے' کانپتے مقررہ جگہوں پر جا بیٹھے اور انہوں نے دور تک پھیلی ہوئی ریت گاڑی دیں۔

تھوڑی دیر بعد اچانک کسی نوجوان کی گھٹی گھٹی چیخ سنائی دی۔ ”قامران۔“

”کیا ہے؟“ قامران بڑی پھرتی سے اس نوجوان کے سر پر پہنچ گیا۔

”وہ دیکھو۔“ نوجوان نے سامنے اشارہ کیا۔

”کیا دیکھوں؟...... وہاں تو کچھ نہیں۔“ قامران نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔

”وہ کالا کالا کیا ہل رہا ہے؟“

”وہ جھاڑیاں ہیں اور ہوا سے ہل رہی ہیں۔“

یہ سن کر سارے نوجوانوں نے زوردار قہقہہ لگایا۔ وہ نوجوان بری طرح جھینپ کر رہ گیا

تھوڑی دیر بعد پھر کسی اور طرف سے آواز آئی۔ ”قامران جلدی آؤ۔“

قامران حسب معمول بڑی پھرتی سے اس نوجوان تک پہنچا اور بولا۔ ”ہاں' آ گیا۔“

”وہ سامنے دیکھو...... جھاڑیاں ہرگز نہیں۔“

”یہ جھاڑیاں ہرگز نہیں تو یہ بلا بھی نہیں۔“

”پھر یہ کیا ہے؟“

”یہ کتا ہے اور سونے کی جگہ تلاش کر رہا ہے۔“

یہ سن کر پھر سارے نوجوان ہنس پڑے اور اس نوجوان کا مذاق اڑانے لگے۔

”خاموش!“ قامران نے اچانک چیخ کر کہا۔

اس کی آواز سن کر جیسے سارے نوجوانوں کو سانپ سونگھ گیا۔

قامران کی نظریں بہت دور کسی چیز پر جمی ہوئی تھیں۔ کوئی بہت لمبی چوڑی چیز ریت تیزی سے پھسلتی ہوئی آ رہی تھی۔

”تم دیکھ رہے ہو؟“ قامران نے اپنے نزدیک بیٹھے ہوئے ایک نوجوان سے کہا۔

”ہاں۔“ وہ نوجوان سہما سہما بولا۔ ”یہ سرخ سرخ انگارے سے کیا ہیں؟“

”شاید یہ اس کی آنکھیں ہیں۔“

اب سارے نوجوان قامران کے گرد سمٹ آئے تھے اور خوفزدہ نظروں سے اس طرف بڑھتا دیکھ رہے تھے۔ قامران نے بڑی پھرتی سے ترکش سے تیر کھینچا اور کمان پر چڑ بلا آبادی سے نزدیک ہوتی جا رہی تھی اور قامران اس فکر میں تھا کہ وہ واضح طور پر نظر آ چھوڑے۔

بستی کے نوجوان اس عفریت کو دیکھ کر تھر تھر کانپ رہے تھے۔ ان کے حلق خشک

دل ہی دل میں اپنی زندگی کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ بالآخر قامران نے تیر چلایا۔ تیر ہمیشہ کی ٹھکانے پر لگا۔ خاموش فضا میں شیر کی سی دھاڑ سنائی دی۔ وہ بلا اٹھ کر بیٹھنے لگی اور دیکھتے ہی اپنے پاؤں پر کھڑی ہو گئی۔ قامران نے ایک اور تیر چلایا۔ وہ تیر بھی خطا نہ ہوا۔ اس بلا کے منہ شیر کی سی دھاڑ نکلی۔ درخت پر بیٹھے نوجوانوں کا دل کانپ کانپ گیا۔

اچانک اس بلا کی آنکھوں سے شعلے نکلے اور خشک جھاڑیوں میں فوراً ہی آگ بھڑک اٹھی۔ وہ بلا دھاڑتی ہوئی غصے سے ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

قامران کے لیے یہ ایک نئی مصیبت کھڑی ہو گئی تھی۔ اس کے لیے وہ بلا ہی کیا کم تھی کہ آفت آگ کی صورت میں اور نازل ہو گئی۔ اگر یہ بلا اسی طرح آنکھوں سے شعلے برساتی بڑھتی وہ وقت دور نہیں جب ساری بستی آگ کی لپیٹ میں آ جائے گی۔ کچھ کرنا چاہیے لیکن کیا کرتا۔ سوائے تیر چلانے کے اور کیا کیا جا سکتا تھا۔ قامران نے بڑھتی ہوئی بلا پر لگاتار چار پانچ تیر۔ اس بلا نے جواب میں زور زور سے دھاڑنا اور بستی کی طرف تیزی سے بڑھنا شروع کر دیا۔ آنکھیں برابر انگارے برسا رہی تھیں۔ آگ پھیلتی اور بڑھتی جا رہی تھی۔ بستی کے کچھ مکان اس لپیٹ میں آنے کو تھے۔ بلا پر تیروں کا خاطر خواہ اثر نہ تھا۔ قامران نے کوشش کر کے ایک تیر آنکھوں پر چلایا۔ تیر نشانے پر لگا۔ فضا میں اچانک گڑگڑاہٹ سی سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی نے دیکھا کہ بلا کی ایک آنکھ بجھ گئی ہے۔ اب وہ بڑی تیزی سے چیختی چنگھاڑتی بستی کی طرف اس کی ایک آنکھ سے آگ کی بارش ہو رہی تھی۔ قامران نے پھر ایک تیر کمان پر چڑھایا اور شعلے برساتی آنکھ کا نشانہ باندھا...... تیر خطا گیا کیونکہ کمان سے تیر نکلتے ہی اس بلا نے اپنا منہ تھا۔ وہ تیر اس کی کنپٹی میں پیوست ہو گیا۔ قامران نے پھر نشانہ لیا اور تیر چھوڑا۔ یہ تیر سیدھا اس شعلے برساتی آنکھ پر لگا۔ دوسری آنکھ بھی بجھ گئی اور ساتھ ہی ایک زوردار گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ دونوں آنکھیں بجھتے ہی ایک اچھی بات یہ ہوئی کہ اس بلا کا رخ بدل گیا۔ اب وہ بستی کی کی بجائے بستی کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ قامران نے قدرے سکون کا سانس لیا۔ اب بیٹھے رہنا فضول تھا کیونکہ وہ بلا تیزی سے آگے بڑھتی جا رہی تھی اور قامران کی طرف اس کی

”آؤ۔“ اس نے درخت پر لرزتے نوجوانوں کو حکم دیا۔

”کہاں؟“

”نیچے اترو...... ہم اس بلا کا پیچھا کریں گے۔“ قامران نے نیچے اترتے ہوئے جواب دیا۔

بادل ناخواستہ نوجوانوں کو بھی قامران کے ساتھ اترنا پڑا کیونکہ وہ خود کو بزدل کہلوانے کے تھے۔ قامران درخت سے نیچے اتر کر بڑی پھرتی سے اس عفریت کی طرف بڑھا۔ راستے میں آگ لگی ہوئی تھی۔ وہ بچتے بچاتے بڑے محتاط انداز میں بلا کا تعاقب کرنے لگے۔ آگے جا کر وہ پلٹ پڑی لیکن قامران کے تیروں نے اس کا رخ موڑ دیا۔ وہ پھر سے بستی کے متوازی چلنے

"قامران! اگر یہ بلا اسی طرح سیدھی چلتی رہے تو ابلتے پانی کے چشمے میں جا گرے چشمہ اتنا گہرا ہے کہ اس کا وہاں سے نکلنا مشکل ہو جائے گا۔ اس چشمے کا پانی اس قدر گرم ہے کہ دیر میں اس کی ہڈیوں کا بھی پتہ نہ چلے گا۔" قامران کے ساتھ چلتے ہوئے ایک نوجوان نے بتایا۔

"ٹھیک ہے...... میں کوشش کروں گا کہ یہ خطرناک بلا سیدھی چلتی رہے۔" قامران نوجوان کو تسلی دی۔

اب قامران نے محتاط انداز میں تیر چلانے شروع کر دیئے۔ وہ بلا اگر دائیں بائیں گھومنے کی کوشش کرتی تو وہ تیروں کے چابک سے اسے سیدھے راستے پر ڈال دیتا اور اپنے ساتھ والے نوجوان سے پوچھتا۔

"ہاں! کتنی دور اور ہے وہ چشمہ؟"

"بس تھوڑی دور اور۔" اسے جواب ملتا۔

آخر ابلتے پانی کا چشمہ آ پہنچا اور یہ بات قامران کو اس وقت معلوم ہوئی جب وہ بلا پانی کے چشمے میں جا گری۔ اس نے اچانک اس بلا کو زمین میں دھنستے دیکھا۔ قامران نے سمجھا وہ اب لیٹ کر رینگنا چاہتی ہے اور یہ صورتحال انتہائی سنگین ہو سکتی تھی کیونکہ وہ اس کے رینگنے کو دیکھ چکا تھا۔ زمین پر پھسلتی ہوئی وہ کہیں بھی جا سکتی تھی۔ خود قامران پر بھی حملہ آور ہو سکتی تھی اس صورت میں اس کے پاس بچاؤ کی کوئی صورت نہ ہوتی۔

قامران چلتے چلتے اچانک رک گیا اور کسی نزدیک کے درخت پر پناہ لینے کی سوچنے لگا ایک زوردار دھماکہ ہوا جیسے کوئی بہت اونچائی سے پانی میں گرا ہوا۔ تب قامران کو پتہ چلا کہ وہ پانی کے چشمے کی نذر ہو چکی ہے۔

"قامران...... وہ مارا۔" ادھر وہ نوجوان بھی خوشی سے دیوانہ ہو کر اس سے لپٹ گیا۔

قامران نے جلدی سے خود کو اس نوجوان کی گرفت سے آزاد کیا اور آگے کی طرف

"آؤ میرے ساتھ۔"

نیچے کہیں دور سے اس بلا کے دھاڑنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ابلتے پانی کا چشمہ گہرائی میں تھا۔ چشمے کے چاروں طرف بلند و بالا پہاڑیاں تھیں۔ وہ چشمہ ایک طرح سے کنواں اس ابلتے پانی کے کنویں سے اس عفریت کو راہ فرار ملنی آسان نہ تھی۔ چشمے کا پانی چاندنی میں طرح چمک رہا تھا اور وہ لمبی چوڑی بلا اس پانی میں اچھلتی ہوئی کسی بچے کی مانند دکھائی دے قامران بڑے غور سے اس عفریت کو پانی میں ابھرتے ڈوبتے' چیختے چلاتے دیکھ رہا تھا۔ اذیت میں تھی اور قامران کا دل مسرت سے جھوم رہا تھا۔

تھوڑی دیر میں پوری بستی ابلتے پانی کے چشمے پر امنڈ آئی۔ بلا کے تڑپنے کا نظارہ لوگوں کو دیکھنے کو ملا۔ وہ پانی جانے وہ تیل تھا یا پانی جو کچھ بھی تھا' اتنا گرم تھا کہ چند منٹوں میں اچھل کود' چیخنا چلانا ختم ہو گیا۔ اس کی ہڈیاں تک پگھل کر پانی ہو گئیں۔

بستی کے لوگ بہت دیر تک اس جگہ کا نظارہ کرتے رہے جہاں وہ بلا گری تھی کرنے والوں میں سردار ونشا اور سہاتا بھی شامل تھے۔

"نوجوان' تم بہت عظیم ہو۔" سردار ونشا نے خوشی سے اس کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"عظیم صرف سارٹی دیوتا ہے اور میں اس کی خاک ہوں۔" قامران نے بڑی انکساری سے

"ہمارے لیے' اس بستی کے لیے تم خود کسی دیوتا سے کم نہیں...... تم نے اس بستی کو ایک بڑے عذاب سے بچایا' ہم اس کا کوئی صلہ تمہیں نہیں دے سکتے۔" پھر سردار ونشا نے اپنے پاس کھڑے ایک آدمی کو حکم دیا۔ "جاؤ' اس خوشی میں کل جشن کا اعلان کر دو۔"

وہ شخص حکم سن کر بستی والوں کی طرف چلا گیا۔

"آؤ قامران' اب گھر چلیں۔" سہاتا نے قامران کے نزدیک آتے ہوئے کہا۔

"ہاں' اب تو چلنا ہی چاہیے۔" قامران نے تیر کمان سے نکال کر ترکش میں رکھتے ہوئے

سہاتا نے گھر پہنچ کر جلدی جلدی قامران کا بستر درست کیا اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتی ہوئی بھوک تو نہیں لگی؟"

"نہیں بھوک تو نہیں لگی۔ البتہ میرا جسم ضرور تھکا تھکا سا ہو رہا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ تم مجھے شربت بنا کر پلا دو۔" قامران نے بستر پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ کالا شربت پینے کا وقت نہیں!" سہاتا اس کے نزدیک آتے ہوئے بولی۔

"کیوں...... رات میں شربت نہیں پیا جا سکتا کیا؟"

"تم ٹھیک سمجھے...... اس شربت کو صرف دن کی روشنی میں پیا جا سکتا ہے۔"

"اگر کوئی رات میں پی لے تو؟" قامران نے سوال کیا۔

"عین ممکن ہے کہ وہ اندھا ہو جائے۔" سہاتا نے انکشاف کیا۔

"کمال ہے۔" اس انکشاف نے اسے حیرت میں ڈال دیا۔

پھر قامران کو اچانک خیال آیا کہ کل رات سہاتا نے کسی ایسی چیز کا ذکر کیا تھا جسے خطرے کے وقت استعمال کر کے وہ خود کو ہلاک کر سکتی تھی لیکن بظاہر اس کے پاس کوئی چیز نہ تھی۔ قامران نے سوچا کہ اس چیز کے بارے میں سہاتا سے استفسار کیا جائے۔ ممکن ہے وہ کچھ بتا دے۔

"سنو سہاتا۔" قامران نے لب کھولے۔ "کل تم مجھے وہ ہلاکت خیز چیز دکھائے بنا ہی غائب ہو گئی تھیں۔ اب اگر مناسب سمجھو تو وہ چیز مجھے دکھاؤ۔ کیا وہ اب بھی تمہارے پاس ہے؟"

"ہاں...... ہے۔" سہاتا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میرے بالوں میں لگا یہ سفید پھول دیکھ رہے ہو؟"

"ہاں' دیکھ رہا ہوں...... بہت خوبصورت پھول ہے۔"

"ہاں' خوبصورت تو ہے لیکن ہلاکت خیز بھی۔ اسے میں بالوں سے نکال کر اگر منہ میں رکھ لوں تو موت سے ہمکنار ہونے میں صرف چند لمحے لگیں۔"

"لیکن کل رات تو یہ پھول تمہارے بالوں میں نہ تھا۔" قامران نے پوچھا۔

"کل رات اگر یہ پھول میرے بالوں میں نہ تھا تو میرے گلے میں ایک موتیوں کی مالا تو

تھی.....اس مالا کے ایک موتی پر زہر لگا ہوا تھا۔ ادھر میں اس موتی کو زبان پر رکھتی ادھر جان سے دھو بیٹھتی۔"

"چلو اچھا ہوا جو تم نے پھول کے بارے میں بتا دیا۔ اب میں تمہیں مرنے نہ دوں اور......" قامران نے سپاتا کو شرارت سے دیکھا۔

"تم جیسے مہمان کی موجودگی میں مجھے کوئی خطرہ نہیں......اسی لیے تو میں نے تمہیں بتا دیا۔" سپاتا نے بڑے اعتماد سے کہا۔

پتہ نہیں اس جملے میں قامران کی تعریف پوشیدہ تھی یا طنز۔

پھر سپاتا اچانک ہی بستر سے اٹھ گئی اور قامران سے بولی۔ "اب تم میرے ہاتھوں کا دیکھو......اگر یہ ہاتھ کالے شربت سے زیادہ راحت افزا ثابت نہ ہوں ......پھر کہنا۔"

قامران اتنا تھکا ہوا تھا کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی سپاتا کو منع نہ کر سکا۔ وہ آرام سے پاؤں ڈھیلے چھوڑ کر لیٹ گیا۔

سپاتا نے کچھ دیر اس کے سر کی مالش کی۔ پھر اس کی گردن کی رگیں ٹٹولنے لگی۔ سپاتا انگلیوں میں واقعی سکون اور راحت بھری ہوئی تھی۔ وہ سکون اور راحت اس کے جسم کے مساموں اترتی جا رہی تھی۔ وہ بڑی آسودگی سے آنکھیں بند کیے لیٹا تھا۔ سپاتا کو ہاتھوں کا کرتب دکھاتے ہوئے چند منٹ ہوئے ہوں گے کہ قامران کے خراٹے گونجنے لگے۔ سپاتا نے مسکرا کر اپنے ہاتھ کھینچ اور زمین پر لیٹ کر آرام سے سو گئی۔

صبح جب قامران کی آنکھ کھلی تو سپاتا حسب معمول جا چکی تھی۔ اس نے لیٹے لیٹے زوردار انگڑائی لی اور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ کھلی کھڑکی سے اس نے باہر جھانکا۔ خلاف توقع باہر خاصی تھی۔ بستی کے مرد اور عورتیں رنگ برنگے کپڑے پہنے ادھر سے ادھر بھاگے پھر رہے تھے۔ بچے کھیل میں مصروف تھے۔ ان کے چہرے خوشی سے جگمگا رہے تھے۔ شاید وہ جشن کی تیاریوں میں مصروف عفریت سے نجات کا جشن۔ بستی والوں کے ہنستے مسکراتے چہرے دیکھ کر خود قامران بھی خوشی سے اٹھا۔

"کیا دیکھ رہے ہو باہر؟" پیچھے سے کسی کی آواز آئی۔

قامران نے مڑ کر دیکھا تو سپاتا کو گلاب کے پھول کی طرح کھلا ہوا پایا۔

"اس کھڑکی سے باہر بکھرے ہوئے رنگوں کو دیکھ رہا تھا۔" قامران بولا۔

"ہاں۔ اس بستی کے لوگ آج بہت خوش ہیں اور یہ خوشی انہیں تمہاری بدولت ہے۔" سپاتا نے کہا۔

قامران نے جواب میں کچھ نہ کہا اور وہ کہتا بھی کیا۔ پھر وہ نہا دھو کر اور کچھ کھا پی کر گھر سے باہر نکلا۔ اس کے ساتھ سپاتا بھی تھی۔ قامران نے گھر سے نکلتے ہی اس کا ہاتھ تھام لیا تھا تاکہ کل کی طرح پھر ناراض نہ ہو جائے۔ وہ دونوں بستی میں بڑی دیر تک گھومتے رہے۔ وہ جدھر بھی جاتے بستی والے انہیں گھیر لیتے۔ ہر شخص قامران کو قریب سے دیکھنے کی کوشش کرتا۔ بعض بچوں نے اسے چھو کر دیکھنے کی بھی کوشش کی۔ قامران نے بستی کے کئی بچوں کو اٹھا کر پیار کیا جس پر بستی

والوں نے خوشی سے تالیاں بجائیں۔ وہ بستی کی بڑی بوڑھیوں کی دعا لیتا' جوان دوشیزاؤں کو اپنا جلوہ دکھاتا' ابلتے پانی کے چشمے کی طرف چل دیا۔ چشمے پر ابھی تک لوگ جمع تھے۔ قامران کو دیکھ کر انہوں نے خوشی سے نعرے لگائے اور اس کے لیے جگہ چھوڑ دی۔ قامران آگے بڑھ گیا۔ نیچے گہرائی میں چشمے کا پانی چمک رہا تھا۔ پانی میں لہریں سی اٹھ رہی تھیں۔ بڑے بڑے بلبلے بن رہے تھے اور ہلکی ہلکی سنسناہٹ کی آواز آ رہی تھی اور وہاں کچھ نہ تھا۔ قامران نے اگر خود اپنی آنکھ سے اس عفریت کو نیچے گہرائی میں گرتے ہوئے نہ دیکھ لیا ہوتا تو اسے اس وقت ہرگز یقین نہ آتا کہ واقعی وہ بلا اس پانی میں غرق ہو چکی ہے۔

بعد دوپہر جشن شروع ہوا۔ اس جشن کا مہمان خصوصی قامران تھا۔ اسے سردار ونشا کے گھر سے ڈھول تاشوں کی گونج میں جشن کے مقام پر لے جایا گیا اور سب سے اونچی جگہ بٹھایا گیا۔ پھر سردار ونشا کے اشارے پر سات نوجوان لڑکیاں ایک سنہری تھال پکڑے قامران کی طرف بڑھیں۔ وہ سنہری تھال ایک سرخ ریشمی رومال سے ڈھکا ہوا تھا۔ سردار ونشا اور قامران کے نزدیک پہنچ کر ان لڑکیوں نے ایک دم تھال چھوڑ دیا۔ قامران چونک اٹھا۔ اس کا خیال تھا کہ تھال زمین پر گرے گا اور اس پر رکھی ہوئی چیز اچھل کر دور جا گرے گی۔ لڑکیوں کے تھال چھوڑنے کے باوجود وہ زمین پر نہ گرا۔ اس لیے کہ وہ تھال سپاتا کے سر پر رکھا تھا اور وہ نظر یوں نہ آئی تھی کہ چاروں طرف سے لڑکیوں میں گھری ہوئی تھی۔ سپاتا جو زرق برق لباس پہنے تھی' اس نے مسکرا کر قامران کو دیکھا اور تھال اپنے سر سے اتار کر ہاتھوں پر لے لیا۔ اب سردار ونشا آگے بڑھا۔ اس نے تھال سے اس سرخ رومال کو بڑی احتیاط سے ہٹایا۔ تھال میں رنگ برنگے کپڑوں سے بنا ایک تاج رکھا تھا۔ اس تاج میں کئی جگہ ہیرے بھی جگمگا رہے تھے۔ قامران اس تاج کو بڑی دلچسپی سے دیکھنے لگا۔

سردار ونشا نے وہ تاج تھال سے اٹھایا اور قامران کے سر پر رکھ دیا۔ تاج سر پر رکھتے ہی چاروں طرف سے ڈھول پیٹے جانے کی آوازیں آنے لگیں۔ چند لوگوں نے میدان میں اتر کر رقص کرنا شروع کر دیا کہ اچانک سردار ونشا کا اشارہ ہوا...... ہر سو خاموشی چھا گئی۔ بستی کے لوگ سردار ونشا کی بات سننے کے لیے بے تاب ہو گئے۔

"بستی کے لوگو!......اس نوجوان قامران نے ہم پر وہ احسان کیا ہے کہ ہم صدیوں تک اس کا احسان نہیں اتار سکتے۔"

یہاں قامران نے کچھ بولنے کی کوشش کی لیکن سردار ونشا نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا اور اپنی بات جاری رکھی۔

"میں اس خوشی کے موقع پر قامران کو سات دن کے لیے اس بستی کا سردار بنا رہا ہوں۔" یہ کہہ کر سردار ونشا نے اپنے سر سے تاج اتار لیا۔ "اسی لمحے سے یہ تمہارا سردار ہے۔ تم لوگ اس کا ہر حکم مانو گے اور وہی عزت و احترام دو گے جو مجھے دیتے آئے ہو۔"

ایک مرتبہ پھر ڈھول پر ہاتھ پڑے اور فضا ڈھولوں کی آواز سے گونج کر رہ گئی۔

قامران نے جب دونوں ہاتھ اٹھا کر لوگوں کو خاموش رہنے کا حکم دیا تو انہوں نے فوراً ہی اس کے حکم کی تعمیل کی۔ ڈھول سے اپنے ہاتھ کھینچ لیے۔

''بستی کے پیارے لوگو۔'' قامران نے کہنا شروع کیا۔ ''سردار ونشا نے مجھے جو اعزاز بخشا ہے اس کی میں دل سے قدر کرتا ہوں۔ تمہارا سردار بڑا عظیم آدمی ہے۔ میں نے اب تک کوئی ایسا حکمراں نہیں دیکھا جو اپنی سرداری چاہے سات دن کے لیے سہی اس طرح چھوڑ دے۔ مجھے اس بستی کا سردار بنا کر سردار ونشا نے یقیناً فراخدلی کا ثبوت دیا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ سر پر تاج رکھنا اس دنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔ میں ایک آوارہ گرد نوجوان اس کانٹوں بھرے تاج...... آپ کو یقیناً اس میں ہیرے دکھائی دے رہے ہوں گے لیکن میرے لیے یہ ہیرے کانٹے بن گئے ہیں تو میں کہہ رہا تھا کہ میں ایک آوارہ گرد نوجوان اس بھاری بوجھ کو اپنے سر پر نہیں اٹھا سکتا' لہٰذا پورے عزت و احترام کے ساتھ میں یہ محبت بھرا تحفہ تمہارے سردار کو لوٹا رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر قامران نے بڑی تیزی سے اپنے سر سے تاج اتارا اور سردار ونشا کے سر پر رکھ دیا۔

سردار ونشا ''نہیں' نہیں'' کرتا رہ گیا۔

پھر سباتا نے قامران کا ہاتھ پکڑا اور نیچے میدان میں لے آئی۔ اسے میدان کے درمیان میں کھڑا کر دیا۔ قامران کے درمیان میں کھڑے ہوتے ہی ڈھول تاشوں کی آواز سے کان پھٹنے لگے۔

اب بستی کی ایک ایک دوشیزہ آتی گئی۔ وہ ڈھول کی تھاپ پر رقص کرتی ہوئی قامران کے گرد تین چکر لگاتی اور اپنے تھال میں رکھے ہوئے پھلوں کو اس کے قدموں میں ڈھیر کرتی چلی جاتی۔ پھولوں کی جگہ پھلوں کا نذرانہ اس بستی کی رسموں کے عین مطابق تھا۔ تھوڑی دیر میں قامران کے قدموں میں پھلوں کا ڈھیر لگ گیا اور پھلوں کی آمد جاری تھی۔ جب سباتا پھلوں سے تھال سجائے رقص کرتی ہوئی اس کی طرف بڑھی تو قامران گھٹنوں تک پھلوں میں دھنس چکا تھا۔ سباتا نے تین کی بجائے سات چکر اس کے گرد لگائے اور پھر اپنا تھال اٹھانے کے بجائے اس نے تھال سے ایک پھل اٹھایا اور قامران کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''کھاؤ۔''

قامران نے پھل اس کے ہاتھوں سے لینا چاہا تاکہ آرام سے کھا سکے لیکن سباتا نے اسے پھل نہ دیا۔ ہنستے ہوئے بولی۔ ''میرے ہاتھ سے۔''

قامران نے اپنے دونوں ہاتھوں سے سباتا کا پھل والا ہاتھ پکڑ لیا اور پھل میں منہ مار کے بولا۔ ''بس۔''

''ہاں' بس۔'' سباتا نے اس پھل کو فضا میں اچھالتے ہوئے کہا۔

پھل کے فضا میں اچھلتے ہی کئی لڑکیاں اس کی طرف لپکیں' آخر ایک لڑکی کے ہاتھ میں وہ کترا ہوا پھل آ ہی گیا۔ وہ مزے سے کھاتی ہوئی ایک طرف بھاگ گئی۔

اب سباتا نے اپنے تھال میں رکھے ہوئے ایک ایک پھل کو قامران کو کھلانا اور فضا میں اچھالنا شروع کیا۔ لڑکیاں ان پھلوں کو لپکتی گئیں۔ وہ پھل بہت رسیلا اور بہت میٹھا تھا۔ قامران کو اس کھیل میں مزہ آنے لگا۔

آخر میں جب ایک پھل رہ گیا تو سباتا نے ڈھول کی تھاپ پر رقص کرتے ہوئے قامران کے گرد تین چکر لگائے اور اس کے ساتھ آ کر کھڑی ہو گئی۔

پھل تھال سے اٹھا کر اس نے قامران کی طرف بڑھایا اور اپنے گلابی ہونٹوں کو حرکت دیتے

ہوئے بولی۔

''اب میرے لیے کھاؤ۔''

''لاؤ کھلاؤ۔'' قامران نے منہ کھولتے ہوئے کہا۔

ابھی قامران نے پھل میں منہ مارا ہی تھا کہ ایک شخص دوڑتا ہوا میدان میں داخل ہوا اور چیخا۔ ''سردار غضب ہو گیا۔''

سردار ونشا یہ سن کر کھڑا ہو گیا۔

سباتا پھل کھاتے کھاتے رک گئی۔

ڈھول تاشوں کی آوازیں اچانک معدوم ہو گئیں۔ فضا میں ٹھہراؤ سا آ گیا۔

''کیا ہوا؟'' سردار ونشا نے پوچھا۔

''سردار' سرخ چہرے والوں نے ہماری بستی کا ایک گھر لوٹ لیا۔'' وہ شخص ہانپتا ہوا بولا۔

''کیا بکواس کر رہے ہو؟...... یہ سرخ چہرے والے کہاں سے آ گئے؟''

''سردار معلوم نہیں...... وہ گھوڑوں پر سوار ہیں۔ ہاتھوں میں ننگی تلواریں لیے...... خالی بستی والے گھروں کو لوٹتے پھر رہے ہیں۔'' وہ شخص ابھی تک بدحواس تھا۔

سردار ونشا نے میدان میں پہنچ کر قامران کو ساری صورتحال بتائی اور بولا۔ ''پتہ نہیں کون بستی میں گھس آئے ہیں۔''

قامران نے خود کو پھلوں کے ڈھیر سے نکالا اور بستی کی طرف بھاگا۔

''آؤ' دیکھیں۔''

قامران اور سردار ونشا نے دوڑنا شروع کیا...... پیچھے ساری بستی۔

قامران کو یہ جان کر بڑی حیرت ہوئی کہ ادھیڑ عمر سردار دوڑ میں اس سے کئی ہاتھ آگے تھا۔

دوڑ جاری تھی کہ سامنے سے دھول اڑتی ہوئی دکھائی دی۔

ننگی تلواریں دور ہی سے چمک رہی تھیں۔ اس شخص نے ٹھیک ہی اطلاع دی تھی' وہ واقعی سرخ چہرے والے تھے اور گھوڑوں پر سوار' چیختے چلاتے بستی کے لوگوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ وہ تعداد میں چالیس سے کم نہ تھے۔

ان سرخ چہرے والے لٹیروں کو دیکھ کر قامران کا ہاتھ فوراً گلے کی طرف گیا لیکن اس کے تیر کمان کہاں تھے۔ تیر کمان تو سردار کے گھر تھے۔ یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ اس بستی میں اسے تیر کمان استعمال کرنے کی بھی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ اسے اپنے سے زیادہ ان لوگوں کی فکر تھی...... یہ امن پسند انسان' سیدھے اور بے ہتھیار لوگ ان لٹیروں سے کیسے نمٹیں گے؟

چند لمحوں بعد وہ سرخ چہرے والے لٹیرے ان کے سروں پر آ پہنچے اور انہوں نے بے دریغ لوگوں پر اپنے گھوڑے چڑھا دیے۔ کئی لوگ ٹاپوں تلے کچلے گئے۔

ان سرخ چہرے والے گھڑ سواروں نے بستی کے لوگوں کا محاصرہ کر لیا۔ اس حصار میں قامران نہیں تھا۔ وہ چشم زدن میں خود کو جھاڑیوں کے پیچھے روپوش کر چکا تھا اور سانسیں روکے ان لٹیروں کی چال دیکھنے لگا۔

ایک گھڑسوار جو چہرے مہرے سے ان لٹیروں کا سردار دکھائی دیتا تھا' اپنا گھوڑا دوڑ سردار ونشا کی طرف بڑھا اور اس کے نزدیک پہنچ کر اس نے زور سے اپنے گھوڑے کی لگام کھینچی۔ ہنہنا کر دو پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔ اگر سردار ونشا اپنی جگہ سے ہٹ نہ جاتا تو گھوڑے کی ٹاپیں سیدھی اس کے سینے پر پڑتیں۔

"بڈھے طوطے' مجھے جانتے ہو؟" اس گھڑسوار نے اکڑ کر پوچھا۔

"نہیں۔" سردار ونشا نے سادگی سے گردن ہلائی۔

"بڈھے طوطے...... تم مجھے نہیں جانتے تو اب جان لو...... میرا نام ماروف ہے اور کام امن پسند بستیوں پر حملے کر کے اپنی دھاک بٹھانا...... اب تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ اپنی بستی کی لڑکیوں کو خاموشی سے ہمارے حوالے کر دو۔ اس بستی کے گھروں کو ہم پہلے ہی کھنگال چکے ہیں۔ اگر نے ہمارا حکم نہ مانا تو ہمیں منوانا بھی آتا ہے...... یہ بات فوراً ذہن نشین کر لو۔" ماروف نے تلوار لہراتے ہوئے کہا۔

"ہم امن پسند لوگ ہیں۔ اس بستی میں آج تک خون نہیں بہا۔ تم ہم پر ظلم نہ کرو' تمہاری بڑی مہربانی ہوگی۔" سردار ونشا نے التجا کی۔

"بے وقوف سردار...... ہم مہربانی جیسے کسی احمقانہ لفظ سے واقف نہیں۔ ہمارے حکم پر عمل کرو...... اگر تم نے خود اس بستی کی حسین لڑکیاں ہمارے حوالے نہ کیں تو ہم زبردستی اٹھا لے جائیں گے اور کسی نے ہماری راہ میں حائل ہونے کی کوشش کی تو اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ اگر اپنی بستی کے نوجوانوں کو بچانا چاہتے ہو تو میرے حکم پر فوراً عمل کرو۔ میں دس تک گنتی گنتا ہوں۔ اگر تمہارا جواب اقرار میں نہ ہوا تو میری تلوار اٹھ جائے گی۔" ماروف نے یہ کہہ کر گنتی شروع کر دی۔

"ایک...... دو...... تین...... چار۔" پھر وہ چند لمحوں کے لیے رکا۔

قامران ان لٹیروں کے عزائم جان کر چھپتا چھپاتا بستی کی طرف بھاگ رہا تھا۔ وہ جلد اپنی تیر کمان حاصل کر لینا چاہتا تھا تاکہ اگر ساری لڑکیوں کو نہیں تو چند لڑکیوں کو اغوا ہونے سے بچا سکے۔

لٹیرا ماروف گنتی میں لگا ہوا تھا۔ اسے قامران کی نقل و حرکت کے بارے میں ذرا بھی علم نہ ہوا۔

"پانچ...... چھ...... سات...... آٹھ...... نو۔" کہہ کر ماروف نے سردار ونشا کی طرف دیکھا۔

سردار ونشا عجیب تذبذب کے عالم میں تھا۔ نہ تو وہ خود سے اپنی بستی کی بیٹیوں کو اس کے حوالے کر سکتا تھا اور نہ ہی اس میں بستی کے نوجوانوں کے سر قلم کروانے کی ہمت تھی۔

"دس۔" سردار ونشا کی طرف سے ہاں یا ناں میں کوئی جواب نہ ملا تو ماروف نے تلوار لہرا کر گھوڑا بڑھایا اور چیخ کر بولا۔ "جس کو جو لڑکی اچھی لگے' اٹھا لے۔"

بس پھر کیا تھا' چند لمحوں میں فضا آہ و فغاں اور چیخ و پکار سے بھر گئی۔ ماروف سباتا کی طرف بڑھا جو اپنے باپ سے چمٹی ہوئی تھی۔ اس خبیث نے باپ سے بیٹی چھیننی چاہی۔ نہتے باپ نے مزاحمت کی اور سباتا کا ہاتھ کس کر پکڑ لیا۔ تب ہی تلوار کا وار ہوا اور سردار ونشا کا بازو اس کے جسم سے الگ

ہو گیا۔ چشم زدن میں اس نے سباتا کو گھوڑے پر پھینکا اور کوچ کا حکم دیا۔

"چلو۔"

چند لمحوں میں وہ سرخ چہرے والے لٹیرے دھول اڑاتے بستی سے دور ہو گئے۔

جب قامران تیر کمان سے لیس ہو کر واپس آیا تو اسے سوائے المناک منظروں کے کچھ نہ دکھائی دیا۔ کئی بھائی اپنی بہنوں کو بچانے کی خاطر اپنے سر قلم کروا بیٹھے تھے۔

سردار ونشا اپنے کٹے ہوئے بازو پر ہاتھ رکھے بت بنا بیٹھا تھا۔ بستی کے لوگوں کی حالت دیکھ کر غصے سے اس کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ اس کا بے اختیار جی چاہا کہ وہ ان لٹیروں کے تعاقب میں جائے اور انہیں جہنم رسید کر کے ہی واپس آئے...... لیکن وہ ایسا کرنے سے قاصر تھا۔ وہ لٹیرے اس کی گھوڑی کو بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ وہ بے بس ہو کر زمین پر بیٹھ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ وہ ان بیٹیوں کے باپوں کو اور ان بہنوں کے بھائیوں کو جنہیں وہ لٹیرے اٹھا کر لے گئے تھے' کس طرح تسلیاں دے۔

پھر اسے خیال آیا کہ یہ سب اتنی آسانی سے اس لیے ہو گیا کہ بستی والے نہتے تھے۔ ان کی امن پسندی ان کے لیے ذلت کا سامان بن گئی۔

یہ سوچ کر وہ ایک نئے عزم کے ساتھ اٹھا اور ایک اونچی سی جگہ کھڑے ہو کر اس نے بستی والوں کو پکارا۔

"بستی والو...... ذرا میری سنو۔"

قامران کی آواز دور تک پھیلتی چلی گئی۔ بستی کے لوگ آہستہ آہستہ اس کے قریب اکٹھا ہونے لگے۔ جب بستی کے تمام لوگ اس کے گرد اکٹھا ہو گئے تو اس نے کہنا شروع کیا۔

"بستی والو! دیکھ لیا اپنی امن پسندی کا انجام...... امن پسندی بہت اچھی چیز ہے لیکن ایسی امن پسندی کا کیا فائدہ جو آدمی کے لیے موت کا کنواں بن جائے۔ اپنی عزت بچانے اور اپنے غصب شدہ حق کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے ہتھیار اٹھانا گناہ نہیں...... کسی دیوتا نے اپنی حفاظت کے لیے ہتھیار اٹھانے اور رکھنے کو منع نہیں کیا یا کیا ہے تو بتاؤ؟" قامران نے بستی والوں سے پوچھا۔

"نہیں کسی نے نہیں۔" آواز آئی۔

"پھر تم نے اپنی بستی کو ہتھیاروں سے خالی کیوں کر رکھا ہے؟ آج تمہارے پاس ہتھیار ہوتے تو اتنی آسانی سے تمہارا مال و دولت' تمہاری بہن بیٹیاں دشمن چھین کر نہ لے جاتا...... یا لے جاتا؟" پھر سوال ہوا۔

"نہیں' ہرگز نہیں۔" جواب آیا۔

"تو میرے دوستو۔ تم ہتھیار کیوں نہیں بناتے...... بستی والو! ساری دیوتا کے نیے ہتھیار بناؤ اٹھاؤ...... غاصب نہ بنو' محافظ بنو۔ محافظ بننے میں کوئی حرج نہیں' ہاں غاصب بننے میں حرج ہے۔"

"ہم ہتھیار کیسے بنائیں...... ہمیں ہتھیار بنانے نہیں آتے۔"

"میں تمہیں ہتھیار بنانا سکھاؤں گا...... ایک بہت آسان ہتھیار اور بڑے کام کا۔" قامران نے عزم سے کہا۔ "کل صبح اس بستی کے سارے نوجوان یہاں اکٹھے ہو جائیں تاکہ کام کا آغاز کر لیا

جا سکے۔"

"ٹھیک ہے......اب ہم ہتھیار بنائیں گے' ہتھیار چلائیں گے۔ ہمیں کوئی نہیں روک
نوجوان اچانک جوش میں آ گئے۔

پھر قامران نے سردار ونشا کو اپنے ساتھ لیا اور بستی کی طرف بڑھنے لگا۔ بستی کا برا حال
لٹیروں نے ہر گھر کے بخیے ادھیڑ ڈالے تھے۔ گھروں کا سامان اوندھا سیدھا گھروں کے باہر پڑا تھا۔

قامران نے وہ رات کانٹوں پر گزاری۔ سباتا کی خدمت گزاری اسے رہ رہ کر یاد آ
تھی۔

آدھی رات کو اچانک کسی گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی۔ قامران نے تڑپ کر
کمان سنبھال لی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

کمرے کے دروازے پر ابلا کھڑی تھی۔

وہ بھاگ کر باہر نکلا۔ اس نے ابلا کے پورے جسم پر ہاتھ پھیر کر دیکھا۔ گھوڑی کے کوئی
نہ تھا۔ شاید وہ دشمنوں سے رسہ تڑوا کر بھاگ آئی تھی۔

صبح کے وقت قامران کی ابھی آنکھ ہی لگی تھی کہ اس نے دروازے پر کچھ شور کی آواز
کوئی باہر دروازے پر کھڑا سردار ونشا کو پکار رہا تھا۔

"سردار جلدی باہر آؤ......بستی کے باہر بہت سی لاشیں پڑی ہیں۔"

☆......☆......☆

لاشوں کا ذکر سن کر قامران کی نیند ہوا ہو گئی۔ وہ آنکھیں ملتا ہوا اچھل کر کھڑا ہو گیا اور باہر
بھاگا۔ کمرے سے نکلا تو اسے سردار ونشا نظر آیا۔ وہ بڑی نقاہت سے لڑکھڑاتا ہوا آ رہا تھا۔
لے بازو کٹے سردار کو آگے بڑھ کر سہارا دیا اور بولا۔ "تم آرام کرو سردار......میں باہر دیکھے لیتا
ہے۔"

"نہیں۔" سردار ونشا نے بڑے عزم سے کہا۔ "میں چل سکتا ہوں۔"

"سردار' بستی کے باہر لاشیں کس کی ہو سکتی ہیں؟" قامران نے پوچھا۔

"میں اپنی بستی کی بیٹیوں کو جانتا ہوں۔" سردار کے ہونٹوں پر پھیکی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ
ہاتھ پھیرتا تیز تیز دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

قامران کی سمجھ میں سردار ونشا کا جواب نہ آیا لیکن اس نے مزید استفسار کرنا مناسب نہ
نے سوچا شاید سباتا کے غم نے سردار ونشا کی دماغی حالت ابتر کر دی ہے۔ باہر کئی نوجوان
سردار ونشا کو دیکھ کر وہ بے قرار ہو گئے۔

"سردار......بستی کے باہر لاشیں......" ایک نوجوان نے لب کھولے۔

"خاموش ہو جاؤ۔" سردار ونشا اچانک چیخا۔ نوجوان سہم کر پیچھے ہٹ گیا۔ تب سردار پھر گویا
ت بتاؤ......وہ لاشیں کس کی ہیں؟ میں جانتا ہوں' وہ لاشیں کس کی ہوں گی......آؤ میرے

سردار تم زخمی ہو' تم آرام کرو۔ میں جا کر دیکھ آتا ہوں۔" قامران نے ایک مرتبہ پھر اسے
... کی۔

"سردار ونشا کا بازو کٹا ہے۔ اس کی ٹانگیں سلامت ہیں۔ وہ اپنی ٹانگوں پر چل کر جائے گا
...دار کے لہجے میں عجیب وحشت تھی۔ اس پر جنونی سی کیفیت طاری تھی۔ پھر قامران نے
اختیار کر لی اور چپ چاپ ان کے ساتھ ہو لیا۔ بستی کے باہر جب قامران نے ان لاشوں
...دار کا وہ جواب کہ میں اپنی بستی کی بیٹیوں کو جانتا ہوں' فوراً سمجھ میں آ گیا۔ سردار ونشا کا
...جانتا ہوں' وہ لاشیں کس کی ہوں گی۔ اب کھل کر قامران کے سامنے آ گیا تھا۔

...ق سے ابھرتے لال گولے کے پیش منظر وہ لاشیں عجیب لگ رہی تھیں۔ یہ لاشیں بستی
...جنہیں وہ سرخ چہرے والے درندے اٹھا کر لے گئے تھے۔ ہر لاش کے چہرے پر
...اور ان کے منہ میں سفید پھول دبا ہوا تھا۔ اس بستی کی دوشیزاؤں کو اپنی حفاظت کر لی
...نے زہریلے پھول چبا کر اپنی زندگی میں زہر گھلنے سے خود کو بچا لیا تھا۔ موت سے

ہمکنار ہو کر اپنے باپ اور بھائیوں کے سر فخر سے بلند کر دیئے تھے۔ سردار ونشا اپنی بستی کی
ہی جانتا تھا۔ انہیں دوشیزاؤں میں سہاتا بھی تھی۔ اس کی لاش دیکھ کر سردار ونشا اپنے آنسو ضبط
اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھ کر قامران کے دل پر چوٹ سی لگی۔ اس کا جی چاہا کہ وہ
سوار ہو کر ان درندوں کی تلاش میں نکل جائے اور اپنے تیروں سے جنتوں کے سینے چھلنی
دے۔

قامران نے بڑی آہستگی سے سردار ونشا کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا اور اسے لاشوں کے
ہٹا لایا۔

''سردار دکھ کو جتنا بڑھاؤ گے بڑھتا ہی جائے گا...... جتنے آنسو بہاؤ گے وہ اور نکلیں
گے۔ ذرا ضبط کرو' تھوڑا صبر سے کام لو۔'' قامران نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔

''ہاں' تم ٹھیک ہی کہتے ہو...... جو ہو گیا' وہ ہو گیا...... میری چاند سی سہاتا اب مجھے کبھی
نہ مل سکے گی۔ میرا جی چاہتا ہے کہ ان درندوں کو چیر کر رکھ دوں۔'' سردار ونشا کا غم غصے میں ڈھل
گیا۔

''سردار ونشا...... فکر نہ کرو۔ ہم سب مل کر ان ظالموں سے انتقام لیں گے۔'' قامران
اس کے زخموں پر پھاہا رکھنے کی کوشش کی۔

قامران کی خواہش تھی کہ بستی کے لوگوں تک اس بات کے پہنچنے سے پہلے ہی ان
ٹھکانے لگا دیا جائے تاکہ دکھ کے بادل ابھی کچھ عرصے اور تھمے رہیں۔ قامران نے اپنے اس
اظہار سردار ونشا سے کیا تو اس نے قامران سے مکمل اتفاق کیا۔ تب قامران نے ان تینوں نو
سختی سے ہدایت کی کہ وہ ان لاشوں کا ذکر بستی میں نہ کریں...... اور پھر وہ لوگ رسم کے مطابق
جلدی ان لاشوں کو ابلتے پانی کے چشمے کے حوالے کرنے لگے۔ لاشوں کو ٹھکانے لگانے کے بعد
نے بستی کے تمام نوجوانوں کو اکٹھا کیا اور کالے جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔

قامران کو جلد ہی احساس ہو گیا کہ اس نے ابلا کو چھوڑ کر غلطی کی ہے۔ اس کا خیال تھا
بستی کے نوجوانوں کے ساتھ آرام سے کالے جنگل تک پہنچ جائے گا لیکن اسے یہ اندازہ
گھوڑے پر سوار ہو کر سفر کرنا اور بات ہے اور ''گھوڑوں'' کے ساتھ ساتھ بھاگنا بالکل مختلف
تین منزلوں تک تو قامران بڑی آسانی سے ان کے ساتھ دوڑتا رہا۔ پھر اس کی رانیں بھاری
لگیں جبکہ بستی کے دوسرے نوجوان بڑے مزے سے ہنستی مذاق کرتے تیز رفتاری سے دوڑ
رہے تھے۔ بعض وقت جب قامران کافی پیچھے رہ جاتا تو وہ سارے کے سارے رک جاتے
جب برابر آ جاتا تو وہ نعرے لگاتے پھر سے بھاگنا شروع کر دیتے۔ آخر نوبت یہاں تک
قامران کو بھاگنا دوبھر ہو گیا۔ اب وہ دوڑنے کے بجائے تیزی سے چلنے لگے۔ اس موقع پر
گھوڑی شدت سے یاد آئی۔ قامران کی تھکن کا احساس کر کے ان نوجوانوں نے آپس میں کچھ
پھر ایک نوجوان قامران کی طرف بڑھا اور اس نے قامران کو کچھ بتائے بغیر اسے کندھے پر ا
قامران ''نہیں' نہیں'' کرتا رہ گیا۔

اب نوجوانوں نے پھر سے دوڑنا شروع کر دیا اور اس طرح باری باری ہر نو

پر بٹھاتا' اسے منزل مقصود پر لے پہنچا۔ کالے جنگل میں بانسوں کے جھنڈ جگہ جگہ موجود تھے۔
نے تمام نوجوانوں کو بانسوں کی کٹائی میں لگا دیا۔ نوجوانوں نے جلد ہی قامران کے سامنے
کے ڈھیر لگانا شروع کر دیئے۔ قامران ان میں سے کام کے بانس چھانٹ چھانٹ کر الگ کرتا
مطلوبہ تعداد میں بانس فراہم ہو گئے تو قامران نے کوچ کا اعلان کر دیا۔ بانسوں کے چھوٹے
گٹھڑ بنا کر چند نوجوانوں نے اپنے کندھوں پر لاد لیے اور پھر بستی کی طرف روانہ ہو گئے۔
نوجوانوں نے اس مرتبہ بالکل دوڑنے نہ دیا۔ وہ اسے اپنے کندھوں پر بٹھائے یونہی دوڑتے
ہنستے مسکراتے' ایک دوسرے کو چھیڑتے بستی میں آ پہنچے۔

بستی میں داخل ہوئے تو اندھیرا جھک آیا تھا۔ سورج ڈوبنے کو تھا۔ سردار ونشا چند معمر لوگوں
بستی کے باہر ہی بیٹھا تھا۔ جب اس نے کالے جنگل والے راستے سے دھول اڑتی ہوئی دیکھی
چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''وہ لوگ آ گئے۔'' سردار ونشا یہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

اسے قامران کا شدت سے انتظار تھا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ بدیسی نوجوان کالے جنگل
لاتا ہے؟ قامران کو کسی نوجوان کے کندھے پر بیٹھا دیکھ کر سردار ونشا متفکر ہو گیا۔ یہ لوگ اس کو
پر کیوں اٹھائے ہوئے ہیں۔ کہیں کوئی حادثہ تو پیش نہیں آ گیا۔ پھر اسے فوراً ہی خیال آ گیا کہ
جوان کو کالے جنگل تک دوڑ کر جانا دوبھر ہو گیا ہو گا۔ گھوڑے کی سواری کرنے والے کو بھلا
اتنی عادت کہاں ہو سکتی ہے۔

سردار ونشا کو بستی کے باہر کھڑا دیکھ کر قامران اس کی طرف لپکا۔ ''سردار خیریت تو
تی کے باہر کیوں کھڑے ہو؟''

''تمہارا انتظار کر رہا تھا...... لاؤ دکھاؤ...... کالے جنگل سے تم کیا لائے ہو؟''

''میں بانس لایا ہوں اور کچھ نہیں۔'' قامران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیا بانس سے ہتھیار بناؤ گے؟'' سردار ونشا نے پوچھا۔ وہ حیران تھا۔

''ہاں۔'' قامران نے بڑے اعتماد سے کہا۔ ''اور ایسا ہتھیار کہ تم دیکھتے رہ جاؤ گے۔''

پھر قامران نے نوجوانوں کو حکم دیا کہ وہ بانسوں کے گٹھڑ سردار ونشا کے گھر پہنچا دیں اور کل
کرن پھوٹتے ہی تمام نوجوان سردار ونشا کے گھر جمع ہو جائیں۔

صبح ہی صبح سردار ونشا کے گھر میلے کا سا سماں پیدا ہو گیا۔ پو پھٹتے ہی بستی کے نوجوان آنا
گئے تھے اور دن روشن ہوتے ہوتے سردار کا گھر نوجوانوں سے بھر چکا تھا۔

قامران نے سائری دیوتا کا نام لے کر کام شروع کیا۔ اس نے بڑے بڑے بانسوں کو ہاتھ
ٹکڑوں میں تبدیل کرنا شروع کیا۔ یہی کام دوسرے نوجوان بھی کرنے لگے۔ دوسرے مرحلے
دوں کے ٹکڑوں کو اندر سے کھوکھلا کیا گیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر بچے ہوئے بانسوں کو چیر
تیر بنائے جانے لگے۔ بستی کے نوجوان بڑے شوق اور لگن سے کام میں مصروف تھے اور اس
ظر تھے کہ دیکھیں اس بانس کے ٹکڑے سے تیر کس طرح چلتا ہے۔

آخر وہ وقت بھی آ پہنچا جب پہلا ہتھیار بن کر تیار ہوا۔ قامران نے ایک اچھا سا تیر اس

بانس کے ٹکڑے میں پھنسایا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ قامران پر ایک عجیب سرخوشی ساتھ ہی یہ دھڑکا بھی کہ اگر اس ہتھیار کی کارکردگی اچھی ثابت نہ ہوئی تو ان نوجوانوں کے اٹھانے کے قابل بھی نہ رہے گا۔ وہ گھر سے باہر نکل کر ایک جگہ ٹھہر گیا۔ سارے نوجوان کھڑے اسے بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ اس نے تیر کو اچھی طرح فٹ کر کے سامنے کے تنے کا نشانہ لیا اور اس بانس کے ٹکڑے کو منہ میں لے کر زور سے پھونک ماری۔ چشم بانس کے ٹکڑے سے نکلا اور سرسراتا ہوا درخت کے تنے میں پیوست ہو گیا۔

ایک زبردست شور اٹھا۔ قامران کو نوجوانوں نے اپنے کندھے پر اٹھا لیا اور لگے۔ بستی کے بچے اور عورتیں بھی اس خوشی میں شامل ہو گئیں۔ قامران بڑی مشکل سے ان سے اترنے میں کامیاب ہوا۔ اس نے انہیں چیخ چیخ کر خاموش رہنے کی تلقین کی۔ جب خاموش ہو گئے تو قامران نے سردار ونشا کو آگے آنے کا اشارہ کیا۔ قامران نے ایک اور تیر کے ٹکڑے میں ڈالا اور اس کے سیدھے ہاتھ میں تھماتے ہوئے بولا۔ "سردار، یہ اس بستی کا پہ چلا کر افتتاح کرو۔"

"قامران، اس ہتھیار کا نام کیا ہے؟" سردار ونشا نے درخت کے تنے کا نشانہ پوچھا۔

"سردار...... اس کا نام توفو ہے!"

"توفو...... بڑا اچھا نام ہے۔ اس ہتھیار کی طرح سبک۔" یہ کہہ کر سردار ونشا لے کے ٹکڑے میں زور سے پھونک ماری۔

تیر سرسراتا ہوا تیزی سے اس بانس کے ٹکڑے سے نکلا اور درخت کے بڑے تے گھس گیا۔ ایک مرتبہ پھر زبردست شور اٹھا۔ نوجوانوں نے خوشی سے زبردست نعرے لگائے۔ بعد قامران نے بستی کے ہر نوجوان کو تیر چھوڑنے کا موقع دیا۔ زیادہ تر نوجوانوں کے تیر لگے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو اتنے بڑے تنے کا نشانہ لینے سے قاصر رہے۔ پھر یہ ہتھیار نام توفو...... اتنا مقبول ہوا کہ چند روز میں ہی بچوں کے ہاتھوں میں بھی دکھائی دینے لگا۔ قامران نکل جاتا، اسے ہر طرف توفو چلتی ہوئی دکھائی دیتی۔

اب نوجوانوں کے نشانے بہتر سے بہتر ہوتے جا رہے تھے۔ بعض نوجوانوں نے نشانے اتنے بہتر کر لیے تھے کہ اڑتے پرندے بھی ان سے محفوظ نہ رہے تھے۔ قامران نے بستی میں نشانے بازی کا مقابلہ کروایا۔ اس مقابلے میں جو نوجوان اس معیار پر پورے اترے کے سروں پر اس نے سرخ پٹی باندھ دی۔ یہ ایک طرح کا اعزاز بھی تھا اور پہچان کا ذریعہ بھی۔ کے اختتام پر قامران نے سرخ پٹی والے نوجوانوں کو اپنے سامنے اکٹھا کیا اور انہیں مہم کے آغا دی۔

"اب تم لوگ اپنی بہنوں کا انتقام لینے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

"تیار ہیں۔" سارے نوجوانوں نے بڑے جوش سے بیک وقت کہا۔

"ہم اپنے سفر کا آغاز کل سورج نکلنے سے پہلے کریں گے۔ میرے دوستو! سفر کی

ساتھ کم از کم ایک ہفتے کا خورد و نوش کا سامان باندھ لو تاکہ ہم بے فکری سے ان سرخ درندوں کو تلاش کر سکیں۔ ٹھیک ہے؟" قامران نے ہاتھ اٹھا کر پوچھا۔

"ٹھیک ہے۔" مشترکہ جواب آیا۔

"بس پھر جاؤ اور سفر کی تیاریاں کرو۔"

سن کر سارے نوجوان شور مچاتے، اچھلتے کودتے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو گئے۔ سردار ونشا کے گھر کا رخ کیا۔ سردار ونشا کو جب قامران کی روانگی کا پتہ چلا تو اس نے بھی خواہش ظاہر کی۔

"قامران مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو...... میں اپنے ہاتھ سے ان درندوں کے کلیجے چھلنی ہوں۔"

"نہیں...... سردار تم نہ جاؤ...... بستی کے لوگوں کو تمہاری ضرورت ہے۔ انتقام لینے کا کام تم سہانا اگر تمہاری بیٹی تھی تو وہ مجھے بہن کی طرح عزیز تھی۔ اس کا بدلہ میں لوں گا اور اس ان درندوں کے سردار ماروف کا سر لے کر لوٹوں گا۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔" قامران نے لاتے ہوئے کہا۔

سن کر سردار ونشا نے پھر ساتھ چلنے کی ضد نہ کی اور اسے جلد سو جانے کی تلقین کر کے نکل گیا۔

قامران نے سردار ونشا سے ان سرخ چہرے والوں کے سردار ماروف کا سر لانے کا وعدہ تو لیکن اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ وہ ان درندوں کو تلاش کیسے کرے گا؟ نہ تو اسے علم تھا، نہ یہ معلوم کہ وہ آئے کدھر سے تھے۔ البتہ اس نے یہ ضرور سنا تھا کہ وہ کالے راستے سے واپس گئے تھے۔

ابھی وہ اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ سفر کا آغاز کس سمت سے کرے، کمرے میں اچانک وہ خوشبو پھیل گئی۔

کنوارے بدن کی اٹھتی ہوئی مہک...... وہ ہوشربا خوشبو...... چاندکا خلاف توقع آ پہنچی تھی۔

"کہاں کی تیاری ہے؟" چاندکا ظہور پذیر ہوتے ہوئے بولی۔

قامران چاندکا کو دیکھ کر فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔ "یہ چاند اچانک کدھر آیا؟"

"کیوں میرا آنا ناگوار گزرا؟" چاندکا نے اپنی بڑی بڑی نشیلی آنکھوں سے اسے دیکھتے پوچھا۔

"ارے غضب...... ایسا تو میں خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا۔ تمہاری آمد تو مجھے ہزار جاتی ہے۔" قامران نے خوشدلی سے کہا۔ "میں تو اس اچانک آمد پر ذرا چونک اٹھا تھا۔"

"یہ کون سی نئی بات ہے۔ میں تو ہمیشہ اچانک ہی آئی اور عین ضرورت کے وقت۔ تم گواہ جھوٹ تو نہیں کہہ رہی۔"

"اس وقت بھلا مجھے تمہاری کیا ضرورت تھی...... ذرا یہ تو بتاؤ؟" قامران نے اس کا امتحان

لینا چاہا۔

''سردار ونشا سے سردار ماروف کا سر لانے کا وعدہ کر لیا اور مہاراج کو اس کا علم نہیں
سرخ چہرے والے لوگ کہاں ملیں گے؟''

''بس' میں نے مان لیا تمہیں......تم واقعی ضرورت کے وقت آئی ہو۔ اب جلدی سے
کہ وہ درندے مجھے کہاں ملیں گے؟'' قامران نے بے قراری سے پوچھا۔

''میرا ہاتھ دیکھو۔'' چاندکا اپنا دایاں ہاتھ اس کے سامنے کرتے ہوئے بولی۔

''ہاں' بہت خوبصورت ہے!'' قامران نے اس کے ہاتھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

چاندکا نے جواب میں کچھ نہ کہا......وہ صرف مسکرا کر رہ گئی۔

تب ہی چاندکا کا ہاتھ روشن ہو گیا۔ قامران کو چاندکا کے ہاتھ میں اس بستی کا بیرونی
دکھائی دیا۔

''یہاں سے تمہارے سفر کا آغاز ہوگا۔'' چاندکا نے کہا۔ ''اب تم ان راستوں کو غور
دیکھتے جاؤ اور پہچانتے جاؤ تاکہ منزل تک پہنچنے میں تمہیں کوئی دقت نہ ہو۔''

پھر چاندکا کے ہاتھ میں مختلف راستے دکھائی دیتے گئے......قامران ان راستوں کو ذہن
کرتا گیا۔ یہاں تک کہ اسے کچھ دیر بعد کچھ خیمے دکھائی دینے لگے۔ ان خیموں کے آگے جگہ
روشن تھے۔

''یہی ہے تمہاری منزل۔'' چاندکا نے توجہ دلائی۔

''اچھا......کیا یہ خانہ بدوش لوگ ہیں؟'' قامران نے پوچھا۔

''ہاں......جو دوسروں کے گھر اجاڑتے پھریں......دیوتا انہیں کبھی گھر نہیں دیتا۔''
سنجیدگی سے کہا۔ ''اچھا' اب میں چلتی ہوں۔ تم کل صبح اپنی مہم پر روانہ ہو جاؤ۔''

اور اس سے پہلے کہ قامران کوئی جواب دیتا' چاندکا اپنے جلوے سمیٹ کر فضا میں تحلیل
گئی۔ قامران ''سنو تو'' کہتا ہی رہ گیا۔ چاندکا کے جانے کے بعد قامران نے دو تین گہرے
لیے۔ اس کے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا تھا۔ اب ان درندوں کو پا لینا کوئی مشکل کام
قامران کمرے میں رچی کنوارے بدن کی خوشبو دھیرے دھیرے اپنے سانسوں میں بساتا' نیند کی
میں چلا گیا۔

صبح جگانے کا کام سردار ونشا کے سپرد تھا۔ وہ ٹھیک وقت پر قامران کو اٹھانے آ پہنچا۔
''قامران' کچھ دیر میں صبح ہونے والی ہے۔''

سردار ونشا کی آواز سنتے ہی قامران جست لگا کر کھڑا ہو گیا۔ جیسے وہ ساری رات جاگتا
ہو۔ باہر نکل کر اس نے ابلا کی پیٹھ تھپتھپائی اور اس کے منہ میں لگام دے کر اس پر سوار ہو گیا
کندھے پر درست کرتا ہوا سردار ونشا کو الوداع کہا اور ابلا کو زور سے ایڑ دی۔ ابلا حسب معمول
ٹانگوں پر کھڑی ہوئی اور پھر اس نے اڑنا شروع کر دیا۔

قامران بستی کے باہر مقررہ جگہ پر پہنچا تو اس نے وہاں تمام نوجوانوں کو موجود پایا
توفو سے لیس تھا اور دل میں انتقام کی آگ بھڑکائے چلنے کے لیے منتظر۔

قامران نے فرداً فرداً تمام نوجوانوں سے ہاتھ ملایا۔ وہ تعداد میں پچاس تھے اور ہر شخص کے
لے پینے کا سامان وافر مقدار میں موجود تھا۔ قامران نے پوری طرح مطمئن ہو کر نقارۂ کوچ

''چلو!'' کی آواز کے ساتھ ہی بستی کا ہر نوجوان حرکت میں آ گیا۔

سورج اگرچہ ابھی برآمد نہ ہوا تھا لیکن اجالا ہر سو پھیل چکا تھا۔

قامران نے اپنی گھوڑی کی رفتار خاصی سست رکھی تاکہ نوجوان اس سے پیچھے نہ رہ جائیں
رفتار نوجوان کے لیے ابلا کی ہی رفتار بہت معمولی تھی۔ قامران نے کئی نوجوانوں کو اپنی گھوڑی
تکتے دیکھا۔

قامران نے ابلا کی رفتار میں مزید اضافہ کیا۔ نوجوانوں نے بھی اپنی رفتار بڑھا دی۔ دو تین
طے کر لینے کے بعد ابلا اور ان نوجوانوں میں ایک رفتار پر معاہدہ ہو گیا۔ اب وہ نوجوان تقریباً
ساتھ ہی بھاگ رہے تھے اور رفتار بھی اچھی خاصی تھی۔

چار گھنٹے کی مسافت کے بعد قامران نے ایک جگہ پڑاؤ ڈال دیا۔ یہاں نوجوانوں نے کچھ
تھوڑا سا آرام کیا اور پھر چلنے کے لیے تیار ہو گئے۔

قامران نے ان کا جوش دیکھ کر مزید قیام کرنا مناسب نہ سمجھا۔ پچاس نوجوانوں کا یہ قافلہ
عزم کے ساتھ پھر سے اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسی طرح پڑاؤ ڈالتے ہوئے وہ آگے
ہے۔

چوتھے پڑاؤ پر اندھیرا خاصا گہرا ہو گیا تھا۔ قامران کا خیال تھا کہ رات گزار کر کل صبح سفر کا
جائے لیکن نوجوان اس کے لیے راضی نہ تھے۔ وہ اپنا سفر جاری رکھنا چاہتے تھے تاکہ دشمن کو
جا لیں۔

نوجوانوں کا موقف یہ تھا کیونکہ چاندنی رات ہے اس لیے سفر جاری رکھنا چنداں مشکل
یہ پوری رفتار سے بھاگنا مشکل ہوگا لیکن وہ بھاگ تو سکیں گے۔ بے شک دھیمی رفتار ہی
کم از کم سفر تو جاری رہے گا۔ کچھ نہ کچھ فاصلہ تو کم ہوگا۔ سو کر رات ضائع کرنے کا کیا فائدہ۔

قامران نے نوجوانوں کے دلائل کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔ قافلہ پھر چل پڑا۔ قامران کا
اگر اسی رفتار سے سفر جاری رہا تو وہ صبح ہونے سے پہلے درہ پر جا پہنچیں گے اور ہوا بھی
قامران کا اندازہ سو فیصد درست ثابت ہوا۔

اب نوجوانوں کے سامنے فلک بوس کالے کالے دیو پہاڑوں کے روپ میں کھڑے تھے۔
کا راستہ بالکل نہ تھا۔ نوجوانوں نے قامران کو گھیر لیا۔

''اب آگے کیسے جائیں گے؟'' نوجوانوں نے پوچھا۔

''ضرور جائیں گے۔'' قامران نے انہیں تسلی دی۔ ''بس یوں سمجھ لو کہ تمہاری منزل
پہاڑوں کے اس طرف تمہارا دشمن موجود ہے۔''

''کیا واقعی......لیکن تم یہ بات کیسے جانتے ہو؟'' نوجوانوں کو اصل میں قامران کی بات کا
آ رہا تھا۔

''اس بات کو بھول جاؤ کہ میں دشمن کا ٹھکانہ کیسے جان گیا۔ بس میری بات پر یقین
جو میں کہوں کرتے جاؤ۔'' قامران نے انہیں سمجھایا۔

''حکم کرو...... بتاؤ ہم کیا کریں؟'' نوجوانوں نے سعادت مندی اختیار کر لی۔

''فی الحال انتظار۔'' قامران نے ابلا سے اترتے ہوئے کہا۔

پھر اس نے پانچ نوجوانوں کو اپنے ساتھ لیا اور بقیہ نوجوانوں کو آرام کرنے کا حکم
ایک طرف چلا گیا۔ اگر وہ چاندکا کے ہاتھ پر دیکھے ہوئے راستوں کے مطابق صحیح آ گیا تھا تو ا
یہاں سے زیادہ دور نہیں ہونا چاہیے تھا۔ قامران نے سوچا۔ وہ درہ تلاش کر کے جلد سے جلد حملہ
منصوبہ طے کرنا چاہتا تھا۔

تھوڑی سی تلاش بسیار کے بعد آخر انہیں وہ درہ نظر آ ہی گیا۔ قامران اس درہ کو د
سے جھوم اٹھا۔

وہ ایک بے حد تنگ درہ تھا۔ اس درہ سے مشکل سے ایک گھوڑا نکل سکتا تھا۔ قا
کمان سنبھالے بڑی احتیاط سے درہ میں داخل ہوا۔ پھر وہ بڑھتا ہی گیا اور بڑی آسانی سے د
جا پہنچا۔

صبح ہونے میں ابھی دیر تھی۔ چاند ڈوب چکا تھا یا یوں کہنا چاہیے کہ اپنی روشنی کم
قامران نے ملگجے میں بہت سے خیمے نصب دیکھے۔

درہ بالکل صاف تھا۔ وہاں کسی قسم کا کوئی پہرہ نہ تھا۔ سرخ چہرے والے درندوں کو
سے کیا خطرہ ہو سکتا تھا۔ ان کا مقابلہ کون کر سکتا تھا۔ ان کے تعاقب میں کون آ سکتا تھا۔ ا
اپنے خیموں میں پڑے سوتے تھے اور موت درہ میں ان کا راستہ تلاش کرتی پھر رہی تھی۔

قامران بڑی تیزی سے واپس پلٹا اور اس نے تمام نوجوانوں کو خاموشی سے یہاں
کا حکم دیا۔

نوجوانوں کے آنے کے بعد اس نے انہیں پانچ پانچ کی ٹولیوں میں تقسیم کیا او
احکامات جاری کر کے انہیں اپنے اپنے مورچے سنبھالنے کو کہا۔

نوجوان لنگوروں کی طرح اچھلتے دبے پاؤں پہاڑوں پر چڑھنے لگے۔ تھوڑی د
وقفے سے گیدڑوں کی آوازیں گونجنے لگیں اور اس طرح قامران کو ہر ٹولی کے مورچہ سنبھالنے
ملتی گئی۔

قامران نے اپنی چھوٹی سی فوج کے سپاہیوں کو درہ کے دائیں اور بائیں جانب
دیا تھا اور وہ خود چند نوجوانوں کو لیے درہ کے منہ پر بیٹھا تھا۔

دشمن کے فرار ہونے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ خیموں کے اس طرف ایک بڑی جھیل
اونچے اونچے پہاڑ۔ جھیل کو عبور کر کے پہاڑوں پر چڑھنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ خیموں کے
بھی پہاڑ ہی پہاڑ تھے۔ ان پہاڑوں پر قامران کے شاہین بسیرا کیے ہوئے تھے اور وہ خود
منہ پر موجود تھا۔ اس طرح دشمن کی مکمل ناکہ بندی کی جا چکی تھی۔

کچھ دیر میں سپیدۂ سحر نمودار ہونے لگا۔

قامران نے سائری دیوتا کا نام لے کر ترکش سے تیر نکالا اور اس کے سرے پر ایک بڑا سا
کپڑا باندھنے لگا۔ کپڑا باندھ کر اس نے تیر کو کمان پر چڑھایا اور اپنے پاس ہی بیٹھے ایک نوجوان سے
ا۔

''اس کپڑے میں آگ لگاؤ۔''

نوجوان نے بڑی پھرتی سے آگ لگانے والے پتھر ایک چمڑے کے تھیلے سے نکالے اور
انہیں تیزی سے رگڑ کر کپڑے میں آگ لگا دی۔ قامران کپڑے میں لگتی ہوئی آگ کو غور سے دیکھنے
ا۔ جب آگ خوب بھڑک اٹھی تو اس نے درمیان والے خیمے کا نشانہ لیا۔ یہ خیمہ دوسرے خیموں کے
مقابلے میں بڑا اور رنگ برنگا تھا۔ پھر تیر سائیں سے کمان سے لکلا اور اس بڑے سے خیمے کی چھت میں
ست ہو گیا۔ قامران نے اسی طرح آگ لگا کر تین تیر اور چھوڑے۔

ہوا کی تیزی نے اپنا رنگ دکھایا۔ خیموں میں دیکھتے ہی دیکھتے آگ بھڑک اٹھی۔ پہاڑوں
میں چھپے تمام نوجوان قامران کی اس کارروائی کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

خیموں کے مکین خواب غفلت میں پڑے خراٹوں پر خراٹے لیے جاتے تھے۔ انہیں پتہ ہی نہ
تھا کہ ظلم کی رات اب ختم ہو چکی ہے۔ ان کا یوم حساب آ پہنچا ہے۔ جلد ہی آگ کی تپش نے ان کی
آنکھیں کھول دیں۔ وہ ہڑبڑا کر خیموں سے باہر نکل پڑے۔

قامران نے دشمن کو خیموں سے باہر نکلتا دیکھ کر اپنے منہ سے شیر کی آواز نکالی جو پہاڑوں
سے ٹکراتی دور تک پھیل گئی۔

اکاون تیروں کی ایک خیر مقدمی باڑ دشمن تک پہنچی تو بہتیروں کو گھائل کر گئی۔ ابھی ان کی سمجھ
میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ یہ آگ کیسے لگی؟ اس پر تیروں کی باڑ پڑی تو دشمن ایک دم بوکھلا اٹھا۔

اس پہلے حملے نے خاطر خواہ اثر نہ چھوڑا۔ ہوا کی تیزی نے کام خراب کر دیا۔ تیر ٹھیک ٹھیک
اپنے نشانے پر نہ لگے۔ یہ جان کر کہ ہوا کام خراب کر رہی ہے، قامران نے دوسرے حملے کا اشارہ نہ دیا
حالانکہ نوجوان تیر چلانے کے لیے بے قرار تھے۔

دشمن کے خیموں میں عجیب افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ تیر اور آگ کے حملے نے ان کی عقلیں
سلب کر دی تھیں۔ وہ بوکھلائے ہوئے درہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔

قامران نے جب دیکھا کہ دشمن تیروں کی زد میں آ چکا ہے تو اس نے پھر شیر کی آواز منہ
سے نکالی۔

اکیاون تیروں نے درہ کی طرف بڑھتے ہوئے دشمن کے دس بارہ آدمیوں کے جسموں کو
چھلنی کر کے رکھ دیا۔ وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگے۔

اچانک قامران نے کئی گھڑ سواروں کو ہاتھ میں تلوار لیے خیموں کے عقب سے نکلتے دیکھا۔
ان کا رخ درہ کی طرف تھا۔

قامران نے اس مرتبہ شیر کی آواز نکالنے کی بجائے اپنے آس پاس بیٹھے نوجوانوں کو حکم
دیا۔ ''چلاؤ تیر۔''

قامران کا حکم پاتے ہی نوجوانوں نے ان گھڑ سواروں پر تیروں کی بارش کر دی۔ ایک بھی

گھڑسوار درہ تک صحیح سلامت نہ پہنچ سکا۔

قامران نے صرف چار خیموں میں آگ لگائی تھی لیکن اب تک تمام خیمے آگ کی زد میں آ چکے تھے۔ قامران نے انہی خیموں سے چند عورتوں کو بھی نکلتے دیکھا۔

ان عورتوں کو دیکھ کر نوجوان بے قابو ہو گئے اور انہوں نے حملے کا اشارہ سنے بغیر ہی ان پر تیر برسانے شروع کر دیئے۔

کئی عورتیں زمین پر گر کر تڑپنے لگیں۔ تب قامران اٹھا اور اس نے اپنا ایک ہاتھ منہ کے نزدیک لگا کر زور سے کہا۔

"خبردار! جو عورتوں پر حملہ کیا۔"

اس کی آواز کی بازگشت کئی لمحوں تک پہاڑوں میں گونجتی رہی۔

نوجوانوں نے اس حکم کو بڑی ناگواری سے سنا۔

☆......☆......☆

وہ تلملا کر رہ گئے۔ ان کا جی چاہا کہ بغاوت کر دیں۔ پہاڑوں سے اتر کر میدان میں پہنچیں اور ان سرخ درندوں کی عورتوں کے ساتھ وہ کر گزریں جو عموماً جنگوں میں جائز ہوتا ہے لیکن قامران کی موجودگی میں یہ سب ممکن نہ تھا۔ قامران جو اس وقت ان کا سالار تھا' اور سالار کا حکم ماننا ان پر فرض تھا۔ ویسے وہ یہ بات سمجھنے سے قاصر تھے کہ قامران نے ان عورتوں پر تیر چلانے سے کیوں منع کر دیا تھا جبکہ وہ خود ہی انتقام کی صورت ان درندوں کی تلاش میں نکلا تھا۔

قامران جب حکم دے کر نیچے بیٹھا تو اسے نوجوانوں کی دلی کیفیات کا اندازہ تھا۔ وہ نوجوانوں کے ردعمل سے بخوبی آگاہ تھا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ظالموں سے انتقام کس طرح لیا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ کمینہ نہیں بننا چاہتا تھا۔ انتقام لینے کی بھی آخر کوئی حد ہوتی ہے۔ اگر نہیں ہوتی تو ہونی چاہیے۔

نوجوانوں کے تیروں نے کئی عورتوں کو گھائل کر دیا تھا۔ تیروں کی بوچھاڑ نے ان عورتوں کو بوکھلا دیا۔ وہ اپنی جانیں بچانے کی خاطر جلدی جلدی جھیل میں کودنے لگیں۔

قامران بڑی توجہ سے دشمن پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ اس نے اچانک آگ کے پیچھے سے بہت سے گھڑسواروں کو نکلتے دیکھا۔ وہ تلواریں چمکاتے بڑی تیز رفتاری سے درہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔

یہ وقت فوری فیصلے کا تھا۔ قامران نے فوراً اپنے منہ سے تین بار شیر کی آواز نکالی۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ مسلسل تیر برسانے ہیں تا آنکہ انہیں روکنے کا حکم نہ دے دیا جائے۔ اشارہ پاتے ہی تیروں کی بارش شروع ہو گئی اور وہ تلواروں سے مسلح گھڑسوار تلواریں ہوا میں لہراتے دھڑادھڑ زمین بوس ہونے لگے۔

اس وقت قامران کا ہاتھ بڑی چابکدستی سے چل رہا تھا۔ ترکش سے تیر نکلتا' کمان پر چڑھتا اور کسی کی موت کا پیغام بن کر ہوا میں اڑ جاتا۔ اسی لمحے دشمن کا ایک آدمی گھوڑے سے پھسل کر زمین پر آ رہتا۔

قامران کی کوشش یہ تھی کہ دشمن کا ایک بھی آدمی فرار حاصل نہ کر سکے جبکہ دشمن کا خیال یہ تھا کہ ہم میں سے سب نہیں تو چند ساتھی یہاں سے فرار ہونے میں ضرور کامیاب ہو جائیں اور اس اچانک یلغار کی وجہ سے درہ سے چند گھڑسواروں کا صحیح سلامت نکل جانا قرین قیاس تھا کیونکہ ان کی رفتار خاصی تیز تھی اور اتنے سارے گھڑسواروں کو تیروں کی زد پر لینا آسان نہ تھا۔

قامران اور اس کے ساتھیوں کی کوشش کے باوجود دو گھڑسوار درہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے پہلے کہ وہ درہ پار کر جاتے' قامران کے تیر ان سے حساب کتاب لینے آ پہنچے۔ نتیجے میں ان کے گھوڑے بھڑک اٹھے اور سواروں کے سر پتھروں سے جا ٹکرائے۔ فرار کے سارے راستے مسدود ہو گئے۔ البتہ ابدی فرار کے راستے ضرور کھل گئے۔

اس بڑے حملے کے بعد میدان قامران کے ہاتھ آ گیا۔ سرخ چہرے والے درندے بڑی تعداد میں موت کے گھاٹ اتارے جا چکے تھے جو نہیں مرے تھے' وہ کسی قابل نہ تھے۔ ہاں! دیدۂ عبرت بن گئے تھے۔

قامران نے کھڑے ہو کر ایک ہاتھ منہ کے نزدیک کیا اور پوری قوت سے بولا۔ "ساتھیو! اب نیچے اترو۔"

اس کا حکم کئی لمحوں تک پہاڑوں میں گونجتا رہا۔ پھر قامران اور اس کے ساتھیوں نے پہاڑوں سے اترنا شروع کیا۔ نیچے اترتے نوجوانوں پر نشہ طاری تھا۔ فتح کا نشہ۔

دشمن کے جن لوگوں کو ابھی پروانہ موت نہیں ملا تھا' وہ اپنے ساتھیوں کا حال دیکھ کر بے حال ہو رہے تھے۔ ان میں اب مزاحمت کی قوت باقی نہ رہی تھی۔

قامران کے ساتھیوں نے دشمن کے باقی ماندہ لوگوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک کر ایک جگہ اکٹھا کر دیا۔ ان میں عورتیں بھی شامل تھیں' وہ تیروں کی بارش رکتی دیکھ کر جھیل سے باہر نکل آئی تھیں۔

"ارے......وہ چقندر کا بچہ کہاں ہے؟" قامران جس کا سر لانے کا وعدہ سردار ونشا سے کر کے آیا تھا' اس کا دور تک پتہ نہ تھا۔

"کون قامران؟" ایک نوجوان نے دریافت کیا۔

"وہ سردار ماروف۔"......قامران نے چاروں طرف نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔ "وہ مجھے اب تک کہیں نظر نہیں آیا......ذرا مرنے والوں کے چہرے دیکھو۔"

مرنے والوں اور نہ مرنے والوں سب کے چہرے اچھی طرح دیکھے گئے لیکن سردار ماروف کے وجود کا کہیں پتہ نہ چلا۔ اس کے بعد قیدیوں سے سردار ماروف کے بارے میں دریافت کیا گیا لیکن انہوں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔

قامران سوچ میں پڑ گیا۔ یہ ظالموں کا سردار آخر کدھر کھسک گیا۔ بظاہر فرار کا بھی کوئی راستہ نہ تھا۔ خیموں میں چھپا جا سکتا تھا لیکن تمام خیمے جل کر راکھ ہو چکے تھے۔ درہ سے فرار ہوا جا سکتا تھا لیکن درہ سے فرار تو بہت بڑی بات ہے۔ قامران نے اس لڑائی کے دوران سردار ماروف کی شکل بھی نہ دیکھی تھی۔ فرار کا تیسرا راستہ جھیل تھی۔ اول تو جھیل پار کرنا آسان نہ تھا اور اگر کوئی پار کر بھی لے تو اس

کا نظروں سے اوجھل رہنا ممکن نہ تھا۔ جھیل پرسکون تھی اور پہاڑوں کے دامن میں دور تک کسی بشر کا نہ تھا۔

پھر وہ درندوں کا آقا کہاں جا چھپا؟ اسے زمین نگل گئی یا آسمان لے اڑا؟

قامران بے بس ہوا تو چاندکا اس کی مدد کو آ پہنچی۔ جیسے ہی وہ مانوس سی خوشبو اس کے نتھنوں میں گھسی' قامران کے ہونٹوں پر تبسم کھیل گیا۔

''قامران...... سامنے جھیل دیکھ رہے ہو؟'' چاندکا کی آواز کہیں دل کے نزدیک سنائی دی۔

قامران نے اثبات میں گردن ہلائی۔ زبان سے کچھ نہ بولا۔

''سردار ماروف...... اس جھیل میں موجود ہے اور وہ زیادہ دیر پانی میں نہیں رہ سکے گا۔ تم جھیل کے کنارے بیٹھ کر اس کا انتظار کرو۔''

قامران نے ٹھیک ہے کے انداز میں گردن کو جنبش دی۔ اس کے ساتھ ہی کنوارے بدن کی خوشبو آہستہ آہستہ فضا میں تحلیل ہونے لگی۔

چاندکا کے جانے کے بعد قامران نے خوشی سے نعرہ لگایا۔

''مل گیا...... مل گیا۔''

''کہاں؟ ...... کدھر؟'' نوجوان اس کا نعرۂ مستانہ سن کر اس کے قریب آ گئے۔

''جھیل میں!'' نوجوانوں نے حیرت سے جھیل کی طرف دیکھا۔ اس کی سطح پر سردار ماروف تو دور کی بات ہے' کوئی چڑیا کا بچہ بھی نہ تھا۔

''جھیل میں تو کچھ نہیں......'' ایک نوجوان نے کہا۔

''ہے...... وہ جھیل ہی میں ہے۔ جھیل کے سوا وہ کہیں اور نہیں جا سکتا۔ ذرا صبر کرو اور تماشا دیکھو۔'' قامران نے جھیل کے کنارے دھرنا دیتے ہوئے کہا۔

پھر اس نے کندھے سے کمان اتاری اور کمان پر تیر چڑھاتے ہوئے بولا۔

''میں اس چقندر کے بچے کا یہاں بیٹھ کر انتظار کرتا ہوں۔ اتنی دیر میں تم لوگ دشمن کے آدمی کا سر کاٹ لو۔''

''سر ان کا بھی جو زندہ ہیں یا زخمی ہیں یا صرف مرنے والوں کا؟'' وضاحت چاہی گئی۔

''تمام درندوں کا...... چاہے وہ قیدی ہوں' زخمی ہوں یا مردہ...... لیکن ایک بات غور سے سن لو عورتوں کی طرف انگلی بھی نہیں اٹھانی ہے۔'' قامران نے تنبیہ کی۔

اس حکم کے ملتے ہی فضا میں ایک شور سا اٹھا۔ نوجوان چیختے چلاتے لاشوں پر ٹوٹ پڑے ان ہی کی تلواروں سے ان کے سر کاٹے جانے لگے۔

لاشوں سے فراغت کے بعد نوجوانوں نے زخمیوں کی طرف رخ کیا۔ پہلے تیروں کی باڑھ کر کے ان کے جسم سے روح کو جدا کیا۔ پھر تلواریں ان کے گلوں پر چلا دیں۔

زخمیوں کے بعد قیدیوں کا نمبر آیا۔ تمام قیدیوں کو ایک لمبی قطار میں کھڑا کر دیا گیا اور نوجوانوں نے ان پر اپنے تیروں کو آزمانا شروع کر دیا۔

قامران اس تمام کارروائی کو جھیل کے کنارے بیٹھا بڑے سکون سے دیکھ رہا تھا۔

عورتیں اپنے مردوں کا اس قدر عبرت ناک انجام دیکھ کر تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ انہیں یقین کچھ دیر کے بعد ان کے ساتھ بھی اسی قسم کا سلوک ہونے والا ہے۔

وہ سمٹ کر ایک دوسرے کے نزدیک آ گئی تھیں اور گھٹنوں میں سر دیئے آنسو بہا رہی نوجوانوں نے قامران کا حکم مانتے ہوئے ان پر انگلی اٹھانا تو کجا' نظر بھر کر دیکھنا بھی مناسب نہ

نوجوانوں نے تمام ظالموں کے سر ایک جگہ اکٹھا کر لیے۔ لاشیں جہاں تھیں' رہنے دیں۔ ان کے جسموں سے تمام اسلحہ مع تلواروں کے کھینچ لیا تھا۔ اپنے تمام تیر واپس لے لیے تھے۔ سرخ والوں کے گھوڑے اپنے قبضے میں کر لیے تھے اور یہ تمام کارروائی کر کے اب سارے نوجوان ان کی طرف بڑھ رہے تھے۔

''قامران!'' ایک نوجوان قامران سے مخاطب تھا۔ ''تمہارے حکم کے مطابق تمام زندوں یا مردوں کے سر تن سے جدا کر دیئے گئے ہیں۔ تمام اسلحہ اور اپنے تیر ان کی لاشوں سے نوچ لیے ہیں۔ ان کے گھوڑے ہمارے قبضے میں ہیں۔ ان کی عورتیں وہ سامنے بیٹھی روتی ہیں...... اب کیا حکم ہے؟''

قامران نے تمام کارروائی کی روداد کو بڑی دلچسپی سے سنا اور مسکراتا ہوا بولا۔ ''بہت ...... بس اب آخری کارروائی باقی ہے۔''

''اگر تم کہو تو ہم لوگ بھی مچھلی کا شکار کھیلنے کے لیے جھیل کے کنارے بیٹھ جائیں۔'' نوجوان کہا۔

''ضرور ضرور۔'' قامران نے بخوشی اجازت دیتے ہوئے کہا۔

پچاسوں نوجوان یہاں سے وہاں تک جھیل کے کنارے پھیل گئے اور اپنی توتوں میں تیر ڈال کر ل کی خاموش سطح کو گھورنے لگے۔ جھیل کا پانی ذرا بھی ہلتا تو تمام نوجوان چوکس ہو کر ایک دوسرے کو نے لگتے۔

''وہ...... وہ...... وہ دیکھو۔'' چاہے وہ کچھوا ہی ہوتا۔

کچھ کچھوؤں پر نوجوانوں نے تیر چلا بھی دیئے جو ہلاکت خیز ثابت ہوئے۔

سردار ماروف اگر چاندکا کی اطلاع کے مطابق جھیل میں موجود تھا تو اب وہ جھیل سے برآمد والا تھا۔ چاہے وہ کتنا ہی ماہر غوطے باز ہی' پانی کے اندر بہت دیر نہیں رہ سکتا تھا۔ اسے سانس لیے سطح سے سر ابھارنا ہی تھا اور اب وہ وقت آ پہنچا تھا۔

خلاف توقع جب سردار ماروف کا سر جھیل کی سطح پر نہ ابھرا اور نوجوان کچھوے مارتے مارتے گئے تھے تو قامران نے فیصلہ کیا کہ کچھ نوجوانوں کو جھیل میں اتارا جائے۔ یہ سوچ کر اس نے گرد بیٹھے نوجوانوں پر طائرانہ نظر ڈالی۔

ابھی وہ نوجوانوں کو اپنے نزدیک بلانے والا ہی تھا کہ قامران نے جھیل کی سطح پر دور ایک ہر سی تیرتی دیکھی۔ اسی لمحے کا تو وہ اتنی دیر سے منتظر تھا۔ وقت ضائع کیے بنا اس نے اس کالی ل پر تیزی سے کئی تیر چلا دیئے۔ اس کے ساتھ ہی کچھ نوجوانوں نے بھی ہاتھ دکھایا۔ ان کے تیر

ٹھیک ٹھیک نشانے پر لگے۔

جھیل کی سطح پر خون کی سرخی پھیلنے لگی۔

تب قامران نے کئی نوجوانوں کو جھیل میں کودنے کا اشارہ کیا۔ اشارہ پاتے ہی بہا نوجوانوں نے جھیل میں چھلانگ دی اور بڑی تیزی سے تیرتے ہوئے خون کے حصار کی طرف لگے۔ آخر انہوں نے سردار ماروف کو جا لیا۔ وہ اس کی لاش گھسیٹتے ہوئے فوراً ہی پلٹ پڑے۔ انہوں نے سردار ماروف کی لاش کو کنارے پر ڈالا تو قامران یہ دیکھ کر بے حد خوش ہوا کہ اس کی سے نکلتے تینوں تیر اس کے سر اور گردن میں پیوست تھے۔ اس کے علاوہ کچھ اور تیر بھی اس کے جسم گڑے ہوئے تھے۔ لاش باہر آتے ہی تمام نوجوان اس کے گرد اکٹھا ہو گئے۔

"تلوار لاؤ۔" قامران نے ایک نوجوان سے کہا۔

"یہ لو۔" فوراً ہی اس کے سامنے تلوار پیش کر دی گئی۔

قامران نے تلوار کے ایک ہی وار سے سردار ماروف کا سر اس کے تن سے جدا کر دیا، سے جدا ہوتے ہی نوجوانوں نے ایک زوردار نعرہ لگایا اور خوشی سے ناچنے لگے۔

پھر قامران سہمی ہوئی سرخ چہروں والوں کی عورتوں کی طرف بڑھا اور ان کے نزدیک بولا۔ "تمہارے ظالم مرد اپنے انجام کو پہنچ چکے ہیں جو معصوم دلوں کو دکھاتے ہیں' ان کے ساتھ قسم کا سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ اب تم لوگ بتاؤ' تم کیا چاہتی ہو؟......ایک صورت یہ ہے کہ تمہیں درہ میں آزاد چھوڑ دیا جائے کہ چند دنوں میں تم بھوک کے ہاتھوں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاؤ۔ صورت یہ ہے کہ تم لوگ ہمارے ساتھ بستی میں چلو اور وہاں عزت و احترام سے رہو......اب جو بھی تمہیں پسند ہو' اس کا اظہار کر دو۔"

چند لمحے ان عورتوں نے ایک دوسرے کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ پھر ان میں بولی۔ "ہمیں اپنے ساتھ لے چلو۔"

"یہ فیصلہ تم سب کا ہے؟" قامران نے ان عورتوں کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔" وہ سب ایک ساتھ بولیں۔

ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے سے کہیں بہتر یہی تھا کہ کسی بستی میں جا کر آباد ہو جائیں۔

"دوستو۔" تب قامران نے نوجوانوں کو پکارا۔

سارے نوجوان آناً فاناً اکٹھا ہو گئے۔

"دوستو! اب واپسی کی تیاری کرو......گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ' اسلحہ باندھ لو اور ایک عورت کو اپنے ساتھ بٹھا لو......ہاں' دشمن کا سر لینا نہ بھولنا۔"

یہ کہہ کر قامران نے سردار ماروف کا سر اس کے بالوں سے پکڑ کر اٹھایا اور اچھل کر چہیتی گھوڑی ابلا پر سوار ہو گیا۔ اتنی دیر میں دوسرے نوجوان بھی چلنے کے لیے بے تاب ہو گئے قامران نے سردار ماروف کا سر ہاتھ بلند کر کے لہرایا اور زور سے چیخا۔ "چلو۔"

چند لمحوں بعد پورا درہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے گونج اٹھا۔

ابھی وہ زیادہ دور نہ گئے تھے کہ قامران نے خود کو کنوارے بدن کی خوشبو میں لپٹا محسوس

جو صدیوں سے اسے چاہتی تھی' اس کے نزدیک آ پہنچی تھی۔

"چاندکا؟" قامران نے متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔

"قامران......تم کہاں جا رہے ہو؟" چاندکا کی آواز سنائی دی۔

"سردار ونشا کی بستی میں۔"

"اگر میں کہوں کہ اب تم وہاں نہیں جاؤ گے تو......؟"

"تو میں نہیں جاؤں گا۔" قامران نے بڑی فرمانبرداری سے کہا۔

"پھر تم ان لوگوں سے رخصت لے لو......اس کے بعد میں تمہیں بتاتی ہوں کہ کیا کرنا ہے۔" چاندکا نے کہا۔

"ٹھیک ہے!" یہ کہہ کر قامران نے ابلا کی لگام کھینچی اور گردن پر تھپکی دی۔

قامران کو رکتے دیکھ کر دوسرے نوجوانوں نے بھی اپنے گھوڑے روک لیے۔

"کیا ہوا؟" وہ حیرانی سے بولے۔

"دوستو......اب میں تم سے رخصت چاہوں گا......"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" سارے نوجوان پریشان ہو گئے۔

"کیوں نہیں ہو سکتا۔" قامران نے مستحکم انداز میں کہا۔ "سردار ونشا سے میرا سلام کہنا۔ میں اس سے سردار ماروف کا سر لانے کا وعدہ کیا تھا۔ سو میں اپنا وعدہ نباہ رہا ہوں۔ لو یہ سر' سردار ونشا ے دینا اور اس سے کہنا کہ قامران ایک مسافر تھا' مسافروں کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا۔ میرا بھی کوئی نہیں۔ یہ سر میں خود اس کی خدمت میں حاضر ہو کر پیش کرتا لیکن مجھے حکم ہوا ہے کہ میں بستی کا اب نہ کروں' اس لیے میں مجبور ہوں۔ اور ان سے کہنا کہ میں نے ان درندوں کے سر ہی نہیں اور بھی کئی ساتھ کر دی ہیں۔ ان کے گھوڑے' ان کی تلواریں اور دیگر اسلحہ اور ان کی عورتیں......اور ہاں اس بھی کہنا کہ وہ ان عورتوں کے ساتھ برا سلوک نہ کرے' یہ بے قصور ہیں۔ جو قصوروار تھے' ان کی بڑی پسلی ایک کر دی ہے......اچھا دوستو! اب میں جاتا ہوں۔ سائری دیوتا تمہیں اپنی امان میں یہ کہہ کر قامران نے ابلا کو واپس موڑا اور ان کا جواب سنے بغیر دھول اڑاتا ان کی نظروں سے جھل ہو گیا۔

وہ نوجوان بڑے احترام اور عقیدت سے قامران کو دیکھتے رہے۔ قامران جو پردۂ غیب سے ن کر ان کی بستی پر نازل ہوا تھا' پھر پردۂ غیب میں جا چھپا تھا۔

دور تک ریت ہی ریت فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔

قامران بڑی تیزی سے آگے بڑھا جا رہا تھا کہ اچانک چاندکا کی آواز سنائی دی۔ "بس' ابھی بھی کیا جلدی۔"

قامران نے اڑتی ہوئی ابلا کو روک لیا اور چاروں طرف نظریں دوڑاتا ہوا بولا۔ "ہاں کدھر ہو؟"

"ادھر۔" چاندکا اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ سامنے آ گئی...... قامران اسے بڑی ے دیکھنے لگا

''کیوں گھور رہے ہو؟'' چاندکا نے مسکرا کر کہا۔

''نہیں گھور تو نہیں' ہاں دیکھ ضرور رہا ہوں۔'' قامران نے جواب دیا۔

''گھورنے اور دیکھنے میں کیا فرق ہے؟''

''نیت کا۔'' قامران نے کہا۔

''وہ کیسے؟'' چاندکا نے پوچھا۔

''جب کوئی مرد کسی عورت کو گھورتا ہے تو اس کی آنکھوں میں ہوس کی چمک عود کر آتی جبکہ صرف دیکھنے میں ایسا نہیں ہوتا۔'' قامران نے فلسفہ بگھارا۔

''چلو تم کہتے ہو تو مانے لیتی ہوں۔''

''اچھا...... یہ تو بتاؤ کہ تم نے مجھے سردار ونشا کی بستی میں جانے سے کیوں روک دیا؟''

''وہاں جا کر اب تم کیا کرتے؟'' چاندکا نے سوال کیا۔

''میں سردار ونشا سے سردار ماروف کا سر لے کر آنے کا وعدہ کر کے آیا تھا...... وہ سر پیش کرتا تو کچھ اور بات ہوتی۔''

''بہت محبت ہوگئی ہے سردار ونشا سے۔'' چاندکا نے اسے تیکھی نظروں سے دیکھا۔

''دیوتا کا شکر ہے کہ سردار ونشا ایک مرد ہے ورنہ مجھ غریب پر اب تک سیدھا سیدھا الزام لگ گیا ہوتا۔''

''ایسا سمجھا ہے مجھے۔'' چاندکا نے اسے ترچھی نظروں سے دیکھا۔

''دنیا کی ہر عورت اس معاملے میں بڑی حساس ہوتی ہے۔''

''چلو چلو...... زیادہ فلسفہ نہ چھانٹو۔'' چاندکا نے بات ختم کرنا چاہی۔

''پھر آپ حکم کریں۔'' قامران نے آئندہ کا منصوبہ پوچھا۔

''سفر کرنا ہوگا۔'' چاندکا نے بتایا۔

''میں تمہاری خوشی میں خوش ہوں۔'' قامران کو بھلا کب انکار تھا۔

''یہاں سے جنوب کی جانب تقریباً دو دن کی مسافت پر ایک بستی ہے شکران نامی بستی سے کچھ دور دیوتا کا گھر بنا ہوا ہے۔ اس دیوتا کے گھر میں ایک شیطانی ٹولہ پجاریوں کے میں موجود ہے جس نے آس پاس کے تمام علاقے میں تباہیاں پھیلائی ہوئی ہیں۔ ان پجاریوں کا کچھ لوگوں کو جادو بھی آتا ہے...... تمہیں وہاں جانا ہوگا اور دیوتا کے گھر کو ان خبیثوں سے پاک ہوگا۔''

''دیوتا کا گھر تو میں پاک کر دوں گا لیکن چاندکا مجھے یہ بتاؤ کہ میں ان جادوگروں سے نمٹوں گا' مجھے جادو تو نہیں آتا۔''

''دیوتا پر بھروسہ رکھو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ کبھی کبھی پہاڑ سے ہاتھی کے لیے ایک کافی ہوتی ہے۔'' چاندکا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اچھا تو اس مرتبہ تم مجھے چیونٹی بنا کر بھیج رہی ہو...... ٹھیک ہے تمہارے لیے یہ گو ہے۔''

پھر کچھ دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد قامران نے وقت ضائع کیے بغیر شکران جانے کا قصد کا بھی یہی چاہتی تھی کہ وقت ضائع نہ ہو۔ اس نے پلک جھپکتے میں بہت سی کھانے پینے کی اشیا ت کر دیا اور اسے گھوڑی پر چڑھا دیا' خود فضا میں تحلیل ہوگئی۔

قامران جنوب کی جانب برق رفتاری سے بڑھا جا رہا تھا۔

دو دن کا یہ سفر خلاف توقع بغیر کسی حادثے یا واقعہ کے کٹ گیا۔

جب تیسرے دن سورج نمودار ہوا تو قامران نے خود کو مطلوبہ علاقے میں پایا۔ سورج کی روشنی میں شکران کی آبادی کے آثار نمایاں تھے۔

قامران نے آبادی کی طرف رخ کرنے کے بجائے دیوتا کے گھر کی طرف ابلا کو موڑ دیا۔ اس پہاڑی کے دامن میں پہنچا جس کی چوٹی پر دیوتا کا گھر بنا ہوا تھا اور اس نے سر اوپر اٹھایا تو نے سیڑھیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ پایا۔

قامران ابلا کی پیٹھ سے کود پڑا۔ اس نے ترکش اور کمان اپنے کندھے پر درست کی اور تا کا نام لے کر اوپر چڑھنے لگا۔

اب دھوپ اچھی خاصی تیز ہو چکی تھی لیکن دیوتا کے گھر میں رونق نظر نہیں آتی تھی۔ نہ کوئی جا رہا تھا' نہ کوئی نیچے آ رہا تھا اور نہ ہی اب تک کوئی پجاری دکھائی دیا تھا۔ قامران سوچنے لگا' تا کا گھر ہے جو اس قدر سنسان ہے اور وہ بھی صبح کے وقت۔

تقریباً تین ہزار سیڑھیاں چڑھ لینے کے بعد قامران کو دیوتا کے گھر کا دروازہ نظر آیا جو بند دروازہ دیکھ کر قامران کو اور بھی مایوسی ہوئی۔ اگر دروازہ اندر سے بند ہوا تو وہ اندر کیسے جائے

یہ ایک لکڑی کا بڑا سا دروازہ تھا۔ اس دروازے میں جگہ جگہ چھریاں گڑی ہوئی تھیں۔ ل سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ دیوتا کے گھر کو آخر کس چیز سے خطرہ ہے جو دوازے میں چھریاں اس کی حفاظت کا انتظام کیا گیا ہے۔

قامران نے اپنا ہاتھ تیز چھریوں کی زد سے بچاتے ہوئے دروازے کو دھکیلا لیکن وہ اندر ما اس لیے کھل نہ سکا۔

قامران ابھی مایوس ہونے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کی نظر دروازے میں لگی ایک کھڑکی پر ڑکی اتنی بڑی تھی کہ اس میں ایک آدمی آسانی سے گزر سکتا تھا۔ قامران نے اس کھڑکی پر تھ رکھا تو کھڑکی کا پٹ اندر ہو گیا۔ اس نے دھکا دے کر کھڑکی پوری کھول دی۔ کھڑکی کھلتے کوئی چیز اچھل کر کھڑکی پر آئی۔ قامران ایک دم چونک گیا۔ وہ ایک بے حد موٹا تازہ چوہا تھا ن کسی بلی سے کم نہ تھا۔ کھڑکی پر آتے ہی چوہے نے قامران کو اپنی کالی کالی آنکھوں سے ہ پھلانگ لگا کر باہر نکل گیا۔

اب وہ چوہا سیڑھیوں سے اترتا بڑی تیزی سے نیچے جا رہا تھا۔ اس کی رفتار بے انتہا تیز

قامران نے ایک جھٹکے سے کندھے سے کمان اتاری اور بڑی پھرتی سے تیر چڑھایا لیکن وہ

چوہا دیکھتے ہی دیکھتے سیڑھیوں سے غائب ہوگیا۔ قامران حیرت زدہ سا کافی دیر تک سیڑھیوں کو دیکھتا رہا۔ پھر وہ دروازے کی طرف پلٹا۔ کھڑکی جو اس نے اپنے ہاتھ سے کھو بند ہو چکی تھی۔

قامران نے آگے بڑھ کر پھر کھڑکی کو کھولا۔ کھڑکی کھلتے ہی پھر ایک چوہا اچھل آیا۔ اس نے حسب معمول قامران پر ایک نظر ڈالی اور چھلانگ لگا کر سیڑھیوں کی طرف چلا

قامران کمان سنبھالے جیسے ہی سیڑھیوں کی طرف آیا' اس نے ایک لمحے کو اس جاتا دیکھا۔ پھر وہ نظروں ہی نظروں میں سیڑھیوں سے غائب ہوگیا۔

قامران نے پھر دروازے کا رخ کیا۔ کھڑکی پھر سے خودبخود بند ہو چکی تھی قامران نے ٹانگ مار کر کھڑکی کھولی اور تیزی سے پیچھے ہٹ کر کھڑکی کا نشانہ لیا لیکن اس کھڑکی میں نمودار نہ ہوا۔

چند لمحے انتظار کرکے قامران نے کھڑکی میں قدم رکھا۔ برآمدہ پار کرنے کے سامنے ایک بہت بڑا صحن آ گیا۔ اس صحن کے بیچ ایک خوبصورت سا تالاب تھا جس میں کنو تیر رہے تھے۔ تالاب کے چاروں طرف در ہی در تھے۔ پورا صحن خالی پڑا تھا۔ وہاں ایک نہ تھا۔ قامران چاروں طرف کا جائزہ لیتا تالاب پار کرکے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ یہ سیڑھ تھیں جو کافی اونچائی پر بنے ہوئے تھے۔ ہر در کے سامنے ایک دروازہ تھا اور ہر دروازہ بند

قامران ان دروازوں کے سامنے سے گزرنے لگا۔ کچھ دور جا کر اس نے دروازہ کھول کر ذرا اندر جھانکا جائے۔ آخر ہمت کرکے اس نے ایک دروازے کو آہستہ دروازہ اندر سے بند نہ تھا۔ تھوڑا سا کھل گیا۔ قامران نے کھلے دروازے سے اونٹ کی طر اندر ڈال دی۔

یہ کمرہ اندر سے کافی روشن' کشادہ اور ہوادار تھا۔ اس کمرے میں کوئی شخص اور سو رہا تھا۔ اس شخص کے جسم پر ایک لنگوٹی کے سوا کچھ نہ تھا۔ سر کے بال بے انتہا بڑے اس کا چہرہ چونکہ دروازے کی طرف نہ تھا' اس لیے قامران اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔

قامران نے اپنی گردن باہر نکال کر دروازہ پھر ویسے ہی بند کر دیا۔ دو تین دروا اس نے پھر ایک کمرے میں جھانکا۔ اس کمرے میں بھی اسے ایک لنگوٹی والا سوتا ہوا ملا۔ خبیث چہرہ تھا۔ قامران نے فوراً دروازہ بند کر دیا۔

قامران آگے بڑھا تو اسے اپنے بائیں جانب ایک چھوٹی سی گلی دکھائی دی اطمینان سے اس گلی میں داخل ہوگیا۔ وہ گلی میں داخل ہوا تو اسے احساس ہوا کہ یہ گلی پیچ بنی ہوئی ہے۔ وہ تھوڑی دور آگے چلتا تو گلی گھوم جاتی۔

خاصی دیر چکر لگانے کے باوجود گلی کا اگلا سرا اس کے ہاتھ نہ آیا تو وہ جھنجلا کر بہت تیزی سے واپس ہوا تاکہ جلد از جلد اس چکر سے نجات ملے لیکن اس چکر سے نجات دور تک نہیں دے رہا تھا اور اس کی چھٹی حس اسے بتا رہی تھی کہ بیٹے قامران اس پر پیچ گلی تم بری طرح پھنس چکے ہو۔

اس خیال نے اس کے ہوش گنوا دیئے۔ وہ آگے کی طرف تیزی سے دوڑنے لگا۔ دوڑتے ے راستہ طلنے کے اس نے محسوس کیا جیسے راستہ تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ آخر آگے جا کر دونوں ں میں اس طرح مل گئیں کہ تیر کا نشان بن گیا۔

قامران گھبرا کر واپس پلٹا۔ تھوڑی دیر کے بعد راستہ پھر تنگ ہونے لگا اور دیواریں آپس دکھائی دیں۔

وہ دھڑکتے دل سے پھر واپس پلٹا۔ کشادہ گلی نے کچھ دیر تو راستہ دیا۔ آخر جلد ہی پھر راستہ

قامران بے بسی سے ان چکر باز دیواروں کو دیکھنے لگا۔ کیا وہ زندگی بھر کے لیے ان دلن ہوکر رہ جائے گا۔

☆......☆......☆

یہ ایک اہم سوال تھا اور فوری جواب کا طالب لیکن یہاں جواب دینے والا
کے چاروں طرف دیواریں تھیں، خاموش اور گونگی دیواریں جن کے بیچ وہ مدفون ہو
دیواروں کی اس بھول بھلیوں سے نجات کا صرف ایک ہی راستہ تھا۔ چاندکا جو آڑے
اس کی مدد کو آ پہنچتی تھی، اس وقت وہی اسے دیواروں کے اس پنجرے سے نجات دلا سکتی
پر چاندکا جانے اس وقت کہاں ہوگی؟ ایک تو مصیبت یہ تھی کہ وہ ضرورت
خود طلب نہیں کر سکتا تھا۔ اسے اپنی مدد کے لیے نہیں بلا سکتا تھا۔ وہ اپنی مرضی سے آتی
سے جاتی ۔ قامران اس معاملے میں بے اختیار تھا۔

''چاندکا!'' قامران نے زور سے آواز دی۔

اس کی آواز بند دیواروں میں اس قدر گونجی کہ قامران نے فوراً اپنے دونوں
لیے ورنہ کانوں کے پردے پھٹنے میں دیر نہ لگتی تھی۔

قامران نے اس آواز کے دھماکے کے بعد دوبارہ چاندکا کو آواز دینی مناسب
بھی اس قید خانے میں کسی کو آواز دینا ایسا ہی تھا جیسے کسی نپٹ بہرے کو راگ سنانا۔ قام
جھنجلاہٹ طاری ہوگئی۔ اس نے دیواروں کو زور سے پیٹ ڈالا۔ ساتھ ہی ادھر ادھر
دیں۔ اس مار پیٹ کا عجیب نتیجہ نکلا۔ قامران نے تو اپنا غصہ ان دیواروں پر نکالا تھا۔
کہ دیواریں اتنی شرم دار ہیں کہ پٹتے ہی اسے راستہ دے دیں گی۔

قامران ہلتی دیواروں کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ ہلکی سی گڑگڑاہٹ سے
پیچھے ہٹتی جا رہی تھیں اور دیوار میں خلا پیدا ہوتا جا رہا تھا۔ اس خلاء سے طلائی سی روشنی نک
چہرے پر پڑ رہی تھی۔ قامران حیرت سے اس صورت کو تک رہا تھا جو خلا سے نمودار ہو
وہ ایک انتہائی خوبصورت لڑکی تھی۔ ہاتھ میں موم بتی لیے اسے حیرت سے
بتی کی روشنی میں قامران نے اس کے جسم پر نظر ڈالی تو اچانک اسے تپش کا سا احسا
بدن لڑکی کے جسم پر برائے نام لباس تھا۔

''کون ہو تم؟'' اس لڑکی نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے گھورا۔

''یہی سوال میں تم سے کر سکتا ہوں۔'' قامران نے بڑے اطمینان سے جواب
قامران کا جواب سن کر لڑکی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''اچھا...... جلدی سے اندر آ جاؤ۔ پھر ہم دونوں ایک دوسرے سے سوال
کر وہ لڑکی مڑ گئی۔

قامران فوراً اس کے پیچھے ہو لیا۔ وہ جیسے ہی خلا میں داخل ہوا تو اس کے داخل ہوتے ہی
خود بخود ایک دوسرے سے مل گئیں۔ پیچھے کوئی راستہ نہ رہا۔ ہاں! اس کے سامنے ایک طویل
تھی جس کے بائیں جانب دور تک دروازے نظر آ رہے تھے۔ ہر دروازے پر ایک مشعل روشن
موم بتی والی لڑکی پہلے ہی دروازے پر رک گئی۔

جب قامران اس کے نزدیک پہنچ گیا تو وہ ''آؤ'' کہہ کر اندر داخل ہوگئی۔

اندر داخل ہوتے ہی اس نیم عریاں لڑکی نے اپنے جسم پر ایک چادر ڈال لی اور اسے اپنے
لپیٹتے ہوئے ایک چوکی کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ ''بیٹھو۔''

قامران بڑی سعادت مندی سے چوکی پر براجمان ہوگیا۔

''میرا نام گالنا ہے۔'' لڑکی نے سوالوں کے بجائے جوابوں سے سلسلہ شروع کیا۔

''گالنا!'' قامران نے حیرت سے دہرایا۔ ''یہ تو کچھ عجیب سا نام ہے۔ تمہارا نام تو سنہری
نے کی لڑکی جیسا ہونا چاہیے۔''

''اسے اتفاق ہی سمجھو کہ گالنا کا مطلب سنہری لڑکی ہی ہے۔'' گالنا نے مسکراتے ہوئے کہا۔
تم یہ کیوں چاہتے ہو کہ میرا نام سنہری لڑکی قسم کا ہو۔''

''تمہاری چمک دمک دیکھ کر۔'' قامران نے اسے تعریفی نظروں سے دیکھا۔

''اجنبی کیا تم اپنا نام نہیں بتاؤ گے؟'' گالنا نے موضوع سخن تبدیل کر دیا۔

''قامران نام ہے میرا۔'' وہ بولا۔

''کہاں سے آئے ہو؟''

''غربان سے۔''

''میں نے اس بستی کا نام پہلے کبھی نہیں سنا۔''

''ہاں نہیں سنا ہوگا...... غربان یہاں سے بہت دور ہے۔''

''یہاں کیوں آئے ہو؟''

''سیاح ہوں...... بستی بستی گھومنا میرا کام ہے۔''

''دیواروں کی بھول بھلیوں میں کس طرح پھنس گئے؟''

''مجھ سے بہتر تم جانتی ہوگی، تم نے مجھے ان چکر باز دیواروں سے نجات دلائی ہے۔ میں تو
گلی جان کر اندر داخل ہوگیا تھا۔ اندر پہنچا تو ہوش گنوا بیٹھا۔''

''میں اگر تم تک نہ پہنچتی تو دنیا کا کوئی آدمی تمہیں ان خونی دیواروں سے نجات نہیں دلوا سکتا
کے لیے زندہ دفن ہو کر رہ جاتے اور میں بھی اتفاقاً تمہاری مدد کو پہنچ گئی جبکہ یہ وقت نہ تو
کے آنے کا تھا اور نہ کسی پجاری کے۔''

''پھر تم مجھ تک کس طرح پہنچ گئیں؟''

''لیٹے لیٹے اچانک مجھے بے چینی سی ہونے لگی۔ دل بار بار ان دیواروں کی طرف کھنچنے لگا۔
ے کوئی ہے ان دیواروں کے پیچھے جسے میری مدد کی ضرورت ہے۔ دیواریں ہٹا کر دیکھا تو واقعی
ں لو اپنا منتظر پایا۔'' گالنا اپنے شانوں پر چادر درست کرتے ہوئے بولی۔

تب قامران کو فوراً ہی چاند کا یاد آئی۔ یہ کارنامہ اسی کا تھا۔ وہ براہ راست مدد کو نہ پہنچی گالنا کو بے قرار کر کے اسے آزاد کروا دیا۔

دیوتا کے گھر کے اسرار اب آہستہ آہستہ اس پر عیاں ہوتے جا رہے تھے۔ گالنا یقیناً ا اسراروں کی اہم کڑی تھی۔ وہ دیوتا کے گھر میں رہتی تھی اور یہاں کی تمام پر پیچ گلیوں سے واقف تھی وہ یہاں کے بھید آسانی سے کھول سکتی تھی۔ بشرطیکہ اس کا دل قامران کے لیے موم ہو جائے۔

''قامران جانے کیا بات ہے کہ میرا دل خود بخود تمہاری طرف کھنچنے لگا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے تم سے برسوں پرانی ملاقات ہے۔ تم سے ہر اچھی بری بات کرنے کو جی چاہتا ہے۔ کیا تم میر باتیں سنو گے؟ کیا میں تمہیں اپنے دل کا حال سناؤں؟''

گالنا نے قامران کے دل کی بات کہہ دی۔ وہ خوشی سے جھوم اٹھا۔

''ہاں ہاں...... سناؤ۔ ضرور سناؤ۔ میں تمہاری ساری باتیں بڑے غور سے سنوں گا لیکن پہلے یہ بتاؤ کہ ابھی ابھی تم نے کسی داسی اور پجاری کے آنے کا ذکر کیا تھا۔ اس سے تمہاری کیا مراد تھی؟''

''تم جس راستے سے آئے ہو' یہ بے حد چکردار راستہ ہے۔ اس کا ایک سرا باہر تالاب کی طرف ہے جدھر سے تم آئے تھے۔ دوسرا سرا اس کمرے کی پشت تک جاتا ہے جہاں دیوتا کی بہت بڑی مورتی رکھی ہے اور تیسرا سرا ایک زمین دوز راستے سے جا ملتا ہے۔ جہاں پانچ بڑے پجاریوں کی ر گاہ ہے۔ سورج غروب ہونے کے بعد دیوتا کی داسی کو اسی راستے سے اندر لایا جاتا ہے اور رات پجاری بھی اسی راستے سے آتے جاتے ہیں۔''

''جب کوئی دیواروں کے پیچھے ہوتا ہے تو تمہیں اس کی موجودگی کا احساس کس طرح ہو تا ہے۔'' قامران نے پوچھا۔

''وہ سامنے طاق میں رکھی ہوئی گھنٹی کو دیکھ رہے ہو۔ آنے والا جب ایک مقررہ تعداد میں ہتھوڑے سے دیوار پر ضربیں لگاتا ہے تو اس کی دھمک سے یہ گھنٹی خود بخود بج اٹھتی ہے۔ تب ا اٹھ کر دیواریں کھول دیتی ہیں۔''

''میں نے بھی تو دیواروں کو پیٹا تھا' کچھ لاتیں بھی جمائی تھیں...... کیا اس مار پیٹ کی تم تک نہیں پہنچی؟'' قامران نے ہنستے ہوئے کہا۔

''نہیں!'' گالنا نے کہا۔ ''یہ گھنٹی صرف اسی صورت میں بجتی ہے جب مخصوص تعداد مخصوص جگہ پر ہتھوڑا برسایا جائے۔''

''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ دیوتا کے گھر میں تم کس قسم کی خدمات انجام دیتی ہو؟''

''تم اگر نہ بھی پوچھتے تو بھی میں سب کچھ بتا دیتی۔ اب مجھے اس کام سے گھن آتی ہے۔ میں بہت بری لڑکی ہوں۔ اتنی بری کہ شاید ہی دیوتا مجھے معاف کرے۔'' گالنا نے اپنی ا بند کر کے گہری سانس لی۔ ''اس خدا کے گھر میں کیا کچھ ہوتا ہے' سنو گے تو حیران ہو جاؤ گے کے پجاری تو دیوتا کے پیامبر ہوتے ہیں۔ جو لوگوں کے لیے امن اور شانتی کا دروازہ کھولتے ہیں اچھی باتیں بتا کر انہیں برائیوں سے روکتے ہیں۔ انہیں گناہوں سے بچاتے ہیں لیکن یہاں کے شانتی کے دشمن ہیں۔ وہ خود اتنے غلیظ اور گندے ہیں کہ دوسروں کو پاک و صاف رہنے کی

ں گے۔ درندہ صفت ان پجاریوں سے دیوتا کے گھر کے چاروں طرف پھیلی ہوئی بستیوں کی کسی بھی ی کی عزت محفوظ نہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ بستی کے لوگ خوشی خوشی اپنی معصوم لڑکیوں کو ان ں کی بھینٹ چڑھا جاتے ہیں اور پلٹ کر بھی نہیں دیکھتے کہ ان کی لڑکی پر کیا بیتی۔''

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟'' قامران کے گلے سے گالنا کی بات نہ اتری۔ اس نے وضاحت

''اس دنیا میں سب ہو جاتا ہے۔ یہ سنہری لڑکی جو تمہارے سامنے بیٹھی ہے۔ اپنی مرضی سے ۔ ننے نہیں آئی تھی۔ خود سے ان درندوں کی بھینٹ چڑھنے نہیں آئی تھی۔ میرے ماں باپ خوشی خوشی رتی والے کمرے میں تنہا چھوڑ گئے تھے۔ بعد میں جب ان پجاریوں نے میرے ماں باپ کو ا ہو گی کہ تمہاری بیٹی کو دیوتا نے اپنی داسی بنانا قبول کر لیا ہے تو وہ خوشی سے پھولے نہ سمائے ہوں اش! وہ جانتے کہ دیوتا کے گھر میں دیوتا کا کہیں دور تک نام و نشان بھی نہیں۔ یہاں پجاریوں کا . ان کی مرضی کے بغیر پتا بھی نہیں ہلتا۔''

''اوہ...... یہاں تو صورتحال خاصی سنگین دکھائی دیتی ہے۔'' قامران بولا۔ ''تم ابھی اپنے بری ا ذکر کر رہی تھیں؟''

''ہاں...... اس وقت میں بہت بری ہوں۔ انتہائی گندی اور گنہگار لیکن اس وقت جب مجھے ے طور پر بھینٹ چڑھایا گیا تھا۔ میں جھرنے کی طرح پاکیزہ اور معصوم تھی۔'' گالنا دور خلاؤں میں نے لگی جیسے اسے اپنا گھر یاد آ گیا ہو۔ ''ایک صبح میں اسے منحوس صبح کہوں تو زیادہ بہتر ہے۔ میں مرے باپ نے کہا کہ اس نے خواب میں دیوتا کو دیکھا ہے جو مجھے اپنی داسی بنانا چاہتا ہے۔ بلکہ پورا گھرانہ ہی کہنا چاہیے' اس دن بہت خوش تھا اور میرے دل پر دکھ کے بادل چھائے تھے۔ دیوتا کی داسی بننا کوئی نئی بات نہ تھی۔ میری بستی کی کئی لڑکیاں دیوتا کی داسی بن کر ہمیشہ ی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی تھیں۔ مجھے دکھ تھا تو صرف یہ کہ میں اپنے سنگینا سے ہمیشہ کے لیے ہاؤں گی۔ میں تو اپنے محبوب کی داسی بننا چاہتی تھی' ان کے چرنوں میں زندگی گزارنا چاہتی تھی۔ یہ مجھے ں دیوتا کی داسی بنا دینا چاہتے تھے۔ اس دن میری آنکھیں دن بھر نیر برساتی رہیں کلیجہ ں ہو گیا۔ میں آخری بار اپنے سنگینا سے ملی۔ وہ کمبخت بھی خوش تھا۔ ہائے! عقیدت کے مارے ، اگر مجھے ذرا بھی اشارہ کر دیتا تو میں دیوتا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ دیوتا کی داسی بننے سے کار کر دیتی اور آج میں جو کچھ ہوں' وہ ہرگز نہ ہوتی۔ میں سنگینا کی بانہوں میں ہنسی خوشی زندگی ی ہوتی...... پر یہ مرد بھی عجیب ہوتے ہیں جسے پیار کرتے ہیں' اسے ہی آزمائش میں ڈال دیتے ! سنگینا نے صاف صاف مجھے دیوتا کی داسی بننے سے روک دیا ہوتا...... اے کاش!'' گالنا کی ی اور وہ سسک کر رو پڑی۔

قامران اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس نے پہلے تو اس کے جسم پر چادر درست کی اور پھر اس کی پیٹھ ر بولا۔ ''گالنا...... دکھی نہ ہو۔''

''شاید تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔ اب دکھی ہونے سے کیا فائدہ۔ وہ بھی سالوں بعد اور سب کچھ ں شاید آج بھی دکھی نہ ہوتی۔ میں تو سب کچھ بڑے صبر سے جھیلتی رہی ہوں لیکن تمہیں دیکھ

کرایک دم زخم ہرے ہو گئے ہیں۔ جانے کیوں پھوٹ پھوٹ کر رونے کو جی چاہتا ہے۔ تمہاری [illegible] میں ایسی کیا بات ہے؟ تم اپنے اپنے سے کیوں لگتے ہو؟" کالنا نے اسے ڈبڈبائی آنکھوں سے [illegible] ہوئے پوچھا۔

"میں بنیادی طور پر ایک مخلص آدمی ہوں۔ ہمیشہ سچ بولتا ہوں اور گناہوں کی آلودگیوں [illegible] پاک ہوں۔ شاید اسی لیے میں دیکھنے میں اپنا اپنا سا لگتا ہے اور لوگ میرے ساتھ ترجیحی سلوک [illegible] ہیں۔" قامران نے بڑی صفائی سے اپنی شخصیت کی پرتیں کھولیں اور پھر بولا۔ "کالنا تم مجھے بہت [illegible] لڑکی دکھائی دیتی ہوں۔ تم نے اگرچہ اپنے برے ہونے کا ذکر کیا ہے' مجھے نہیں معلوم کہ وہ برائیاں [illegible] قسم کی ہیں۔ اس کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ تم میں ابھی شرافت اور نیکی باقی ہے۔ تمہاری روح [illegible] بیدار ہے۔ داسی بننے کے بعد تم پر کیا گزری' ذرا تفصیل سے مجھے بتاؤ۔"

"سنکینا کی بے حسی نے مجھے مایوس کر دیا۔ زندگی سے میرا اعتماد اٹھ گیا۔ میں نے [illegible] جب تیرا محبوب' تیرے ماں باپ اور بہن بھائی سب تجھے داسی بنا دینے پر تلے ہوئے ہیں [illegible] اعزاز پر خوش ہیں تو تو دیوتا کی ناراضگی کیوں مول لیتی ہے۔ تو بھی خوشی سے داسی بننے کے [illegible] رضامند ہو جا اور میں پوری خوشدلی سے دیوتا کی داسی بننے کے لیے راضی ہو گئی۔ رسم کے مطابق [illegible] چھالوں کے محلول سے نہائی دھوئی' میرے جسم کو خوشبوؤں میں بسایا گیا۔ میرے بالوں اور ہاتھوں [illegible] گجرے سجائے گئے اور یوں میں سج بن کر دیوتا کی داسی بننے چلی۔ میرے ساتھ میرے ماں باپ' بہن اور وہ بزدل سنکینا بھی تھا۔ میں سج بن کر گھر سے نکلی تو میرے دل سے ہوک سی اٹھی۔ [illegible] سوچا' کاش! اس وقت میرا رخ دیوتا کے گھر کی بجائے سنکینا کے گھر کی طرف ہوتا۔ اس خیال [illegible] نے دل ہی دل میں مچل دیا اور نفرت سے سنکینا کی طرف دیکھا۔ وہ بدھو اپنی کالنا کو نہ سمجھ سکا [illegible] وقت میری نظروں کا مطلب کیا سمجھتا۔"

"کسی سمجھدار عورت کو کوئی نا سمجھ کر ٹھکرا جائے تو اس عورت کی زندگی بڑے عذاب میں [illegible] ہے۔ ویسے میں خود بھی عورتوں کے معاملے میں خاصا بدھو واقع ہوا ہوں۔" قامران نے شرارت [illegible] لہجے میں کہا۔

"کیا تم شادی شدہ ہو؟" کالنا نے پوچھا۔

"ہاں...... میں شادی شدہ تھا۔"

"تھا؟" کالنا نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میری بیوی مر چکی ہے!" قامران نے جواب دیا۔

"کیسے؟"

"میری کہانی بہت طویل ہے اور عجیب بھی۔ وقت ملا تو تمہیں ضرور سناؤں گا...... [illegible] اپنی کہانی جاری رکھو۔ اچھا پھر تم داسی بننے گھر سے چلیں۔"

"ہاں' میں گھر سے چلی اور لاتعداد سیڑھیاں طے کرتی ہوئی دیوتا کے گھر آ پہنچی۔ [illegible] سورج لال انگارہ ہو کر پہاڑوں کی اوٹ میں جا رہا تھا۔ پنچھی میرے سروں پر سے گزر کر اپنے [illegible] کی طرف بڑھ رہے تھے۔ دیوتا کے گھر کے دروازے میں قدم رکھتے ہی کئی پجاری [illegible]

۔ انہوں نے منہ ہی منہ میں کچھ اشلوک پڑھے اور میرے منہ پر بدبودار پھونکیں مار کر میرے [illegible] کو داسی بننے کی مبارکباد دینے لگے۔ پھر میں تالاب پار کر کے برآمدے میں پہنچی اور وہاں سے مجھے [illegible] کے کمرے میں پہنچایا گیا۔ اس کمرے کے دروازے پر سب کو روک دیا گیا کیونکہ دیوتا کو فالتو [illegible] وں کی موجودگی ہرگز برداشت نہ تھی۔ میں اکیلی کمرے میں داخل ہوئی۔ سارے پجاری بھی میرے [illegible] والوں کے ساتھ باہر ہی رہ گئے۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی میں نے اپنے پیچھے دروازہ بند ہونے [illegible] آواز سنی۔ اب اس کمرے میں دیوتا کی مورتی اور میرے سوا کوئی نہ تھا۔ کمرے میں دھندلا دھندلا [illegible] تھا اور تازہ پھولوں کی خوشبو ہر سمت سے اٹھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے دیوتا کے بڑے [illegible] مجسمے کو جو دیوار میں نصب تھا' بڑے غور سے دیکھا۔ میں سچ کہتی ہوں' مجھے دیوتا کا مجسمہ بے جان [illegible] سے زیادہ نہ لگا لیکن اس باغی خیال کو میں نے فوراً ہی جھٹک دیا اور پورے احترام سے دیوتا کے [illegible] ں میں بیٹھ گئی۔ پھر میں نے اپنی پیشانی اس کے پتھریلے قدموں میں رکھ دی اور آہستہ آہستہ [illegible] یں بند کر لیں۔ میرا خیال تھا کہ دیوتا خود مجھ سے ہمکلام ہوگا لیکن کچھ دیر گزر جانے کے بعد بھی [illegible] کے پتھریلے ہونٹوں میں حرکت نہ ہوئی تو پھر مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں اپنی پیشانی اس کے قدموں [illegible] رکھے رکھے بولی۔ "اے دیوتا! اے نیکی اور بدی کے آقا! تیری خواہش تھی کہ میں تیرے چرنوں [illegible] نثار ہو جاؤں۔ اس خواہش کے احترام میں' میں تیرے قدموں میں آ بیٹھی ہوں۔ مجھے اپنی داسی بنا [illegible] اور ابدی زندگی بخش دے تاکہ میں بھی خوش نصیبوں میں سے ہو جاؤں۔" اس کے علاوہ بھی میں [illegible] کچھ کہا ہوگا لیکن اب ساری باتیں اچھی طرح یاد نہیں۔ ہاں! یہ یاد ہے کہ باتیں کرتے کرتے [illegible] میں نے کمرے میں دھواں پھیلا ہوا محسوس کیا۔ یہ ایک خوشگوار دھواں تھا۔ میرا جی چاہا کہ لمبی [illegible] سانسیں لے کر اپنے پیٹ میں سارا دھواں اتار لوں۔ میں نے ابھی تک اپنی پیشانی دیوتا کے [illegible] وں سے نہیں اٹھائی تھی۔ مجھ پر ایک نشہ سا طاری ہوتا جا رہا تھا۔ تب اچانک میں نے دیوتا کے [illegible] میں جنبش محسوس کی۔ میں نے جلدی سے سر اٹھایا تو ایک عجیب منظر سامنے تھا۔ دیوتا کا مجسمہ دو [illegible] وں میں تقسیم ہو چکا تھا اور اس خلا سے ہیبت ناک پجاری نکل کر میری طرف بڑھ رہے تھے۔ پھر [illegible] تمام ہونے میں چند لمحے لگے۔ اس نشہ آور دھویں نے اپنا کام کر دکھایا اور میں نے خود کو ان [illegible] ان کی بانہوں میں محسوس کیا۔ پھر مجھے ہوش نہ رہا۔" کالنا چند لمحے سانس لینے کے لیے رکی۔

"حیرت ہے...... ان بدمعاش پجاریوں نے سیدھے سادھے لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے [illegible] کھیل بنایا ہوا ہے۔" قامران نے کہا۔ "کالنا یہ ٹھیک ہے کہ دیوتا کی مورتی دو حصوں میں تقسیم [illegible] اس مورتی سے پجاری برآمد ہوئے اور وہ تمہیں خاموشی سے اٹھا کر لے گئے اور مورتی پھر اپنی [illegible] گئی لیکن باہر دروازے پر تمہارے ماں باپ' بہن بھائی اور وہ سنکینا بھی موجود تھا۔ کیا انہوں نے [illegible] بارے میں جاننے کی کوشش نہیں کی؟"

"مجھے نہیں معلوم...... اس لیے کہ اس دن سے آج تک میں نے ان لوگوں کی شکل نہیں [illegible] ویسے انہوں نے میرے بارے میں جاننے کی ضرور کوشش کی ہوگی اور باہر کھڑے پجاریوں نے [illegible] غائب ہونے کے بعد دیوتا کا کمرہ انہیں دکھا کر انہیں مبارکباد دی ہوگی کہ تمہاری بیٹی کو دیوتا نے [illegible] میں لے لیا' اسے داسی بنانا قبول کر لیا۔ اب وہ ہمیشہ کے لیے آسمانوں پر چلی گئی۔ میرے

ماں باپ، بہن بھائی یہ سن کر پھولے نہ سمائے ہوں گے کہ دیوتا نے ان کی بیٹی کو شرن میں لے کر رتبہ بڑھا دیا۔ اب وہ بھی خوش نصیبوں میں سے ہو گئے۔ کاش! ان میں سے کسی نے بھی عقل سے لیا ہوتا لیکن مذہب کے مقابلے میں عقل کہاں کام کرتی ہے اور اگر کرے بھی تو لوگ اس کی فرا دیوانگی میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ ہائے عقیدت کے مارے لوگ!"

"اچھا پھر جب تمہیں ہوش آیا تو تم نے خود کو کہاں پایا؟"

"میری جب آنکھ کھلی تو میں نے خود کو ایک انتہائی نرم و ملائم بستر پر پایا۔ پھر میں نے چہرے پر بدبودار سانسیں محسوس کیں۔ ایک بحیم شحیم خبیث صورت پجاری میرے اوپر جھکا ہوا تھا۔ نے ایک دم اٹھنے کی کوشش کی تو پجاری نے فوراً ہی کچھ پڑھ کر میرے جسم پر پھونک ماری۔ مارتے ہی میرے جسم میں اکڑن پیدا ہو گئی۔ وہ پتھر کا بن گیا۔ میں باوجود کوشش کے اپنے جسم کو نہ دے سکے۔ میری اس بے بسی پر اس خبیث نے زوردار قہقہہ لگایا اور بولا۔ "میں دیوتا کا اوتار ہوں۔ اگر تم نے اوتار کی مرضی کے خلاف کوئی کام کیا یا اس کا کہنا نہ مانا تو دیوتا تم سے ناراض ہو جائے گا۔"

"پھر کیا ہوگا؟" میں نے تمسخرانہ انداز میں پوچھا۔

"تمہیں بھسم کر دیا جائے گا۔" وہ پجاری اپنے گندے دانتوں کی نمائش کرتا ہوا بولا۔

"اور اگر میں نے اس کے اوتار یعنی تمہاری بات مان لی تو؟" میں نے پوچھا۔

"تو تم زندگی بھر یہاں عیش کرو گی۔ جو چاہو گی، وہ پاؤ گی۔"

"میرا کام کیا ہوگا؟"

"صرف میری خدمت۔" اس خبیث نے مسکرانے کی کوشش کی، اس کی آنکھوں میں بھری تھی۔ "اور اگر تم نے خوشی سے میری خدمت کرنا قبول نہ کیا تو پھر اس گھر میں رہنے والے پجاریوں کی تمہیں خدمت کرنی پڑے گی اور ایسا کرنے کے لیے تم مجبور ہو گی۔ نمونہ تم نے ابھی دیکھ لیا ہے۔ میری ایک پھونک تمہیں پتھر کا بنا سکتی ہے۔"

"دیوتا کے گھر کے تمام پجاریوں کا ذکر سن کر میری روح فنا ہو گئی۔ ان سارے بھالوؤں کی خدمت کرنے سے کہیں بہتر تھا کہ میں اسی کی ہو کر رہ جاؤں۔ جو اپنے رکھ رکھاؤ سے مہا پجاری لگتا تھا۔ ویسے بھی میں ان کی قید میں تھی۔ ان کا ہر حکم ماننے کے لیے مجبور۔"

"پھر تم اس مہا پجاری کی داسی بن گئیں، اس کے تصرف میں آ گئیں۔ اس کی ہو ر گئیں۔" قامران نے پوچھا۔

"ہاں...... قسمت کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے۔ میرے جیون میں یہ دکھ لکھے تھے، سو رہی ہوں۔"

"گالنا! کچھ دیر پہلے تم نے مجھے ان بھول بھلیوں کے بارے میں بتایا تھا کہ یہ راستے کہاں نکلتے ہیں۔ تم اس بیرونی راستے سے بھی واقف ہو جس سے میں اندر آیا ہوں۔ پھر تم نے یہاں سے نکلنے کی کوشش نہیں کی؟" سوال ہوا۔

"ہاں! ایک بار یہ حماقت کر چکی ہوں۔"

"حماقت؟" قامران نے اسے الجھی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

"میں ایک مرتبہ بڑے اہتمام سے یہاں سے نکلی، یہ سوچ کر کہ کچھ دیر بعد آزاد فضا میں لوں گی لیکن ہوا یہ کہ میں باہر نکلنے کی بجائے پانچ پجاریوں کی رہائش گاہ میں پہنچ گئی۔ یہاں سے ونے کا کیونکہ یہ پہلا موقع تھا اس لیے پانچوں پجاریوں نے مجھے تنبیہ کر کے چھوڑ دیا اور میں اپنی اقت پر کئی دن تک پچھتاتی رہی...... اصل میں قصہ یہ ہے کہ میں یہ بات تو جانتی تھی کہ یہ راستے کہاں جاتے ہیں لیکن میں ان کے صحیح محل وقوع سے واقف نہیں ہوں اور میرا خیال ہے کہ سوائے پجاریوں کے تمام راستوں سے کوئی واقف نہیں اور ہو بھی نہیں سکتا۔ یہ راستے اس قدر چکر دار استے میں کئی دیواروں کو کھولنا بند کرنا پڑتا ہے کہ باہر نکلنا تو بڑی بات ہے، اندر آنا بھی مشکل ہو ے۔ ویسے اس کا تجربہ تمہیں خود بھی ہو چکا ہے۔ تم جس آسانی سے اندر گئے، کیا اسی آسانی سے جا سکے؟"

"نہیں...... اور اچھا ہی ہوا کہ مجھے واپسی کا راستہ نہ ملا۔"

"کیوں؟ اچھا کیوں ہوا؟" گالنا نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"پھر تم سے ملاقات کس طرح ہوتی؟"

"مجھ سے ملاقات اتنی اہم نہ تھی...... اب یہ سوچو کہ تم باہر کس طرح نکلو گے۔ کیا تم اس قیقت سے واقف ہو کہ اب زندگی بھر تم اس قید خانے سے نہ نکل سکو گے؟"

"نہیں...... بلکہ اس کے برخلاف میں اس حقیقت سے واقف ہوں کہ میں بہت آسانی سے ے نکل جاؤں گا اور اگر تم یہاں سے جانا چاہو گی تو تمہیں بھی اپنے ساتھ لیتا جاؤں گا۔" قامران ے اعتماد سے کہا۔

"کچھ پراسرار قوتوں کے مالک ہو کیا؟" گالنا نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔

"نہیں...... ہاں اعتماد اور یقین کی قوت سے ضرور مالا مال ہوں۔"

"یہ کون سی قوتیں ہیں، ان کا نام تو میں پہلی بار سن رہی ہوں۔"

"ان قوتوں کے آگے دنیا کی تمام قوتیں ہیچ ہیں!"

"کہیں یہ خود فریبی تو نہیں۔"

"میں بڑا عملی آدمی ہوں۔ خواب و خیال کی دنیا سے کوسوں دور۔" قامران نے اسے گہری ے دیکھتے ہوئے کہا۔ "ایک بات تو بتاؤ۔ صبح جب میں دیوتا کے گھر میں داخل ہوا تو مجھے ایک ل چلتا پھرتا نظر نہیں آیا، البتہ کچھ لنگوٹی والے اپنے کمروں میں سوتے ضرور ملے۔ کیا دیوتا کے ورج دیر سے نکلتا ہے؟"

"قامران! یہاں کی راتیں جاگتی ہیں اور دن سوتے ہیں۔" گالنا نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کر اصل یہاں پوجا کا وقت سورج ڈوبنے سے شروع ہوتا ہے۔ شام کے وقت دیوتا کے گھر کی بننے والی ہوتی ہے۔ دیوتا کے گھر کے چاروں طرف پھیلی ہوئی بستیوں کے رنگ برنگے مرد یہاں تے ہیں۔ اس دیوتا کے درشن کے لئے جس کے وجود کو یہ پجاری جب چاہتے ہیں، دو حصوں ر دیتے ہیں۔ پتھر کے اس بے جان ٹکڑے کو یہ معصوم لوگ جانے کیا سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کو ۔ یہاں آنے سے پہلے میں خود بھی اس دیوتا کو اپنی تمام پریشانیوں کا حل سمجھتی تھی۔ اسے

کاش! میں بستی کے معصوم لوگوں کو اس دیوتا کی بے بسی اور ان خبیث پجاریوں کے کرتو سکوں...... ہاں! تو میں تمہیں بتا رہی تھی کہ جب پوجا کا وقت ختم ہو جاتا ہے تو دیوتا کے گھر کے ان حصوں میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ یہاں سے وہاں تک بنے کمروں میں جن میں داسیاں ہیں پجاری آتے ہیں اور کسی بھی داسی کا ہاتھ پکڑ کر لے جاتے ہیں۔ پوری رات رنگ رلیوں میں گز ہے۔ صبح ہوتی ہے تو اوندھے سیدھے لیٹ کر سو جاتے ہیں۔"

"اور تم؟"

"میں صرف بڑے پجاری کے لیے مخصوص ہوں۔ جب اس کا جی چاہتا ہے' اپنے چیلے ہاتھوں مجھے بلوا لیتا ہے۔" گالنا نے بڑے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "اس کے علاوہ ایک اور کام مجھے کر ہے جو انتہائی مکروہ ہے۔"

"وہ کیا؟"

"جب یہ شیطان پجاری کسی نئی لڑکی کو داسی بنا کر اپنے جال میں پھنسا لیتے ہیں تو آ والے وحشت ناک وقت کے لیے اس داسی کو ذہنی طور پر تیار کرنا' اس کی تربیت اور مرد کو لبھانے کا سکھانا میری ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ یہ کام مجھے دل پر پتھر رکھ کر کرنا پڑتا ہے۔ کیا کروں مج ہے۔"

"اچھا' اب تم یوں کرو کہ باہر جا کر تمام داسیوں کے دروازے باہر سے بند کر آؤ۔ میں کافی وقت گزر گیا ہے۔ ابھی وہ سوتی ہوں گی' ممکن ہے کوئی جاگ جائے تو باہر نہ آ سکے۔" قامر نے کہا۔

"تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"فی الحال تم میرے کہنے پر عمل کرو اور مجھے ایک لمبی سی رسی لا کر دو۔"

"تمہارے ذہن میں کیا ہے' کچھ بتاؤ تو سہی۔"

"میں یہاں سے نکلنے کا راستہ تلاش کرنا چاہتا ہوں۔"

"رسی کا کیا کرو گے؟"

"تمہارے پاس رسی ہے؟" قامران نے فیصلہ کن انداز میں پوچھا۔

"ہاں' مل جائے گی!"

"بس پھر جاؤ' رسی لاؤ اور داسیوں کے دروازے بند کر آؤ۔"

"دروازے بند کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ کوئی بھی داسی دوپہر سے پہلے نہیں اٹھے گی۔"

"اور اگر کوئی اٹھ کر باہر آ گئی تو؟"

"تو آ جانے دو' میں اس سے نمٹ لوں گی۔ یہ قید کی زندگی کسے پسند ہوگی بھلا۔ اسے کر اپنا ہمنوا بنایا جا سکتا ہے کہ ہم یہاں سے فرار ہونے کا راستہ تلاش کر رہے ہیں۔"

"یہ ٹھیک ہے۔" قامران کی سمجھ میں بات آ گئی۔ اس نے زور زور سے گردن ہلا کر "اچھا پھر مجھے رسی دو۔"

گالنا بغیر کچھ جواب دیئے چادر سنبھالتی ہوئی اٹھی اور ابھی اس نے بغلی کمرے کے درو

کہا ہی تھا کہ طاق پر رکھی ہوئی گھنٹی اچانک ٹن سے بول اٹھی۔

گھنٹی بولنے کا مطلب تھا کہ دیواروں کے پیچھے کوئی ہے اور اندر آنا چاہتا ہے۔

گھنٹی کی آواز سن کر گالنا کے چہرے پر زردی کھنڈ گئی۔ وہ لرزتے قدموں سے قامران کے آئی اور بڑی مشکل سے بولی "اس وقت کون آ گیا۔"

☆......☆......☆

قامران کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ اس نے پورے اطمینان سے گالنا کی یکھا اور پُراعتماد لہجے میں بولا۔ "گھبراؤ مت ورنہ سارا کھیل بگڑ جائے گا۔"

"میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی کہ اس وقت کون یہاں آ گیا؟" گالنا نے خود پر قابو ے کہا۔ "اس وقت یہاں کوئی نہیں آ سکتا کیونکہ سب جانتے ہیں کہ یہ وقت داسیوں کے سونے

"اچھا جاؤ دیکھو تو دیواروں کے پیچھے کون ہے۔" قامران نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا "میں ل اندرونی کمرے میں چھپ جاتا ہوں...... جو بھی ہو' اسے تم خوبصورتی سے ٹرخا دینا۔ اگر وہ باہر نہ ٹرخے تو بلاجھجک اندر لے آنا لیکن اس بات کا خیال رکھنا کہ وہ اندرونی کمرے میں داخل نہ

"اچھا' ٹھیک ہے...... تم کمرے میں جاؤ۔"

قامران خاموشی سے کمرے کے اندر چلا گیا۔ گالنا نے دروازہ بند کیا اور بولی۔ "قامران! کنڈی لگا دوں؟"

"ہاں! لگا دو۔" اندر سے آواز آئی۔

گالنا نے تیزی سے قامران کے کمرے کی کنڈی چڑھائی۔ اپنے سنہرے جسم سے چادر اتار لی ایک بڑی سی موم بتی اٹھائی اور دو چار گہرے سانس لے کر خفیہ دروازے کی طرف بڑھی۔ ہیں تو گالنا نے موم بتی کی روشنی میں ایک خبیث صورت کو اپنے جسم کی طرف بھوکی نظروں تا پایا۔ یہ شومگا تھا...... بڑے پجاری کا خاص چیلا۔

"شومگا کیا بات ہے؟" گالنا نے اسے اندر آنے کا راستہ نہ دیا اور اپنے ہونٹوں پر تبسم بکھیر ا۔ "کیا بڑے پجاری کا کوئی پیغام لے کر آئے ہو؟"

"پیغام تو میں اپنا لے کر آیا ہوں' وہ تو ندو تو پڑا سوتا ہے۔"

"شاید تم اس کی غفلت سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو؟"

"وہ اگر جاگتا بھی ہوتا تو میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا...... میں اس سے زیادہ طاقتور ہوں۔ اس علم جانتا ہوں۔ آج سے بڑا پجاری میں ہوں۔ اس کی تمام داسیاں آج سے میری ہیں۔ تم ی ہو...... چلو اندر۔"

"شاید تم نشے میں ہو اور نہیں جانتے کہ تمہاری اس حرکت کا کیا نتیجہ نکلے گا...... بڑا پجاری ھون کر رکھ دے گا۔"

"وہ توندو تو خیر مجھے کیا بھونے گا' البتہ تم اپنے حسن کی آگ جلا کر مجھے ضرور خاکستر کر سکتی

ہو۔'' شومگا نے جھوم کر اپنا ہاتھ بڑھایا اور پھونک مار کر موم بتی گل کر دی۔

گالنا تیزی سے پیچھے ہٹی۔ شومگا بھی یہی چاہتا تھا۔ اس نے اندر آ کر پہلے دیواریں، کیں، پھر گالنا کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا کمرے کی طرف بڑھا۔ کمرے کے دروازے پر پہنچ کر اس نے ا کو زور سے دھکا دیا۔ وہ فرش پر اوندھے منہ گرتے گرتے بچی۔ اس اثناء میں شومگا دروازہ بند کر کنڈی چڑھا چکا تھا اور بازو پھیلائے خباثت سے ہنستا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ گالنا نے چادر سے اپنا عریاں جسم ڈھک لیا اور غصے سے بولی۔ ''شومگا! ہوش میں آؤ۔''

''ہوش اب کہاں! ہوش تو تم نے اڑا دیئے۔''

''کیوں اپنی موت کو دعوت دیتے ہو۔ بڑے پجاری کو یہ سب معلوم ہو گیا تو تمہاری ا بوٹی کر دے گا۔''

شومگا نے جھپٹ کر گالنا کا ہاتھ تھام لیا اور اسے زور سے دباتے ہوئے بولا۔ ''موت کو ت آج تو میں نے زندگی کو دعوت دی ہے۔ تمہیں اگر اس توندو کا اتنا ہی خیال ہے تو خوب چیخو چلاؤ' تا وہ تمہاری مدد کو آ پہنچے۔''

پھر شومگا نے گالنا کا ہاتھ پکڑ کر زور سے اپنی طرف کھینچا۔ اس جھٹکے کی وہ تاب نہ لا سکی، اس کے سینے سے آ لگی۔ پھر اس ریچھ نے ہوس کے پنجے اس کے ریشمی بدن میں گاڑنے چاہے۔ ا ہی دروازے کی کنڈی خود بخود ٹوٹ کر دور جا گری اور دھاڑ سے دروازہ کھلا۔ شومگا نے چونک کر پ دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ دروازے پر دیوتا کے گھر کا سب سے بڑا پجاری موجود تھا۔

گالنا' شومگا سے اپنا ہاتھ چھڑا کر بڑے پجاری کی طرف لپکی اور اس سے کچھ کہنا چاہا' ا بڑے پجاری نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بولنے سے روک دیا اور خود بولا۔ ''میں سب ہوں۔''

پھر بڑا پجاری خونخوار نظروں سے شومگا کو دیکھتا ہوا آگے بڑھا۔ بڑے پجاری کو دیکھ کر ا کی سٹی گم ہو گئی تھی۔ وہ مجل سا سر جھکائے کھڑا تھا۔ بڑے پجاری نے اس کے نزدیک پہنچ کر پاؤں سے کھڑاؤں اتاری اور تاڑ تاڑ اس کے سر پر برسانے لگا۔

''اب تو کبھی ایسی حرکت کرے گا؟'' بڑے پجاری نے ہاتھ روک کر پوچھا۔

''نہیں گرو جی' کبھی نہیں۔'' شومگا سر جھکائے بولا۔

''جا پھر نکل یہاں سے۔ اس مرتبہ اتنی سزا کافی ہے۔ آئندہ تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

شومگا اپنے دل میں نفرت کی چنگاری چھپائے فوراً ہی گالنا کے کمرے سے نکل گیا۔ ا کے جانے کے بعد بڑے پجاری نے اسے مسکرا کر دیکھا اور بولا۔ ''اچھا میں چلتا ہوں..... تم ا کرو۔''

بڑے پجاری کے جانے کے بعد گالنا نے جلدی سے خفیہ دروازہ بند کیا اور کمرے کا اندرونی دروازہ کھولا۔ قامران مسکراتا ہوا دروازے سے برآمد ہوا۔ گالنا اپنا دل تھام کر چوکی پر بیٹھ ا ایک بڑی مصیبت اس کے سر سے ٹل چکی تھی۔

قامران اس کمرے میں آیا تو اس کے نتھنوں نے ایک مانوس سی خوشبو محسوس کی۔

ے بدن کی خوشبو..... قامران نے گہری سانسیں لے کر چاروں طرف دیکھا۔ چاندکا کا دور تک تھا۔

''یہ خوشبو کیسی ہے؟'' گالنا اچانک گہرے گہرے سانس لے کر بولی۔

''تم بھی محسوس کر رہی ہو اس خوشبو کو؟''

''ہاں یہ تو بڑی مسحور کن خوشبو ہے لیکن بڑا پجاری تو کبھی خوشبو استعمال نہیں کرتا ...... یہ آج ا ہوا؟'' گالنا نے تعجب سے گردن ہلائی۔

تب قامران کو یہ اندازہ کرنے میں دیر نہ لگی کہ آنے والا اصل میں بڑا پجاری نہ تھا بلکہ پجاری کے روپ میں چاندکا تھی جو اپنا کام کر کے بڑے آرام سے واپس چلی گئی تھی۔

''واہ' بڑے پجاری جی خوب ہاتھ دکھایا۔'' قامران نے ٹوٹی کنڈی کی طرف دیکھتے ہوئے ''کاش! تم مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاتے۔''

''دیوتا کا شکر ادا کرو کہ بڑے پجاری کو تمہاری بھنک نہیں ملی ورنہ تم آج گئے تھے کام گالنا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اس کی آمد پر میری تو جان ہی نکل گئی تھی۔''

''اور میری جان اب نکلی ہے اس کے جانے پر۔''

''اتنا ہی افسوس ہے اس کے جانے کا تو آؤ میرے ساتھ' میں تمہیں اس سے ابھی ملوا دیتی ''

''تم پتہ نہیں مجھے کس سے ملوا دو گی۔ میں جس سے ملنا چاہتا ہوں' وہ تو اپنی خوشبو چھوڑ کر جا

''پتہ نہیں تم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔''

''ہاں' اس کی خوشبو واقعی مجھے بہکا دیتی ہے۔''

''کس کی؟''

''اس کی جو مجھے صدیوں سے تلاش کرتی پھر رہی ہے۔''

''میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا..... تم کس قسم کی باتیں کر رہے ہو؟''

''تمہاری سمجھ میں آ بھی نہیں سکتا۔'' قامران نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم ان ا چھوڑو اور مجھے رسی لا کر دو تاکہ فرار کا راستہ تلاش کیا جا سکے۔''

''مجھے ڈر لگتا ہے' کہیں بڑا پجاری پھر نہ آ جائے۔''

''نہیں...... وہ اب نہیں آئے گا۔ وہ یہاں سے مطمئن ہو کر گیا ہے۔''

''تم رسی سے راستہ کس طرح تلاش کرو گے؟''

''تم مجھے رسی تو لا کر دو...... پھر خود بخود تمہاری سمجھ میں آ جائے گا۔''

''رسی!'' گالنا یہ کہہ کر کچھ سوچنے لگی۔ جیسے رسی کی جگہ یاد کر رہی ہو۔ ''ہاں ذرا اس چوکی اٹھانا۔''

قامران نے گالنا کی بات سنتے ہی فوراً چوکی کے نیچے جھانکا تو خوشی سے اس کی باچھیں کھل جس قسم کی رسی چاہیے تھی' وہ چوکی کے نیچے موجود تھی۔ اس نے چوکی کے نیچے سے رسی

نکالی اور تیزی سے اسے کھولنے لگا۔ گالنا اسے بڑی توجہ سے دیکھ رہی تھی۔

"بس کام بن گیا...... یہ تو خاصی لمبی رسی ہے لیکن تم نے اسے کس مقصد کے لیے یہاں ہوا تھا؟"

"یہ رسی شروع ہی سے اس کمرے میں موجود ہے۔ مجھے نہیں معلوم اسے کس نے کمرے میں رکھا اور کیوں رکھا۔"

"خیر جس نے بھی رکھا' ساری دیوتا اس کا بھلا کرے۔" قامران نے رسی کا ایک سرا کمر سے باندھتے ہوئے کہا۔ "اب دوسرا سرا تم اپنے ہاتھ میں تھام لو اور خفیہ دروازہ کھول دو۔ میں جا کر راستہ تلاش کرتا ہوں۔ اس رسی کا فائدہ یہ ہوگا کہ میں راستہ نہیں بھولوں گا' اگر بھٹکوں گا تو اس کے سہارے تم تک پہنچ جاؤں گا...... کہو کیسا خیال ہے؟"

"لاجواب۔" گالنا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا' مجھے اب کوئی ایسی چیز چاہیے جس سے میں دیواروں پر پہچان کے لیے نشان سکوں۔"

"ایسی تو میرے پاس کوئی چیز نہیں۔"

"تم کاجل استعمال کرتی ہو؟"

"ہاں کرتی ہوں۔"

"بس پھر تھوڑا سا کاجل مجھے دے دو۔"

"یہ ٹھیک ہے۔" گالنا اٹھتے ہوئے بولی۔ پھر اس نے مٹی کی ایک بے حد خوبصورت اس کے سامنے لا کر رکھ دی۔ "لو۔"

قامران نے ایک انگلی سے تھوڑا سا کاجل نکال کر اپنی ہتھیلی میں لگا لیا اور بولا۔ "اب تیار ہوں۔"

"تمہیں اگر باہر نکلنے کا راستہ مل گیا تو تم باہر کے باہر ہی چلے جاؤ گے یا واپس آؤ گے؟"

"واپس آؤں گا...... ابھی تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔"

"ٹھیک ہے...... میں تمہارا انتظار کروں گی۔"

پھر گالنا خفیہ دروازے کی طرف بڑھی۔ اس نے خفیہ دروازہ کھولا اور بے قراری سے بولی

"قامران...... ذرا جلد واپس آنا۔"

"اچھا۔" کہہ کر قامران نے خفیہ دروازے سے باہر قدم رکھا اور تنگ راستے سے آگے بڑھنے لگا۔ آگے جا کر راستہ کشادہ ہو گیا۔ تھوڑا آگے بڑھنے پر...... ایک دیوار سامنے آ گئی لیکن دیوار کے بائیں اور دائیں جانب راستہ موجود تھا۔ قامران نے بائیں جانب والا راستہ اختیار کیا لیکن راستہ آگے جا کر مسدود ہو گیا تھا۔ قامران پھر واپس پلٹا اور اس مرتبہ اس نے دائیں جانب والا راستہ پکڑا۔ یہ راستہ ٹھیک تھا۔ اسے راہ ملتی گئی۔

یہ راستہ گولائی میں تھا۔ قامران گول گول گھومتا جا رہا تھا کہ اچانک یہ راستہ پھر دو سمتوں میں تقسیم ہو گیا۔ قامران نے پھر بائیں طرف چلنا پسند کیا۔ یہ ایک لمبا راستہ تھا۔ اس راستے کو عبور

ار دیوار نظر آئی۔ نزدیک پہنچا تو دائیں جانب راستہ موجود تھا اور یہ راستہ اسے مخالف سمت میں رہا تھا جیسے وہ واپس جا رہا ہو۔ کچھ دیر چلنے کے بعد پھر چکردار راہ آ گئی۔

اس طرح قامران گولائیوں میں گھومتا' لمبے راستوں پر چلتا۔ کبھی آگے جاتا' کبھی واپس باہر کا راستہ تلاش کرنے میں مصروف تھا۔ آخر ایک موڑ کاٹ کر جب وہ باہر نکلا تو اسے باہر کا ال دکھائی دیا۔ وہ تالاب اور تالاب میں پڑے بہت سے کنول۔ قامران خوشی سے جھوم اٹھا۔ باہر کا راستہ پا لیا تھا۔ وہ فوراً ہی واپس پلٹ پڑا۔ اب وہ ہر موڑ پر اپنے ہاتھ میں لگے کاجل ان پر نشان لگاتا جا رہا تھا۔ رسی اس نے کمر سے کھول لی تھی۔ نشان لگانے کے ساتھ ساتھ وہ لپیٹتا جا رہا تھا۔ جلد ہی وہ خفیہ دروازے پر پہنچ گیا۔ گالنا اس کے انتظار میں رسی کا سرا پکڑے ہی کھڑی تھی۔

اسے آتا دیکھ کر وہ بے تابی سے بولی۔ "کیا ہوا؟"

"اندر چلو' بتاتا ہوں۔"

گالنا نے جلدی سے خفیہ دروازہ بند کیا اور وہ دونوں کمرے میں آ گئے۔

"گالنا خوش ہو جاؤ کہ میں نے باہر نکلنے کا راستہ تلاش کر لیا ہے۔"

"سچ!" وہ پھول کی طرح کھل اٹھی۔

"دن کے اجالے کی طرح سچ۔"

"ہائے! مجھے پھر اپنے ساتھ لے چلو۔"

"ابھی نہیں۔" قامران دوٹوک بولا۔

"کیوں؟" گالنا اداس ہو گئی۔

"میں تمہیں یہاں سے لے جا کر پجاریوں کو چوکنا نہیں کرنا چاہتا۔ تم نے یہاں اتنے سال گزارے ہیں' چند روز اور انتظار کر لو...... نہ صرف تمہیں آزادی مل جائے گی بلکہ یہاں قید ہو جائے گی...... کیوں کیا خیال ہے؟" قامران نے پوچھا۔

"جیسی تمہاری مرضی...... میں تمہاری خواہش کے مطابق چند روز اور انتظار کر لوں نے تم پر اندھا اعتماد کیا ہے۔ میں تمہیں فرشتہ سمجھتی ہوں جو ہم مظلوموں کی مدد کے لیے ہے۔"

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میں اس دیوتا کے گھر کو اس شیطانی ٹولے سے پاک کرنے آیا آسمان سے نہیں' زمین سے ہے۔ اپنی غلط فہمی دور کر لو۔"

"ی تو نہیں چاہتا...... بہرحال تم کہتے ہو تو تمہیں ایک عام آدمی تسلیم کیے لیتی ہوں۔" گالنا ے بولی۔ "اچھا یہ بتاؤ کہ اب کب واپس پلٹو گے؟"

"بہت جلد۔" قامران نے بڑے اعتماد سے کہا۔ "تم ذرا اپنی بستی کا نام بتاؤ؟"

"میری بستی کا نام سارزا ہے۔"

"سارزا...... یہ بستی کس طرف ہے؟"

"تم دیوتا کے گھر کی سیڑھیاں اتر کر جیسے ہی نیچے پہنچو تو بائیں جانب چل پڑنا...... تم جلد ہی

سارزا پہنچ جاؤ گے۔"

"اور یہ شکران کدھر ہے؟"

"سیڑھیوں کے دائیں جانب جاؤ گے تو شکران میں داخل ہو جاؤ گے۔"

"اچھا......اب میں یہاں سے نکل جانا چاہتا ہوں۔ تم ذرا دروازہ کھولو۔"

"اچھا۔" گالنا ٹھنڈی سانس لے کر اٹھی۔ "آؤ۔"

گالنا نے خفیہ دروازہ کھولا اور ایک جانب اداس سی کھڑی ہوگئی۔

"اداس ہونے کی ضرورت نہیں' سمجھ لو کہ تمہارے برے دن ختم ہوئے۔ میں بہت جلد تمہیں لینے آؤں گا۔"

"میں تمہارا شدت سے انتظار کروں گی قامران۔"

قامران' گالنا سے رخصت ہو کر تیز تیز اس چکروار راستے کی طرف بڑھا۔ اب یہ راستہ قامران کے لیے آئینہ کی طرح شفاف تھا۔ وہ اپنے لگائے ہوئے نشانوں کے سہارے یہ راستہ عبور کرتا جا رہا تھا۔ آخر وہ پھر سے دروں والے برآمدے میں جا پہنچا۔ دیوتا کا گھر پہلے کی طرح سنسان پڑا تھا۔

برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر اس نے تالاب والے صحن کو عبور کیا اور بڑے دروازے کی کھڑکی سے نکل کر دیوتا کے گھر کی سیڑھیاں اترنے لگا۔ سیڑھیاں اتر کر جب وہ پہاڑی کے دامن میں پہنچا تو خلاف توقع ابلا اسے ایک درخت کے نیچے کھڑی نظر آئی۔ اگرچہ قامران نے ابلا کو درخت سے نہیں باندھا تھا لیکن وہ درخت کے نیچے اس طرح کھڑی تھی جیسے اسے کسی نے باندھ دیا ہو۔ جب وہ نزدیک پہنچا تو ابلا اسے دیکھ کر ہنہنائی جیسے اس نے اتنی دیر سے آنے کی شکایت کی ہو۔ قامران نے پیار سے اس کی گردن تھپتھپائی اور اس پر سوار ہو کر سارزا کی طرف چل دیا۔

وہ ابھی زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ اسے سامنے سے دو خچر سوار آتے ہوئے نظر آئے۔ دونوں سوار یکساں لباس پہنے ہوئے تھے لیکن ان میں ایک مرد تھا اور ایک عورت۔ یہ بات قامران کو اس وقت معلوم ہوئی جب وہ دونوں سوار خاصے نزدیک آ گئے۔ ان دونوں سواروں کے کندھے پر کلہاڑیاں رکھی ہوئی تھیں۔ قامران نے اشارے سے انہیں روکا۔

دونوں سواروں نے اپنے خچر روک لیے اور حیرت سے قامران کو دیکھنے لگے۔ وہ دونوں کم عمر تھے اور اپنی شکل' صورت سے بھائی بہن دکھائی دیتے تھے۔

"میں سارزا جانا چاہتا ہوں۔" قامران نے دونوں کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ سامنے سارزا ہے۔" لڑکے نے ہاتھ کے اشارے سے دور آبادی کی طرف اشارہ کیا۔

"تم وہاں کس سے ملنے جا رہے ہو؟" اس مرتبہ لڑکی بولی۔

قامران نے اس پرکشش لڑکی کو غور سے دیکھا۔ اس کے سر پر ایک سفید رومال بندھا ہوا تھا۔ ایسا ہی رومال لڑکے کے سر پر بھی تھا۔ اس لڑکی کو دیکھ کر قامران کو جانے کیوں گالنا یاد آ گئی۔ اس کے نقش گالنا سے بڑے ملتے جلتے تھے۔

"میں گالنا کے باپ سے ملنا چاہتا ہوں۔" قامران نے ایک ہوائی تیر چھوڑا اور دونوں

غور سے دیکھنے لگا۔

گالنا کا نام سن کر وہ دونوں چونک اٹھے۔ انہوں نے ایک دوسرے کو تحیر آمیز نظروں سے

"تم گالنا کو کیسے جانتے ہو؟" لڑکی نے پوچھا۔

"یہ سوال مجھ سے صرف گالنا کا باپ کر سکتا ہے۔"

"میں گالنا کا بھائی ہوں اور یہ میری چھوٹی بہن۔" اس مرتبہ لڑکے نے مداخلت کی۔

"میرا شبہ ٹھیک ہی نکلا...... مجھے تم دونوں گالنا کے بہن بھائی ہی لگے تھے۔" قامران نے ے ہوئے کہا۔ "تم دونوں کہاں جا رہے ہو؟"

"ہم دونوں لکڑیاں کاٹنے جا رہے تھے لیکن اب نہیں جائیں گے۔ آؤ ہمارے ساتھ ہمارے گھر۔"

یہ کہہ کر دونوں نے اپنے خچر آبادی کی طرف موڑ لیے جبکہ قامران کا رخ پہلے ہی سے آبادی کی طرف تھا۔ ان دونوں نے قامران کو درمیان میں لے لیا۔ لڑکی بائیں جانب تو لڑکا دائیں جانب۔ آہستہ روی سے آبادی کی طرف چل دیئے۔

"اے مسافر...... تم اپنے لباس اور چہرے مہرے سے کسی دور دراز علاقے کے معلوم ہوتے ہو۔ اس سے پہلے ہم نے تمہیں کبھی دیکھا بھی نہیں...... پھر تم ہمیں یہ بتانا پسند کرو گے کہ تم ہماری بہن سے کس طرح واقف ہو اور ہمارے باپ سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟" لڑکی نے بڑی شائستگی سے سوال کیا۔

"تم سب کے لیے میرے پاس ایک اہم اطلاع ہے اور ہاں میرا نام قامران ہے...... تم کو کیا کہوں؟" قامران نے لڑکے کی طرف دیکھا۔

"میرا نام سگرام ہے۔" لڑکے نے بتایا۔

"اور میرا نام رگولی۔" لڑکی نے اپنا نام بتایا۔ "ذرا بتاؤ تو وہ اہم اطلاع کیا ہے؟"

"میں ابھی ابھی تمہاری بہن سے مل کر آ رہا ہوں!" قامران نے انکشاف کیا۔

"گالنا سے؟" رگولی نے تصدیق چاہی۔

"ہاں' گالنا سے......وہ بہت مشکل میں ہے۔"

"شاید تم نہیں جانتے کہ وہ دیوتا کی داسی بن چکی ہے اور جو دیوتا کی داسیاں بن جاتی ہیں' وہ گھروں میں نہیں رہتیں' دیوتا کے آستانوں میں رہتی ہیں۔" رگولی کے لہجے میں بے یقینی کے آثار موجود تھے۔ "تم کہتے ہو کہ تم اس سے مل کر آ رہے ہو۔ یہ کیا مذاق ہے؟"

"یہ مذاق نہیں' بڑی بھیانک حقیقت ہے...... بستی میں چلو' پھر بتاؤں گا کہ تمہاری بہن اور دوسری لڑکیوں پر دیوتا کے گھر میں کیا بیت رہی ہے۔" یہ کہہ کر قامران نے ابلا کو تیز چلنے کا اشارہ کیا۔ قامران کو تیز ہوتے دیکھ کر رگولی اور سگرام نے بھی اپنے خچروں کو تیز بھگایا۔ تھوڑی سی دیر بعد وہ بستی میں داخل ہو گئے۔ بستی کے لوگوں نے رگولی اور سگرام کے ساتھ ایک بدیسی کو دیکھا۔

رگولی اور سگرام نے اپنے گھر کے احاطے میں داخل ہو کر اپنے باپ کو زور زور سے آ
دیں۔ اتنی زور سے کہ وہ ان آوازوں سے پریشان ہو کر بھاگا چلا آیا۔

"کیا ہوا؟......تم لوگ کیوں چیخ رہے ہو؟" پھر اس نے اپنے بچوں کے ساتھ کسی ا
دیکھا تو بولا۔ "ارے! یہ کون ہے؟"

"بابا......ان کا نام قامران ہے۔ یہ تم سے ملنے آئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان کے
تمہارے لیے ایک اہم اطلاع ہے گالتا کے متعلق......ایک بڑی عجیب وغریب اطلاع۔ یہ گالتا
کر آ رہے ہیں۔" رگولی نے جلدی جلدی اس کا تعارف کروایا۔

"سورج مغرب کے بجائے مشرق سے نکل سکتا ہے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی انسا
کی داسی کی جھلک دیکھ لے......تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے نوجوان۔"

"نوجوان کو اتفاق سے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی البتہ آپ لوگ سچ سننے پر آمادہ ن
آتے۔" قامران نے سنجیدگی سے کہا۔ "آپ نہیں جانتے کہ آپ کی بیٹی اس وقت بڑے پجاری
میں ہے۔ وہ دیوتا کے بجائے اس خبیث کی داسی بنی ہوئی ہے اور دیوتا کے گھر میں موجود ہے۔"

"رگولی......نوجوان کو گھر میں لے چلو......اندر بیٹھ کر اس کی سنتے ہیں۔ یہ تو دل ہ
والی باتیں کر رہا ہے۔"

گھر میں پہنچ کر جب قامران نے پوری تفصیل سے گالتا سے ملاقات کا ذکر کیا اور ا
گھر کے خفیہ راستوں، پجاریوں کے کرتوت، دیوتا کی مورتی کے دو حصوں میں تقسیم ہونے کی دا
کی تو گھر کے تمام لوگ انگشت بدنداں رہ گئے۔

گالتا کے بھائی اچانک طیش میں آ گئے جبکہ رگولی اور دیگر بہنیں رونے بیٹھ گئیں۔
ماں باپ نے بڑے ضبط سے کام لیا۔

گالتا کا باپ بڑی بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا ت
قامران کی باتوں پر یقین کرے یا نہ کرے۔

دیوتا کے گھر کے بارے میں بہت بڑا انکشاف تھا۔ اس اطلاع پر یقین کرتے ہ
لرزنے لگتا تھا۔

قامران سوچنے لگا کہ اس نے غلطی کی۔ چلتے وقت گالتا سے اس کی کوئی نشانی ما
بہتر ہوتا۔ ان لوگوں کو فوراً ہی اس کی بات پر یقین آ جاتا۔

پھر اچانک ہی اس کو سنکینا کا خیال آیا۔ وہ بولا۔ "یہاں سے سنکینا کا گھر کتنی دو

"اوہ، تم سنکینا کو بھی جانتے ہو......اب تمہاری بات پر یقین کرنے کو جی چاہتا
سنکینا کا نام صرف وہی شخص جان سکتا ہے جو گالتا سے واقعی ملا ہو۔" گالتا کے باپ کو آ فو
بات پر یقین آ ہی گیا۔

قامران نے اطمینان کا سانس لیا۔

"سنکینا کو چپ لگ گئی ہے۔" رگولی کہہ رہی تھی۔ "جب سے گالتا دیوتا کی داسی بن
وہ بالکل خاموش خاموش سا رہتا ہے۔ اس کی عجیب حالت ہو گئی ہے۔"

"اور ہاں بابا......آج اس کی بہن کو بھی داسی بنایا جانے والا ہے۔" سگرام نے اپنے باپ
صدیق چاہی۔

"ہاں بیٹے......یہ تو مجھے یاد ہی نہیں رہا۔"

"اوہ......یہ تو بہت بری خبر ہے......ان کالے پجاریوں نے اس کی منگیتر کو تو اس سے چھین
، اس کی بہن پر بھی قبضہ کر لینا چاہتے ہیں...... میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔" قامران نے
انداز میں کہا۔ "مجھے ذرا سنکینا کے پاس لے چلو۔"

"تم اکیلے وہاں نہیں جاؤ گے......ہم سب چلیں گے۔" گالتا کا باپ کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

گالتا کا گھرانہ جب ایک مسافر کے ساتھ سنکینا کے گھر پہنچا تو وہاں خوشیاں منائی جا رہی
تھیں۔ سنکینا اداس سا گھر کے باہر دروازے پر بیٹھا تھا۔

"یہ سنکینا ہے۔" رگولی نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا۔

قامران نے اس کے نزدیک جا کر شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ بری طرح چونک پڑا۔ وہ جانے
کھویا ہوا تھا۔

اس نے واقعی اپنی عجیب حالت بنا رکھی تھی۔ میلے کچیلے کپڑے، الجھے ہوئے بال، خلاف معمول
بڑھی، نڈھال نڈھال سا۔

قامران نے چند لمحے اسے ہمدردی سے دیکھا۔ وہ اس سے بات کرنے کے لیے مناسب
الفاظ تلاش کر رہا تھا۔

"میں تمہاری گالتا کا پیغام لایا ہوں۔" قامران نے جھک کر اس کے کان میں کہا۔

محبوبہ کا ذکر عاشق کے زخمی دل میں آگ لگا گیا۔ وہ تڑپ کر اٹھا اور قامران سے لپٹ گیا۔
چہرے پر خوشی رقصاں تھی اور جسم شاخ گل کی طرح لرز رہا تھا۔

"میری گالتا ٹھیک تو ہے؟" سنکینا بڑی مشکل سے بولا۔

کئی سالوں بعد لوگوں نے اسے بولتے سنا تو سب اس کے گرد اکٹھا ہو گئے۔ قامران نے
بھیڑ جمع ہوتے دیکھ کر سنکینا کا ہاتھ پکڑا اور اسے ایک تنہا گوشے میں لے آیا۔

"تم نہیں جانتے کہ گالتا کو تم سے کس قدر محبت ہے۔ اگر تم ذرا سا بھی اشارہ کر دیتے تو وہ
ان دیوتا کی داسی ہرگز نہ بنتی۔" قامران نے اسے بتایا۔

"کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ وہ میرے اشارے کی منتظر ہے۔ پھر اسے دنیا کا کوئی آدمی داسی
نہ بنا سکتا تھا۔ میں دیوتا سے بھی ٹکرا جاتا۔" سنکینا نے اپنی مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا۔

"تم دونوں نرے بدھو ہی نکلے۔ ایک دوسرے کے اشارے کے منتظر رہے۔ پہل تم میں
سے کوئی نہ کر سکا۔ نتیجے میں صورتحال سنگین ہو گئی۔ کاش! ایسا نہ ہوا ہوتا......کاش! تم دونوں ایک
دوسرے کی محبت کا صحیح صحیح اندازہ لگا لیتے۔"

"دنیا والے کہتے ہیں کہ دیوتا اپنی داسیوں کو آسمان پر اٹھا لیتا ہے۔ پھر تم گالتا سے کس
طرح ملے ہو؟" سنکینا نے پوچھا۔

"یہ ذکر اگرچہ تمہارے لیے تکلیف دہ ہوگا لیکن ذرا ہمت سے کام لینا، میں تمہیں سارا قصہ

تفصیل سے بتائے دیتا ہوں کہ بتائے بنا چارہ بھی نہیں۔" قامران نے اسے ذہنی طور پر صدمہ سہا
کرنے کے لیے تیار کیا۔

پھر قامران نے دیوتا کے گھر میں جو کچھ دیکھا اور سنا تھا۔ اس کا حرف حرف سنکینا کے
گزار کر دیا۔

اچانک سنکینا کے چہرے کا تاثر بدل گیا۔ چہرے پر زردی کی جگہ سرخی نے لے لی۔
سے چنگاریاں نکلنے لگیں۔ وہ طیش میں آ کر بولا۔ "میں ان پجاریوں کا خون پی جاؤں گا۔"

☆......☆......☆

"یہ پجاری واقعی اس قابل ہیں کہ ان کا خون پی لیا جائے۔ ان کے کلیجے چھلنی کر دیئے
۔ انہیں سسکا سسکا کر مارا جائے۔" قامران نے سنکینا کا ساتھ دیتے ہوئے کہا۔ "فکر نہ کرو وہ
یادہ دور نہیں۔"

"آج یہ شیطانی ٹولہ میری بہن کو داسی بنانے کی فکر میں ہے۔" سنکینا فکرمند انداز میں بولا۔
ے کس طرح نمٹا جائے؟ کیا داسی بننے سے انکار کر دیا جائے؟"

"نہیں انکار کرنا ٹھیک نہیں...... اس سے تمہاری بہن کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

"پھر کیا کرنا چاہیے؟"

"کوئی بہانہ...... ایسا کہ بات سات آٹھ دنوں کے لیے ٹل جائے۔" قامران نے کہا۔

"ایسا بہانہ کیا ہو سکتا ہے؟" سنکینا سوچ میں پڑ گیا۔

ابھی وہ دونوں اس مسئلے پر غور ہی کر رہے تھے کہ گالتا کے باپ نے آواز دے کر انہیں
ارے...... وہاں اکیلے کھڑے تم دونوں کیا کر رہے ہو؟...... ادھر آؤ۔"

"آؤ...... سنکینا اس مسئلے کو سب کے سامنے رکھتے ہیں۔ یقیناً کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا۔"
ن نے سنکینا کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ٹھیک ہے چلو!"

سنکینا کے گھر والوں کے سامنے ایک بار پھر قامران کو گالتا سے ملاقات کا قصہ دہرانا پڑا۔
ہوا تو یہاں سے وہاں تک خاموشی چھا گئی۔ فضا سوگوار ہو گئی۔

"اب مسئلہ یہ ہے کہ اس لڑکی کو بچانا ہے اس طرح کہ کھیل نہ بگڑے۔" قامران نے فوراً
ل موضوع چھیڑ دیا۔

اس موضوع کے چھڑتے ہی آراء آنی شروع ہو گئیں۔ ہر شخص نے اپنی بساط کے مطابق
ہ سے نوازا۔ آخر سب لوگ ایک بات پر متفق ہو گئے۔ طے ہوا کہ پروگرام کے مطابق شام کو
ل دیوتا کے گھر جائیں گے لیکن سنکینا کی بہن جس کا نام گوتا تھا ساتھ نہیں جائے گی۔

ویران دیوتا کے گھر کو جب قامران نے شام کے وقت دیکھا تو حیرت زدہ رہ گیا۔ صبح کے
ہاں ڈھونڈنے سے بھی آدمی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس وقت اتنا رش تھا کہ تل دھرنے کے لیے جگہ
ال پڑ رہی تھی۔ ہر طرف رنگ برنگے لوگ پھیلے ہوئے تھے۔ پورا صحن اور دروں والے برآمدے
ہ اس طرف مرد اور عورتوں کا راج تھا۔

سورج ڈھلے دیوتا کے کمرے سے تمام لوگوں کو نکال دیا گیا اور لنگوٹی والے پجاریوں نے

اعلان کیا کہ داسی بننے والی لڑکی کو دروازے پر لایا جائے۔ تب گونا کی ماں آگے بڑھی اور ہی پجاریوں کی خدمت میں دست بستہ عرض کی۔ ''دیوتا کے مقدس چیلو! میں اپنی بیٹی گونا کو دیوتا کی کرنے کے لیے نہیں لا سکی......''

''کیوں؟'' ایک خبیث صورت پجاری دھاڑا۔

اس کی دھاڑ سن کر گونا کی ماں سہم گئی اور دھیرے سے بولی۔ ''میری بیٹی بیمار ہے۔''

''بیمار ہے!'' اس خبیث صورت نے تڑک کر پوچھا۔ ''کیا ہوا اسے؟''

تب گونا کی ماں اور آگے بڑھی اور اس نے ڈرتے ڈرتے پجاری کے کان میں بیمارا وضاحت کی۔ بیماری کی وضاحت سن کر اس بے ڈول پجاری نے نفرت سے ناک سکوڑی اور بولا۔ '' کیا جو تم اس گندی لڑکی کو گھر ہی چھوڑ آئیں ورنہ اس بیمار لڑکی کو دیکھ کر دیوتا ناراض ہو جاتا اور ا قہر تمہاری بستی پر ٹوٹ پڑتا۔ اب تم اس لڑکی کے صحت یاب ہونے کا انتظار کرو...... آج سے آ دن اسے یہاں لے آنا۔''

''ٹھیک ہے۔'' گونا کی ماں نے کہا۔

قامران خوشی سے جھوم اٹھا کیونکہ وہ خود بھی اتنی ہی مہلت چاہتا تھا لیکن ابھی اس کی اس کے ہونٹوں تک پہنچی تھی کہ اس نے ایک غضب ناک آواز سنی۔

گونا کے ہاتھ سے نکل جانے کا پجاریوں کو بہت دکھ ہوا لیکن لڑکی نہ پیش کرنے کا ٹھوس تھا۔ بیمار لڑکی کو واقعی بڑے پجاری کی خدمت میں پیش نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس لیے وہ کر سکے۔ تب ہی ان پجاریوں نے آپس میں کوئی کھسر پھسر کی اور اس کھسر پھسر کے دوران ا نظریں رگولی پر جمی ہوئی تھیں۔

تب ہی وہ غضبناک آواز سنائی دی جو نہ صرف قامران کے ہونٹوں کی مسکراہٹ لے گئی بلکہ سب پر لرزہ طاری ہو گیا۔

وہ خبیث پجاری رگولی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ''ابھی ابھی آکاش وانی ہوئی ہے لڑکی کو دیوتا کی خدمت میں پیش کر دو۔ اے خوش قسمت لڑکی خوش ہو جاؤ کہ تمہیں دیوتا نے قبول ہے۔ تم اس کی داسی بنو گی۔ آؤ آگے بڑھو۔''

رگولی یہ سن کر بجائے آگے بڑھنے کے کانپ کر پیچھے ہٹی۔ اس کے چہرے پر زردی رہی تھی۔

گالنا کا باپ' اس کی ماں' اس کا بھائی' سنکینا کے گھر والے اس نئے حکم سے گئے۔ یہ حکم خلاف توقع تھا۔ وہ اس پر بات بھی نہ کر سکے تھے۔ اس موضوع پر کسی نے کچھ نہ پھر رگولی کی ماں آگے بڑھی اور اپنے چہرے پر مصنوعی خوشی طاری کرتے ہو ''مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ دیوتا میری رگولی کو داسی بنانا چاہتا ہے۔ دیوتا میرے گھرانے مہربان ہے۔ اس سے پہلے میں اپنی بیٹی گالنا کو دیوتا کی شرن میں دے چکی ہوں۔ دیوتا کی ان نے میرا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔ میں اپنی دوسری بیٹی کو دیوتا کی خدمت میں ضرور پیش کر ایک مسئلہ ہے۔''

''کیا مسئلہ ہے؟'' اس پجاری نے قہر آلود نظروں سے دیکھا۔

قامران حیران تھا کہ گالنا کی ماں کیا عذر پیش کرنے والی ہے۔ ظاہر ہے کہ اسے آناً فاناً تو ہیں کیا جا سکتا تھا۔

''میں رگولی کو اس اجاڑ حالت میں پیش کر کے دیوتا کی ناراضگی مول نہیں لے سکتی۔ بہتر ہوگا مجھے اس لڑکی کو نہلانے دھلانے اور سجا بنا کر پیش کرنے کا موقع دیا جائے۔''

قامران نے اطمینان کا سانس لیا۔ یہ ایک معقول عذر تھا۔ بسا اوقات دیکھ کر وہ پجاری چند کے لیے شپٹا کر رہ گئے۔ پھر انہوں نے آپس میں کچھ کھسر پھسر کی۔

تب وہ خبیث صورت پجاری گالنا کی ماں سے مخاطب ہوا۔ ''ٹھیک ہے میں دیوتا سے اس کی لے لیتا ہوں۔''

یہ کہہ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں اور ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑانے لگا...... تھوڑی اس نے آنکھیں کھولیں' رگولی پر حریصانہ نظر ڈالی اور مسکراتے ہوئے بولا۔ ''اے لڑکی خوش ہو تمہیں دیوتا اسی حالت میں قبول کرنے کے لیے راضی ہو گیا ہے۔''

یہ بات اگر آج سے پہلے کہی گئی ہوتی تو سب لوگ واقعی خوش ہو جاتے اور ان کی گردنیں جاتیں لیکن قامران کے انکشاف کے بعد خوشی کسی صورت میں نہیں منائی جا سکتی تھی۔ سب کے لٹک گئے۔

سنکینا اور گالنا کے بھائی سگرام کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ ان کی مٹھیاں بھنچ گئیں اور ان کو لگا کہ چند ہی لمحوں میں وہ جست لگا کر اس خبیث پجاری کی گردن دبوچنے کو ہیں۔ قامران تیزی سے ان کے نزدیک پہنچا اور دونوں کے ہاتھ پکڑ کر صبر کرنے کی تلقین کی۔ پھر وہ گالنا کی طرف بڑھا اور اس کے کان کی طرف جھک کر آہستہ سے بولا۔ ''رگولی کو جانے دو۔''

گالنا کی ماں نے تعجب سے قامران کی طرف دیکھا' اسے اپنی سماعت پر یقین نہ آیا۔ اس نے پھر آہستہ سے گردن ہلا کر' آنکھ کے اشارے سے رگولی کو بھیج دینے کا اشارہ کیا۔ اب کسی شبہ کی گنجائش نہ تھی۔

تب گالنا کی ماں نے رگولی کا ہاتھ پکڑا اور دروازے کی طرف بڑھی۔ رگولی کو اپنے چنگل ہنستا دیکھ کر پجاریوں کی باچھیں کھل گئیں۔ انہوں نے رگولی کو دروازے تک پہنچنے کا راستہ دے دروازے کے نزدیک پہنچ کر گالنا کی ماں نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا اور دھیرے سے بولی۔ ''دیوتا ان بھیڑیوں سے بچائے۔''

رگولی کے اندر جاتے ہی پجاریوں نے باہر سے دروازہ بند کر لیا اور دروازے پر بیٹھ کر گیان میں مصروف ہو گئے۔

قامران پجاریوں کے اس ناٹک کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ رگولی جب ہوگی تو اس نے تازہ پھولوں کی مہک محسوس کی ہوگی۔ اس نے حیرت سے دیوار میں نصب دیوتا کو دیکھا ہوگا کیونکہ اس مورتی کی وقعت اس کی نظروں میں پتھر سے زیادہ نہ تھی۔ پھر آہستہ وہ خوشگوار دھواں پھیلنا شروع ہوا ہوگا اور رگولی نے خلاف توقع یہ کوشش کی ہوگی کہ وہ کم سے کم

سانس لے تا کہ یہاں ہونے والے ناٹک کو بہ چشم خود دیکھ سکے۔ پتہ نہیں وہ دیوتا کی مورتی کو دو [illegible] میں تقسیم ہوتے اور وہاں سے خبیث صورت پجاریوں کو نکلتے دیکھ پائی ہوگی کہ نہیں۔ ایسا صرف [illegible] صورت میں ہوسکتا تھا کہ نشہ آور دھواں اپنا اثر نہ چھوڑے اور ایسا ممکن نہ تھا۔

کچھ دیر کے بعد ایک پجاری گیان دھیان سے اٹھا اور اس نے تھوڑا سا دروازہ کھول کر [illegible] دیکھا۔ اس کے چہرے پر خوشی دیکھ کر قامران نے اندازہ لگا لیا کہ رگولی کو دیوتا کی مورتی نگل چکی [illegible]

اس پجاری نے فوراً ہی پورا دروازہ کھول دیا۔ باہر کھڑے لوگوں نے کمرے میں سے [illegible] اور کیف آور خوشبو نکلتی محسوس کی۔ پھر سارے پجاریوں نے باری باری کمرے میں جھانکا اور خوشی [illegible] نعرہ لگایا۔ اس کے بعد ایک پجاری نے گالنا کی ماں کا ہاتھ تھاما اور اسے کمرے کے اندر لے گیا۔ لمحوں بعد جب وہ باہر واپس آئی تو دیوتا کے درشن کے لیے سب کو اندر بلا لیا گیا۔ مبارک سلامت [illegible] شور میں سب اندر داخل ہوئے اور انہوں نے خالی کمرے کو دیکھ کر بڑی مشکل سے ضبط کیا۔ گالنا کی [illegible] جو پہلے ہی اپنی ایک بیٹی گنوا چکی تھی' دوسری بیٹی کو خود اپنے ہاتھوں دفن ہوتا دیکھ کر برداشت نہ کر سکی [illegible] چکرا کر فرش پر گر پڑی۔ قامران نے بڑھ کر گالنا کی ماں کو سہارا دے کر اٹھایا۔ وہ بے ہوش نہ ہوئی [illegible] البتہ صدمے نے اسے چکرا دیا تھا۔

''کیا ہوا اسے؟'' ایک پجاری نے پوچھا۔

''خوشی برداشت نہیں ہوسکی شاید۔'' قامران نے بڑے معصومانہ انداز میں کہا۔

''تم کون ہو نوجوان؟'' اس خبیث صورت پجاری نے قامران کو گہری نظروں سے [illegible] ہوئے پوچھا۔ ''تم اس علاقے کے نہیں دکھائی دیتے۔''

''دیوتا کے مقدس پجاری' تم نے ٹھیک سمجھا...... میں مسافر ہوں اور ان لوگوں کا مہمان [illegible] یہاں دیوتا کے درشن کے لیے آیا تھا۔'' قامران نے پجاری کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

''اچھا...... اچھا'' یہ کہہ کر سارے پجاری کمرے سے نکل گئے۔

اور اس کمرے کو پھر سے عوام کے لیے کھول دیا گیا۔ لوگ جوش و خروش سے دیوتا کے [illegible] کے لیے داخل ہونے لگے۔

قامران' گالنا اور سنگینا کے گھرانے کے ساتھ ساتھ دیوتا کے گھر سے نکل آیا۔ [illegible] سیڑھیاں اتر رہے تھے۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے سنگینا' قامران کے نزدیک آیا اور قدرے [illegible] بولا۔ ''تم نے رگولی کو ان کتوں کے حوالے کیوں ہو جانے دیا؟''

''تم اسے روک سکتے تھے؟'' قامران نے بڑے ٹھنڈے لہجے میں پوچھا۔

''ہاں' میں اسے روک سکتا تھا۔'' سنگینا بڑے جوش سے بولا۔

''کیسے؟ ذرا مجھے بھی بتاؤ۔''

''میں ان پجاریوں میں سے کسی کا خون کر دیتا۔''

''تم کسی ایک پجاری کا خون کرتے...... جواب میں وہ تمہاری بستی کو پھونک کر رکھ دیتے [illegible] ان میں کئی پجاری سحر جانتے ہیں۔'' پھر قامران نے سنگینا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے سمجھاتے [illegible] کہا۔ ''رگولی کو جاتے دیکھ کر جو خیال تمہارے دل میں آیا تھا' ویسا ہی میں نے بھی سوچا تھا اور میں [illegible]

[illegible] کئی پجاری موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا لیکن موت کے گھاٹ اتارنا مسئلے کا حل نہ تھا۔ اس لیے [illegible] نے صبر سے کام لیا اور رگولی کو اندر جانے دیا کہ اس کی بہن گالنا موجود ہے۔ وہ رگولی کو بچانے کی [illegible] کوشش کرے گی...... ہمارا مقابلہ اس وقت بے حد خطرناک لوگوں سے ہے۔ اس لیے احتیاط لازم [illegible] پھونک پھونک کر قدم اٹھانے کی ضرورت...... اگر ہم نے صبر و تحمل سے کام نہ لیا تو ہم بے موت [illegible] جائیں گے اور دیوتا کے گھر میں یہ شیطانی ٹولہ ہمیشہ مسلط رہے گا۔''

اتنا سننے کے بعد سنگینا نے خاموشی اختیار کی۔ بلاوجہ بولنے کا فائدہ بھی کیا تھا۔

گہرا اندھیرا چھا جانے کے بعد وہ لوگ اپنی بستی میں پہنچے۔ وہ رات قامران نے گالنا کے [illegible] گھر کی۔ بسر کیا کی' بس کروٹیں بدلتا رہا۔

سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہی وہ گالنا کے گھر سے نکل آیا اور ابلا کی پیٹھ تھپتھپا کر اس پر [illegible] ہو گیا۔

''قامران کہاں جا رہے ہو؟'' گھوڑی پر سوار ہوتے دیکھ کر سگرام نے پوچھا۔

''شکران تک۔''

''کیوں وہاں کیا ہے؟''

''اس بستی کے لوگوں سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''کچھ کھا پی کر چلے جاتے۔''

''آ کر کچھ کھا پی لوں گا۔''

قامران نے یہ کہہ کر ابلا کو موڑا اور ایڑ لگا کر ہوا ہو گیا۔

دیوتا کے گھر کے اطراف میں پھیلی ہوئی بستیوں میں شکران سب سے الگ تھلگ تھی۔ [illegible] تک پہنچنے کا راستہ بھی خاصا دشوار گزار تھا۔ قامران کبھی ابلا پر سوار ہوتا' کبھی پیدل چلتا' آخر [illegible] جا پہنچا۔

بستی کے کنویں پر چند البیلی نار پانی بھرنے میں مصروف تھیں۔ ایک سجیلے سوار کو بستی میں [illegible] آتا دیکھ کر وہ ایک دوسرے کو کہنیاں مارنے لگیں۔ ایک دوسرے کو چھیڑنے لگیں۔

''دیکھ وہ تیرے سپنوں کا شہزادہ آ گیا'' ایک بولی۔

''اری...... یہ اس کا نہیں' یہ تو میرا ہے'' دوسری بولی۔

''کبھی تو نے اپنی شکل آئینے میں دیکھی ہے؟'' تیسری نے مذاق اڑایا۔ ''اگر نہیں دیکھی تو [illegible] یوں ہی جھانک کر دیکھ لے۔''

''تجھ سے اچھی ہوں...... نہیں تو اس سے پوچھ لے'' دوسری نے تڑک کر جواب دیا۔

''چل ٹھیک ہے...... ہم دونوں میں کون اچھا ہے۔ اسی سے فیصلہ کرا لیتے ہیں......'' تیسری [illegible] ماننے والی نہ تھی۔

''ٹھیک ہے۔ بلاؤ اسے۔'' دوسری نے کہا۔

''ابھی بلاتی ہوں۔'' یہ کہہ کر تیسری نے اسے آواز دینے کے لیے منہ کھولا تو ایک لڑکی نے [illegible] منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''پاگل ہوئی ہے...... کہیں ایسی باتیں مردوں سے پوچھی جاتی ہیں اور وہ بھی پردیسی سے...... ذرا سوچو' وہ کیا خیال کرے گا کہ اس بستی کی لڑکیاں کیسی ہیں۔'' اس نے سمجھایا۔

''پھر یہ ہروقت حسن پری کیوں بنتی ہے؟'' تیسری نے غصے سے کہا۔

''حسن پری بنتی نہیں...... میں ہوں ہی حسن پری۔'' دوسری نے اسے کھا جانے والی نظر سے دیکھا۔

''جب ہی بستی کا کوئی نوجوان تجھ پر تھوکتا بھی نہیں۔''

اس سے پہلے کہ بات طول پکڑتی' وہ لڑکی درمیان میں آ گئی جس نے شوشہ چھوڑ کر ان میں جنگ کرا دی تھی۔ وہ دونوں کی گردن پکڑتے ہوئے بولی ''کم بختو! چپ ہو جاؤ' وہ نزدیک آ گیا ہے۔''

جب وہ اپنا بھرم قائم رکھنے کے لیے ایک دوسرے کی پکی سہیلیاں بن گئیں اور انہماک سے پانی بھرنے لگیں۔

قامران گھوڑی سے اتر کر کنویں کی طرف بڑھا اور بولا ''کیا تم میں سے کوئی مجھے پانی پلا دے گا؟''

''ہاں' کیوں نہیں...... تم جس سے کہوگے وہ پلا دے گا۔ پیاسے کو پانی پلانے سے کون انکار کرسکتا ہے؟'' دوسری' یعنی حسن پری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

کنویں پر اس وقت پانچ لڑکیاں تھیں۔ قامران نے باری باری سب کے چہرے دیکھے۔ ان میں دو لڑکیاں بہت خوبصورت تھیں اور دو قبول صورت اور ایک واجبی سی۔

قامران نے قرعہ فال واجبی سی لڑکی کے نام نکالا اور یہ واجبی سی لڑکی حسن پری کے سوا کوئی نہ تھی۔

''چلو تم ہی پلاؤ۔'' قامران نے خوش دلی سے کہا۔

حسن پری نے یہ سن کر تیسری کی طرف بڑے فخر سے دیکھا' جیسے کہہ رہی ہو دیکھ آخر پردیسی نے میرے ہاتھ ہی سے پانی پینا پسند کیا۔ اب میرے حسن پری ہونے میں کیا شبہ

تیسری نے قامران کا فیصلہ سن کر عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا' تم بھی احمق ہی نکلے آخر مرد ذات جو ٹھہرے۔

تیسری کا شمار ان دو لڑکیوں میں سے تھا' جو بلاشبہ خوبصورت تھیں۔

دوسری یعنی حسن پری نے اپنا بھرا ہوا مٹکا اٹھایا۔ تھوڑا سا جھکی تا کہ مسافر کے چلو میں پانی ٹھیک پڑ سکے۔

پانی پینے کے بعد قامران نے کمر سیدھی کی اور ہاتھ سے اپنا منہ صاف کیا۔

اب کنویں پر چار لڑکیاں رہ گئی تھیں۔ قامران نے دیکھا کہ دو خوبصورت لڑکیوں میں سے ایک غائب ہے۔

''لڑکیو! اس بستی میں اجنبی ہوں۔ میں تمہارے کسی بزرگ سے ملنا چاہتا ہوں۔'' اس نے اپنا مدعا بیان کیا۔

''تم میرے بزرگوں سے کیوں نہیں مل لیتے؟'' حسن پری سے آخر نہیں رہا گیا۔

اس پر تینوں لڑکیوں نے زوردار قہقہہ لگایا۔ حسن پری بے چاری بری طرح جھینپ کر رہ

ابھی قامران کوئی جواب نہیں دینے پایا تھا کہ اس کی نظر ایک لنگوٹی پوش پر پڑی۔ یہ لنگوٹی پوش دیوتا کے گھر کے پجاری کے سوا کوئی اور نہ تھا۔ اس پجاری کے ہاتھ میں ایک بڑی سی ڈگڈگی تھی۔

پجاری کو دیکھ کر قامران کو رگولی یاد آ گئی۔ جانے اس بیچاری پر رات کیا بیتی ہو؟

دیوتا کے گھر کا وہ لنگوٹی پوش پجاری ڈگڈگی بجاتا ان کے پاس سے گزر گیا۔

''یہ پجاری یہاں کیوں آیا ہے؟'' قامران نے پوچھا۔

''یہ دیوتا کے گھر سے کوئی اہم خبر لے کر آیا ہے...... بستی میں جا کر اعلان کرے گا۔ آؤ چلو سنیں۔'' یہ کہہ کر لڑکیاں جلدی جلدی اپنے مٹکے اٹھا کر بستی کی طرف چل دیں۔ قامران بھی ان کے پیچھے ہو لیا۔

ڈگڈگی کی آواز قامران کے کانوں میں بدستور آ رہی تھی اور اس آواز میں جانے کیا جادو تھا لوگ اپنے گھروں سے نکل نکل کر پجاری کے پیچھے جا رہے تھے۔ آخر چوک میں پہنچ کر وہ پجاری رکا۔ پھر اونچے سے چبوترے پر چڑھ کر گھوم گھوم کر ڈگڈگی بجانے لگا۔ یہاں تک کہ تمام لوگ اکٹھا

''شکران کے لوگو!'' اس پجاری نے چیخ کر کہنا شروع کیا۔ ''میں تمہارے لیے ایک اہم خبر لے کر آیا ہوں۔ میری بات غور سے سنو۔ اس اعلان پر کان دھرو۔''

تھوڑی دیر اس نے زور زور سے ڈگڈگی بجائی' پھر بولا:

''ایک افسوسناک خبر یہ ہے کہ دیوتا کے گھر سے بڑے پجاری کا دہانت ہو گیا ہے۔'' یہ کہہ کر پجاری نے پھر زور زور سے ڈگڈگی بجائی۔

قامران بڑے پجاری کی موت کا اعلان سن کر چونک اٹھا۔ اس کا دھیان فوراً ہی شومگا کی طرف منتقل ہو گیا۔ یہ کارروائی ضرور اسی کی ہوگی۔

''بڑے پجاری کی موت کے بعد اس کی جگہ کے لیے آج بعد دوپہر چناؤ ہوگا۔ اس چناؤ میں بڑے پجاری کے پانچ چیلے حصہ لیں گے۔ جو بھی چیلا چمتکار دکھا کر بازی جیت لے گا' اسے بڑا پجاری مان لیا جائے گا۔ لہٰذا بستی کے تمام لوگوں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ وہ بعد دوپہر دیوتا کے گھر آ کر مقابلے کو ضرور دیکھیں...... اعلان ختم ہوا۔''

یہ کہہ کر وہ لنگوٹی پوش پجاری چبوترے سے کودا اور ڈگڈگی بغل میں دبا کر جدھر سے آیا تھا' ادھر چلا گیا۔

صورتحال اچانک تبدیل ہو گئی تھی۔ وقت بہت کم تھا۔ لہٰذا قامران نے بستی میں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ یہاں لوگوں کے سامنے پجاریوں کے کالے کرتوت بیان کرنے آیا تھا تا کہ یہاں کے عوام کو ان پجاریوں کے خلاف استعمال کیا جا سکے۔ بڑے پجاری کی موت کی خبر اور چیلوں کے درمیان مقابلے نے قامران کو اپنے پروگرام میں تبدیلی کرنے پر مجبور کردیا۔ اس نے ابلا کی پیٹھ پر

سوار ہوکر زور سے ایڑ لگائی۔ ابلا کے اٹھے پاؤں ابھی زمین پر نہ پڑے تھے کہ اسے رکنے کا اشارہ
دراصل قامران کو کسی نے پیچھے سے آواز دی تھی۔

قامران نے مڑ کر دیکھا تو حسن پری کو اپنی طرف بڑھتا پایا۔

"پردیسی" وہ اس کے نزدیک آ کر بولی "کیا تم واپس جا رہے ہو' میرے بزرگوں
گے؟"

"فی الحال میں نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا ہے۔" قامران نے جواب دیا۔

قامران کا جواب سن کر حسن پری اداس سی ہوگئی۔ وہ اداس ہوگئی جیسے قامران نے اس
بزرگوں سے اس کا رشتہ مانگنے کا ارادہ ملتوی کر دیا ہو۔

"ممکن ہے' میں کل یا پرسوں واپس آؤں۔" قامران نے اسے اداس دیکھ کر کہا۔

"آنا' ضرور آنا...... پردیسی میں تمہارا انتظار کروں گی۔" حسن پری نے شدت جذبا
مغلوب ہو کر کہا۔

"اچھا ضرور آؤں گا۔" یہ کہہ کر قامران نے ابلا کو چلنے کا اشارہ کیا۔

اشارہ ملتے ہی ابلا ہوا ہوگئی۔ قامران یہ بھی نہ جان سکا کہ حسن پری بڑی دیر تک کھڑ
رہی۔ یہاں تک کہ اس کے سپنوں کا شہزادہ نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

سارزا پہنچ کر قامران نے ادھر ادھر سن گن لینے کی کوشش کی کہ دیوتا کے گھر سے
ہونے والے اعلان کا بستی والوں پر کیا اثر ہوا؟ لیکن اسے اس اعلان کا کہیں ذکر ہوتا نظر نہ آیا۔
حسب معمول اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ گالنا کے گھر کے احاطے میں داخل ہوا تو اسے گالنا
خچروں کو دانہ کھلاتا ہوا مل گیا۔

قامران نے ابلا کے منہ سے لگام نکال کر اسے بھی دانے پر چھوڑ دیا۔ اور گالنا کے
مخاطب ہوتا ہوا بولا۔ "دیوتا کے گھر سے جاری ہونے والا اعلان سنا تم نے؟"

"کیسا اعلان؟" گالنا کے باپ نے پوچھا۔

"کیا وہ ڈگڈگی والا پجاری ابھی تک یہاں نہیں پہنچا؟"

"نہیں تو۔"

"پھر میرے پاس تم سب کے لیے بڑی دلچسپ خبر ہے۔"

"وہ کیا؟"

"بڑا پجاری کل رات مر گیا۔"

"بڑا پجاری مر گیا...... لیکن یہ کیسے ہوگیا؟"

"یہ بات مجھے بھی نہیں معلوم ہو سکی...... ویسے میرا اندازہ ہے کہ وہ شومگا کے الزام
بن گیا۔" قامران نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ "آج بعد دوپہر دیوتا کے گھر میں چیلوں کے درمیا
ہونے والا ہے۔ جو جیتے گا اسے بڑا پجاری مان لیا جائے گا۔"

اتنے میں سگرام اور سنگینا بھی آ پہنچے اور وہ سب مل کر دیوتا کے گھر جانے کا
بنانے لگے۔

دوپہر ہوتے ہوتے دیوتا کا گھر لوگوں سے کھچا کھچ بھر گیا۔ لوگوں کو صحن میں بیٹھنے سے منع
کیا گیا تھا۔ سارے تماشائی صحن کے چاروں طرف بنے دروں کی سیڑھیوں پر بیٹھے تھے۔

سورج نے جب مغرب کی طرف بڑھنا شروع کیا تو مورتی والا دروازہ اچانک کھلا اور اس
سے جھلملاتے لباسوں میں بڑے پجاری کے پانچ چیلے برآمد ہوئے۔ ان چیلوں میں سب سے
ومگا تھا۔

ہر چیلا دیوتا کے گھر کے صحن میں پڑی ہوئی مخصوص چوکیوں پر براجمان ہوگیا اور ان
ے کے پیچھے لنگوٹی پوش پجاری کھڑے ہوگئے۔ اپنی اپنی چوکیوں پر آسن جما لینے کے بعد شومگا
کی سے اٹھا اور اس نے کھڑے ہو کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ اس کے بعد بولا۔
ے پجاری کے سورگباش ہو جانے کے بعد اس کی چوکی خالی ہوگئی ہے اور اس خالی چوکی کے
ں خود کو سب سے اہل سمجھتا ہوں۔ لیکن میں نہیں چاہتا کہ بڑے پجاری کے دوسرے چیلوں
وں میں یہ بات پیدا ہو کہ میں نے زبردستی بڑے پجاری کی چوکی پر قبضہ جما لیا ہے۔ اس لیے
ے سوچا ہے کہ ہم پانچوں میں اس چوکی کے لیے مقابلہ ہو' ہر چیلا اپنی مخفی قوتوں کا اظہار کرے'
م کار دکھائے اور دوسرے کو مفلوج کر دے...... اس طرح جو سب کے ہاتھ باندھ دے گا' چوکی
ا ہو جائے گی اور دیوتا کے گھر میں رہنے والا ہر پجاری اس کی اطاعت کرے گا۔"

شومگا اتنا کہہ کر چوکی پر بیٹھ گیا۔ چند لمحے وہ آلتی پالتی مارے آنکھیں بند کیے بیٹھا رہا۔
ں بعد وہ پھر اٹھا اور بولا۔ "سب سے پہلے میں اس مقابلے کے لیے خود کو پیش کرتا ہوں۔ تم میں
و چیلا بھی مجھ سے مقابلہ کرنا چاہے' وہ چوکی پر کھڑا ہو جائے۔"

یہ سن کر چاروں چیلے اپنی اپنی چوکیوں پر کھڑے ہوگئے۔

چاروں چیلوں کو شومگا کے مقابل آتے دیکھ کر لوگوں نے زوردار نعرے لگائے۔ تالیاں اور
ا کر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

تب شومگا نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر لوگوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر ان چیلوں
ہو کر بولا "تم چاروں آپس میں طے کر لو کہ تم میں سے سب سے پہلے کون میرے مقابلے پر

پھر چاروں سر جوڑ کر بیٹھے اور انہوں نے ایک پتھر کا ٹکڑا اچھال اچھال کر آخر یہ طے کر لیا
ے پہلے شومگا کا مقابلہ کون کرے گا؟

جب مدمقابل کا فیصلہ ہوگیا تو وہ چیلا بڑی شان سے چلتا ہوا' اپنی چوکی پر آ بیٹھا جبکہ تینوں
زمین پر بیٹھ گئے۔ شومگا اور دوسرے چیلے نے آسن جما لیے اور ایک دوسرے کی طرف
ے زیر لب منتر پڑھنے لگے۔

تب شومگا نے ہاتھ کے اشارے سے پہلا وار کیا۔

لوگوں نے شومگا کے مدمقابل چیلے کو اچانک ہوا میں معلق ہوتے دیکھا' پھر وہ چیلا دھاڑ
ل چوکی پر گرا۔ اتنے زور سے کہ اس کا سر پھٹ گیا اور خون کا فوارہ جاری ہوگیا۔ مجمع پر
ل ہوگیا۔

☆......☆......☆

پھر وہ چیلا فوراً ہی اٹھا۔ اس نے بیٹھ کر اپنے سر پر ہاتھ رکھا تو بہتا خون فوراً ہی بند ہو
جو خون اس کے سر سے نکل کر چوکی پر گرا تھا' خود بخود صاف ہوگیا۔ اب اس چیلے کے وار کرنے
تھا۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھ کر کچھ پڑھا۔ چند ہی لمحوں بعد اس کے سر پر ایک ہنڈیا نمودار ہ
یہ ایک مٹی کی ہنڈیا تھی' جو تیزی سے گھوم رہی تھی۔ اس چیلے نے پھر کچھ پڑھا اور چیخ کر بولا۔ "
جا...... دشمن کو جلا۔"

چیلے کا حکم سنتے ہی وہ ہنڈیا اڑتی ہوئی شومگا کی طرف بڑھی اور اس کے سر پر چکرانے
شومگا اس ہنڈیا کو نظروں میں رکھے بڑی تیزی سے کچھ پڑھ رہا تھا۔ وہ ہنڈیا چکرا ک
جیسے ہی اس کے سر پر گرتی' شومگا چیخ کر کہتا "تھم۔"

اور وہ ہنڈیا اس کے سر پر گرتے گرتے تھم جاتی' پھر اوپر اٹھ کر اس کے سر پر چکرانے
چند لمحوں بعد وہ شومگا پر پھر حملہ آور ہوتی' لیکن شومگا اسے پھر اپنے سر پر گرنے سے
لیتا۔

کافی دیر تک یہی تماشا ہوتا رہا۔ وہ ہنڈیا سر پر چکراتے چکراتے جیسے ہی شومگا کے
گرتی تو لوگ خوشی سے نعرے لگانے لگتے۔ لیکن یہ نعرہ فوراً ہی حلق میں گھٹ کر رہ جاتا۔ وہ ہنڈ
لمحے بعد ہی اوپر اٹھنے پر مجبور ہو جاتی۔

جانے شومگا نے اچانک کیا منتر پھونکا کہ وہ ہنڈیا چکراتی ہوئی واپس چیلے کی طرف ب
اس سے پہلے کہ وہ ہنڈیا کو پلٹنے سے روک لیتا' وہ اس کے سر پر گر کر ٹوٹ گئی۔

ہنڈیا میں سے کالا کالا سیال مادہ نکلا اور اس چیلے کے سر اور کندھوں سے ہوتا ہوا پو
پر پھیل گیا۔

اب فضا میں اس چیلے کی چیخیں بلند ہو رہی تھیں اور جہاں جہاں سیال مادہ گرتا
اس کی کھال پلٹتی جا رہی تھی۔ چند لمحوں میں اس چیلے کا جسم جھلس کر رہ گیا اور وہ زخموں کی
لا کر دیوتا کو پیارا ہوا۔ اس کے مرتے ہی شومگا نے چوکی پر کھڑے ہو کر زوردار نعرہ لگایا او
طرف گھوم کر اس مجمع کو ایک انگلی دکھائی' جس کا مطلب تھا کہ اس نے اپنے ایک دشمن
ہے۔

اس چیلے کے مرنے کے بعد تینوں بقیہ چیلے اپنی جگہ سے اٹھے اور مرنے والے کی
کر تالاب میں پھینک دی۔

پھر انہوں نے آپس میں پتھر کے ٹکڑے کے ذریعے شومگا کا مقابلہ کرنے
انتخاب کیا۔ اب جو چیلا مقابلے میں آنے کے لیے منتخب ہوا وہ یک چشم تھا۔ وہ دو ڑ ا
چوکی کی طرف بڑھا اور چھلانگ مار کر چوکی پر بیٹھ گیا۔ بقیہ دو چیلے پھر ایک کونے میں
جا بیٹھے۔

اس کانے چیلے کو دیکھ کر لوگوں نے زور زور سے تالیاں بجائیں۔

پھر اس یک چشم چیلے نے ایک مزیدار حرکت کی' وہ آلتی پالتی مار کر بیٹھنے کے بجا

ا ہو گیا اور تیزی سے اپنی ٹانگیں چلانے لگا۔

شومگا نے مسکرا کر اس کی چلتی ٹانگوں کو دیکھا اور پھر ایک ہاتھ فضا میں بلند کیا۔

اچانک شومگا کے ہاتھ سے ایک ریشمی ڈوری نکلی اور آناً فاناً اس یک چشم چیلے کی چلتی ٹانگوں
گئی۔ اب وہ اپنی ٹانگوں کو حرکت دینے سے قاصر تھا۔

لوگوں نے اس کی بے بسی دیکھ کر زور زور سے قہقہے لگائے۔ خود کو مذاق کا نشانہ بنتا دیکھ
چشم کو جوش آ گیا۔ اس نے چوکی پر لیٹ کر جوری کو ہاتھ لگایا تو رسی پانی بن کر بہہ گئی۔ وہ
سر کے بل کھڑا ہو کر اپنی ٹانگیں چلانے لگا۔ شومگا اس کی چلتی ٹانگوں کو بڑے غور سے دیکھ

اچانک وہ چیلا فضا میں بلند ہوا اور تھوڑا اوپر جا کر تیزی سے نیچے گرا اور بڑے آرام سے
ؤں کے بل کھڑا ہو گیا۔ پھر وہ تیزی سے حرکت میں آ گیا۔

وہ پوری چوکی پر کسی ماہر رقاص کی طرح پھرکیاں لے رہا تھا۔

پھر وہ ساکت ہو گیا' جیسے پتھر کا بن گیا ہو۔

چند لمحوں بعد اس کی ایک آنکھ سے یکے بعد دیگرے دو شعلے نکلے اور شومگا کی طرف
اب یہ شعلے شومگا کے سر پر ناچ رہے تھے اور شومگا تیزی سے کچھ پڑھ رہا تھا۔ منتر پڑھ کر جو
اوپر پھونک ماری تو اس کے منہ سے پانی کا فوارہ نکلا اور دونوں شعلوں کو بجھا گیا۔

شعلے بجھتے ہی لوگوں میں ہل چل سی مچ گئی۔ لوگوں نے خوشی سے تالیاں بجائیں...... ابھی
شور جاری ہی تھا کہ یک چشم چیلے نے شومگا پر ایک اور وار کیا۔

اچانک اس کی چوکی سے ایک زہریلا کالا ناگ نکلا اور اس کے سامنے پھن پھیلا کر کھڑا

شومگا نے ہاتھ فضا میں بلند کیا تو اس کے ہاتھ میں ایک بین آ گئی۔ اس نے اس بین کو
اس پھنکارتے سانپ کے سامنے ڈال دیا۔ بین کو دیکھتے ہی سانپ نے پھنکارنا بند کر دیا اور بڑی
مندی سے اس کے منہ میں داخل ہونے لگا۔ جب وہ پورا بین کے منہ میں داخل ہو گیا تو شومگا
بین کو اٹھایا اور پوری طاقت سے یک چشم چیلے کی طرف پھینک دیا۔

بین چوکی پر گر کر زوردار دھماکے سے پھٹی اور اس میں سے بیشمار کالے پیلے سانپ برآمد
چشم چیلے کے جسم سے لپٹ گئے۔ اس نے بچاؤ کی کوشش کی لیکن بچاؤ کی تمام صورتیں اب ختم
ا ہیں۔

بیشمار سانپوں نے اسے چند ساعتوں میں اس دنیا سے کوچ کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس کی
کے بعد شومگا نے پھر کوئی منتر پھونکا۔

سارے سانپ ٹوٹی بین کے پیٹ میں سمٹنے لگے۔ آخر سارے سانپ اس بین میں سما گئے۔
ثابت ہو چکی تھی۔

شومگا کے اشارے پر وہ اڑتی ہوئی اس کے پاس واپس آ گئی۔ شومگا نے اس بین کو ہاتھ
ہاتھ فضا میں بلند کیا تو وہ غائب ہو گئی۔

کونے میں بیٹھے ہوئے بقیہ دو چیلے اٹھے۔ انہوں نے یک چشم چیلے کی لاش کو اٹھا کر میں پھینکا اور پتھر کے ٹکڑے کے ذریعے انتخاب کرنے لگے۔

اس بار قرعہ ایک ایسے چیلے کے نام نکلا جو لنگڑا تھا۔

وہ لنگڑا چیلا اپنی چوکی پر آ بیٹھا جبکہ دوسرا چیلا ایک کونے میں زمین پر بیٹھ گیا۔ چیلے نے منتر پڑھ کر شومگا کی طرف ہاتھ اس طرح چلایا جیسے اس نے اسے پتھر کھینچ کر مارا ہو۔

وہ نادیدہ پتھر شومگا کے سر میں لگا اور خون سر سے ابلتا ہوا اس کی پیشانی اور چہرے گیا۔

مجمع پر سکوت چھا گیا۔ لوگوں نے اپنی سانسیں روک لیں۔

قامران نے سوچا کہ اب صحیح معنی میں شومگا کا مدمقابل آیا ہے۔ یہ پہلا چیلا نے شومگا کو تھوڑا بہت نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی اور اس کوشش میں کامیاب بھی ہو گیا شومگا نے اپنے چہرے پر بہتے ہوئے خون کو اپنی انگلی سے تین بار چاٹا اور ایک بار انگلی پر خون لگایا اور خون آلود انگلی پر کچھ پڑھ کر پھونکا۔

پھر اس نے اپنی انگلی لنگڑے چیلے کی طرف تان لی اور اس پر زور سے پھونک ماری۔ لنگڑے چیلے پر جانے کیا اثر ہوا کہ وہ اچانک چوکی پر سر کے بل گرا اور سینہ طرح تڑپنے لگا۔ تڑپتے تڑپتے وہ چوکی سے نیچے گرا اور نیچے گرتے ہی ٹھنڈا ہو گیا۔

قامران نے اس کے سینے پر نظر ڈالی تو اس کا لباس خون آلود دکھائی دیا۔ نے اس کے دل پر وار کیا تھا۔ اس کی لمبی انگلی کسی تیر کی طرح اس کے دل میں پیوست لنگڑے چیلے کو آخری سفر پر جاتے دیکھ کر زمین پر بیٹھا وہ آخری چیلا اٹھا۔ دوسرے پجاریوں کی مدد سے اس کا مردہ جسم اٹھایا اور اسے تالاب میں پھینک دیا۔

شومگا نے اپنے تین دشمنوں کو بڑی آسانی سے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اب مقابلے میں صرف ایک چیلا رہ گیا تھا۔ اسے ہرانے کے بعد اسے بڑا پجاری بننے سے کوئی کہ سکتا تھا۔

شومگا نے چوتھے چیلے کو جس کے ہاتھ میں چھ انگلیاں تھیں' چیخ کر مقابلے میں آ
''چل رے چھنگو...... میدان میں آ۔''

''آتا ہوں' آتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ چھ انگلیوں والا چیلا چوکی کی طرف بڑھا۔

چوکی پر بیٹھ کر اس نے آسن جمایا اور ایک ہاتھ پھیلا کر منتر پڑھا۔

چند لمحوں میں اس کے ہاتھ پر ایک خنجر ظاہر ہو گیا۔ چھنگے نے خنجر اٹھا کر اس کی آزمایا اور پھر ایک جھٹکے سے اپنے بائیں ہاتھ کی چھٹی انگلی کاٹ لی اور اسے سر پر گھما پڑھنے لگا۔

یہ یقیناً کوئی خطرناک منتر تھا' کیونکہ انگلی کے کٹتے ہی شومگا بے چین ہو گیا تھا اور پھاڑے اپنے مدمقابل کو دیکھ رہا تھا۔

چھنگے نے اپنی کٹی ہوئی انگلی اپنی مٹھی میں دبا لی اور منہ سے جانے کیا انٹ شنٹ

کہ شومگا کی چوکی لرزنے لگی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کئی آدمیوں نے شومگا کی چوکی اپنے ہاتھوں مار رکھی ہو اور اسے زور زور سے جھٹکے دے رہے ہوں۔ شومگا لرزتی چوکی پر خود کو بڑی مشکل سے ہوئے تھا۔ آخر اس نے اس منتر کا توڑ کیا۔ تب جا کر اس کی چوکی زمین پر ٹکی اور شومگا کے واس بحال ہوئے۔

پھر شومگا نے اپنا ہاتھ دکھایا۔ اس نے اپنے لبادے سے موٹے موٹے چوہے نکال کر آزاد کیے۔ یہ چوہے جو تعداد میں دس بارہ ہو چکے تھے' چھنگے پر حملہ آور ہوئے۔ وہ جلدی اس کے جسم پر چڑھ گئے اور اپنے تیز دانتوں سے اس کے جسم کی بوٹیاں اڑانے لگے۔

چھنگے نے ایک چوہے کو پکڑ کر اپنی کٹی ہوئی انگلی اس کے منہ میں دی تو فوراً ہی اس کا پیٹ

پھر چھنگے نے جلدی جلدی ان چوہوں کو اپنی کٹی ہوئی انگلی کھلانی شروع کی۔ تھوڑی دیر میں ان کا صفایا ہو گیا۔

چھنگے نے پھر اپنی کٹی ہوئی انگلی اپنی مٹھی میں دبا لی اور منہ سے جانے کیا انٹ شنٹ نکالیں کہ شومگا کے کپڑوں میں اچانک آگ لگ گئی۔

شومگا نے جلدی جلدی اس آگ کا توڑ کیا۔

اچانک بارش ہونے لگی۔ یہ بارش صرف شومگا کے اوپر ہی ہو رہی تھی اور اتنی تیز تھی کہ جلتے کپڑے دیکھتے ہی دیکھتے بجھتے چلے گئے۔ بارش بند ہوئی تو شومگا کے کپڑے پہلے کی طرح ہو گئے۔ یہ نہ ہوتا تھا کہ یہ جلے ہیں اور بھیگے ہیں۔

شومگا کے ایک اشارے پر چھنگے کے سر پر ایک کوڑا نمودار ہوا اور پھر اس کے جسم پر برسنے لگے۔ کوڑا جسم کے جس حصہ پر بھی پڑتا' وہ کپڑے کے ساتھ کھال بھی لے آتا۔ چھنگا بلبلا جاتا۔ اب وہ اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح کوڑا اس کی گرفت میں آ جائے۔ آخر کوڑے کو پکڑ ہی لیا۔ کوڑا ہاتھ میں آتے ہی جلی ہوئی رسی کی طرح ہو گیا۔ بے جان لیکن چھنگے نے اس جلے ہوئے کوڑے کو اپنے دونوں ہاتھوں سے مسل کر پھینک دیا۔ کوڑے کے اس چیلے کا جسم اور کپڑے اپنی اصلی حالت میں آ گئے۔ پھر اس نے اپنے دائیں ہاتھ کو تیز دھار کا چمکتا خنجر فوراً ظاہر ہو گیا۔ چھنگے نے اس خنجر سے اپنے کان کی ایک لو کاٹی آلود لو کو اچھی طرح خنجر پر ملا۔ پھر اس نے اس خنجر پر کوئی منتر پڑھ کر پھونکا اور اسے پھینکا۔

شومگا نے اس خنجر کو اپنے ہاتھ پر روک لیا۔ پورا خنجر اس کی ہتھیلی کے آر پار ہو گیا۔ اس کی خون ابل پڑا۔

شومگا نے چند لمحوں بعد ہی خنجر اپنی ہتھیلی سے نکال لیا۔ پھر اس نے اس خنجر پر منہ ہی منہ میں واپس چھنگے کی طرف اچھال دیا۔

خنجر اپنی طرف واپس آتے دیکھ کر اس نے بھی اسے اپنے ہاتھ پر روکنے کی کوشش کی۔ ہوتا تو شاید اس کے ہاتھ پر رک بھی جاتا...... وہاں تو ایک خنجر کے دس بارہ خنجر بن

گئے تھے۔ وہ بیچارہ کس کس کو روکتا۔ ان دس بارہ خنجروں نے اس کے جسم کو چھلنی کر دیا۔ گر
لگنے والے ایک خنجر نے اس کی شہ رگ کاٹ دی۔ سینے پر لگنے والے خنجروں کا تو ذکر ہی کیا۔

آخر چوتھا چیلا بھی زندگی کا عذاب جھیل کر ہر دکھ سے آزاد ہو گیا۔

اس کے مرتے ہی شومگا نے خوشی سے نعرہ لگایا اور چیخ کر کہا۔ ''اور کوئی ہے جو م
مقابلہ کرے اور بڑا پجاری بننا چاہے؟''

یہ سن کر صحن میں موجود تمام پجاری اس کے آگے سجدے میں گر گئے۔ شومگا سے مقا
کس بل بوتے پر کرتے۔

......تب قامران کے دل میں یہ خواہش شدت سے ابھری...... کاش! وہ شومگا کے م
پر آسکتا۔ کاش! اس نے سحر سیکھا ہوتا...... پھر اسے مار کر دیوتا کے گھر کو شیطانی ٹولے سے پاک ک
آسان ہوتا۔

قامران کی اس شدید خواہش کو چاندکا بھلا کس طرح نظر انداز کر سکتی تھی۔ وہ اپنی
خوشبوؤں کے ساتھ اس کے دل میں اتر آئی اور آہستہ سے بولی۔

''قامران! مقابلہ کرو گے؟''

''ہاں! جی تو چاہتا ہے۔'' قامران نے دل ہی دل میں کہا۔

''پھر اٹھو اور تماشا دیکھو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' چاندکا بولی۔

قامران کے لیے چاندکا کی اتنی ہی یقین دہانی کافی تھی۔

وہ اچھل کر اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور چیخ کر بولا۔ ''میں آؤں میدان میں؟''

شومگا نے اسے بڑے انداز سے گردن ترچھی کر کے دیکھا اور ہنس کر بولا۔ ''
تمہیں زندگی عزیز نہیں کیا؟''

''بہت۔'' قامران نے بڑا مختصر مگر جامع جواب دیا۔

''پھر ہاتھی کے پاؤں کے نیچے کیوں آنا چاہتے ہو؟'' شومگا نے اسے حقارت
ہوئے کہا۔

''میں دیوتا کے گھر کو ظالموں سے نجات دلانا چاہتا ہوں۔''

''بکواس مت کرو۔'' شومگا کو اچانک جلال آگیا۔ ''تم اس بستی میں اگر اجنبی
تمہیں جلا کر رکھ کر دیتا۔''

''تم میرے اجنبی یا پردیسی یا مہمان ہونے کا بالکل خیال نہ کرو...... میں تمہار
میں آرہا ہوں۔ مجھ پر اپنا سحر پھونکو اور پھر تماشا دیکھو۔'' قامران تیزی سے سیڑھیاں اترا
طرف بڑھا۔

''قامران! بے وقوف نہ بنو۔ تم بے موت مارے جاؤ گے۔'' سنگینا نے اچانک ا
پکڑ لیا۔ ''یہ ظالم جادوگر تمہیں چٹکیوں میں مسل دے گا۔''

''ارے! کچھ نہیں ہوگا...... تم ذرا دیکھو۔'' یہ کہہ کر قامران نے جھٹکا دے کر اپنا ہا
اور لوگوں کے سروں سے پھلانگتا صحن میں جا پہنچا اور اس چوکی کی طرف بڑھا جو اس کے

ی اور چار چیلوں کی جان لے چکی تھی۔

قامران نے چوکی پر بیٹھ کر آسن جمایا تو بستی کے لوگوں نے اس اجنبی کو شومگا کے مقابلے
تے دیکھ کر فلک شگاف نعرے لگائے۔

قامران نے ہاتھ اٹھا کر نعروں کا جواب دیا۔ پھر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کے ہاتھوں
سے کبوتر نکل نکل کر فضا میں اڑتے جا رہے ہیں۔ وہ بڑے غور سے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔
س کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کبوتر کہاں سے نکل رہے ہیں۔ تھوڑی دیر میں بیشمار کبوتر اس کے
سے نکل کر لوگوں کے سروں پر اڑنے لگے۔

مجمع نے ان اڑتے کبوتروں کو دیکھ کر زبردست تالیاں بجائیں۔

جب قامران کے ہاتھوں نے کبوتر چھوڑنے بند کر دیے تو شومگا نے اپنے لباس سے باز
ال کر اڑانے شروع کر دیے۔

بازوں نے کبوتروں کو دیکھ کر ان پر جھپٹنا شروع کیا' لیکن جیسے ہی کوئی باز کسی کبوتر کو دبوچنے
کرتا تو اس کوشش میں وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔

شومگا کے چھوڑے ہوئے باز پٹر پٹر صحن میں گر رہے تھے۔ وہ زمین پر گرتے ہی دھواں بن

شومگا بڑی حیرت سے اپنے گرتے بازوں کو دیکھ رہا تھا۔

تھوڑی دیر میں سارے بازوں کا صفایا ہو گیا۔ لیکن کبوتر بدستور فضا میں قلابازیاں کھاتے
دھر اڑتے رہے۔

قامران اپنے ہاتھوں سے نکلے ہوئے کبوتروں کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

''قامران! اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔'' اچانک چاندکا کی آواز سنائی دی۔

قامران نے پہلے کی طرح ہاتھ اوپر اٹھا لیے۔ اس کے ہاتھ اوپر اٹھاتے ہی کبوتر واپس آنے
ں کے ہاتھ پر بیٹھتے ہی غائب ہو جائے۔

کچھ دیر بعد آسمان کبوتروں سے خالی ہو گیا۔

لوگوں نے ایک بار پھر زبردست تالیاں بجائیں۔ شومگا کو یہ دیکھ کر تاؤ آگیا۔ اس نے کچھ
ر ہاتھ پھیلایا تو ہاتھ چھریوں سے بھر گیا۔ اب اس نے ایک چھری اٹھائی اور قامران کی طرف
سنسناتی ہوئی اس کی طرف بڑھی۔ قامران ایک لمحے کو گھبرا گیا۔ پھر وہ یہ دیکھ کر مطمئن ہو گیا
ی اس کے سینے کے قریب آ کر اس طرح زمین پر گری جیسے اس کے سامنے لوہے کی چادر

شومگا پوری قوت سے چھریاں اس کی طرف پھینک رہا تھا اور قامران پورے اطمینان سے
رہا تھا۔ چھریاں اس کے قریب آ کر زمین پر گرتی جا رہی تھیں۔ آخر شومگا چھریاں پھینک
ک آگیا اور قامران کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔

پھر شومگا نے آگ لگانے والا منتر پڑھا۔ قامران کے جسم میں ایک دم آگ بھڑک اٹھی
چند ساعتوں کے لیے۔ اس کے کپڑوں میں آگ لگی اور خود بخود بجھ گئی۔

شومگا کو اب پسینے چھوٹنے لگے تھے۔ اس کے مدمقابل پر کوئی وار کارگر نہیں ہو رہا تھا۔

''ہاں! قامران پھر۔'' چاندکا کہہ رہی تھی۔

''پھر کیا؟'' قامران نے پوچھا۔

''یہ شعبدے بازی کچھ دیر اور چلے یا شعبدے باز کو فنا کر دوں؟''

''ہاں کر دو فنا...... کھیل بہت ہوا۔'' قامران جلد از جلد شومگا کو مردہ حالت میں دیکھنا

تھا۔

''لو پھر دیکھو تماشا۔''

قامران نے تماشا دیکھنے کے لیے شومگا پر نظریں جما دیں۔

قامران کے دیکھتے ہی دیکھتے شومگا دھاڑ سے چوکی پر چت گرا۔ اس نے اٹھنے کے بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر اٹھ نہ سکا۔ پھر قامران نے اس کی ٹانگیں چوڑی ہوتی دیکھیں اس کے ہاتھ پھیل گئے۔ اب وہ چوکی پر اس طرح پڑا تھا' جیسے اس کے ہاتھ پاؤں کو رسیوں سے کر الگ کھینچ لیا ہو۔

قامران کو اچانک سفید محل کا وہ منظر یاد آ گیا' جس میں ایک عورت کو چار گھوڑوں باندھ کر اس کے ٹکڑے اڑا دیئے گئے تھے۔

کیا چاندکا شومگا کے ساتھ بھی یہی کرنے والی تھی؟ قامران نے سوچا۔

قامران ابھی سمجھ نہ پایا تھا کہ شومگا کے ساتھ کیا ہونے والا ہے...... اس نے اچانک ا ہوا میں اڑتے دیکھا۔

لیکن صرف چند لمحوں کو...... اس کے بعد اس کا جسم چار حصوں میں تقسیم ہو گیا۔

بڑے پجاری کے خواب دیکھنے والا ہوس کا دیوتا اب اپنی چوکی پر نہ تھا۔ فرش پر ا ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے اور زمین اس خبیث کے خون سے اپنی پیاس بجھا رہی تھی۔

اس منظر نے دیوتا کے گھر میں موجود تمام پجاریوں میں دہشت پھیلا دی۔ سار آناً فاناً قامران کے سامنے اکٹھا ہو گئے اور سجدے میں گر پڑے۔ تب قامران مسکراتا ہوا چو اور بڑے فخر سے کھڑا ہو گیا۔ اب وہ دیوتا کے گھر کا بڑا پجاری تھا۔

نئے بڑے پجاری کو دیکھ کر لوگوں نے خوشی سے نعرے بازی کی۔ قامران نے ہاتھ کر اور ہوا میں لہرا لہرا کر سب کو مبارکباد کا جواب دیا۔ پھر اس نے ہاتھ کے اشارے سے ا خاموش رہنے کی تلقین کی۔ چند لمحوں بعد ہر سو سکوت چھا گیا۔

''معصوم اور بھولے بھالے لوگو!'' قامران نے کہنا شروع کیا۔ ''آج تم جتنی ا سکتے ہو' مناؤ...... آج کا دن تمہارے لیے یوم نجات ہے...... نجات کس سے؟...... ان ظال دیوتا کے گھر پر قابض تھے اور تمہاری بہن بیٹیوں سے کھیلتے تھے۔''

یہ سن کر قریب ہی بیٹھے ہوئے کچھ نوجوان اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہیں یہ بات وہ چیخ کر بولے۔ ''اس بات کا کیا مطلب ہے؟''

''میری بات صبر سے سنو' پھر تمہاری سب کچھ سمجھ میں آ جائے گا...... اے لوگو! یا

یہ پجاری جنہیں تم دیوتا کے اوتار سمجھتے رہے ہو' دیوتا کے اوتار نہ تھے' شیطان کے چیلے تھے...... سنو ...... اور تم لوگ جو اپنی بہن بیٹیوں کو داسی بنانے کے لیے ان کے حوالے کر جاتے تھے تو یہ پجاری ی بہن بیٹیوں کو دیوتا کی داسی بنانے کے بجائے اپنی داسی بنا لیتے تھے۔ تم سمجھتے ہو گے کہ تمہاری بیٹیاں داسی بننے کے بعد آسمانوں پر چلی جاتی ہوں گی' لیکن ایسا نہیں ہے۔ تمہاری بہن بیٹیاں اسی کے گھر میں موجود ہیں اور بہت تلخ زندگی بسر کر رہی ہیں۔'' قامران اتنا کہہ کر چند لمحوں کے لیے

تب چاروں طرف سے یہ آوازیں آنی شروع ہوئیں۔ ''یہ جھوٹ ہے۔''

''ایسا نہیں ہو سکتا۔''

''تم دیوتا سروپ پجاریوں پر الزام لگا رہے ہو۔''

''ٹھہرو۔'' قامران نے چیخ کر کہا۔ ''تم جن پجاریوں کو دیوتا کی صورت سمجھتے ہو اگر میں ان کرتوت بتاؤں تو ان کی صورتوں پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرو گے۔''

پھر قامران نے دھیرے دھیرے دیوتا کے گھر کے تمام راز فاش کر دیئے۔ داسیوں پر کیا تمی' دیوتا کی مورتی کس طرح کھلتی اور وہاں سے پجاری لڑکی کو کہاں لے جاتے اور اس کا کیا حال نے...... تہہ خانے' چکردار دیواریں' زمین دوز رہائش گاہ...... عیاشیاں' ہوس اور گناہ کے کھیل۔

یہ سن کر مجمع پر سناٹا چھا گیا...... لیکن یہ بات ایسی تھی کہ جانتے ہوئے بھی اس پر یقین کرنے ل نہیں چاہتا تھا۔ کچھ لوگ اب بھی بے یقینی کی کیفیت میں تھے۔ خاص طور سے وہ گھرانے جن کی ں دیوتا کی داسیاں بنائی جا چکی تھیں۔

''اے لوگو! ٹھہرو۔ کچھ دیر میرا انتظار کرو۔ میں ابھی تمہیں' تمہاری لڑکیوں سے ملواتا ہوں۔ اپنے اپنے دل مضبوط کر لو۔''

یہ کہہ کر قامران نے چوکی سے چھلانگ لگائی اور لوگوں کے درمیان سے گزرتا' سیڑھیاں ...دں والے برآمدے میں پہنچ گیا۔ پھر لوگوں نے اسے ایک چھوٹی سی گلی میں اندر جاتے

اپنے لگائے ہوئے نشانوں کی مدد سے بڑی تیزی سے ان چکردار دیواروں میں گھومتا جا رہا اور وہ منزل مقصود پر پہنچ گیا۔ تب اسے خیال آیا کہ وہ خفیہ دروازہ مخصوص جگہ مخصوص ضربوں کے ں کھلوا سکتا۔

''ٹھہرو' میں گالنا کو دروازہ کھولنے پر مجبور کرتی ہوں۔'' چاندکا کی آواز آئی۔

تھوڑی دیر بعد خود بخود خفیہ دروازے کی دیواریں کھسکنے لگیں۔

گالنا قامران کو دروازے پر دیکھ کر ایک دم کھل اٹھی۔ ''مجھے پوری امید تھی کہ دروازے پر تم گے...... تم آتے ہو تو میرا دل خود بخود دروازے کی طرف کھنچنے لگتا ہے۔'' پھر وہ ایک دم اداس ا، گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''لیکن اس وقت تم یہاں کیوں آ گئے؟ اس وقت تو سارے جاگ جاتے ہیں' کوئی بھی یہاں آ سکتا ہے...... جاؤ واپس چلے جاؤ' صبح آنا میں تمہارا انتظار ی۔''

''نہیں' میں واپس جانے کے لیے نہیں آیا۔ میں یہاں سے تمہیں لینے آیا ہوں اور تمہیں نہیں بلکہ اس قید خانے میں مقید تمام داسیوں کو۔'' قامران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تم نشے میں تو نہیں ہو؟'' گالنا پریشان ہوکر بولی۔ ''دیوتا کے لیے یہاں سے فوراً جاؤ..... اگر بڑے پجاری کو معلوم ہوگیا تو تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔''

''ارے چھوڑو..... اب یہاں کوئی نہیں آئے گا..... نہ بڑا پجاری' نہ چھوٹے پجاری... پجاری رات کو مر گیا اور وہ پجاری' جو اس کی موت کے بعد اس کی چوکی کے دعویدار ہیں' ان کی لاشیں تالاب اور صحن میں پڑی ہیں۔'' قامران نے گالنا کو بتایا۔ ''اور ہاں تمہاری بستی کے لوگ اور وہ سکینا' تمہارا منتظر ہے۔''

''اس بزدل کا نام میرے سامنے نہ لو۔'' گالنا کو غصہ آ گیا۔

''تم اصل میں دونوں ہی بے وقوف ہو..... دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو' اس کے باوجود انا کی دیوار اپنے درمیان کھڑی کر لیتے ہو۔ حالانکہ محبت فنا کا نام ہے' اپنے آپ کو دوسرے میں جذب کر لینے یا دوسرے میں جذب ہوجانے کا نام ہے۔ محبت میں اپنی ''میں'' ختم کرنا پڑتا ہے اور ''ہم'' ہوکر جینا پڑتا ہے۔'' قامران نے محبت کے اسرار کھولتے ہوئے کہا۔ ''تم نہیں جانتیں کہ سکینا آج بھی تم سے اتنی ہی محبت کرتا ہے' جتنی کل کرتا تھا..... اب وقت ضائع نہ کرو' جلدی سے تمام داسیوں کو بلا لاؤ.....بستی کے لوگ ان کے منتظر ہیں۔''

''میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا..... میں یہ خوشی کیسے برداشت کروں۔ اچھا میں جاتی ہوں اور سب کو بلا کر لاتی ہوں۔'' گالنا کی واقعی عجیب حالت تھی۔ وہ لرزتے قدموں سے اندر چلی گئی۔

جب قامران مورتی کو تقسیم کرکے دیوتا کے کمرے سے باہر نکلا تو لوگ اسے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے۔ وہ برآمدے سے اندر گیا تھا' دیوتا کے کمرے سے کس طرح باہر نکل آیا۔

پھر یہ حیرت اس وقت اور بڑھی جب اسی کمرے سے لڑکیاں برآمد ہونی شروع ہوئیں وہ مظلوم لڑکیاں تھیں' جنہیں دیوتا کے نام پر ہوس کا نشانہ بنایا گیا تھا اور جن کے مقدر میں غذاب لکھ دیئے گئے تھے۔

کمرے سے سب سے پہلے گالنا برآمد ہوئی۔ اس کے بعد دوسری لڑکیاں نکلنا شروع ہوئیں۔ یہ لڑکیاں سینکڑوں کی تعداد میں تھیں۔ ان لڑکیوں کو دیکھ کر ایک کہرام سا مچ گیا۔

مائیں اپنی بیٹیوں کو دیکھ کر آنسو ضبط نہ کرسکیں۔ نوجوان اپنی بہنوں کو دیکھ کر بے قابو ہو گئے۔ غصے اور نفرت کی آگ اچانک بھڑک اٹھی۔

بستی کے نوجوان چھلانگیں لگا لگا کر صحن میں کھڑے پجاریوں پر ٹوٹ پڑے۔ کچھ نوجوانوں نے تالاب میں چھلانگ لگا دی اور مرے ہوئے پجاریوں کی لاشیں باہر نکالنے لگے۔ چند نوجوانوں نے شومگا کی لاش کے ٹکڑے اکٹھے کرنا شروع کر دیئے۔

زندہ پجاریوں کو لٹا لٹا کر مارا جارہا تھا۔ بعض نوجوان بڑے بڑے پتھر باہر لائے تھے۔ پجاریوں کے سر ان پتھروں سے کچلے جارہے تھے۔ مرے ہوئے پجاریوں کو جارہا تھا۔

شومگا کی منقسم لاش کو اور تقسیم کیا جارہا تھا۔ لاش کی بوٹی بوٹی کی جارہی تھی۔

مائیں اپنی اپنی بیٹیوں سے مل کر رو رہی تھیں۔

اور قامران خاموشی سے ہاتھ باندھے نفرت اور غصے کے طوفان کو دیکھ رہا تھا۔ ان کے ساتھ جو کچھ کیا جارہا تھا' وہ بہت کم تھا۔ ان کے ساتھ اس سے زیادہ ہونا چاہئے تھا۔

پھر اچانک ہی چاروں طرف سے شور اٹھا ''بڑے پجاری کی لاش کہاں ہے؟''

قامران جب گالنا اور داسیوں کو اندر سے نکالنے گیا تھا تو وہ چاندکا کی مدد سے سارے خفیہ خانے کھنگال آیا تھا' لیکن اسے بڑے پجاری کی لاش نہیں ملی تھی۔

قامران کی سمجھ میں نہ آیا کہ بڑے پجاری کی لاش اس کے چیلوں نے کہاں غائب کردی؟ لوگوں کو بڑے پجاری کی ضرورت تھی۔ اصل آدمی تو وہی تھا..... وہ ظالم مر گیا تو کیا ہوا' اس کی لاش کاٹ کر انتقام کی آگ تو ٹھنڈی کی جاسکتی تھی۔

پر وہ تھا کہاں؟

تب قامران نے اوپر نظر کی تو ایک عجیب منظر دیکھا۔ فضا میں کوئی چیز تیرتی ہوئی نیچے آرہی تھی' یہ ایک انسانی لاش تھی۔

☆......☆......☆

جب وہ لاش زمین پر اتری تو بہت سے نوجوان اس پر ٹوٹ پڑے۔

ہر طرف شور ہوگیا۔ "آگیا...... آگیا۔"

قامران تو اس لاش کو نہ پہچان سکا۔ لیکن بستی کے نوجوانوں نے دیوتا کے گھر کے اس بڑے پجاری کو فوراً پہچان لیا اور آناً فاناً بڑے بڑے پتھروں سے اس کا سر اور جسم کچل کر رکھ دیا۔

یہ لاش تھی کہاں؟ قامران نے سوچا۔

"یہ لاش شومگا نے کھڈ میں پھنکوا دی تھی۔" اچانک جواب آیا اور کنوارے بدن کی خوشبو ساتھ آئی۔" میں اسے وہاں سے اٹھا کر لائی ہوں۔"

"میں جانتا تھا' یہ کارنامہ سوائے تمہارے کسی اور کا نہیں ہوسکتا۔" قامران نے کہا۔ بتاؤ' یہ بڑا پجاری اچانک کس طرح مر گیا؟"

"اسے شومگا نے مارا تھا...... میں جب بڑے پجاری کے روپ میں گالٹا کے کمرے آ گئی تھی اور میں نے اسے خاصا سخت سست کہا تھا تو اس نے اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ بڑے کو ٹھکانے لگائے بنا نہیں رہے گا۔ شومگا بڑے پجاری کا خاص چیلا تھا۔ اس کی تمام خوبیوں اور خامیوں سے واقف تھا۔ اس لیے اس کے لیے اسے موت کے گھاٹ اتارنا ذرا بھی مشکل نہ تھا۔ انتظام گاہ نے اس مسئلے کو اور آسان کر دیا۔"

"چاند کا...... دیواروں کے پیچھے کوئی اور پجاری تو نہیں؟" قامران نے پوچھا۔

"نہیں جتنے تھے' وہ سب صحن میں موجود تھے اور اب وہ بھی نہ رہے۔ کل جنہیں طاقت پر گھمنڈ تھا' اب وہ اپنے گھمنڈ سمیت زمین پر گھسیٹے جا رہے ہیں۔ یہ انسان بھی کتنا ہے' فانی ہونے کے باوجود دوسروں کو فنا کرنے میں لگا رہتا ہے۔" چاند کا بڑے تاسف رہی تھی۔

اچانک کسی نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔" قامران! یہاں اب کب تک کھڑے رہو گے"

قامران نے چونک کر ہاتھ تھامنے والی کو دیکھا' وہ گالٹا تھی۔ پھر جیسے اسے ہوش آیا اور سنگینا کا گھرانہ اس کا منتظر تھا۔ جبکہ بستیوں کے دوسرے لوگ جا چکے تھے۔

قامران تیزی سے ان کی طرف بڑھا۔

جب قامران ان کے نزدیک پہنچا تو وہ سب سجدے میں گر گئے جبکہ گالٹا نے بڑے سے اس کے پاؤں چھوئے۔

قامران فوراً ہی پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے گالٹا کو ہاتھ پکڑ کر کھڑا کیا اور سب سے مخاطب ہوا

ارے! یہ تم لوگ سجدے میں کیوں گر گئے...... فوراً کھڑے ہوجاؤ۔"

قامران کا حکم سنتے ہی سب کے سب اس کے سامنے مودبانہ کھڑے ہوگئے۔ قامران نے ل آنکھوں میں عقیدت و احترام کی روشنی دیکھی۔ وہ گڑبڑا گیا۔ جانے یہ لوگ اسے کیا سمجھ رہے

"جب ظلم زیادہ بڑھ جاتا ہے اور بدی پھیلانے والے بدمست ہوجاتے ہیں تو دیوتا کو خود ں سے اترنا پڑتا ہے...... ہم کتنے خوش قسمت ہیں کہ اپنی آنکھوں سے دیوتا کے درشن کر رہے ' گالٹا کا باپ کہہ رہا تھا۔

"ارے مارے گئے۔" قامران ایک دم چونک اٹھا اور گالٹا کے باپ کے دونوں ہاتھ پکڑ کر "مجھے تم دیوتا بنانے کی کوشش مت کرو...... میں ایک عام سا آدمی ہوں' تم میں سے ہوں' میں تو ے پاؤں کی دھول بھی نہیں۔"

"پھر وہ چمتکار؟" گالٹا کے باپ نے پوچھا "جو کام تم نے کیا ہے وہ کوئی ہم سا آدمی نہیں ا...... چمتکار تو صرف دیوتا دکھا سکتا ہے یا دیوتا کا اوتار۔"

"تم لوگوں نے جو کچھ دیکھا اسے فریبِ نظر سمجھو...... مجھ سے جو کچھ سرزد ہوا' اس میں کسی و شامل تھی اور اس کی مدد سے چیونٹی ہاتھی کا مقابلہ کر گئی۔" قامران نے ہنستے ہوئے کہا۔ "دیوتا کے اس کا حال تم نے دیکھ ہی لیا۔ اب مجھے تو اوتار نہ بناؤ۔"

"تم نے ہماری بیٹیاں واپس دلا دیں۔ تم ہمارے لیے دیوتا سے بھی مہان ہو۔" اس مرتبہ ا کی ماں بولی۔ "آؤ اب گھر چلیں۔"

شام کو دونوں گھرانوں نے قامران کے اعزاز میں زبردست ضیافت کا انتظام کیا۔ طرح ی کے مشروبات' ہزاروں قسم کے کھانے' اس پر پُرخلوص اصرار' سب کچھ کھلانے کی خواہش اور قامران اں نہیں۔

آج پوری بستی میں جشن کا سا سماں تھا۔ ہر گھر میں چراغاں' جس گھر میں کوئی لڑکی واپس ئی اس گھر میں روشنی ہی روشنی تھی۔ خوشی ہی خوشی تھی۔

رات کو گالٹا کا باپ بستی کا چکر لگا کر آیا تو اس نے بتایا۔ "بستی والے کل رات تمہارے میں ایک جشن کی تیاری کر رہے ہیں۔"

"ارے نہیں...... جشن کی کوئی ضرورت نہیں' میں کل رات یہاں نہیں ہوں گا۔ صبح ہوتے ہی ے چلا جاؤں گا۔" قامران نے سنجیدگی سے کہا۔

"کہاں جاؤ گے؟" گالٹا نے پوچھا۔

"کہیں بھی' کسی بھی سمت' جدھر منہ اٹھے گا' نکل جاؤں گا۔" قامران نے کہا۔

"پرسوں چلے جانا۔" گالٹا کی ماں نے اصرار کیا۔

"ہاں ایسی بھی کیا جلدی...... چلے جانا آرام سے۔" رگولی بھی بولی۔

"نہیں' مجھے جانا ہی ہوگا...... اب یہاں رہنے کا کوئی جواز نہیں۔" قامران نے فیصلہ کن ں کہا۔

گالنا کے ماں باپ' سنگینا کے گھر والے کسی بھی طرح اسے اتنی جلدی چھوڑنے کو تیار نہ تھے۔ کافی دیر تک تکرار ہوتی رہی۔ جشن میں شرکت کے لیے دباؤ ڈالا جاتا رہا' لیکن قامران نے فیصلہ کرلیا تھا' اس پر وہ اٹل رہا۔

''اچھا اگر تم نے کل صبح جانے کا فیصلہ کرہی لیا ہے تو ایک بات میری غور سے سن لو۔'' گالنا کے باپ نے اسے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

''کہو...... کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''تم چاہے مشرق کو جانا' چاہے شمال یا جنوب کو...... لیکن مغرب کی طرف نہ جانا۔''

''وہ کیوں؟'' قامران کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔

''وہ ٹھگوں کا علاقہ ہے۔'' گالنا کے باپ نے بتایا۔ ''اکادکا چلتے راہ گیر کا تو کوئی مسئلہ نہیں' وہ قافلے کے قافلے لوٹ لیتے ہیں اور اتنی خوبصورتی سے کہ لٹنے والے کو اپنے لٹنے کا بہت دیر بعد احساس ہوتا ہے۔''

''اچھا...... یہ اطلاع تو میرے لیے بہت دلچسپ ہے۔'' قامران خوش ہوتے ہوئے بولا۔ ''ذرا تفصیل سے ان ٹھگوں کے بارے میں بتاؤ۔ ایسا وہ کیا طریقہ استعمال کرتے ہیں کہ آدمی خوشی خوشی لٹ جاتا ہے۔''

''ابھی تھوڑے دنوں کی بات ہے...... شمال سے ایک تاجروں کا قافلہ آیا تھا اور گرناؤ جانا چاہتا تھا۔ گرناؤ تاجروں کا ایک بہت بڑا مرکز ہے۔ راستے میں انہیں ایک راجہ ملا' جو اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ شکار پر نکلا ہوا تھا۔ تاجروں نے راجہ اور راجہ نے تاجروں کو دیکھا تو دونوں ہی خوش ہوگئے۔ تاجروں نے سوچا چلو ان کا بوجھ راستے میں ہی ہلکا ہوجائے گا۔ راجہ نے سوچا تاجروں کا قافلہ جانے کہاں سے آیا ہے' اس کے پاس جانے کیا کیا ہوگا۔ چلو دیکھ لیتے ہیں۔ شام ہو چکی تھی' راجہ کہیں پڑاؤ ڈالنے کی فکر میں تھا۔ تاجر بھی کہیں رات بسر کرنا چاہتے تھے۔ راجہ نے انہیں اپنے ساتھ رات بسر کرنے کی دعوت دے ڈالی' جو تاجروں نے خوشی خوشی قبول کرلی۔ راجہ کا حکم ملتے ہی خیمے نصب کیے جانے لگے۔ ایک جگہ کھانے پینے کا بندوبست ہونے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے جنگل میں منگل دکھائی دینے لگا۔

رات کے کھانے کے بعد جب راجہ نے محفل جمائی تو تاجروں نے بہترین موقع جان کر راجہ کو اپنا اپنا مال دکھانا شروع کیا۔ جب سارے تاجر اپنا اپنا مال دکھا چکے تو راجہ کے حکم کے منتظر رہے۔ آخر راجہ نے لب کھولے۔ ''کسی تاجر کو مایوس نہیں کیا جائے گا اور اب کوئی تاجر گرناؤ کا دکھ دینے والا سفر نہیں کرے گا۔ ہم کسی کے پاس کچھ نہیں رہنے دیں گے۔ ہر چیز ضرور لیں گے۔ دور دیس کے تاجرو' اب اپنا اپنا مال باندھ لو اور رقص و موسیقی سے دل بہلاؤ۔''

راجہ کے اس حکم نے انہیں سرشار کردیا۔ ایسا قدردان تو قسمت والوں کو ہی ملتا ہے۔ خوشی خوشی اپنا مال باندھنے لگے۔ مال باندھ کر وہ آرام سے بیٹھ گئے۔

تب راجہ نے تالی بجائی۔ اچانک خیمے میں ایک بجلی سی کوندی' ایک شعلہ سا لپکا اور ... دل تھام کر رہ گیا۔

خیمے میں ایک حسین رقاصہ محو رقص تھی۔ پھر اس رقاصہ نے ساقی کا کام بھی شروع کردیا۔ اس نازنیں کے ہاتھوں کون پینا پسند نہ کرتا۔ وہ تو خیر شراب تھی' اگر زہر بھی ہوتا تو لوگ خوشی خوشی پی

جام پر جام لنڈھائے جانے لگے۔ اعضاء کی شاعری چلتی رہی۔ خمار انگڑائیاں بن بن کر ٹوٹتا ... ات کی زلفیں کھلتی رہیں۔ یہاں تک کہ اس کے بدن پر اجالا پھیل گیا۔

سپیدۂ سحر نمودار ہوا تو حقیقت کے پردے سے بھیانک چہرہ برآمد ہوا۔ اب وہاں راجہ ... شعلہ بدن رقاصہ' نہ ان کا مال و اسباب۔ تاجروں کے جسموں سے ان کے کپڑے تک ... لئے تھے۔ ٹھگوں کا سردار' راجہ کے روپ میں اپنا ہاتھ دکھا کر جاچکا تھا۔'' گالنا کا باپ کہہ ... ''تاجروں کا یہ لٹا پٹا قافلہ اپنے جسموں پر پتے لپیٹے ہم تک پہنچا۔ تب ہمیں یہ ایک نیا واقعہ ... ملا۔ اس سے پہلے ان ٹھگوں کے بیشمار واقعات اور طریقہ ہائے واردات کے بارے میں ... چکا تھا۔''

''اب میں نے طے کرلیا ہے کہ میں کسی اور سمت نہیں جاؤں گا سوائے مغرب کے۔'' ... نے کسی ضدی شہزادے کی طرح کہا۔

''خواہ مخواہ لٹ جاؤ گے۔'' گالنا کے باپ نے تنبیہ کی۔

''اپنے پاس ہے ہی کیا لٹنے کو۔'' قامران نے شانے اچکا کر کہا۔

''تمہاری خوبصورت گھوڑی۔'' گالنا کے باپ نے اشارہ کیا۔

''ہاں...... یہ واقعی میرے لیے بہت قیمتی ہے...... ابلا سے میں کسی قیمت پر ہاتھ دھونے کے ... ہیں۔'' قامران ایک لمحے کو فکرمند ہوگیا۔

''بہتر ہوگا کہ تم ادھر کا رخ نہ کرو۔''

''یہ بھی ممکن نہیں...... جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ اگر ان لوگوں نے میری گھوڑی اڑانے کی ... تو میں ان کی پوری بستی اڑا دوں گا۔'' قامران نے بڑے جوش سے کہا۔

کچھ دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد آخر قامران کو اس کے بستر تک پہنچا دیا گیا۔ رات خاصی ... تھی۔ قامران بستر پر لیٹا تو پھر اسے دنیا کی خبر نہ رہی۔

صبح سویرے گالنا نے اسے جگایا۔ اس نے آنکھ کھول کر آسمان کی طرف دیکھا۔ آسمان پر ... جھلملاتے تھے۔ آفتاب کے رخ سے ابھی پردہ نہ ہٹا تھا۔ وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر نہا ... ہوا تو اتنے میں سنگینا بھی آگیا۔ اس وقت کمرے میں گالنا' سنگینا اور قامران کے سوا ... تھا۔

''ہاں بھئی گالنا کیا حال چال ہیں؟'' قامران نے سنگینا کو شرارت سے دیکھنے کے بعد اپنی ... پر جما دیں۔

''ٹھیک ہوں۔'' گالنا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اور سنگینا تم؟''

''میں بھی ٹھیک ہوں۔'' سنگینا نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"آئندہ بھی تم دونوں ٹھیک ہی رہنا اور جتنی جلدی ہو سکے شادی کر لینا۔" قامران نے ہدایت کی۔

"میں تو آج ہی شادی کرنے کو تیار ہوں۔" سنکینا نے جواب دیا۔

"پھر اعتراض کس کو ہے' کیا گالنا تمہیں؟" قامران گالنا سے مخاطب تھا۔

"ہاں...... میں سمجھتی ہوں کہ میں اب سنکینا کے قابل نہیں رہی۔ اب میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔" گالنا نے سر جھکا کر کہا۔

"پاگل مت بنو...... تم پر جو گزری اسے بھول جاؤ۔" قامران نے اسے سمجھانے کی کو کی۔ "تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا' اس میں تمہارے ارادے کو دخل نہ تھا۔ تم داسی بننے سے پہلے طرح جھرنے جیسی تھیں' اسی طرح آج بھی ہو...... تمہاری روح پاک اور شفاف ہے۔ پھر سنکینا چاہنے والے لڑکے بار بار زندگی میں نہیں آیا کرتے۔ ان سنہری لمحوں کو ضائع نہ کرو' اس کی ہو جا تمہیں ہر حال میں قبول کرنے کو تیار ہے...... لاؤ' اپنا ہاتھ لاؤ۔"

گالنا نے فوراً اپنا ہاتھ قامران کی طرف بڑھایا۔ قامران نے گالنا کا ہاتھ تھام کر سنکینا آگے آنے کو کہا۔ سنکینا آگے بڑھا تو قامران نے کہا۔

"میں اگرچہ بزرگ تو نہیں' پھر بھی بزرگوں والا کام انجام دے رہا ہوں۔ گالنا کا نازک سا ہاتھ تمہارے مضبوط ہاتھوں میں زندگی بھر کے لیے دینا چاہتا ہوں۔ کیا تم قبول کر ہو؟"

سنکینا نے ایک لمحہ ضائع کیے بنا' گالنا کا ہاتھ تھام لیا اور پر جوش ہو کر بولا۔ "میں قبول ہوں' صدق دلی اور پورے خلوص سے۔"

"مبارک ہو!" قامران نے چہک کر کہا۔

اچانک گالنا کے چہرے پر شفق پھوٹی' ہر سو رنگ بکھر گئے۔ وہ سنکینا سے ہاتھ چھڑا کر ہوئی اندر بھاگ گئی۔

قامران اور سنکینا بے اختیار ہنس پڑے۔

"سنکینا اس لڑکی کا ضرورت سے زیادہ خیال رکھنا۔ یہ آگ کے دریا سے گزر کر آئی ہے۔" قامران نے سنکینا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"میں گالنا سے بے پناہ محبت کرتا ہوں' قامران۔" سنکینا نے جواب دیا۔ یہ سو باتوں ایک جواب تھا' اس جواب کے بعد مزید کہنے سننے کی ضرورت نہ تھی۔

کچھ دیر بعد گالنا کا باپ' اس کی ماں اور اس کا بھائی سگرام اندر سے نکل آئے۔ انہوں ایک مرتبہ پھر اسے روکنے اور جشن میں شریک ہونے کے لئے اصرار کیا۔ لیکن قامران جو دھن کا پ ان کے بہلاوے میں نہ آیا۔

مجبوراً دکھی دل سے انہوں نے قامران کو رخصت کیا۔

سارزا کے لوگوں کو جب قامران کی روانگی کا علم ہوا تو وہ بادلوں کی طرح گالنا کے امنڈ آئے۔

قامران نے جلدی جلدی اپنی گھوڑی کسی اور زیادہ بھیڑ جمع ہونے سے پہلے ہی وہاں سے انہ ہوا۔

گالنا' سنکینا' رگولی اور سگرام بہت دور تک قامران کے ساتھ ساتھ آئے۔ آخر ایک مقام پر نے انہیں واپس لوٹا دیا اور خود ٹھگوں کے علاقے کی طرف روانہ ہو گیا۔

سورج کے اوپر اٹھتے اٹھتے قامران دیوتا کے گھر سے بہت دور نکل آیا۔ اس کی پیٹھ پیچھے تھا اور وہ ابلا پر سوار مغرب کی جانب اڑا چلا جا رہا تھا۔

تین چار گھنٹے کی مسافت کے بعد قامران کو پیاس محسوس ہونے لگی۔ قامران کسی چشمے کی میں ادھر ادھر اپنی گھوڑی کو دوڑا رہا تھا کہ ایک چھوٹا سا جنگل عبور کر کے وہ ایک ہری بھری بستی لا۔

ابھی وہ بستی کے باہر ہی تھا کہ اسے چند بچے کھیلتے ہوئے دکھائی دیئے۔ قامران نے ر سے دیکھا تو وہ سب کے سب نابینا معلوم ہوئے۔ قامران آگے بڑھا۔ اسے دو جوان مرد طرف جاتے ہوئے نظر آئے۔ مگر یہ دونوں بھی اندھے تھے۔ قامران اور آگے بڑھا۔

اب اسے چند نوجوان لڑکیاں اپنی طرف آتی دکھائی دیں۔ قامران نے سب سے پہلے ان کھوں کی طرف توجہ کی۔

کیا مشکل ہے۔ قامران نے سوچا۔ وہ ساری لڑکیاں بھی اپنی آنکھوں سے محروم تھیں۔ ں داخل ہونے کے بعد قامران نے جدھر بھی دیکھا۔ ہر طرف اسے اندھے ہی اندھے دکھائی ب قامران سے نہ رہا گیا۔ اس نے بستی کے ایک معمر آدمی کو روکا اور اس سے بولا۔ "اس ں مجھے ہر طرف اندھے ہی اندھے دکھائی دے رہے ہیں...... یہ کیا معاملہ ہے؟"

"تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو بھائی؟" وہ ادھیڑ عمر کا مضبوط آدمی اس کے نزدیک آیا نے ٹٹول کر قامران کی کلائی تھام لی۔

"میں......" قامران ابھی کچھ جواب نہ دینے پایا تھا کہ اس نابینا نے اچانک شور مچا دیا "وڑو!...... آؤ' آؤ...... میں نے ایک موذی کو پکڑ لیا۔"

اس کی آواز سنتے ہی چاروں طرف سے ہٹے کٹے نوجوان دوڑ پڑے۔

"میں موذی نہیں...... قامران ہوں قامران۔" قامران نے سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن مجھنے کی کوشش نہ کی۔ آناً فاناً وہ چند نابینا نوجوانوں کے درمیان پھنس گیا۔

وہ اندھے نوجوان اس سے شہد کی مکھیوں کی طرح چمٹ گئے تھے۔ کسی نے اس کے کپڑے ے۔ کسی نے ہاتھ' کسی نے ٹانگیں۔ اور کوئی اس کی گردن میں جھول رہا تھا تو کوئی گود میں اٹھا زن تول رہا تھا اور قامران حیران پریشان ان اندھوں کو دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ دکھ میں مبتلا ہیں؟

"اسے خمنا کے پاس لے چلو' وہی اس موذی کو پہچانے گا۔" اس ادھیڑ عمر آدمی نے کہا۔ قامران کلائی اسی مضبوطی سے تھام رکھی تھی۔

"نہیں...... اسے وہاں لے جانے کی ضرورت نہیں...... خمنا کو یہاں بلا لاؤ' اسے وہاں

لے گئے تو ڈر ہے کہ یہ کہیں بھاگ نہ جائے۔" ایک نوجوان نے کہا۔ جس نے اس کی گردن
ہوئی تھی۔

"ہاں ...... یہ ٹھیک ہے۔ تم لوگ اسے پکڑ کر رکھو میں خمنا کو بلا کر لاتا ہوں۔" یہ کہہ کر
نوجوان بستی کے اندر چلا گیا۔

"دوستو...... پریشان مت ہو میں کہیں نہیں بھاگوں گا...... مجھے اس بری طرح نہ دبوچ
سے زمین پر بیٹھ جاؤ' میں بھی بیٹھ جاتا ہوں۔ تم لوگوں کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"چپ چاپ' خاموشی سے کھڑے رہو۔" اس ادھیڑ عمر آدمی نے ڈپٹ کر کہا...... "ہماری
فہمی یا خوش فہمی کا فیصلہ صرف خمنا ہی کرسکتا ہے۔"

"یہ خمنا کیا بلا ہے؟" قامران بھلا کہاں چپ رہنے والا تھا۔

"اس بستی کا واحد بینا آدمی جو خوش قسمتی سے بینا رہ گیا تاکہ تم جیسے موذیوں کو پہچان سکا
اس ادھیڑ عمر اندھے نے کرختگی سے کہا۔

"اس بستی میں صرف ایک بینا آدمی ہے' باقی سب اندھے ہیں؟" قامران حیران
"ایسا کیسے ہوگیا؟"

"زیادہ بنو مت...... خمنا ذرا تمہیں پہچان لے پھر ہم تم سے پوچھیں گے کہ تم نے اور تمہارے
ساتھیوں نے پوری بستی کو اندھا کیوں کردیا؟" ادھیڑ عمر آدمی نے دانت بھینچ کر کہا۔

اتنے میں قامران کو سامنے سے ایک نوجوان تیزی سے بھاگتا ہوا دکھائی دیا...... وہ
تھا۔ یہ یقیناً خمنا ہے۔ قامران نے سوچا۔

"لو وہ تمہارا خمنا آ گیا۔" قامران نے اطلاع دی۔

"خمنا...... ارے خمنا...... جلدی آؤ۔" کئی نوجوان چیخ اٹھے۔

"آ گیا...... آ گیا۔" خمنا نزدیک آتا ہوا بولا۔

اس نے بغور قامران کا جائزہ لیا اور اپنا فیصلہ دیتے ہوئے بولا۔ "نہیں' یہ ان میں
نہیں۔"

یہ سن کر تمام نوجوانوں نے اسے چھوڑ دیا۔

"خمنا اچھی طرح دیکھ لو۔" ادھیڑ عمر آدمی نے ابھی اس کی کلائی نہ چھوڑی تھی۔

"چھوڑ دو اسے...... یہ وہ نہیں...... کوئی مسافر معلوم ہوتا ہے۔" خمنا بولا۔

تب اس ادھیڑ عمر مضبوط سے اندھے آدمی نے اس کی کلائی چھوڑ دی۔ قامران نے
ٹھنڈا اور گہرا سانس لیا۔

"اجنبی معاف کرنا۔" خمنا' قامران سے مخاطب تھا۔ "ظلم نے انہیں بے حد شکی بنا دیا
یہ لوگ اسی طرح ہر آنے جانے والے کو پکڑ لیتے ہیں اور پھر مجھ سے تصدیق کرواتے ہیں۔ لیکن...
آج تک نہیں پکڑے گئے۔ وہ بھلا اس بستی میں کیوں لوٹ کر آنے لگے...... یہ بات ہم سب
جانتے ہیں۔"

"یہ کیا قصہ ہے...... تم لوگوں پر کیا ظلم ہوا؟ پوری بستی اندھی کس طرح ہوگئی اور تم

کچھ مجھے سناؤ' ذرا مجھے بھی بتاؤ۔"

"آؤ...... میرے ساتھ۔" تب خمنا نے قامران کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے گھر کی طرف لے
راستے میں قامران نے اپنا تعارف کروایا۔ گھر پہنچ کر خمنا نے دروازے کے باہر ہی سے آواز دی۔
اے خرسہ۔"

آواز سن کر فوراً ہی ایک نوجوان لڑکی دروازے پر برآمد ہوئی۔ قامران نے اسے دیکھا تو
ی رہ گیا۔ ایک بہت حسین اور نرم و نازک سی لڑکی اس کے سامنے تھی۔ اس لڑکی کی بڑی بڑی بے
نیں دیکھ کر قامران کا دل بھر آیا۔

"یہ میری بہن ہے قامران۔" خمنا نے بتایا۔ پھر وہ اپنی بہن سے مخاطب ہو کر بولا۔ "خرسہ
نے پینے کا بندوبست کرو' میرے ساتھ ایک مہمان ہے۔"

"اچھا...... آؤ اندر آؤ...... ہم کتنے خوش نصیب ہیں کہ کسی مہمان نے ہمارے گھر قدم
رسہ اندر جاتے ہوئے بولی۔

کھانے پینے کے ذکر پر قامران کو خیال آیا کہ اسے شدت سے پیاس لگی ہے۔ وہ اس چکر
چکر میں اپنی پیاس بھلا بیٹھا تھا۔

"خمنا' مجھے شدید پیاس لگی ہے۔ دراصل میں پانی کی تلاش میں ہی تمہاری بستی میں داخل ہوا
گیا۔" قامران نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہو سکے تو دو گھونٹ ٹھنڈا پانی پلا دو۔"

"ابھی لو۔" خمنا یہ کہہ کر اندر چلا گیا۔

تھوڑی دیر میں واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں لذت سے بھرپور مشروب تھا۔ قامران نے
کر پیا اور پھر اپنے ہونٹوں کو صاف کرتا ہوا' نیم دراز ہوگیا۔

"قامران' ہم لوگ سورج کو اپنا دیوتا مانتے ہیں۔" خمنا نے کہنا شروع کیا۔ "اور اس بستی میں
بڑی عزت کی جاتی ہے۔ مہمان کو دراصل ہم لوگ دیوتا کی طرح اہم سمجھتے ہیں۔"

"ہاں' اس کا اندازہ مجھے تمہارے گھر پہنچتے ہی ہوگیا۔ تمہاری بہن نے مہمان کا ذکر سن کر اپنی
ذکر کیا۔" قامران نے کہا۔ "میں تم لوگوں کی خوش اخلاقی سے خاصا متاثر ہوا ہوں۔"

"یہ مہمان نوازی ہماری گھٹی میں شامل ہے اور اسی مہمان نوازی نے ہمیں شدید نقصان
" خمنا نے اداس ہو کر کہا۔

"وہ کس طرح؟" قامران نے پوچھا۔

"یہ زیادہ پرانی بات نہیں ہے۔ کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے۔ ایک شام ہماری بستی میں سات
ئے۔ وہ اپنے چہرے مہرے سے پروہت دکھائی دیتے تھے۔ گیروے رنگ کے لباس' گلے
مالائیں' جسموں پر بھبھوت ملے۔ مہمانوں کے دیکھتے ہی بستی کے ہر شخص کی خواہش تھی
یہاں ٹھہریں۔ لیکن ان لوگوں نے کسی کے یہاں ٹھہرنے کے بجائے بستی کے باہر اپنے
گیان دھیان میں کوئی دقت نہ ہو۔ ان پروہتوں نے کھانے پینے کو بھی منع کردیا۔ لیکن
لیے یہ بڑی شرم کی بات تھی کہ بستی میں آنے والے مہمان خود پکا کر کھائیں۔ رہائش کی
مان لی گئی۔ لیکن کھانے سے انکار پر کسی نے کان نہ دھرا۔ آخر ان پروہتوں نے بستی سے

کھانا لینا منظور کرلیا۔ اس شام جب بستی کے لوگ کھانا لے کر پہنچے تو انہیں گیان دھیان میں مصروف پایا۔ آخر ایک پروہت نے آنکھ کھول کر دیکھا' وہ اٹھا اس نے بستی والوں سے تمام کھانے پینے کی چیزیں سمیٹ لیں اور بستی والوں سے کہا کہ کل صبح بستی کے تمام لوگ یہاں اکٹھا ہوجائیں۔ ہم پروہت پاٹھ دیں گے۔ دوسری صبح بستی کے تمام لوگ ان کے خیموں کے سامنے اکٹھا ہوگئے۔ تھوڑی دیر میں وہ ساتوں پروہت اپنے اپنے خیموں سے برآمد ہوئے۔ ان میں ایک پروہت' جو اپنی شکل وصورت سے معمر دکھائی دیتا تھا' وہ ایک نوجوان پروہت کے کندھے پر سوار ہوکر ہم بستی والوں کی طرف آیا۔ پیچھے پیچھے اور دوسرے پروہت۔ ہمارے نزدیک پہنچ کر اس نے ایک لمبا چوڑا پاٹھ دیا اور پاٹھ کے دوران ہی یہ خوشخبری سنائی کہ وہ آج سے تیسرے دن سورج دیوتا کے درشن کرائے گا۔ یہ ایک بڑی بات تھی۔ بستی والوں میں ایک دم خوشی کی لہر دوڑ گئی اور ان پروہتوں کی قدرومنزلت اور بھی بڑھ گئی۔

جس دن پروہتوں نے سورج دیوتا کے درشن کروانے کو کہا تھا' اس دن صبح ہی سے بستی میں بڑا جوش وخروش تھا۔ بالکل جشن کا سا سماں تھا۔ میری بدقسمتی دیکھو' اس وقت تو میں اسے اپنی بدقسمتی سمجھا خاص درشن والے دن میری آنکھوں میں شدید تکلیف ہوگئی۔ اتنا شدید درد ہوا کہ میں اندھیری کوٹھڑی میں جاکر پڑ گیا۔ کیونکہ سورج کی روشنی بالکل چھری کی طرح آنکھوں میں لگتی تھی۔ وقت مقررہ پر پوری بستی خالی ہوگئی۔ بچے' بوڑھے اور جوان ایک بھی بستی میں نہ رہا۔ سوائے میرے۔ میں اندھیری کوٹھڑی میں پڑا اپنی قسمت کو کوس رہا تھا کہ میں نے اپنے گھر میں کچھ آوازیں سنیں۔ وہ آوازیں تھیں۔ پھر اچانک میری کوٹھڑی کا دروازہ کھلا۔ میں نے روشنی کی وجہ سے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ آنے والے نے مجھ سے پوچھا کہ میں یہاں کوٹھڑی میں کیوں پڑا ہوں۔ میں نے اپنی آنکھوں کے درد کا ذکر کیا تو وہ بولے کہ تم اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لو اور میدان میں چلو۔ تم اپنی آنکھیں سورج کی روشنی میں کھولنے کے قابل نہیں ہو تو کوئی بات نہیں۔ ہم تمہیں بند آنکھوں سے دیوتا کے درشن کروائیں گے۔ تم اپنے من کی آنکھوں سے دیوتا کو دیکھ سکو گے۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ میرے گھر آنے والے پروہت تھے۔ میں نے فوراً ہی اپنی آنکھوں پر ایک کالا کپڑا باندھ لیا اور ان پروہتوں کے ساتھ میدان کی طرف چل دیا۔ وہاں پہنچ کر میں ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ میدان میں خاموشی چھائی تھی۔ بس بڑے پروہت کی آواز میرے کانوں میں پڑ رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اے لوگو! دیکھو سورج آہستہ آہستہ کالا پڑتا جارہا ہے۔ اپنی نظریں اس پر جمائے رکھو' جب پورا سورج کالا ہوجائے گا تو دیوتا اپنے درشن دے گا۔ اے لوگو! اپنی آنکھیں پھاڑے کالے ہوتے ہوئے سورج کو دیکھتے رہو۔ میں نے کئی بار سوچا کہ میں اپنی آنکھوں سے پٹی ہٹا کر سورج کو دیکھوں' دیوتا کے درشن کروں۔ لیکن جب پٹی ڈھیلی کرتا تو روشنی میری آنکھوں پر سوئی کی طرح لگتی۔ میں شدت درد سے بے حال ہوجاتا اور فوراً ہی کالے کپڑے سے اپنی آنکھیں ڈھک لیتا۔

اچانک پروہت کی آواز آنی بند ہوگئی۔ بہت دیر تک میں گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھا رہا۔ اچانک میرے دل میں یہ خواہش شدت سے جاگی کہ میں کپڑا ہٹا کر سورج کو دیکھوں۔ درد ہوتا ہے تو ہوا کرے۔ میں نے جی کڑا کر کے آنکھوں سے کپڑا ہٹایا اور سورج کو دیکھا۔ اس وقت سورج ڈھل چکا تھا۔ ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ میں نے سورج کو دیکھا تو میں نے اپنی آنکھوں کا درد محسوس نہیں کیا۔ اب وہاں کوئی پروہت نہیں تھا۔ ان کے خیمے بھی وہاں سے غائب تھے اور بستی کے لوگ ٹکٹکی باندھے سورج کی طرف دیکھ رہے تھے۔ میں نے کئی لوگوں کو جھنجوڑ ڈالا' تب مجھے معلوم ہوا کہ وہ اپنی بینائی کھو بیٹھے ہیں۔ میں وہاں سے اٹھ کر تیزی سے بستی کی طرف آیا تو میں نے بستی کی عجیب حالت دیکھی۔ بستی سے تمام مویشی غائب تھے اور گھروں سے تمام قیمتی سامان اور اناج غائب تھا۔ ان دیوتا کے درشن کرانے والوں نے بستی کو بڑی بے دردی سے لوٹا تھا اور جاتے جاتے ہم لوگوں کو سورج گرہن دکھا کر اندھا کر گئے تھے اور یوں ہم بستی والے اپنی مہمان نوازی کے ہاتھوں اپنا مال اسباب اور آنکھیں گنوا بیٹھے۔" نمنا نے قصہ ختم کرتے ہوئے کہا۔

"کیا تم نے ان پروہتوں کو تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی؟" قامران نے سوال کیا۔

"میں نے کئی دن تک آس پاس کے علاقے میں انہیں تلاش کیا' لیکن کوئی کھوج نہ لگ سکا۔" نمنا نے جواب دیا۔

"یہ حرکت یقیناً ان ٹھگوں کی معلوم ہوتی ہے' جو اس علاقے میں دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔" قامران نے تاسف سے کہا۔ "اگر ان ٹھگوں کو مال و اسباب ہی چاہئے تھا تو ویسے ہی لوٹ لے جاتے۔ اس قدر انسانیت سوز حرکت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"ہاں واقعی...... وہ لوگ اگر بستی والوں کو اندھا کیے بغیر مال و اسباب کے علاوہ تن کے کپڑے بھی مانگتے تو وہ خوشی سے سب کچھ دے دیتے...... ایسی سنگین واردات کی کیا ضرورت تھی بھلا۔" نمنا نے کہا۔ "اچھا' قامران تم کچھ دیر آرام کرو' پھر دونوں مل کر کھانا کھائیں گے۔"

نمنا کے جانے کے بعد قامران افسردہ سا بستر پر لیٹ گیا۔ ایک طرف سے ٹھگوں کی اس گھناؤنی حرکت پر غصہ تھا تو دوسری طرف بستی والوں کی بینائی کھو جانے کا الم...... وہ عجیب تذبذب کے عالم میں تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

تب اس کی نگاہوں میں اچانک بجلی سی کوند گئی۔

☆......☆......☆

چاندکا زرق برق لباس پہنے دروازے میں کھڑی تھی۔ قامران تڑپ کر اٹھ بیٹھا...... چاندکا کے بھرے ہونٹوں پر تبسم کھیل گیا۔ اس کے کنوارے بدن کی خوشبو نے فضا کو معطر کردیا۔ وہ چھم چھم کرتی قامران کی طرف بڑھی۔

"دروازہ تو بند کردو۔" قامران نے بے تابی سے کہا۔

"اوہ اچھا...... یہ تو مجھے یاد ہی نہ رہا۔" وہ دروازہ بند کرکے پلٹتی ہوئی بولی۔ "ہاں' بولو کیوں پریشان تھے؟"

"پریشان! نہیں اب تو نہیں...... پہلے ضرور تھا۔" قامران نے ہنستے ہوئے کہا۔

"پہلے کیوں تھے؟" چاندکا نے پوچھا۔

"چاندکا...... کیا کوئی ایسی صورت نہیں کہ بستی والوں کی آنکھوں میں پھر سے روشنی آجائے۔" قامران نے اپنی پریشانی بیان کردی۔

"ہاں ہے اور بہت آسان۔" چاندکا نے جواب دیا۔

''کیا' بتاؤ جلدی؟'' قامران بے قرار ہوگیا۔

''میں تمہیں سرخ پانی دیے دیتی ہوں۔ سب کی آنکھوں میں ایک ایک قطرہ ڈال لمحوں میں روشنی لوٹ آئے گی۔ ہاں! سرخ پانی کے ڈالتے ہی پہلے شدید تکلیف ہوگی' پھر ٹھنڈک پڑ جائے گی۔'' چاندکا نے بتایا۔

''کہاں ہے وہ سرخ پانی؟''

''میرے ہاتھ میں سمجھو...... میرے ایک اشارے پر سرخ پانی کی بوتل میرے ہاتھ ہوجائے گی...... کہوتو دکھاؤں؟''

''نہیں' نہیں...... دکھانے کی ضرورت نہیں۔ میں اسے کہاں چھپاؤں گا اور اگر نہیں گا تو کیا بتاؤں گا کہ یہ بوتل کہاں سے آئی؟'' قامران نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''پانی کی اس بوتل کوتمہاری گھوڑی کی پیٹھ پر بندھے سامان میں چھپا دوں؟'' چا پوچھا ''وہاں سے تم نکال لینا۔''

''ہاں' یہ ٹھیک ہے۔''

''اگر یہ ٹھیک ہے تو تم اب بے فکری سے آرام کرو۔ کھانا وانا کھا کر سرخ پانی کی اپنی گھوڑی کی پیٹھ سے کھول لینا...... پہلا تجربہ خمنا کی بہن پر کرنا...... پھر کچھ دیر میں بستی کے تما خمنا کے گھر پر امنڈ آئیں گے۔ انہیں روشنی دینا اور دعائیں لینا۔''

''دعائیں تو تمہیں ملنی چاہئیں۔''

''دعائیں تمہیں ملیں یا مجھے...... ایک ہی بات ہے...... اصل میں ہم دونوں ایک۔ چاندکا نے شگفتگی سے کہا۔ ''یا میں نے غلط کہا؟''

''ہاں' بالکل غلط کہا...... ابھی میں ہاتھ پکڑنے کے لیے آگے بڑھوں گا تو ایک مژدہ سنانے والے فوراً تنبیہوں پر اتر آئیں گے...... قامران! مجھے ہاتھ نہ لگانا' ورنہ یوں توں ہوجائے گا...... اب تم ہی کہو کہ اصل میں ہم کیا ہیں؟...... ایک یا دو یا اس سے بھی زیادہ، نے ہنس کر کہا۔

پھر کچھ دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد چاندکا نے رخصت لی اور قامران نے ا ہاتھ رکھ کر اسے رخصت کیا۔ چاندکا کے جانے کے بعد قامران بڑی بے فکری سے ٹانگیں پھیلا گیا اور چند لمحوں بعد اس کی آنکھوں میں نیند اترنے لگی۔ جانے وہ کتنی دیر سویا ہوگا کہ خمنا کی اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ کہہ رہا تھا ''قامران! اب اٹھ جاؤ...... کھانا کھا لو پھر سو جانا۔''

قامران فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد کھانا اس کے سامنے آگیا۔ اس نے ہوکر کھایا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جب خمنا کی بہن خرسہ ٹٹول ٹٹول کر برتن سمیٹنے لگی تو نے فوراً اس کی مدد کی اور خمنا سے مخاطب ہوکر بولا۔

''خمنا' میرے پاس ایک آنکھوں کی دوا ہے۔ اگر اجازت ہو تو تمہاری بہن کی آنکھ ڈال کر دیکھوں...... شاید روشنی لوٹ آئے؟''

''یہ تو بہت اچھا ہوگا۔'' خمنا کے بجائے خرسہ بولی۔ ''قامران تم فوراً اس دوا کو

ل کر دیکھو میں راضی ہوں۔''

''اچھا...... تم ٹھہرو! میں دوا لے کر آتا ہوں۔'' قامران یہ کہہ کر باہر نکلا۔

قامران کو دور ہی سے سرخ پانی کی بوتل ابلا کی پیٹھ پر بندھی دکھائی دے گئی۔ وہ دوڑ کر اپنی تک پہنچا اور جلدی جلدی اس بوتل کو چمڑے کی پٹی سے کھولنے لگا۔ وہ واپس آیا تو اتنی دیر میں اٹھ چکا تھا اور خرسہ اس کا انتظار کر رہی تھی۔

قامران کے قدموں کی آہٹ سن کر وہ بے چین ہوگئی ''مل گئی دوا؟''

''ہاں' کیوں نہیں۔'' قامران نے بوتل کو دیکھتے ہوئے کہا ''اچھا' اب تم ذرا لیٹ جاؤ۔''

خرسہ فوراً ہی لیٹ گئی۔ قامران نے اس کی خوبصورت مگر بے نور آنکھوں میں بڑی احتیاط قطرہ پانی ٹپکایا۔ دوا آنکھ میں پڑتے ہی وہ تکلیف کی شدت سے دوہری ہوگئی۔

''یہ تکلیف چند لمحوں کی ہے' اسے برداشت کر جاؤ۔ پھر سکھ ہی سکھ ہے۔'' قامران نے تسلی ے کہا۔

آہستہ آہستہ خرسہ کی بندھی ہوئی مٹھیاں کھلتی گئیں' چہرے کا تناؤ کم ہوتا گیا اور اس کا جسم اصل حالت پر آگیا۔ قامران کو قدرے سکون ہوا۔ خمنا کے چہرے پر بھی اطمینان پھیلنے لگا۔

کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد قامران نے خرسہ سے کہا ''خرسہ آنکھیں کھولو۔''

خرسہ نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں۔ اچانک اس نے محسوس کیا کہ اس کی دنیا میں اجالا ہے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کا پیارا بھائی خمنا کھڑا تھا۔ خرسہ تڑپ کر اٹھی اور اپنے بھائی لی۔

''خمنا...... میں دیکھ سکتی ہوں۔''

پھر خرسہ نے قامران کے ہاتھ پکڑ لیے اور تشکر کے طور پر انہیں چومتی ہوئی بولی...... ''معزز ن تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔''

پھر وہ بھاگتی ہوئی دروازے سے نکل گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہی ہوا جس کا ذکر چاندکا نے کیا تھا۔ خرسہ نے پوری بستی میں اپنی بینائی ڈھنڈورا پیٹ دیا۔ لوگ بادلوں کی طرح خمنا کے گھر پر امنڈ پڑے۔

قامران نے ان سب کو ایک قطار بنانے کو کہا۔ لوگ اس کا حکم سنتے ہی فوراً ایک دوسرے ے ہوتے چلے گئے۔ اس طرح یہ قطار دور تک چلی گئی۔

قامران نے بہت احتیاط سے ان کی آنکھوں میں ایک ایک قطرہ ٹپکانا شروع کیا۔ تھوڑی ہی ان پر دعاؤں کی بارش ہونے لگی۔ جو بھی اٹھتا وہ پہلے اس کے عقیدت سے ہاتھ چومتا اور ومتا ہوا اپنے گھر کی طرف روانہ ہوجاتا۔

بینائی لوٹتے ہی جو خوشی لوگوں کے چہروں پر دکھائی دیتی' اسے دیکھ کر قامران کے دل میں لگتیں۔ خوشی کا یہ لمحہ اسے صدیوں پر محیط دکھائی دیتا۔

''قامران تم عظیم ہو!'' خمنا کہہ رہا تھا۔ ''ایسے لوگ اس دنیا میں بہت کم ہیں' جو دوسروں کو ملوث ہوتے ہوں۔ یہاں تو لوگ دل دکھانے کے لیے پیدا ہوتے ہیں۔''

قامران کو ڈر تھا کہ کہیں سرخ پانی لوگوں کے ختم ہونے سے پہلے ہی ختم نہ ہو جائے۔ ہوگیا تو یہ بہت برا ہوگا۔ لیکن ایسا نہ ہوا' اس بوتل میں تمام لوگ بخیر و خوبی نمٹ گئے۔

بستی کی اندھیری دنیا میں ایک دم بجلی سی کوند گئی۔ ہر طرف اجالا ہوگیا۔ اداسی ہوا ہوئی خوشیوں نے بسیرا کیا۔ بستی کے لوگوں سے خوشی نہیں سمٹ رہی تھی۔ وہ آپے سے باہر ہوئے تھے۔

تب قامران کو اپنی آنکھیں یاد آئیں' اسے ساڑی دیوتا یاد آیا اور اس نے سوچا کے لیے آنکھیں کتنی بڑی نعمت ہیں۔ اس بارے میں ہم کبھی سوچتے بھی نہیں۔ سوچتے اس جب ہم سے کچھ چھن جاتا ہے۔

قامران نے کھڑے کھڑے ساڑی دیوتا کا شکر ادا کیا۔

''قامران!'' خرسہ اس کے سامنے کھڑی کہہ رہی تھی۔ ''ان لٹیروں سے یہ میرے بچ گیا تھا' اس وقت گھر میں اس سے قیمتی چیز موجود نہیں' میں یہ ہار تمہاری نذر کرتی ہوں' ا کرلو۔''

قامران نے بستی کے کچھ اور لوگوں کو بھی نذرانے اٹھائے دیکھا' جو خرسہ کے پیچھے تھے اور یہ بات کے منتظر تھے کہ دیکھو خرسہ کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔

قامران نے خرسہ کے ہاتھ سے ہار لے لیا' اسے غور سے دیکھا۔ اس سے پہلے کے سامنے سے ہٹتی۔ قامران نے آگے بڑھ کر فوراً ہار اس کے گلے میں ڈال دیا اور بولا۔'' کر میری خوشی برباد نہ کرو۔''

اس جواب کے بعد کسی اور سوال کی گنجائش نہ تھی۔ لوگ خاموشی سے اپنے ا واپس لے کر چل دیئے۔ تب قامران کی نظر ایک بچے پر پڑی۔ اس کے ہاتھ میں کچھ پھول بھی واپس لوٹنے والوں میں سے تھا۔

''اے لڑکے!'' قامران نے اس بچے کو آواز دی۔

بچے نے مڑ کر دیکھا تو قامران نے ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنے قریب بلا!

''تمہارا نذرانہ قبول کیا جائے گا...... لاؤ یہ پھول مجھے دے دو۔''

قامران نے وہ پھول اس کے ہاتھ سے لے لیے اور جھک کر اس کے پھول پر پیار کیا۔ بچے کی خوشی دوچند ہوگئی۔

اب شام ہو چلی تھی۔ مغرب میں لالی اور مشرق میں اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ قامران پیٹھ سے سامان کھول کر اندر رکھا۔ وہ صبح سے ابھی تک بھوکی تھی لیکن کیا مجال جو اس نے ا ہو۔ قامران نے اس کے لیے چارے کا انتظام کیا۔ پانی کا ڈول رکھا اور پھر خمنا کے ساتھ آ گیا۔

خرسہ فوراً ہی ایک شمع دان اٹھا لائی۔ اس کے ہونٹوں پر تبسم تھا اور بکھری الجھی تھیں۔ شمع دان اس نے طاق پر رکھا۔

''میں صرف رات تک کا مہمان ہوں۔'' قامران دونوں سے مخاطب تھا۔ ''

سے چلا جاؤں گا۔''

''ارے نہیں...... ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔''

''میں دراصل ان ٹھگوں کی تلاش میں نکلا ہوں' جنہوں نے اس علاقے میں تباہیاں مچا دی ان تباہیوں کا ایک نمونہ میں نے خود اپنی آنکھ سے دیکھ لیا ہے۔ اب بے قراری اور بھی بڑھ گئی ان ٹھگوں کو تہس نہس کرنے کا جنون اور بھی بڑھ گیا ہے۔ اب میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ وقت اجالا ہوتا تو میں ابھی تم لوگوں سے رخصت ہوجاتا۔''

خرسہ اور خمنا نے ڈرتے ڈرتے اس سے رکنے کی ایک مرتبہ اور درخواست کی جب وہ نہ مانا وں بہن بھائی اس کے لیے زادِ راہ تیار کرنے لگے۔

بستی میں رات بھر جشن کی سی کیفیت رہی۔ ہر گھر میں چراغاں رہا اور خوشیاں رقص کرتی بکہ قامران پاؤں پسارے اطمینان سے سوتا رہا۔

وقتِ سحر لوگ تھک تھک کر سونے لگے۔

تب وہ اٹھا۔ اس نے جلدی جلدی اپنی گھوڑی کو کسا اور خمنا اور خرسہ سے رخصت لے کر پو ے پہلے ہی بستی سے نکل کھڑا ہوا۔ خرسہ آنکھوں میں آنسو بھرے اسے دیکھتی رہ گئی۔ وہ اپنے کی اچھی طرح خدمت بھی نہ کرسکی۔ کاش! وہ کرسکتی۔ بستی سے نکل کر قامران نے اپنی پیٹھ سورج ف کرلی اور ملگجی روشنی میں ابلا کو دوڑانے لگا۔ اس آسرے پر شاید ٹھگوں سے کہیں ٹکراؤ ہو جائے۔ سافت طے کرنے کے بعد بھی اسے کوئی ٹھگ نہیں دکھائی دیا۔ راستے میں کوئی بستی بھی نہیں پڑی۔

دوپہر ہوتے ہی اس نے چند درختوں کے تلے ڈیرا ڈال دیا۔ ابلا کی لگام کھول کر اسے بھوس کھانے کے لیے آزاد کردیا۔ کھانے پینے کی اگرچہ بہت سی اشیاء ان دونوں بہن بھائیوں کی پیٹھ پر لاد دی تھیں' لیکن اس وقت قامران کا جی تازہ گوشت کے لیے مچل رہا تھا۔ اس نے دوں کا شکار کرنے کی ٹھانی۔ ترکش سے تیر نکال کر اس نے کمان پر چڑھایا اور مطلوبہ پرندوں کی میں نکل کھڑا ہوا۔ چلتے چلتے اسے ایک چشمہ دکھائی دیا۔ چشمے کے کنارے چند آبی پرندے خوش میں مشغول تھے۔ قامران نے کمان سیدھی کی' تیر چلایا۔

پھر وہ یہ دیکھ کر بے اختیار مسکرا پڑا کہ اس کے ایک تیر نے دو پرندوں کو گھائل کر ڈالا تھا۔

آگ پر بھونے ہوئے پرندوں نے بڑا لطف دیا۔ قامران نے دونوں پرندوں کو ہضم کر کے تھ پھیر کر ایک لمبی ڈکار لی اور چشمے کی طرف پانی پینے چلا۔

چشمے کا ٹھنڈا میٹھا پانی پی کر اس پر خمار سا چڑھنے لگا۔ وہ وہیں ایک درخت کے تنے سے نیم دراز ہوگیا۔ اس کا سونے کا ارادہ نہ تھا۔ وہ چند منٹ آرام کر کے اپنا سفر جاری رکھنا چاہتا ود کوشش کے وہ نیند پر قابو نہ پاسکا۔

سوتے سوتے اچانک اس کی آنکھ کھلی تو اس نے درخت کے پاس بیشمار شہد کی مکھیوں کو لما۔ پھر وہ تنے سے لپٹا ہوا کالا وجود بھی اس کی آنکھوں سے اوجھل نہ رہ سکا۔

قامران تیر کی طرح اٹھا اور بھاگتا ہوا درخت سے خاصا دور جا کھڑا ہوا۔

پھر اس نے کمان سیدھی کی اور اس سے پہلے کہ وہ کالا ریچھ درخت سے اتر کر قامران کے

مزاج پوچھتا...... قامران کے تیروں نے درخت پر ہی اس کا حال معلوم کرلیا۔

تیروں کی تاب نہ لاکر وہ دھاڑ سے زمین پر گرا اور مشتعل ہوکر دو پاؤں پر کھڑا ہوگیا۔

یہ لمحے قامران کے لیے بڑے غنیمت تھے۔ اس نے سائیں سائیں دو تین تیر چلا کر کے پیٹ اور سینے کو زخمی کردیا۔

اب ریچھ کے لیے اپنے دشمن پر حملہ کرنا تو دور کی بات تھی' اسے اپنا وجود سنبھالنا ہوگیا۔ دو چار قدم چل کر وہ تیورا کر گرا اور جہنم رسید ہوا۔

شہد کے رسیا اس ریچھ نے جانے کتنے شہد کی مکھیوں کے چھتوں کو اجاڑا ہوگا۔ دوسروں دینے والا اب تمام دکھوں سے آزاد ہوچکا تھا۔

قامران نے اس کے جسم سے اپنے تیر نکالے' چشمے پر دھوئے اور ترکش میں ڈال کر تلاش میں واپس آیا۔

ابلا اسے جلد ہی مل گئی۔ قامران نے اس کے نزدیک جاکر اس کے چمکیلے جسم پر اور بولا "چلو بیٹا...... اب چلیں۔"

ابلا نے فوراً گھاس سے اپنا منہ اٹھالیا اور قامران کی طرف دیکھتے ہوئے گردن ہلا

قامران نے اس کے منہ میں لگام دی اور اس کی پیٹھ پر سوار ہوگیا۔ دونوں ہی تازہ دم تھے...... اور سواری بھی اور راستہ بھی ہموار تھا۔ اس لیے دونوں ہوا سے باتیں کرتے اڑے چلے جارہے

سہ پہر تک راستے کی ہمواری ختم ہوگئی۔ اب پہاڑی علاقہ شروع ہوچکا تھا۔ پوری ر بھاگنا ابلا کے لیے ممکن نہیں رہا تھا۔ قامران بھی نہیں چاہتا تھا کہ اپنی گھوڑی کو بلاوجہ بھگا کر ا ٹانگیں تڑوائی جائیں...... لہٰذا قامران نے ابلا کو دوگامہ پر ڈال دیا۔

قامران ابلا کی پیٹھ پر اچھلتا ہوا چلا جارہا تھا کہ اچانک اسے چیخ سنائی دی۔ یہ ا چیخ تھی اور کہیں نزدیک سے ہی آئی تھی۔ اس نے چیخ کی سمت کا اندازہ کرکے درختوں کے طرف ابلا کو دوڑا دیا۔

چیخوں کی آوازیں مسلسل آرہی تھیں جیسے کسی درندے نے اس عورت کو پکڑ رکھا ہو۔

قامران نے ابلا کی پیٹھ سے چھلانگ لگائی اور جھاڑیوں کو پھلانگتا ہوا جائے واردا تو اس کا شبہ یقین میں بدل گیا۔

ایک ریچھ بھورا اور خونخوار ایک نازک اندام لڑکی سے لپٹا ہوا تھا۔ اس کے تیز لباس پھاڑے جارہے تھے اور وہ بری طرح چیخ رہی تھی' دہائی دے رہی تھی۔

قامران نے بڑی پھرتی سے کمان سیدھی کی' اس پر تیر چڑھایا۔ لیکن وہ تیر چلانے کی میں نہ تھا...... وہ دونوں ایک دوسرے سے دست و گریبان تھے۔ اس حالت میں تیر چلا کر نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔

تب قامران نے اپنے منہ سے عجیب و غریب آوازیں نکالنی شروع کیں اور کچھ کر اس کی طرف اچھالے۔

خلوت میں کسی اور کو مخل ہوتا دیکھ کر ریچھ نے اس لڑکی کو چھوڑ دیا۔ قامران کو گر

نظر دیکھا اور پھر اچھلتا ہوا تیزی سے سامنے کی جھاڑیوں میں غائب ہوگیا۔

قامران نے تیر چلانا بھی چاہا لیکن وہ لڑکی سامنے آگئی۔ وہ بھاگتی ہوئی قامران کی طرف اور قامران سے لپٹ کر لمبی لمبی سانسیں لینے لگی۔

قامران نے اس خوف سے کانپتی ہوئی لڑکی کو اپنے سے الگ کیا اور اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھتا لا "گھبراؤ مت...... میرے ہوتے ہوئے وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

لڑکی نے یہ سن کر کچھ بولنے کی کوشش کی لیکن اس کے لب ہل کر رہ گئے' آواز سنائی نہ دی۔

"تم اکیلی اس جنگل میں کیا کررہی ہو؟" قامران نے پوچھا۔

تب لڑکی نے اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا' جس کا مطلب تھا کہ وہ بولنے سے قاصر ہے۔

"اوہ۔" قامران اداس ہوگیا۔

"تم کہاں رہتی ہو؟" قامران نے اشارے سے پوچھا۔

لڑکی نے ایک طرف اشارہ کرکے بتایا کہ پہاڑی کے اس پار۔

"چلو میں تمہیں...... تمہارے گھر تک چھوڑ دوں۔"

تب لڑکی نے زور زور سے انکار میں گردن ہلائی اور اشارے سے بتایا کہ ریچھ اب جا چکا اب کوئی خطرہ نہیں۔ میں آسانی سے چلی جاؤں گی۔"

قامران کو لڑکی کی ہمت پر حیرت ہوئی لیکن اس نے زیادہ بحث کرنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ اس کی راہ پر ڈال کر واپس آیا۔ واپس آیا تو اسے ابلا آس پاس دکھائی نہ دی۔ ابلا کہاں گئی؟ ن سوچ میں پڑ گیا۔ اس کے منہ پر لگام چڑھی تھی۔ وہ کچھ کھا پی نہیں سکتی تھی کہ چارے کی تلاش ادھر ادھر چلی جاتی۔ اسے اتنی دیر بھی نہیں ہوئی تھی کہ وہ کہیں لمبی نکل جاتی...... پھر کیا ہوا؟

قامران نے آس پاس کا علاقہ چھان مارا۔ چپہ چپہ دیکھ ڈالا لیکن ابلا کا کہیں پتا نہ چلا۔

تب قامران اس پہاڑی پر چڑھنے لگا جس طرف اس لڑکی نے اپنی بستی بتائی تھی۔ وہ پہاڑی اونچی نہ تھی' وہ جلد ہی چوٹی پر پہنچ گیا۔ اس نے جلدی جلدی میدان میں چاروں طرف نظر دوڑائی دور اس کی نظریں جم کر رہ گئیں۔ وہ ایک لمحے کے لیے سکتے میں آگیا۔

ابلا کی لگام کسی آدمی کے ہاتھ میں تھی اور اس آدمی کے برابر وہ لڑکی تھی' جس پر ریچھ نے ا تھا اور اس لڑکی کے ساتھ وہ ریچھ بھی تھا' جس نے حملہ کرکے اس کے کپڑے پھاڑ دیئے تھے۔ شربا منظر کو دیکھ کر قامران کے ہوش اڑ گئے۔ جن کے قصے سنے تھے' وہ بازی گر اس کے سامنے اس کے ساتھ زبردست ہاتھ کر گئے تھے۔

قامران کو اچانک طیش آگیا۔ اس نے کمان سیدھی کی اور تیر چلانے ہی والا تھا کہ خیال آیا نہیں مارنا نہیں چاہیے۔ ان کا تعاقب کرکے ان ٹھگوں کی بستی کا پتہ چلانا چاہیے۔ اس خیال کے اس نے تیر کمان سے نکال لیا اور کندھے پر کمان ڈال کر ڈھلان سے نیچے اترنے لگا۔

وہ بڑی پھرتی سے نیچے اتر رہا تھا اور اس نے اس ٹھگوں کے جوڑے کو اپنی نظروں میں وئے تھا۔ ابلا کی وجہ سے ان کی رفتار زیادہ تیز نہ تھی۔ وہ چلتے چلتے رک جاتی تھی۔ تب وہ آدمی اس کی لگام کھینچتا اور وہ لڑکی ابلا کی پیٹھ پر ڈنڈی مارتی تو ابلا پھر سے چلنے لگتی۔

قامران جب پہاڑی سے اتر کر میدان میں پہنچا تو وہ میدان پار کرکے درختوں کے جھنڈ
میں غائب ہورہے تھے۔ قامران نے دوڑ لگانا شروع کردی تاکہ وہ جلد سے جلد ان کے نزدیک
جائے۔ میدان پار کرتے ہی دشوار گزار راستہ شروع ہوگیا۔

اب وہ لوگ ایک بے حد تنگ پگڈنڈی سے گزر رہے تھے۔ نیچے گہری کھائی تھی اور او
پہاڑ۔ درمیان میں ہاتھ بھر چوڑا راستہ کہ ذرا بھی پاؤں پھسلے تو آدمی سیدھا گہری کھائی میں جاگرے
ہر دکھ سے آزاد ہوجائے۔

سب سے آگے مرد تھا' اس کے پیچھے ابلا' اس کے پیچھے لڑکی اور لڑکی کے پیچھے ریچھ
آہستہ آہستہ بڑی احتیاط سے قدم رکھتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔

پل صراط پار کرکے قدرے چوڑا راستہ شروع ہوگیا۔ اتنا چوڑا کہ ابلا اور وہ مرد' لڑکی اور
اب ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

قامران بڑے اطمینان سے ان کا تعاقب کررہا تھا۔ گھوڑی ہاتھ لگنے کی خوشی انہیں
ضرورت سے زیادہ تھی کہ ایک بار بھی انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھنا گوارا نہیں کیا تھا۔ ویسے قامران
اپنے اور ان کے درمیان اتنا فاصلہ رکھا تھا کہ مڑ کر دیکھنے پر وہ بہ آسانی درختوں کی اوٹ میں
تھا۔ یہ تعاقب سورج ڈوبنے تک جاری رہا۔

آخر ٹھگوں کا جوڑا مختلف پیچ دار اور خطرناک راستوں سے گزرتا ہوا' ایک سرنگ میں
ہوگیا۔

قامران جب سرنگ میں داخل ہوا تو اسے سامنے سے روشنی دکھائی دی۔ یہ سرنگ زیا
نہ تھی۔ سرنگ خالی تھی۔ اس نے دوڑ کر سرنگ پار کی تو وہ ٹھگوں کا جوڑا بائیں جانب اسے جاتا ہوا
آ گیا۔ قامران نے ملگجی روشنی میں دور تک جھونپڑیاں ہی جھونپڑیاں دیکھیں۔ وہ ٹھگوں کی بستی میں ا
تھا۔ ان ٹھگوں کی بستی میں' جن کے ظلم دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔

قامران نے ابھی چند قدم آگے ہی بڑھائے تھے کہ اچانک اس کی نگاہوں کے
اندھیرا پھیل گیا۔ اس پر کسی نے کمبل ڈال دیا تھا اور اب کوئی اسے کندھے پر ڈالے دوڑا جا
قامران اگر چاہتا تو مزاحمت کرکے چھٹکارا حاصل کرسکتا تھا۔ لیکن اس نے فی الحال خاموشی بہتر جا
خود کو دریا کے بہاؤ پر ڈال دیا۔

وہ چار ٹھگ تھے۔ ایک لمبے چوڑے ٹھگ نے قامران کو اٹھا رکھا تھا۔ باقی تین اس
ساتھ ساتھ دوڑ رہے تھے۔ کچھ دیر دوڑنے کے بعد وہ ایک بڑی سی جھونپڑی کے سامنے رک گ
جھونپڑی ایک اونچے چبوترے پر بنی ہوئی تھی اور خاصی لمبی چوڑی تھی۔

لکڑی کا دروازہ کھول کر وہ چاروں اندر داخل ہوگئے۔ اس لمبے چوڑے ٹھگ نے قامرا
اوپر ہی سے فرش پر پھینک دیا اور وہ چاروں اس کو گھیر کر کھڑے ہوگئے۔

قامران نے اپنے اوپر سے کمبل ہٹانے کی کوشش کی۔ لیکن فوراً ہی ایک کڑک دار آوا
دی "خبردار! جو کمبل کھولنے کی کوشش کی۔"

قامران نے بڑی فرمانبرداری سے ان کا کہنا مان لیا اور کمبل اچھی طرح سے اوڑھ

تب ایک بھاری مونچھوں اور سرخ سفید چہرے والا آدمی اندر سے نکلا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا
ز تھا۔ وہ حقہ گڑگڑاتا چلا آرہا تھا۔ باہر آکر اس نے کمبل سے لپٹے ہوئے کسی آدمی کو دیکھا تو اس
ماری مونچھوں کے نیچے مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیا' لائے ہو میرے بچو؟"

"سردار سمبا...... یہ ریچھ ہمارے علاقے میں گھوم رہا تھا۔"

"ہمارے علاقے میں؟" بھاری مونچھوں والے سردار سمبا نے حیرت سے کہا" یہ کیا چیز
اس کا چہرہ تو دکھاؤ۔"

اس سے پہلے کہ کوئی اس کے سر سے کمبل اٹھاتا' قامران نے خود ہی اپنے سر سے کمبل اتار
مسکراتا ہوا کھڑا ہوگیا۔

سردار سمبا نے قامران کو بغور اوپر سے نیچے تک دیکھا۔

قامران نے ٹھگوں کے سردار کا چہرہ دیکھا تو اسے وہ راجہ یاد آ گیا' جو سوداگروں کو لوٹ
رہوگیا تھا۔ اسے وہ بڑا پروہت یاد آیا' جس نے سورج گرہن دکھا کر پوری بستی کو اندھا اور
کال کردیا تھا۔ تو یہ ہے وہ ظالم؟ جس نے دور دور تک اپنے ظلم کے قصے پھیلائے ہوئے

سردار سمبا نے حقے کا ایک گہرا کش لے کر اس لمبے چوڑے آدمی کو دیکھا' جس نے قامران
اٹھا تھا اور بولا۔ "یہ یہاں تک کیسے آ گیا؟"

"اگر اجازت ہو تو میں جواب دوں؟" قامران بولا۔

"ہاں کہو۔" سردار سمبا نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "ویسے اتنا جان لو کہ اس بستی میں غیر
اخل نہیں ہوسکتا...... اگر ہوجاتا ہے یا ہونے کی کوشش کرتا ہے تو اسے ہم میٹھی نیند سلا دیتے ہیں۔
سے بچ کر نہیں جاسکتا...... اب بولو' تم یہاں تک کیسے پہنچے؟"

"تمہارے آدمیوں کے ذریعے۔"

"اس کا کیا مطلب ہے؟"

"تمہارے آدمیوں نے میری گھوڑی اڑا لی ہے۔ میں ان کا پیچھا کرتا یہاں تک پہنچا
قامران نے حقیقت حال بیان کی۔ "اور اب تم سے انصاف کا طلب گار ہوں۔ مجھے میری
واپس دلائی جائے...... میں ایک غریب مسافر ہوں۔ اگر مجھے گھوڑی نہ ملی تو بے موت مارا

یہ سن کر سردار سمبا کو جلال آ گیا۔ اس نے اس لمبے چوڑے آدمی سے کہا۔ "انہیں بلاؤ......
کو کام کرنے کا سلیقہ نہیں۔"

وہ لمبا چوڑا آدمی فوراً ہی جھونپڑی سے نکل گیا۔

"کمبل اوڑھ لو اور اس کونے میں بیٹھ جاؤ۔" سردار سمبا نے قامران کو حکم دیا۔

قامران نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ جھونپڑی میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ وقفے وقفے سے حقے کی
آرہی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد دروازے پر آہٹ ہوئی۔ قامران نے کمبل کی اوٹ سے درواز
طرف دیکھا۔ وہ دونوں جنھوں نے اس کی گھوڑی اڑائی تھی' مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

''آج تم لوگوں نے کیا کارنامہ کیا جو اتنے ہنستے ہوئے آرہے ہو؟'' سردار سمبا نے نرمی سے پوچھا۔

''سردار ہم لوگ شہد اکٹھا کرنے نکلے تھے کہ اچانک ایک شکار پھنس گیا۔ ہم نے اس گھوڑی اڑالی۔'' اس آدمی نے بڑے فخر سے کہا۔

''جس کی گھوڑی تھی وہ کہاں گیا؟''

''وہ جنگل میں بھٹکتا ہوگا اور ہمیں یاد کرتا ہوگا۔'' اس مرتبہ لڑکی بولی۔

''اچھا ذرا اپنے پیچھے دیکھو۔'' سردار سمبا نے کہا ''نوجوان ذرا کمبل ہٹاؤ۔''

قامران کمبل اتار کر کھڑا ہوا تو ان دونوں کی سٹی گم ہوگئی۔

''بے وقوفو...... یہ تمہارا پیچھا کرتا ہوا یہاں تک پہنچا ہے...... کیا شکار کرنے کا یہی طر ہے؟'' سردار سمبا کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔

وہ دونوں فوراً سردار کے قدموں میں گر گئے اور اپنی غلطی کی رو رو کر معافی مانگنے لگے۔

''اب کچھ نہیں ہوسکتا۔'' سردار سمبا نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''سردار سمبا...... صرف ایک دفعہ معاف کردو...... آیندہ زندگی بھر ایسی بھول نہیں ہوگی۔'' دونوں گڑگڑائے۔

''شوکی!'' سردار سمبا اس لمبے چوڑے آدمی سے مخاطب تھا۔ ''جاؤ' ان دونوں کو تمباکو کھلا کا انتظام کرو۔''

☆......☆......☆

سردار سمبا کا حکم سنتے ہی دونوں کے چہروں پر زردی پھیل گئی۔ چند لمحوں کے لیے ان پر سکتہ
ان کے ہونٹوں پر لرزش تھی۔ جیسے کچھ کہنا چاہتے ہوں لیکن قوت گویائی ساتھ نہ دے رہی

پھر اچانک قامران نے ان دونوں پر کمبل پڑتے دیکھے۔ یہ کمبل کہاں سے اڑتے ہوئے وہ نہ دیکھ سکا۔ البتہ اس نے ان دونوں کو رسیوں سے جکڑتے ہوئے ضرور دیکھا۔

شوکی اور اس کے ساتھیوں نے کمبل ڈال کر ان کا جسم اس طرح رسیوں سے جکڑ دیا کہ سکتے تھے' لیکن ہاتھ نہیں ہلا سکتے تھے۔ پھر شوکی اور اس کے ساتھی ان دونوں کو ہانکتے ہوئے گئے۔ ان کے جانے کے بعد سردار سمبا نے حقے کا ایک گہرا کش لیا اور فضا میں دھوا چھوڑتا

''نوجوان! آرام سے بیٹھ جاؤ۔''

قامران نے حیرت سے سردار سمبا کو دیکھا' لہجے کی نرمی نے اسے چونکا دیا تھا۔ وہ آرام سے ا آرام سے بیٹھنے میں کوئی حرج نہ تھا۔

''نوجوان تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو اور کہاں جارہے تھے؟'' سردار سمبا نے اپنی بھاری دبل دیتے ہوئے پوچھا۔

''سردار مجھے سیاحت کا شوق ہے...... دنیا دیکھنے نکلا ہوں۔ مشرق سے آیا ہوں اور نہیں جانتا نزل کہاں ہے؟...... میرا نام قامران ہے'' اس نے اپنا تعارف کروایا۔

''قامران...... میں تم سے بہت خوش ہوں۔ ابھی تھوڑی دیر میں ایک تماشہ ہونے والا ہے۔ ان لوگوں کا حشر اپنی آنکھوں سے دیکھو گے' جنھوں نے تمہاری گھوڑی اڑائی...... اس تماشے کے مں تم سے بات کروں گا...... فی الحال تم میرے مہمان ہو۔'' یہ کہہ کر سردار نے تالی بجائی اور تالی واز دی ''ادانہ۔''

''بابو آئی۔'' اندر سے فوراً ہی جواب آیا۔

تب قامران کے کانوں میں گھنگرو سے بج اٹھے۔ کوئی چھم چھم چلتا اس کے در دل پر یوں ہوا کہ اس کے ہوش اڑ گئے۔

کالی' لمبی اور گھنیری زلفیں' ہیرے کی طرح جگمگاتی آنکھیں' ریشمی رخسار' پھول گلابی ہونٹ' ای باندیاں' نازک کمر' گھوڑی کی طرح ابھرے ہوئے کولہے' ہونٹوں پر قیامت خیز مسکراہٹ' ں ادا اور ہر ادا میں بانکپن' شوخی اور لگن۔

قامران جہاں تھا ویسا ہی رہ گیا' پتھر ہوگیا' بت بن گیا۔

تب ادانہ کھلکھلا کر ہنسی' قامران کی محویت ٹوٹی' اسے ہوش آیا۔ وہ اپنی محویت پر شرمندہ اور ادانہ اپنے حسن پر نازاں۔

وہ ادائے دلربائی سے قامران کی طرف بڑھی۔ اس کا ہاتھ پکڑا اور جھٹکا دے کر اسے ا پہلو میں گرالیا۔

سردار سمبا یہ دیکھ کر ہنستا ہوا اندر چلا گیا۔

قامران نے فوراً ہی اس سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور اس سے الگ ہو کر بیٹھ گیا۔ ادانہ کو قامران کو بہت سارے شعر یاد آگئے تھے اور وہ ان اشعار کو اس کے حسن کے ہدیہ کے طور پر کرنے والا تھا کہ ادانہ نے اسے اپنے پہلو میں گرا کر اس کی نازک خیالی کو کرچی کرچی کر دیا۔

تب قامران نے بڑے دکھ سے سوچا..... یہ دیوتا حسین عورتوں سے ان کی عقلیں سلب کر لیتا ہے۔ حسن دے کر انہیں بدذوق کیوں بنا دیتا ہے۔ ان سے ان کی ذہنی نزاکتیں کیوں لیتا ہے۔

''حسین اجنبی کیا سوچنے لگے؟'' ادانہ نے اپنی بڑی بڑی پلکیں جھپکاتے ہوئے پوچھا۔

''ادانہ کیا تمہیں رقص آتا ہے؟'' قامران نے غیر متوقع سوال کیا۔

''ہاں آتا ہے..... کیوں؟''

''بس یونہی پوچھا تھا۔

تب قامران کو وہ رقاصہ یاد آگئی' جس نے تاجروں کے سامنے رقص کیا تھا اور انہیں ہاتھوں نشہ آور مشروب پلا کر گہری نیند سونے پر مجبور کر دیا۔

وہ رقاصہ جو راجہ کے تالی بجانے پر نمودار ہوئی تھی اور اس کے جلوہ افروز ہوتے ہی ایک بجلی سی کوندی تھی' ایک شعلہ سا لپکا تھا اور ہر شخص دل تھام کر رہ گیا تھا۔

کڑیوں سے کڑیاں ملتی جا رہی تھیں۔ راجہ تالی بجا کر چلا گیا تھا اور رقاصہ اب سامنے موجود تھی۔

''سردار سمبا سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟'' پھر ایک غیر متوقع سوال ہوا۔

''کیا فضول باتیں لے بیٹھے..... اس وقت کی قدر کرو جو قسمت سے تمہیں حاصل ہے..... لطف اٹھاؤ' حسن کی وادیوں میں گم ہوجاؤ' پیار کے سمندر میں ڈوب جاؤ کہ پل پل ہے اور سردار سمبا بار بار ہر شخص پر مہربان نہیں ہوتا۔'' ادانہ اپنے رسیلے ہونٹوں کو دانت میں کسمسائی۔

لیکن قامران پر ان خوش اداؤں اور خوش نداؤں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ جس لڑکی نے پہلے اس کے ہوش اڑا دیئے تھے' اب وہی ریشمیں لڑکی اس کے لیے زہریلی ناگن بنتی جا رہی قامران اچانک اس کے پاس سے اٹھ گیا اور بڑی بے نیازی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ اسے حیرت سے دیکھا اور اس کے پیچھے آتے ہوئے بولی۔

''کہاں جا رہے ہو؟''

''باہر کھلی فضا میں۔''

''تم مجھے چھوڑ کر باہر جا رہے ہو..... اس لڑکی کو چھوڑ کر باہر جا رہے ہو' جس کی ایک نگاہ کے لیے ہزاروں مرد ترستے ہیں۔ جس کا ایک جلوہ لوگوں کو ہزاروں سال یاد رہتا ہے۔ تم کیسے تم مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ میں اپنی توہین کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتی۔'' ادانہ قامران نزدیک آگئی اور سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

قامران جاتے جاتے رک گیا۔ اس نے گھوم کر ادانہ کو دیکھا اور بہت نرمی سے بولا۔ ''اگر جاؤں تو.....''

وہ ابھی اپنی بات پوری نہ کر پایا تھا کہ ادانہ کا بھرپور ہاتھ اس کے منہ پر پڑا۔ قامران چند کے لیے سکتے میں آگیا۔ پہلے تو اس کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ یہ ہوا کیا۔ یہ ایک غیر متوقع فعل امران کو ہرگز امید نہ تھی کہ وہ اس کے اٹھنے کو اس حد تک محسوس کرے گی کہ آپے سے باہر گی۔ اس پر ہاتھ اٹھا بیٹھے گی۔

بہرحال جو ہونا تھا' ہو چکا تھا۔ ادانہ اپنے حسن سے بے نیازی کا بدلہ لے چکی تھی۔ اس کا اختیار اٹھا تھا۔ وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ کوئی مرد اسے اس بری طرح ٹھکرا کر بھی جا سکتا

اب یہ ردعمل کا وقت تھا۔ غصے سے قامران کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے کندھے اری اور اس پر تیر چڑھاتا ہوا بولا۔

''میں تجھے چھوڑوں گا نہیں۔''

''میں خود بھی نہیں چاہتی کہ تم مجھے چھوڑو۔'' ادانہ ذرا بھی پریشان نہ ہوئی۔ وہ بڑے سکون تمہارے ہاتھوں مر کر مجھے سکون ملے گا' اے حسین اجنبی۔''

''لو پھر مرو۔'' قامران نے اس کے سینے کا نشانہ لیا۔

اس سے پہلے کہ کمان سے تیر نکلتا اور ادانہ کو سکون کی نیند سلا دیتا' اسے اپنے دل کے دا کی آواز سنائی دی۔

''غصہ تھوک دو قامران..... ذرا صبر سے کام لو۔''

تب قامران تلملا کر رہ گیا۔ وہ بڑی تیزی سے گھوما اور اس نے تیر چھوڑ دیا۔ تر سنسناتا ہوا ۔ پھر اس نے جلد ہی اپنے غصے پر قابو پالیا۔

تب ادانہ مسکراتی ہوئی قامران کی طرف بڑھی۔ اس کے بالکل قریب پہنچ کر دھیرے سے یسے مرد ہو؟..... تم سے زندگی مانگی تو تم دامن جھٹک کر باہر کی طرف چل دیئے۔ پھر موت ے ہاتھوں ابدی سکون حاصل کرنا چاہا لیکن تم یہاں بھی ناکام ہوگئے..... اب میں یہاں ٹھہر ن جاتی ہوں اور اندر سے سردار سمبا کو بھیجتی ہوں۔''

یہ کہہ کر ادانہ ایک جھٹکے سے واپس مڑی اور سنہری ناگن کی طرح بل کھاتی' اندر چلی گئی۔

قامران نے ایک جھٹکے سے کمان کندھے پر ڈالی اور زیر لب بڑبڑایا۔

''فکر مت کرو' تمہیں جلد ہی بتاؤں گا کہ میں کیسا مرد ہوں۔''

تھوڑی دیر میں سردار سمبا اندر سے نکلا۔ اسی وقت چند آدمی باہر سے اندر آئے۔ ان میں شوکی بھی تھا۔ وہ بولا۔ "سردار تمبا کو کھلانے کے تمام انتظامات مکمل ہیں۔"

"ٹھیک ہے پھر چلتے ہیں۔" سردار سمبا نے کہا' پھر وہ قامران سے مخاطب ہو کر بولا۔ قامران...... باہر چلیں۔"

قامران بغیر جواب دیئے سردار سمبا کے ساتھ ہولیا۔

بستی کے چھوٹے سے میدان میں ایک بڑا سا الاؤ روشن تھا۔ اور اس الاؤ کے چاروں بستی کے لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ الاؤ کے قریب زمین پر دو بلیاں گڑی ہوئی تھیں اور ان بلیوں وہ دونوں جکڑے ہوئے تھے۔ کچھ اس طرح کہ باوجود کوشش کے وہ ہل بھی نہیں سکتے تھے۔ وہاں مردنی چھائی ہوئی تھی۔ خاص طور سے لڑکی کی حالت بہت خراب تھی۔

سردار سمبا کو دیکھ کر لوگوں نے احتراماً اس کے لیے جگہ چھوڑ دی۔ وہ اندر داخل ہو کر میں بچھی ہوئی چٹائی پر بیٹھ گیا۔ سردار سمبا نے قامران کو بھی اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ قامران خاموشی سے حکم کی تعمیل کی۔

سردار سمبا کے بیٹھتے ہی ایک بھاری سا حقہ اس کے سامنے لا کر رکھ دیا گیا۔ سردار سمبا حقے کی نے پکڑ کر دو تین گہرے کش لیے اور اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اس کے اٹھتے ہی بستی کے تمام لوگ گئے۔ قامران بھی بیٹھا رہا۔

"بستی والو! سردار سمبا کی بات غور سے سنو۔" سردار سمبا نے اچانک چیخ کر کہا۔

لوگ پہلے ہی سے خاموش تھے اور خاموش ہوگئے۔

"میں نے دنیا میں بہت سے بے وقوف دیکھے ہیں۔ لیکن ان دونوں جیسا بے وقوف دیکھا۔ انہوں نے آج ایک نوجوان کو شکار کیا۔ اسے فریب دے کر اس کی گھوڑی چھینی۔ یہاں اچھا کیا۔ اس کے بعد اتنے خوش ہوئے کہ یہ بھی خیال نہ رہا کہ گھوڑی کا مالک ان کا پیچھا کر رہا آخر وہ گھوڑی کا مالک ان دونوں احمقوں کا پیچھا کرتا ہمارے ٹھکانے تک آ پہنچا۔ بستی والو! اب تم کیا یہ ٹھیک ہوا؟"

"نہیں...... بہت برا۔"

"پھر میں نے ان کی جو سزا مقرر کی ہے' وہ زیادہ تو نہیں؟" سردار سمبا نے پوچھا۔

"نہیں بہت کم ہے۔"

سردار سمبا بستی والوں کا یہ جواب سن کر مسکرائے بنا نہ رہ سکا۔ کیونکہ جو سزا انہیں ملنے والی تھی' وہ زیادہ سے زیادہ تھی...... آخری سزا۔

سردار سمبا کے چٹائی پر بیٹھتے ہی شوکی آگے بڑھا اور سردار سمبا کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا جیسے کسی حکم کا منتظر ہو۔

"تمبا کو کھلاؤ۔" سردار سمبا نے حقے کا گہرا کش لیتے ہوئے حکم دیا۔

پھر سردار سمبا نے اپنی کمر سے دو ریشمی رومال کھول کر شوکی کی طرف بڑھائے۔ قامران نے دیکھا ان رومالوں کے ایک سرے پر لوہے کے چھلے بندھے ہوئے تھے۔ شوکی نے رومال ہاتھ میں

بیسا ایک مضبوط آدمی منتخب کیا اور بندھے ہوئے مجرموں کی طرف بڑھا۔

شوکی نے پہلے لڑکی کے گلے میں رومال لپیٹا اور اس کا ایک سرا چھلے سے گزار کر کس دیا اور لو اس مضبوط آدمی کے ہاتھ میں دے دیا۔ پھر شوکی نے مرد کے گلے میں رومال ڈالا اور اسے لڑا ہوگیا۔

"ٹھیک ہے۔" سردار سمبا نے زور سے کہا اور اپنی بھاری مونچھوں کو مروڑا۔

اشارہ ملتے ہی شوکی اور دوسرے آدمی نے رومال کھینچنا شروع کیے۔ جیسے جیسے رومال کھینچتے ن دونوں کی جانیں گلے میں اٹکتی جاتیں۔ آخر وہ وقت بھی آ پہنچا جب ان دونوں کا زمین ٹوٹ گیا اور ان کی گردنیں ڈھلک کر ان کے شانوں پر آ گریں۔ پھر الاؤ میں جلتی موئی یاں اٹھا اٹھا کر ان کی طرف پھینکی جانے لگیں۔ جلد ہی ان کی لاشیں سرخ لپکتے شعلوں میں

شوکی فاتحانہ چال چلتا سردار سمبا کے نزدیک پہنچا۔ سردار سمبا نے اپنا حقہ اس کے سامنے ا۔ شوکی نے حقہ اٹھایا اور پھر واپس جلتی چتاؤں کی طرف بڑھا۔ اس نے سردار سمبا کا بھرا حقہ ل نذر کر دیا۔ حقہ شعلوں میں گرتے ہی لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ تمبا کو کھلانے کی رسم پوری لاشہ ختم ہوا۔

"ہاں' نوجوان...... اب تم بتاؤ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے؟" سردار سمبا قامران کے کندھے ، کے آگے بڑھا۔

سردار سمبا کا سوال کچھ عجیب سا تھا' اس نے چونک کر دیکھا...... سردار سمبا کا چہرہ سپاٹ تھا۔

"سردار میری گھوڑی واپس دلائی جائے۔" قامران نے دھیرے سے کہا۔

"گھوڑی کوئی مسئلہ نہیں...... وہ تو مل جائے گی۔" سردار سمبا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مران میں تمہیں اپنی برادری میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔"

"برادری؟" قامران نے تعجب سے کہا۔ "سردار سمبا تمہارا پیشہ کیا ہے؟"

"باہر والوں کو فنکاری سے لوٹنا...... اگر تم جیسا ذہین نوجوان ہماری برادری میں شامل تو ہم اباوان کے راجہ تک کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتے ہیں۔"

"کیا وہ بہت ہوشیار آدمی ہے؟"

"ہاں' بہت ہوشیار...... ایک بار میں نے اس پر جال پھینکنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن وہ چکنی طرح ہمارے ہاتھوں سے پھسل گیا۔ میرے چار آدمی اس مہم میں مارے گئے۔"

"میں اگر تمہاری برادری میں شامل ہو جاؤں تو کیا فائدہ؟ مجھے تو کسی کو لوٹنے کا فن نہیں

"ٹھگ وِدیا میں تمہیں سکھاؤں گا۔" سردار سمبا نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے...... مجھے کچھ سوچنے کا موقع دو۔"

"سوچو...... خوب سوچو...... پوری رات پڑی ہے۔" سردار سمبا نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میرا دل ۔ ۔ ل صبح کا سورج میرے حق میں فیصلہ لے کر طلوع ہوگا۔"

"ممکن ہے۔" قامران نے جواباً کہا۔

جب وہ سردار سمبا کے ساتھ اس کی جھونپڑی میں داخل ہوا تو اس کا دل سن سے ہو
اسے کچھ یاد آ گیا۔ ادانہ کا مارا ہوا تھپڑ اس کے خون میں سنسنی پھیل گئی۔ وہ اندر ہی اندر لاوے کی
پکنے لگا۔ انتقام کی آگ اسے جھلسانے لگی۔ ادانہ اسے بہت دیر سے دکھائی نہیں دی تھی۔ وہ تمباکو کھا
والی رسم کے دوران بھی غیر حاضر تھی۔ جبکہ میدان میں اس وقت بستی کا بچہ بچہ موجود تھا۔ وہ آخر
گئی؟

اچانک قامران کو جھونپڑی کے اندرونی حصے سے چیخ کی آواز سنائی دی۔ سردار سمبا
سے اندر کی طرف بھاگا' لیکن وہ ابھی اندر بھی نہیں جا پایا تھا کہ قامران نے وہ ہولناک منظر دیکھا۔
ادانہ کے کپڑوں میں آگ لگی ہوئی تھی۔ وہ چاروں طرف سے شعلوں میں گھری
بھاگتی آ رہی تھی۔ قامران اسے دیکھ کر ایک کونے میں ہو گیا۔ سردار سمبا نے لپک کر اس پر کمبل ڈا
لیکن ناکام رہا۔ اتنی دیر میں وہ چیختی ہوئی جھونپڑی سے باہر نکل گئی۔

سردار سمبا تیزی سے دروازے پر آیا اور چیخ کر بولا "ادانہ! رک جاؤ۔"

ادانہ نے جیسے سنا ہی نہیں۔ وہ شعلوں میں گھری چیختی ہوئی بھاگی جا رہی تھی اور اس کی
حیرت انگیز طور پر تیز تھی۔ سردار سمبا' ادانہ کے تعاقب میں دوڑ پڑا۔ قامران نے بھی اس کی تقلی
آگے کئی جگہ سردار سمبا کے آدمیوں نے اس پر کمبل ڈالنے کی کوشش کی لیکن وہ کسی کی گرفت میں
آ سکی۔ آخر وہ سرنگ سے نکل گئی۔

جب سردار اور قامران سرنگ کے باہر پہنچے تو انہیں ایک دلخراش منظر سے دوچار ہ
ادانہ نے ہزاروں فٹ گہری کھائی میں چھلانگ لگا دی تھی اور اس وقت وہ بڑی تیزی سے ا
طرف جا رہی تھی۔ پھر سردار سمبا نے اس کی آخری چیخ سنی اور نیچے بہت دور تک اسے شعلوں
دکھائی دیتا رہا۔

ادانہ کی جلتے شعلوں کے ساتھ کھائی میں چھلانگ لگانے کی اطلاع آناً فاناً گھر گھر
سب حیران تھے' کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ دوسروں کو اپنے تیر نظر سے گھائل کرنے والی ادانہ
طرح سے مر سکتی ہے۔ سردار سمبا کی حالت اس وقت قابلِ دید تھی۔ وہ نیچے گہرائی میں
ایک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔ اور اس کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو ڈھلک کر اس کے رخ
بہہ رہے تھے۔

تب قامران اس کے نزدیک آیا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے بولا
بھول جاؤ ادانہ کو۔"

"نہیں...... اسے میں کبھی نہیں بھول سکتا۔" سردار سمبا نے اپنے رندھے ہوئے لہجے میں
کہا۔ "جانے کیا ہوا؟ اتنی دیر میں اس پر کیا بیت گئی۔ کس منحوس لمحے نے اسے انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور
کر دیا۔ ادانہ تو بڑی باہمت لڑکی تھی۔ اس نے خودکشی کیوں کر لی اور وہ بھی اس قدر ظالمانہ
سے۔"

"سردار! ادانہ تمہاری کون تھی؟" قامران نے پوچھا۔

"میری بیٹی!"

"تمہاری بیٹی؟" قامران حیرت زدہ رہ گیا۔

نہیں...... وہ تمہاری بیٹی نہیں ہو سکتی۔ اس نے تمہاری موجودگی میں مجھے اپنے پہلو میں گرا لیا
ہنستے ہوئے اندر چلے گئے تھے۔ کون بیٹی اپنے باپ کے سامنے ایسا کر سکتی ہے اور کون باپ اپنی
کرتے ہوئے دیکھ سکتا ہے...... قامران نے سوچا اور سوچتا رہ گیا۔ کچھ کہہ نہ سکا' یہ کہنے کی
نہ تھی۔

پھر جانے یہ بات کس نے کہی اور کس طرح بستی میں پھیلی...... اب ہر شخص کی زبان پر یہی
' ان دونوں کی روحوں نے' جنہیں سردار سمبا نے گلا گھونٹ کر نذرِ آتش کروا دیا تھا' اس کی بیٹی
لا لے لیا۔

یہ اگرچہ عجیب بات تھی' لیکن لوگوں نے اس پر یقین کرنا شروع کر دیا تھا۔ جبکہ قامران کو اس
بالکل یقین نہ آیا تھا۔

یہ ٹھیک ہے کہ ادانہ نے قامران کے تھپڑ مار کر اس کے اندر آتشِ انتقام بھڑکا دی تھی اور
دوبارہ جھونپڑی میں داخل ہوا تو انتقام کے شعلے اس کے دل میں جل رہے تھے۔ لیکن اسے
کی کہ اس قدر جلد وہ اپنے انتقام کو عملی صورت میں دیکھ لے گا۔

چاہے ادانہ نے خودکشی کی ہو یا ان دونوں کی لاشوں نے اپنا انتقام لیا ہو' بہرحال ادانہ کی
قامران کو سکون پہنچایا تھا۔ سردار سمبا کا ایک خطرناک مہرہ بڑی آسانی سے خود بخود ٹھکانے
لگا۔

پھر سردار سمبا نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور قامران کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کر کے
اس سے آگے بڑھنے لگا۔ سرنگ پار کر کے سردار نے میدان کا رخ کیا۔ جہاں ان دونوں کو
یا گیا تھا۔ میدان میں پہنچ کر اس نے شوکی کو حکم دیا۔

"آگ بجھاؤ۔"

آگ پہلے ہی خاصی کم ہو گئی تھی۔ شوکی نے اپنے دوسرے ساتھیوں کی مدد سے آگ بالکل
دی۔

"ان دونوں کے سر نکالو۔" پھر حکم ہوا۔

شوکی نے جلی ہوئی لاشوں کے سر تلاش کر کے اپنے سردار کے قدموں میں رکھ دیئے۔

"کلہاڑی لاؤ۔"

چند لمحوں میں سردار کے سامنے ایک تیز کلہاڑی حاضر کر دی گئی۔

سردار سمبا نے کلہاڑی ہاتھ میں لے کر بلند کی اور تڑاتڑ ان دونوں کے سروں پر برسانے
دہ سردار سمبا پر جنونی کیفیت طاری تھی اور وہ ہذیانی انداز میں بولے جا رہا تھا۔

"اب تمہاری روحیں کدھر چھپی ہوئی ہیں...... بلاؤ انہیں...... اب لو مجھ سے انتقام' میری
کیا بگاڑا تھا...... لاؤ اپنی روحوں کو لاؤ۔ بلاتے کیوں نہیں...... بلاتے کیوں نہیں؟"

قامران آگے بڑھا' اس نے سردار سمبا کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے زور سے ہلاتے ہوئے

بولا "سردار ہوش میں آؤ۔"

"ہٹ جاؤ' نوجوان...... ان کے سروں کا میں سرمہ کردوں گا۔ بستی کے سب لوگ کہ ہیں' انہوں نے میری بیٹی کو مارا ہے...... اب ہمت ہے تو میرے سامنے آئیں' مجھے ماریں۔"

"سردار سمبا...... یہ مرے ہوئے ہیں...... یہ زندہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے تو مر کر کیا گے...... سوچنے کی بات ہے...... ذرا عقل سے کام لو اور ہوش میں آؤ۔" قامران نے اسے کہ ہوئے بڑی آہستگی سے اس سے کلہاڑی چھین لی۔

تب سردار نے ان دونوں کی کھوپڑیاں اٹھائیں اور سرنگ کی طرف بھاگنے لگا۔ بھاگتے دیکھ کر قامران نے اس کا تعاقب کیا اور اپنے ساتھ شوکی اور اس کے ساتھی کو بھی آنے کو سرنگ سے نکل کر سردار سمبا کھائی کے نزدیک پہنچا اور دونوں کھوپڑیوں کو کھائی کی اچھال دیا اور انہیں نیچے گرتے ہوئے بڑی آسودگی سے دیکھنے لگا۔

کھائی اتنی گہری تھی کہ کھوپڑیوں کے زمین پر گرنے کی آواز بھی نہ آئی۔

سردار سمبا جانے کب تک وہاں کھڑا رہتا کہ قامران نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ سے کہا "سردار سمبا اب گھر چلو۔"

"ہاں ! قامران' اب گھر چلنا ہی ہوگا...... آؤ چلو۔" سردار سمبا نے گہری سانس لے اور پھر بستی کی طرف چل دیا۔

سرنگ سے نکل کر سردار سمبا نے شوکی سے کہا۔ "شوکی' ان منحوسوں کے گھر سے لاو گھوڑی لے آؤ اور اسے میرے ٹھکانے پر پہنچا دو۔"

شوکی یہ سن کر ایک طرف دوڑ گیا جبکہ سردار سمبا قامران کو لیے اپنی طویل و عریض میں آ گیا۔

ان دونوں کے سروں پر کلہاڑی برسا کر اور ان سروں کو کھائی کی نذر کر کے سردار جنون کافی حد تک کم ہوگیا تھا۔ اب وہ کسی قدر پرسکون نظر آ رہا تھا۔

قامران نے سردار سمبا کے اندر جانے کے بعد آرام سے پاؤں پھیلا لیے اور سردار تجویز پر غور کرنے لگا۔

سردار سمبا اسے اپنی برادری میں شامل کرنے کا خواہش مند تھا۔ اگرچہ اس نے شامل ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ قامران پر چھوڑ دیا تھا۔ لیکن قامران یہ بات اچھی طرح جانتا تھا اس نے انکار کیا تو پھر موت سے ہمکنار ہونا پڑے گا۔ کیونکہ سردار سمبا اسے پہلے ہی یہ بتا چکا کہ اس بستی میں داخل ہونے والا اجنبی زندہ واپس نہیں جاتا۔

پھر وہ کیا کرے؟

یہ سوچتے سوچتے اس پر غنودگی طاری ہونے لگی اور وہ کچھ فیصلہ کیے بنا ہی نیند میں چلا گیا۔ قامران جانے کتنی دیر سویا ہوگا کہ اچانک اس نے اپنے چہرے پر روشنی سی محسوس کی۔ اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ تب اس کی آنکھوں نے ایک عجیب جلوہ دیکھا۔ اس نے دیکھا چاند اس کے سرہانے اتر آیا ہو۔ ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی کے ساتھ۔ اس نے دل و دماغ معطر کر دینے والی

بھی محسوس کی۔ کنوارے بدن کی مسحور کن خوشبو...... چاندکا اس کے سرہانے بیٹھی جگمگا رہی تھی۔

قامران فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا اور اپنی آنکھیں مل مل کر اسے دیکھنے لگا۔ چاندکا اسے آنکھیں ملتے ہوئے دیکھ کر مسکرا دی اور اسے باہر چلنے کا اشارہ کیا۔ قامران بڑی آہستگی سے اٹھا اور بڑی خاموشی سے دروازے سے باہر نکل گیا۔

پھر دونوں نے ایک ایسا گوشہ تلاش کرلیا' جہاں بیٹھ کر وہ بڑے اطمینان سے باتیں کر سکتے۔ چاند ڈھلتا رہا اور چاندکا اپنی تمام تر جلوہ آرائیوں کے ساتھ جگمگاتی رہی۔ بہت سی باتیں ہوئیں۔ اس نے کہا' کچھ اس نے سنیں...... کچھ مشورے ہوئے۔ کچھ ہدایتیں ملیں نئے نئے منصوبے بنے۔ کیا کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے۔ قامران سنتا رہا اور ہر بات گرہ میں باندھتا رہا۔ یہاں تک کہ صبح کے آثار نمودار ہونے لگے۔

تب چاندکا انگڑائی لے کر اٹھی۔ قامران نے اس لچکیلی کمان کو دیکھا تو ہزاروں تیر اس کے دل میں پیوست ہوگئے۔

کمان سیدھی ہوئی' اسے گہری نظر سے دیکھ کر مسکرائی اور فضا میں تحلیل ہوگئی۔ قامران گھائل جھونپڑی کی طرف چلا۔ اس کی سانسوں میں چاندکا کی خوشبو بڑی دیر تک بسی رہی۔

جب وہ جھونپڑی میں آ کر لیٹا تو اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں۔ وہ لیٹتے ہی بے خبر

سردار سمبا نے روشنی پھوٹنے کے بعد کئی مرتبہ قامران کو جگانے کی کوشش کی' لیکن ہر بار اسے نیند میں ڈوبا دیکھ کر پیچھے ہٹ گیا۔ جب دن خاصا چڑھ گیا اور قامران نے کروٹ بھی نہ لی تو سردار سمبا نے مجبور ہوکر قامران کو جگایا "اے نوجوان...... اٹھ۔"

سردار سمبا کے ہاتھ لگاتے ہی قامران ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور سورج کو خاصا چڑھا دیکھ کر شرمندہ ہوا۔ ضروریات سے فراغت کے بعد سردار سمبا نے قامران کے سامنے کچھ کھانے پینے کی اشیاء رکھیں۔ قامران نے خوب سیر ہوکر ناشتہ کیا۔

"ہاں' نوجوان...... تم نے کیا سوچا؟" سردار سمبا نے پوچھا۔

"میں نے تمہاری برادری میں شامل ہونے کا فیصلہ کرلیا ہے۔" قامران نے سردار سمبا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

سردار سمبا یہ سن کر بے حد خوش ہوا۔ اس نے خیر سگالی کے طور پر قامران کے رخساروں کا بوسہ لیا۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر ایجاب و قبول کیا۔

"سردار سمبا...... اب جبکہ میں تمہاری برادری میں شامل ہوگیا ہوں اور میں نے تمہیں اپنا مان لیا ہے تو میرا فرض ہے کہ میں تمام حقائق سے تمہیں آگاہ کردوں۔" قامران نے بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"کیسے حقائق؟" سردار سمبا نے اسے چونک کر دیکھا۔

"میں دراصل وہ نہیں ہوں...... جو بظاہر نظر آتا ہوں۔"

"گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم سیاح نہیں ہو؟"

''نہیں سیاح تو میں ہوں لیکن سیاحت میرا پیشہ نہیں...... میں دراصل سونے کی تلاش میں ہوں۔''

''سونا!'' سونے کا ذکر سن کر جیسے سردار سمبا کی رال ٹپکنے لگی۔ ''کہاں ہے سونا؟''

تب قامران نے سردار سمبا کا چہرہ غور سے دیکھا۔ یہ وہی سردار سمبا تھا' جس کی بیٹی کو مر ہوئے چند گھنٹوں سے زیادہ نہ ہوئے تھے۔

بیٹی کے غم کو سونے کی چمک دمک نے چند لمحوں میں زائل کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

حرص و ہوس کے سمندر میں ڈوبے سردار سمبا کی عجیب حالت تھی۔ سونے کے ذکر نے ا ہر غم سے بیگانہ کر دیا تھا۔ وہ اپنی باچھیں کھولے قامران کے جواب کا منتظر تھا۔ قامران اس کی بے دیکھ کر مسکرائے بنا نہ رہ سکا۔

''سردار وہاں اتنا سونا ہے' اتنا سونا کہ دیکھو گے تو ہوش گنوا بیٹھو گے۔'' قامران نے ا بے قراری کو مزید ہوا دی۔

اتنے سونے کا ذکر سن کر وہ واقعی پریشان ہوگیا۔ وہ قامران کے اور قریب آ گ خوشامدانہ لہجے میں بولا ''کہاں ہے؟ کچھ بتاؤ تو سہی؟''

''وہ جگہ تو خود میں نے بھی نہیں دیکھی سردار۔'' یہ کہہ کر قامران رکا۔

سردار سمبا کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی۔

''لیکن میں اس جگہ کے نزدیک ضرور پہنچ گیا ہوں۔'' یہ کہہ کر قامران پھر رکا۔

سردار سمبا کے مایوس چہرے پر پھر سے امید کی کرن پھوٹی۔

''وہ نشانیاں جو مجھے اس بابا نے بتائی تھیں' سب ہی ملتی جا رہی تھیں۔ اگر تمہارے آ نے میری گھوڑی نہ اڑائی ہوتی تو شاید میں اب تک ان کھنڈرات میں پہنچ بھی چکا ہوتا اور و کر کے اپنے وطن لوٹ رہا ہوتا۔ اب تم مل گئے ہو تو تم بھی ساتھ چلو بلکہ بستی کے تمام لوگوں ساتھ لے لو تا کہ زیادہ سے زیادہ سونا وہاں سے لایا جا سکے۔''

''نوجوان تمہاری یہ تجویز بہت اچھی ہے۔ ہم سب تمہارے ساتھ چلیں گے۔ م کھنڈرات کہاں ہیں؟''

''کالے دریا کے کنارے۔''

''اور کالا دریا؟''

''یہاں سے دو دن کی مسافت پر ہوگا...... یہ میرا اندازہ ہے...... ممکن ہے کچھ زیا قامران نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''وہ بابا کون تھا' جس نے تمہیں اس خزانے کا پتہ بتایا۔''

''وہ بابا مجھے نیلے پہاڑوں کے ایک غار میں ملا تھا' میں نے چالیس دن تک اس کی خدمت کی۔ تب چالیسویں دن اس نے مجھے اپنے پاس بلایا اور پہلی مرتبہ کلام کیا۔ اس نے خدمت کے صلے میں مجھے اس خزانے کا پتہ بتایا' کھنڈرات تک پہنچنے کی تمام نشانیوں سے آگا

عائیں دے کر وہاں سے رخصت کیا...... تب سے میں سفر پر ہوں۔''

''بس' اب سفر پھر سے شروع ہو جائے۔ ہم آج ہی اس خزانے کی تلاش میں نکل چلیں ''یہ کہہ کر سردار سمبا جھونپڑی سے باہر نکل گیا۔ قامران کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل گئی۔ منصوبے ا حصہ بخیر و خوبی انجام پا گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد قامران نے اطمینان سے ہاتھ پاؤں پھیلا ور نیم دراز ہو کر اپنی سوچوں میں گم ہو گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد سردار سمبا جھونپڑی میں واپس آیا تو اس کے ہاتھوں میں ایک بھاری سا ا۔ وہ اس کے کش لیتا ہوا اندر داخل ہوا اور اپنی بھاری مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا بولا...... ''پوری بستی علان کروا دیا ہے کہ سفر کے لیے تیار ہو جائیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' قامران اٹھتا ہوا بولا۔ ''میں ذرا اپنی ابلا کے حال چال پوچھ لوں۔''

قامران نے باہر نکل کر ابلا کے لیے چارے کا انتظام کیا اور اس کے جسم کی مالش کرنے کہ لمبے سفر کا آغاز کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

دوپہر ہوتے ہی ٹھگوں کا قافلہ' جس کا سردار سردست قامران تھا' سونے کی تلاش میں نکل ہوا۔ قامران نے دیکھا کہ سوائے عورتوں اور بچوں کے اس قافلے میں بستی کا ہر شخص شامل تھا...... مران چاہتا بھی یہی تھا کہ بستی میں ایک بھی ٹھگ باقی نہ رہے۔ قافلے کے سب سے آگے سردار ور قامران تھے۔ ان کے پیچھے شوکی اور اس کے ساتھی اور ان کے پیچھے بستی کے دوسرے لوگ۔

''سردار سمبا تمہاری جھونپڑیاں دیکھ کر تو یہ احساس ہوتا تھا کہ تم لوگوں کے پاس کچھ نہیں...... بت میں زندگی گزرتی ہوگی۔ مگر اب جب تم لاؤ لشکر لے کر نکلے ہو تو احساس ہوتا ہے کہ تم کہیں ہو!'' قامران نے ہنستے ہوئے کہا۔

''میرے راجہ ہونے میں کیا شبہ ہے...... میں اپنے من کا راجہ ہوں۔'' سردار سمبا نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا۔ ''ویسے نوجوان! اب تم اپنے ہو گئے ہو' اس لیے تم سے کیا یہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو' سب لوٹ کا مال ہے۔ ہماری زندگی میں مکر و فریب کے سوا کچھ نہیں۔ پ بدلتے ہیں' بہروپ بھرتے ہیں' طرح طرح کے بھیس بدلتے ہیں۔ تب جا کر کچھ حاصل ہوتا ہی بھی نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ میرے آدمی پکڑے جاتے ہیں' مارے جاتے ہیں۔ لے صبر کرنا ہوتا ہے۔ ہم لوگ شکار کی جان لینا سخت گناہ سمجھتے ہیں' بلکہ اسے حقیر کام سمجھتے ہیں...... ام اور اعلیٰ کام ہمارے نزدیک فریب دے کر لوٹنا ہے۔ مثلاً ایک بار میں نے سوداگروں کے لوٹا...... میرے آدمیوں نے اطلاع دی کہ سوداگروں کا قافلہ فلاں راستے سے گزر رہا ہے۔ میں ہ کا روپ دھار کر راستے میں ان سے جا ٹکرایا اور انہیں اپنے جال میں پھنسا لیا۔ اب تفصیل میں نضول ہے' اتنا جان لو کہ وہ سوداگر جب صبح سو کر اٹھے ہوں گے تو ان کی آنکھوں کے آگے بھا گیا ہوگا۔''

''تم نے ادانہ کی مدد سے انہیں نشہ آور مشروب پلا دیا تھا اور ان کے تن کے کپڑے تک تھے۔'' قامران نے وہ بات کہی' جس کا سارے فسانے میں ذکر نہ تھا۔

''تم کیسے جانتے ہو...... یہ بات۔''

''میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم نے پروہتوں کا روپ بھر کر سورج دیوتا کے درشن کروانے کے بہانے پوری بستی کو اندھا کر دیا اور تمہارے آدمی بستی سے تمام مال و اسباب اٹھا کر چمپت ہو گئے'' قامران نے سردار سمبا کو گھورتے ہوئے کہا۔

''ہاں' نوجوان وہ میری زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ لیکن تم بھلا یہ باتیں کیسے جانتے ہو؟''

''میں بہت دور سے تمہارے کارنامے سنتا چلا آ رہا ہوں اور اندھوں کی یہ بستی میں نے خود اپنی آنکھ سے دیکھی ہے۔ اس بستی کو دیکھ کر میرے دل پر اتنا اثر ہوا کہ میں نے تم سے ملاقات کرنے کی ٹھان لی تھی...... آخر تم مل ہی گئے...... جذبہ اگر سچا ہو تو ناممکن بھی ممکن بن جاتا ہے۔''

''تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے نوجوان؟'' سردار سمبا نے پوچھا۔

''ایسے بہروپیے روز روز کہاں پیدا ہوتے ہیں بھلا...... ان کی زیارت کرنا میرے جیسے بیوقوف آدمی کے لیے عین سعادت ہے۔'' قامران نے بڑے عقیدت مندانہ لہجے میں کہا۔ ''پارس سے مس ہو کر شاید میں بھی سونا بن جاؤں۔''

''بہت خوب نوجوان' بہت خوب...... تم نے ہمارا جی خوش کر دیا۔ ہم نے زندگی میں پہلی بار اپنے فن کی کسی سے داد پائی۔ نوجوان تم فکر نہ کرو' ہم تمہیں وہ سب کچھ سکھا دیں گے جو ہمیں آتا ہے۔''

لعنت ہے تم پر...... قامران نے اپنے دل میں کہا۔ سبق تو میں تمہیں سکھاؤں گا...... کہ تم آسمانوں پر بھی میرے ہی گن گاؤں گے۔''

''ایک بات ہے سردار...... کبھی کبھی زیادہ ہوشیار بننے والے بڑی آسانی سے پھنس جاتے ہیں...... کیا تمہارے ساتھ کبھی ایسا ہوا؟'' قامران نے پوچھا۔

''آج تک نہیں۔'' سردار سمبا نے اپنی گردن اکڑا کر کہا۔ ''میری عقل نے مجھے کبھی دھوکا نہیں دیا۔ میں نے اپنے شکار پر ہمیشہ کامیابی سے ہاتھ ڈالا ہے اور ہمیشہ سرخرو ہو کر لوٹا۔ چھوٹے موٹے نقصانات تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔ ان کا ذکر ہی کیا۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں نے شکار کے لیے جال پھیلایا ہو اور خود ہی اس میں پھنس گیا ہوں۔''

''پھر تو تم صحیح معنوں میں ٹھگوں کے سردار ہو۔'' قامران نے اسے پھلانے کی کوشش کی۔ تعریف سن کر وہ واقعی پھول کر کپا ہو گیا اور فخر سے اپنے لاؤ لشکر کو دیکھنے لگا۔

رات ہونے سے پہلے سردار سمبا نے ایک مناسب جگہ تلاش کر کے پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ حکم ملنے کی دیر تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے دور دور تک خیمے نصب ہوتے چلے گئے۔ پھر خیموں کے آگے آگ جلانے کے لیے لکڑیاں اکٹھی کی جانے لگیں۔ قامران سردار سمبا کے آدمیوں کی پھرتی دیکھ کر حیران ہو رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اگر یہ صلاحیت منفی کاموں کے بجائے مثبت کاموں میں استعمال ہو تو کتنا اچھا ہو۔ لیکن ایسا ممکن نہ تھا۔ جن کی گھٹیوں میں مکر و فریب پڑا ہو' دھوکا دہی اور جعلسازی رچی بسی ہو' ان سے کسی اچھے کام کی توقع ایسے ہی ہے' جیسے کسی پتھر سے پانی ٹپکنے کی خواہش۔

قامران کو سردار سمبا کے خیمے میں جگہ ملی' یہ خیمہ سب سے بڑا اور رنگ برنگا تھا۔

آسائش کی ہر چیز موجود تھی۔

چاند روشن ہونے تک ٹھگوں کا یہ قافلہ کھانے سے فارغ ہو چکا تھا۔ سردار سمبا بڑی آسودگی سے آنکھیں میچے حقے کے کش لے رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں اور شوکی کی طرف دیکھ کر کہا ''کچھ گانا بجانا۔''

''اچھا۔'' شوکی گردن اثبات میں ہلا کر خیمے سے نکل گیا۔

کچھ دیر کے بعد وہ ایک نوجوان کو لیے اندر داخل ہوا۔ اس نوجوان کے پیچھے ایک ادھیڑ عمر شخص ڈھولک لیے تھا۔ پھر شوکی نے باہر سے اپنے دو چار خاص آدمیوں کو بلا کر خیمے کا پردہ گرا دیا۔ قامران اس نوجوان کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا' جو بڑی محویت سے اپنے پاؤں میں گھنگرو باندھنے میں مصروف تھا۔ اچانک ڈھولک پر تھاپ پڑی اور وہ نوجوان رقاص تیر کی طرح سیدھا ہو گیا۔ پھر چھن چھن گھنگرو بج اٹھے اور اس ادھیڑ عمر شخص نے عشقیہ اشعار اپنی سریلی آواز میں چھیڑ دیے۔ نوجوان کا رقص' گھنگروؤں کی چھن چھن اور دل پر اثر کرنے والے اشعار کی بازگشت۔ ایک عجیب سماں بندھ گیا۔ قامران اس رقص و موسیقی میں ڈوب گیا۔

کسی مرد کو اس طرح رقص کرتے ہوئے اس نے پہلی بار دیکھا تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ اس نوجوان کا رقص کسی بھی اچھی رقاصہ سے کم نہیں۔ بلکہ کئی لحاظ سے اعلیٰ تھا۔ جسم کی نزاکتیں' نشیب و فراز ہونے کے باوجود اس نوجوان رقاص سے نظر ہٹانے کو جی نہیں چاہتا تھا اور یہی اس نوجوان کی کمال کا ثبوت تھا۔ رات گئے تک یہ رقص و موسیقی کا پروگرام چلتا رہا۔ آخر سردار سمبا نے محفل ختم کرنے کا اشارہ کیا۔ اشارہ پاتے ہی نوجوان رقاص پتھر بن گیا اور اس ادھیڑ عمر آدمی کے ہاتھ ڈھولک پر جہاں تھے' وہیں رک گئے۔

اب قامران کی آنکھوں میں نیند اترنے لگی تھی۔ اس نے منہ پھاڑ کر ایک زوردار جماہی لی اور پانی بھری آنکھوں سے سردار سمبا کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''اب سونا چاہیے۔''

''ہاں' ٹھیک ہے تم آرام کرو۔'' سردار سمبا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ ''میں ذرا باہر کا جائزہ لے

قامران جب سونے کے لیے لیٹا تو اسے دنیا کی خبر نہ رہی۔ اسے سردار سمبا کی واپسی کا بھی پتا نہ چل سکا۔ سردار سمبا نے پورے پڑاؤ کا چکر لگایا۔ شوکی کو کچھ ہدایتیں دیں اور پھر حقے کے کش لگاتا ہوا اپنے خیمے میں واپس آ گیا اور سونے کی تیاریاں کرنے لگا۔

وہ جانے رات کا کون سا پہر تھا۔ باہر گھپ اندھیرا تھا۔ خیموں میں لوگ پڑے میٹھی نیند سو رہے تھے۔ انہیں پتا نہ تھا کہ خطرناک چوپائے ان کے سروں پر آ پہنچے ہیں۔ وہ تعداد میں چالیس سے کیا کم ہوں گے۔ چیختے چلاتے' جھومتے' چنگھاڑتے' کالی چٹانوں کی طرح لڑھکتے چلے آ رہے تھے۔

سردار سمبا کی اچانک نیند ٹوٹی۔ اس نے سب سے پہلے قامران پر نگاہ ڈالی۔ وہ بے سدھ ہاتھ پاؤں پھیلائے سو رہا تھا۔ تب سردار سمبا نے اپنے کان باہر سے آنے والی آوازوں کی طرف لگا دیے اور جب اس نے ان آوازوں کو پہچانا تو اس کی روح میں سناٹا اتر گیا۔

باہر چیخ چنگھاڑ جاری تھی اور اب ان آوازوں کے ساتھ اس کے آدمیوں کی آوازیں شامل ہوگئی تھیں۔ سردار سمبا نے اچانک قامران کو جھنجھوڑ دیا۔

''قامران' قامران!''

''کیا ہوا سردار؟ خیر تو ہے؟'' قامران ایک دم ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھا۔

قامران نے سردار سمبا کا ستا ہوا چہرہ دیکھا اور باہر سے آنے والی آوازوں کو سنا تو وہ کر کھڑا ہوگیا۔

''یہ تو ہاتھی ہیں۔''

قامران تیر کمان سنبھالتا خیمے سے باہر نکلا۔ پیچھے پیچھے سردار سمبا۔ قامران نے ... سے کالے کالے دیوؤں کو جاتے ہوئے دیکھا۔ ہاتھیوں کا یہ قافلہ اپنا کام کر کے جا چکا تھا۔ قامران سردار سمبا بڑی دیر تک ان کالے ہیولوں کو تکتے رہے۔ پھر ایک مشعل بردار ان کی طرف بڑھتا دیا۔ قامران نے دیکھا وہ شوکی تھا اور بری طرح ہانپ رہا تھا۔

''سردار سمبا! ہمارے بہت سے آدمی ہاتھیوں کے پاؤں تلے کچلے گئے ہیں۔'' شوکی نے سانسوں پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''اوہ۔'' سردار سمبا کو شدید دھچکا لگا۔

''آؤ دیکھیں۔'' قامران نے شوکی کے ہاتھ سے مشعل لیتے ہوئے کہا۔

سردار سمبا کو آگے بڑھتا دیکھ کر بہت سی مشعلیں روشن ہوگئیں۔ پڑاؤ کا ایک حصہ نیست و نابود ہو چکا تھا۔ ان خیموں میں جو لوگ موجود تھے' انہیں ہاتھیوں نے روند ڈالا تھا۔ متاثرہ میں زیادہ تر مر چکے تھے اور جو بچ گئے تھے' وہ مردوں سے بدتر تھے۔

''دیوتا کا شکر ہے کہ ہم لوگ بچ گئے۔'' قامران نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''اگر وہ تمام ہم کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے تو ہمارا وجود بھی ان کے پیروں تلے کچلا جاتا...... سردار میری سمجھ میں بات نہیں آئی کہ اچانک اتنے ہاتھی کہاں سے آ نکلے۔ یہ ہاتھیوں کا علاقہ ہے؟''

''ہاتھیوں کا علاقہ تو نہیں...... اگر ہاتھیوں کا علاقہ ہوتا تو دن میں کوئی نشانی تو نظر آتی۔ میں نہیں آتا کہ ہاتھیوں کا یہ قافلہ کہاں سے آ نکلا...... ممکن ہے یہ ہاتھی ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں منتقل ہو رہے ہوں۔'' سردار سمبا نے اپنی رائے پیش کی۔

''ہوسکتا ہے۔''

ان مستانے ہاتھیوں نے سردار سمبا کے بائیس آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا آدمی شدید زخمی تھے۔

جلد ہی سپیدۂ سحر نمودار ہوگیا۔ تب اندازہ ہوا کہ یہ رات کا پچھلا پہر تھا۔ دن کی روشنی سردار سمبا نے ایک بار اور مرنے والوں کا جائزہ لیا۔ جبکہ قامران خیمے سے نہ نکلا...... مشعلوں کی میں ہی وہ لاشوں کی خستگی کو برداشت نہ کر سکا تھا' تو دن کی روشنی میں وہ انہیں کیا دیکھتا۔

''لاشوں کو ٹھکانے لگا دو۔'' سردار سمبا نے خیمے میں آ کر شوکی کو حکم دیا۔

''اور زخمیوں کا کیا کیا جائے؟'' شوکی نے پوچھا۔

سردار سمبا نے جواب دینے سے پہلے قامران کی طرف غور سے دیکھا' پھر حقے کا ایک گہرا ... درسفاکانہ لہجے میں بولا۔ ''انہیں بھی ٹھکانے لگا دو۔''

شوکی یہ حکم سن کر باہر نکل گیا۔

''قامران! کیا تم نے مرنے والوں کی تمام لاشیں دیکھی ہیں؟'' سردار سمبا مخاطب تھا۔

''نہیں۔'' قامران کے چہرے پر کرب کے آثار نمایاں ہوگئے۔ ''چند لاشیں دیکھ کر ہی میری خراب ہوگئی تھی۔''

''مرنے والوں میں وہ نوجوان رقاص بھی شامل تھا۔''

''اوہ' یہ تو بہت برا ہوا۔'' قامران کو اس کے مرنے کا واقعی افسوس تھا۔ ''اس کے ساتھ بھی تو تھا' کیا وہ بچ گیا؟''

''وہ بچ گیا تھا...... لیکن اب مر جائے گا۔ وہ شدید زخمی ہے۔'' سردار سمبا نے سپاٹ لہجے

شوکی نے بہت جلد ان لاشوں کو ٹھکانے لگانے کے انتظامات مکمل کر لیے۔ خیموں سے ذرا ... کر لکڑیوں کا ڈھیر لگایا جا چکا تھا اور وہ اب اپنے آدمیوں کی مدد سے لاشوں کو اٹھا اٹھا کر لکڑی ... پھینک رہا تھا۔ تمام لاشیں جب لکڑیوں کے ڈھیر پر جمع ہوگئیں تو شوکی نے آگ لگانے کا ... سوکھی لکڑیوں نے جلد ہی آگ پکڑ لی۔ شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ تب شوکی نے ... بھیجا۔ اس کے آدمیوں نے بڑی بے دردی سے زخمیوں کو اٹھایا اور اس کے سامنے لا کر ڈھیر ... زخمی اس اٹھا پٹخ کو برداشت نہ کر سکا۔ اس نے زندگی کی آخری سانس لی اور ملکِ عدم کو ... باقی زخمی انگاروں کے بناہی انگاروں پر لوٹنے لگے۔ زخمیوں کو تڑپتے دیکھ کر شوکی نے اپنے ... بھینچ لیے اور اپنے آدمیوں کو انہیں شعلوں کے حوالے کرنے کا اشارہ کیا۔ چند ساعتوں ... ان زخمیوں کو بھی سرخ شعلوں کی گود میں اچھال دیا گیا۔ پھر شوکی نے اپنا رخ سردار سمبا کے ... کیا اور تیز تیز چلتا ہوا آگے بڑھا۔

خیمے میں داخل ہوتے ہی سردار سمبا نے شوکی سے پوچھا ''کیا خبر ہے؟''

''سب کا قصہ پاک کر دیا گیا ہے۔'' شوکی نے گردن اونچی کر کے کہا۔

''اب خیمے لپیٹنے کی تیاری کرو۔'' سردار سمبا نے حکم دیا۔

''ٹھیک ہے۔'' شوکی دروازے کی طرف رخ کرتے ہوئے بولا۔

''لیکن خیمے لپیٹنے سے پہلے لوگوں کو کچھ کھا پی لینے کا موقع ضرور دے دینا۔'' سردار سمبا نے جاتے ہدایت کی۔

شوکی اثبات میں گردن ہلاتا ہوا دروازے سے نکل گیا۔

کھانے پینے کی مہلت ختم ہونے کے ساتھ ہی ٹھگوں کا یہ قافلہ ایک مرتبہ پھر سفر کی راہ پر ... قامران چاندکا کی بتائی ہوئی نشانیوں کو تلاش کرتا' میر کارواں بنا سب کو آگے بڑھائے لیے ... ہی ایک نشانی گزرتی قامران دوسری کا ذکر کر دیتا۔ سردار سمبا آنے والی نشانی کا بے ... انتظار کرتا اور بار بار قامران سے پوچھتا جاتا۔ ''ہاں' نوجوان کہاں ہے تمہارا پہاڑی

نالہ؟''

''بس وہ آیا۔'' قامران خوش دلی سے کہتا۔

پھر دونوں قہقہہ مار کر ہنس پڑتے اور جب وہ پہاڑی نالہ سردار سمبا کو نظر آ جاتا تو وہ بچوں طرح خوش ہو جاتا اور اس سے اگلی نشانی بتانے کی درخواست کرتا۔

''ہاں' نوجوان اب؟''

اس طرح سہ پہر تک سفر جاری رہا۔ آخر قامران نے کالا دریا آنے کی نوید دی۔ کالے کی آمد کا ذکر سن کر پورے قافلے میں سنسنی پھیل گئی۔ ایک انجانی سی خوشی لوگوں کے چہروں پر پھ گئی۔

تھوڑی مسافت کے بعد کالا دریا ناگ کی طرح بل کھاتا ہوا سردار سمبا کے سامنے آ گیا سردار سمبا اور اس کے ٹھگ ساتھیوں نے خوشی سے نعرے لگائے اور اپنے گھوڑوں کی رفتار تیز کر دی۔

کالا دریا نام کا کالا نہ تھا' بلکہ اس کا پانی واقعی کالا تھا' سیاہی کی طرح۔ دریا کا پاٹ اگر زیادہ چوڑا نہ تھا' لیکن پانی کا بہاؤ بہت تیز تھا۔

''وہ کھنڈر کہاں ہیں؟'' سردار سمبا نے دریا کے کنارے دائیں بائیں نظر ڈال کر قا سے پوچھا۔

''وہ سامنے' دریا کے اس پار۔'' قامران نے اشارہ کیا۔

''اوہ۔'' سردار سمبا نے حیرت سے اس پار دیکھا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ دریا بھی ہوگا۔''

''تو کر لیں گے! دریا پار کرنے میں کیا مشکل ہے؟'' قامران نے دریا کے پانی کو گھ ہوئے کہا۔

''بہاؤ بہت تیز ہے۔'' سردار سمبا نے فکرمند ہو کر کہا۔

''اور گہرائی؟'' قامران نے پوچھا۔

''گہرائی بظاہر زیادہ نہیں دکھائی دیتی۔'' سردار سمبا نے دریا پر اپنی نظر گاڑتے ہوئے ''پھر بھی آدمی بھیج کر دکھوائے لیتا ہوں۔''

''اگر گہرائی زیادہ نہیں' پھر تو دریا پار کرنے میں کوئی خاص دشواری نہیں ہوگی۔ البتہ گہرا صورت میں خاصی دقت پیش آئے گی۔''

''اس کا فیصلہ ابھی ہوا جاتا ہے۔'' یہ کہہ کر سردار سمبا نے شوکی کو اشارے سے اپنے پاس اور بولا۔ ''ذرا غوطہ زنوں سے دریا کی گہرائی معلوم کراؤ۔''

حکم ملتے ہی غوطہ زنوں نے دریا میں چھلانگیں لگا دیں اور اس کنارے سے اس کنارے دریا کی بوند بوند دیکھ ڈالی۔

''دریا کوئی خاص گہرا نہیں۔'' شوکی نے آ کر اطلاع دی۔

''اس کا مطلب ہے کہ ہمت کی جائے تو دریا پار کیا جا سکتا ہے۔'' سردار نے پوچھا۔

''بالکل۔'' شوکی نے جواب دیا۔

''نوجوان! پھر کیا خیال ہے؟...... دریا عبور کیا جائے۔'' سردار سمبا نے قامران سے مخاط

''سردار مجھے تو بھوک لگی ہے۔'' قامران نے ہنستے ہوئے اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔ ''کیوں کے لیے پڑاؤ ڈال کر کچھ کھا پی لیا جائے؟''

''ٹھیک ہے۔'' سردار سمبا نے فوراً عارضی پڑاؤ ڈالنے کا حکم دے دیا۔

تھوڑی دیر میں سردار سمبا کا خیمہ نصب کر دیا گیا جبکہ باقی خیموں کو کسی نے ہاتھ لگانے کی لی۔ ساتھ لائی ہوئی خوراک تمام قافلے میں تقسیم کر دی گئی۔ لوگوں نے کھانا کھاتے ہوئے دعائیں دیں' جس نے عارضی پڑاؤ ڈلوا کر ان پر احسان عظیم کیا تھا۔ سب کے پیٹوں میں ہے تھے۔ اگر بغیر کھائے پیئے دریا عبور کرنے کا حکم مل جاتا تو بھوک سے نڈھال لوگوں کی میں آ جاتی۔

قامران نے گوشت کے سوکھے ٹکڑوں کو جن پر کسی پھل کا رس لگا ہوا تھا' بڑے مزے لے ا۔ جبکہ سردار سمبا کی توجہ اپنے بھاری حقے پر مرتکز رہی۔ اس نے لمبے لمبے کشوں کے دوران کے ایک دو ٹکڑوں سے زیادہ نہ لیے۔

اتنے میں خیمے کا پردہ ہلا۔ سردار سمبا نے دروازے پر نظر کی۔ شوکی اندر داخل ہوا۔ اس کے پانی کا برتن تھا۔

''سردار سمبا دریا کا پانی پی کر دیکھو۔'' وہ بولا۔

''کوئی خاص بات؟''

''میں نے اپنی زندگی میں ایسا مزیدار پانی نہیں پیا۔'' شوکی نے کہا۔

''اچھا۔'' سردار سمبا نے حقے کی نے چھوڑ دی۔ ''لاؤ دکھاؤ۔''

پانی واقعی مزیدار تھا' میٹھا اور ٹھنڈا۔

''کمال ہے۔'' قامران نے بھی پی کر دیکھا اور ہنس کر بولا۔ ''ایسے دریا کو پار کرنا کیا مشکل پیتے جاؤ اور دریا پار کرتے جاؤ۔''

آخر وہ وقت بھی آ پہنچا جب ٹھگوں کا یہ قافلہ دریا میں اترا۔ سردار سمبا کو ایک کھوکھلے تنے پر سے پہلے دریا عبور کروایا گیا۔ اس کے بعد قامران سے تنے پر بیٹھنے کو کہا گیا۔ لیکن اس نے عبور کرنا زیادہ مناسب سمجھا۔

بہت دن سے اسے پانی میں اترنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس نے سوچا تیر کر چلوں تاکہ ارا کھل جائیں۔ قامران کے دریا میں اترتے ہی دوسرے لوگوں نے بھی چھلانگیں لگائی یں۔ جب آدھے سے زیادہ آدمی دریا عبور کر چکے اور صرف وہ لوگ پیچھے رہ گئے' جن کے اسباب اٹھانا تھا تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔

جیسے ہی وہ لوگ مال و اسباب سنبھالے دریا میں اترے' تو اچانک چیخ و پکار کی آوازیں سنائی دریا میں موجود لوگ دریا کی تہہ میں جانے لگے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی ان کی ٹانگیں ہیں گھسیٹ رہا ہو۔ تب قامران کو ایک بڑا سا مگرمچھ دکھائی دیا' جو ایک آدمی کی ٹانگ پکڑ کر

تالہ؟''

بیٹنا ہوا لے جارہا تھا۔ ایسے مگرمچھ جانے کتنے دریا میں موجود تھے اور لوگوں کو اپنے نالوں ا
ارنے میں مشغول۔

قامران نے فوراً اپنا ہتھیار سنبھالا اور تیر کمان پر چڑھا کر مگرمچھ کا نشانہ لینے لگا۔ تب ا
دل کے نزدیک ایک سرگوشی سنائی دی۔

''قامران! یہ تمہارے ساتھی ہیں۔ ان پر تیر نہ چلانا۔''

''میرے ساتھی۔'' قامران کنوارے بدن کی خوشبو پا کر جھوم اٹھا۔ ''پھر وہ ہاتھی بھی م
ساتھی ہوں گے' جو رات کو اتنی بڑی تعداد میں اچانک کہیں سے آنکلے تھے۔'' قامران نے سوچا۔

''ہاں' وہ بھی تمہارے ساتھی تھے۔'' جواب آیا۔

یہ سن کر قامران نے کمان سے تیر اتار لیا اور مزے سے دریا کا نظارہ کرنے لگا۔

کے بیس پچیس آدمی پھر دیوتا کو پیارے ہوئے۔ ساتھ ہی زاد راہ بھی ڈوبا لیکن سمبا کی پیشانی
سے خالی رہی۔ اس کے سپاٹ چہرے سے معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہ اس نے کوئی بڑا نقصان اٹھایا
اس نے بڑی بے نیازی سے گھوڑا موڑ کر کالے دریا کی طرف پشت کی اور بھاری لہجے م
''قامران آگے بڑھو۔''

قامران نے جواباً اسے مسکرا کر دیکھا اور ابلا کو ایڑ لگائی۔

جلد ہی وہ لوگ کھنڈروں میں پہنچ گئے۔ سردار سمبا کی حالت قابلِ دید تھی۔ وہ کسی لالچ
کی طرح کھنڈروں میں ادھر سے ادھر رال ٹپکاتا پھر رہا تھا۔

''نوجوان! یہاں تو چاروں طرف پتھر ہی پتھر ہیں...... سونا کہاں ہے؟'' آخر سردار س
نہ رہا گیا۔

''اگر میں کہوں کہ یہاں سونا نام کی کوئی چیز نہیں تو؟'' قامران نے بڑی معصومیت سے

تب سردار سمبا کی آنکھوں میں اچانک وحشت سی اتر آئی' اس نے قامران کو خونخوار
سے دیکھا اور تیز لہجے میں بولا۔ ''نہیں نوجوان! تم ہم سے ایسا سنگین مذاق نہیں کرسکتے۔''

''مذاق تو ہوچکا سردار۔'' قامران نے بڑی بے نیازی سے کہا۔

''پھر تم اپنے بھیانک انجام کی فکر کرو...... دھوکہ دینے کا حق صرف سردار سمبا کو ہے۔ تم جیسا
کیا کسی کو دھوکا دے گا۔'' سردار سمبا نے اپنی بھاری مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے قامران کو گھورا۔

تب قامران اچانک ہی قہقہہ مار کر ہنس پڑا اور ہنستا ہی رہا۔ سردار سمبا نے کچھ دیر تو اس کی
کنے کا انتظار کیا' جب ہنسی نہ رکی تو اس نے شوکی کی طرف اشارہ کیا۔

شوکی قامران کی پشت سے آگے بڑھا۔ قامران شوکی کی پیش رفت سے بے خبر تھا۔ شوکی
ے ہوئے قامران کو ٹانگ پکڑ کر گھوڑی سے نیچے گھسیٹ لیا۔ وہ کولہوں کے بل پتھریلی زمین پر
ے گرا۔ تب اسے ماحول کی سنگینی کا علم ہوا۔ اس نے فوراً سنجیدگی اختیار کرلی اور معذرت آمیز
لں بولا۔ ''سردار سمبا! تم خواہ مخواہ ناراض ہو بیٹھے۔ میں نے تو تفریحاً یہ بات کہہ دی تھی...... یہ
گ ہے کہ دھوکا دینے کا حق صرف تم ہی کو ہے۔ میں تمہارے اس حق پر ڈاکہ نہیں ڈالنا
دھوکا دہی تمہیں مبارک ہو...... میں ایک سچا آدمی ہوں۔ تمہیں جس وعدے پر یہاں تک
ں' اس پر میں قائم ہوں...... سونا اسی کھنڈر میں موجود ہے۔ آؤ میرے ساتھ' میں تمہیں

سردار سمبا کی پیشانی سے سلوٹیں اچانک غائب ہوگئیں اور اس کے ہونٹوں پر باریک سی
ٹ آگئی۔ اس نے جواباً کچھ نہ کہا...... صرف شوکی کو اشارہ کیا۔ شوکی نے اشارہ پاتے ہی قامران
ہ احترام کے پتھریلی زمین سے اٹھایا اور پہلے کی طرح گھوڑی پر بٹھا دیا۔

قامران نے ابلا کی لگام کو ہلکا سا جھٹکا دیا۔ وہ آہستہ روی سے آگے بڑھی۔ وہ ان کھنڈروں
۔ گزرتا ہوا ان پانچ بتوں کو تلاش کرنے لگا' جن میں سونا بھرا ہوا تھا۔ آخر ایک جگہ اس نے
ی کی پیٹھ سے چھلانگ لگائی اور سیڑھیاں چڑھتا ہوا ایک دروازے میں داخل ہوگیا۔ دروازے میں
ہاں موجود تھیں' جو نیچے اترتی چلی گئی تھیں۔ قامران اس تہہ خانے کی سیڑھیوں سے آرام سے نیچے
لگا۔ آگے جا کر یہ سیڑھیاں تاریک ہوگئی تھیں۔ وہ اندازے سے رک رک کر نیچے اترتا جارہا تھا۔
یاں اترنے کے بعد پھر روشنی دکھائی دینے لگی۔ اور آخر ایک دروازہ آگیا۔ جب قامران
سے باہر آیا تو اس نے وہی دیکھا جو چاندکا نے بتایا تھا۔

ایک بڑے سے چبوترے پر پانچ دیوقامت بت ایستادہ تھے اور اس چبوترے کے چاروں
ادل پھیلی ہوئی تھی' جس پر خوش نما پھول کھلے ہوئے تھے۔

''سردار سمبا! ان بتوں کو دیکھ رہے ہو؟''

"ہاں! دیکھ رہا ہوں۔"

"یہ سارے بت سونے کے ہیں۔"

"یہ بت سونے کے ہرگز نہیں ہو سکتے...... مجھے پتھر صاف نظر آ رہے ہیں۔" سردار سمبا نے اپنی بھاری مونچھوں کو مروڑا۔

"سردار سمبا! ان بتوں کے اندر سونا ہے۔" قامران نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہ ہو سکتا ہے۔"

"لیکن ان بتوں کو توڑے گا کون؟"

"یہ کام میں کروں گا...... میں نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے بتوں کو توڑا ہے۔ یہ تو کچھ بھی نہیں۔" قامران نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ویسے ان بتوں کو توڑنے کی نوبت نہیں آئے گی' بابا نے مجھ سے یہی کہا تھا۔ اب میں جا کر دیکھتا ہوں کہ بابا کتنا سچا تھا۔"

پھر قامران وہ جگہ تلاش کرنے لگا' جہاں سے وہ دلدل پار کر کے ان بتوں تک پہنچ سکتا تھوڑی سی تلاش کے بعد قامران کو آخر وہ نشانی نظر آ ہی گئی۔ اس نے ایک پاؤں دلدل میں ڈالا ہی اس کا پاؤں کسی پتھریلی چیز پر ٹک گیا۔ یہ ایک بالشت بھر چوڑی پتھر کی دیوار تھی' جو دلدل کے چبوترے تک چلی گئی تھی۔

قامران بہت احتیاط سے ایک ایک قدم جماتا چبوترے کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کے انداز سے یہ ہرگز نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی پتھر کی دیوار پر چل رہا ہے۔ بلکہ یہ اندازہ ہوتا تھا یہ دلدل زیادہ گہری نہیں۔ وہ آرام سے زمین پر قدم جماتا بڑھ رہا ہے۔

سردار سمبا اور اس کے آدمی اسے بڑی دلچسپی سے آگے بڑھتا دیکھ رہے تھے۔ پھر اسے آنے میں دیر نہ لگی' جب بت اس کے بہت نزدیک آ گئے۔ اب وہ بڑے آرام سے چبوترے کی سیڑھیاں چڑھتا ہوا درمیان والے بت کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اس بت کے چاروں طرف اس نے ایک چکر لگایا۔ زمین سے ایک پتھر اٹھا کر اس مارا۔ پھر پتھر پھینک کر بت پر چڑھنے لگا۔ وہ بت کی ٹانگوں پر چڑھتا ہوا اس کے ہاتھ پر آیا۔ پر ہوتا ہوا اس بت کے کندھے پر جا بیٹھا۔ چاندکا کا پڑھایا ہوا سبق یہاں ختم ہو جاتا تھا۔ آگے معلوم تھا کہ کیا کرنا ہے؟

قامران نے کھڑے ہو کر اس بت کے سر کو اچھی طرح دیکھا۔ اسے کہیں سے بھی کھوکھلے پن کا احساس نہیں ہوا۔

"قامران سونا نظر آیا؟" سردار سمبا نے بڑی بے قراری سے پوچھا۔

"سردار! ابھی تو یہاں سر ہی نظر آ رہا ہے۔" قامران نے اس بت کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"قامران! اس بت کا کان پکڑ کر گھماؤ اور کان گھمانے سے پہلے بت کا بازو مضبوطی سے تھام لینا۔" خوشبو میں بسی ہوئی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"پھر کیا ہوگا؟" قامران نے زیر لب سوال کیا۔

لیکن اب وہاں جواب دینے والا کہاں تھا؟ چاندکا کنوارے بدن کی خوشبو سمیٹے جا چکی قامران نے اس بت کا کان پکڑا اور بہت آہستہ سے تھوڑا سا گھمایا...... کان گھماتے ہی بت ...پڑ گئی۔

اب قامران جیسے جیسے اس کا کان گھماتا جا رہا تھا' وہ بت درمیان سے پھٹتا جا رہا تھا۔ پھر ...ی کوئی چیز ابل کر زمین پر گرنے لگی۔ یہ ریت تھی نہ مٹی...... کنکر تھے نہ پتھر...... یہ سونا تھا' سونا ...بڑی ڈلیوں کی صورت میں بت کے جسم سے نکل نکل کر زمین پر گر رہا تھا۔ قامران دم سادھے ...ت سے گرتے سونے کو دیکھنے لگا۔

زمین پر گرتے ڈھیر سارے سونے کی چمک نے سردار سمبا کے دماغ میں ہلچل مچا دی۔ وہ ...ی طرح چیختا چبوترے کی طرف بڑھا۔

"قامران! میں آ رہا ہوں۔ دوسرے بت ابھی مت کھولنا۔ میں خود اپنے ہاتھ سے کھولوں

سردار سمبا کو آگے بڑھتا دیکھ کر اس کی قوم میں بے چینی پھیل گئی۔ سونے کا چمکتا ڈھیر ان ...آزمائش بن گیا۔ دامن صبر ہاتھ سے چھوٹا اور ٹھگوں کا یہ قافلہ چاروں طرف سے سونے کے ...ٹوٹ پڑا۔ اب ہر شخص کی کوشش تھی کہ وہ دوسرے پر سبقت لے جائے۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ ...ل کرنا کتنا مشکل ہے۔ سونے پر قبضہ کرنا تو دور کی بات تھی' چبوترے تک پہنچنا ہی آسان نہ ہر شخص گہری دلدل میں پھنستا جا رہا تھا۔

قامران ابھی اس بت کے بازو ہی پر بیٹھا تھا اور ظالموں کو اپنے انجام تک پہنچتا دیکھ رہا ...نے کوے آخر ایک معصوم فاختہ کے جال میں پھنس گئے تھے اور راہ فرار کا دور دور تک پتا نہ تھا۔

سردار سمبا نے اگرچہ قامران والی جگہ سے دلدل میں پاؤں رکھا تھا۔ پر اسے کیا معلوم تھا کہ ...کے نیچے کتنی موٹی دیوار ہے۔ ایک آدھ قدم تو وہ اس دیوار پر چلا۔ پھر عجلت میں جو قدم اٹھایا' وہ ...نہ پڑا۔ عجلت میں اٹھایا ہوا قدم ویسے بھی سیدھا کہاں پڑتا ہے۔ وہ لڑکھڑا کر دلدل میں گرا اور ...آہستہ اندر دھنسنے لگا۔

تب سردار سمبا کو پہلی بار اپنے بے وقوف ہونے کا علم ہوا۔ وہ جانتا تھا کہ اسے اور اس کے ...ں کو اس گہری دلدل سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ یہ بھولا بھالا نوجوان اسے ہاتھ دکھا گیا تھا۔

سردار سمبا کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھا کہ دلدل میں ہاتھ پاؤں مارنا' موت کو فوراً بلانا ...وہ فوراً نہیں مرنا چاہتا تھا اور اس نے اپنے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیئے۔ اب وہ آہستہ آہستہ ...میں دھنستا جا رہا تھا اور موت دبے پاؤں اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔

سردار سمبا کو قامران پر بڑا غصہ تھا۔ اگر کسی طرح اسے اس دلدل سے نجات مل جاتی تو وہ ...ی چبا ڈالتا اور قامران بت کے بازو پر بیٹھا بڑے مزے سے مسکرا رہا تھا۔

سردار سمبا نے اسے ایک موٹی سی گالی دے کر کہا۔ "تو نے مجھ سے کس چیز کا بدلا لیا

"سردار سمبا! میں نے تم سے کوئی بدلا نہیں لیا۔ تم خود ہی اپنے گناہوں کی دلدل میں پھنس

گئے ہو۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ میں تمہیں سونا دلوانے آیا تھا۔ میں نے اپنا وعدہ پورا کرا سونے کا ڈھیر تمہارے سامنے موجود ہے۔ آ جاؤ اور جھولی بھرلو۔"

اس جواب نے اور آگ لگا دی۔ سردار سمبا کے منہ سے گالیوں کا فوارہ پھوٹ پڑا دوسروں کو زندگی بھر لوٹنے والا آخری وقت تک خود کو حق بجانب سمجھتا رہا۔

قامران' سردار سمبا کے ڈھیٹ پن پر مسکرائے بنا نہ رہ سکا۔ وہ سوچنے لگا کہ ظلم کیے ہیں؟ تب اسے خیال آیا کہ ظلم کی تعریف صرف مظلوم بتا سکتا ہے۔ دنیا کے کسی ظالم نے آج تک قصوروار نہیں ٹھہرایا۔ پھر سردار سمبا' جس کا پیشہ ہی دوسروں کو لوٹنا تھا' وہ کیسے مان لیتا کہ وہ ظالم تھا اس کے ظلم ہی اسے لے ڈوبے۔ قامران کو اس بات کی خوشی تھی کہ وہ اس مرتبہ خون بہائے بغیر ظالموں کو ختم کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

گہری دلدل ٹھگوں کے پورے قافلے کو اپنے سینے میں اتار چکی تھی۔ اب چاروں طرف خاموشی تھی۔ گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ قامران سونے کے بت سے اترنے لگا۔ نیچے آ کر اس نے سونے کے ڈھیر میں سے ایک بڑی سی ڈلی اٹھائی اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟" چاندکا اچانک ہی اس کے سامنے ظہور پذیر ہوگئی۔

قامران نے ایک گہری سانس لے کر اس کے کنوارے بدن کی خوشبو اپنے اندر اتاری مسکراتا ہوا بولا۔ "کیا یہ سونا اصلی ہے؟"

"بالکل اصلی۔" چاندکا نے جواب دیا۔

"کیا باقی چار بتوں میں بھی سونا موجود ہے؟" قامران نے پوچھا۔

"ہاں ہے۔"

"یہاں کون رہتا تھا؟ سونا جمع کرنے کا خبط کس کو تھا؟"

"یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ بس اتنا جان لو کہ جس شخص نے یہ سونا جمع کیا تھا۔ وہ اس فائدہ نہ اٹھا سکا۔"

"کوئی بات نہیں۔" قامران نے کندھے اچکا کر کہا۔ "چلو اب ہم اس سے اٹھائیں گے۔"

"اس کا تم کیا کرو گے؟"

"کیا سونے کے بارے میں' اس طرح کا سوال بھی کیا جاسکتا ہے؟" قامران نے طرف حیرت سے دیکھا۔ "دولت سے دنیا کا ہر سکھ خریدا جاسکتا ہے۔ تم پوچھتی ہو' میں سونے کا کروں گا؟"

"کیا محبت بھی خریدی جاسکتی ہے؟" چاندکا نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"محبت بیشک نہیں خریدی جاسکتی لیکن محبت کو برقرار رکھنے میں دولت کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔" قامران نے کہا۔

"یہ تمہاری بھول ہے۔" چاندکا نے نرمی سے کہا۔ "محبت اپنے جواب میں صرف

ہے' سونے چاندی کے ٹکڑے نہیں۔ یہ دنیا کی سب سے سستی چیز ہے' جسے حاصل کرنے کے لئے کوڑی بھی خرچ نہیں کرنی پڑتی۔ اس کے باوجود اس دنیا میں محبت حاصل کرنا اتنا آسان ہے؟"

"تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟" قامران نے اسے شرارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں اب صدیوں بعد خود کو خوش نصیب سمجھنے لگی ہوں۔" چاندکا نے فوراً جواب دیا۔

"گویا کسی کی محبت حاصل ہوگئی؟"

"ہاں...... بلاشبہ۔"

"کون ہے وہ خوش نصیب۔"

"تم۔" چاندکا نے اسے پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہی سننا چاہتے تھے نا؟"

قامران نے جواب میں کچھ نہ کہا' صرف مسکرا کر رہ گیا۔

"قامران' تمہیں واقعی سونا چاہیے؟"

"نہیں...... میں تو مذاق کر رہا تھا۔ تمہارے ہوتے ہوئے مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں...... تم ہی ہو' میری دولت' میری دنیا۔" قامران جذباتی ہوگیا۔

قامران کے ان لفظوں میں بڑا جادو تھا۔ چاندکا کے چہرے پر بیشمار رنگ بکھر گئے۔ وہ خوشی سے جھوم اٹھی۔

تب قامران نے سوچا کہ عورت کو اظہار محبت کتنا پسند ہوتا ہے اور اظہار محبت ہی نہیں بلکہ وہ ہر ادا کا مرد سے خراج چاہتی ہے۔

"پھر اس سونے کو دوبارہ بت میں ڈال دوں؟" چاندکا نے پوچھا۔

"جو مرضی آئے کرو...... مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

تب چاندکا نے اپنا دایاں ہاتھ فضا میں اٹھایا اور تحکمانہ انداز میں بولی۔ "تم جہاں تھے وہیں جاؤ۔"

اس حکم کے نشر ہوتے ہی سونے کے ڈھیر میں حرکت ہوئی اور سونے کی ڈلیاں خود بخود بت میں جانے لگیں۔ جب سارا سونا بت کے اندر سما گیا تو وہ اپنی اصلی شکل میں آ گیا۔ اب کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس بت کے اندر سونا ہے۔

اچانک قامران کی سماعت سے کوئی سریلی آواز ٹکرائی۔ وہ دل میں اتر جانے والی اس دھن کو غور سے سننے لگا۔

"ایسے ویرانے میں بانسری کون بجا رہا ہے؟" قامران نے پوچھا۔

لیکن یہ سوال جس سے پوچھا گیا تھا' وہ تھی کہاں؟ وہ تو اس کی پیٹھ موڑتے ہی غائب ہوگئی

قامران نے چاروں طرف نظریں گھمائیں...... بے قراری سے ہر طرف دیکھا' اسے کئی بار پکارا۔ "چاندکا' چاندکا۔"

پر چاندکا تو اپنی مرضی کی مالک تھی۔ جب جی چاہتا آتی' جب جی چاہتا چلی جاتی۔

بانسری کی آواز برابر اس کے دل کو چھو رہی تھی اور اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔

قامران تیزی سے چبوترے کی سیڑھیاں اترتا ہوا نیچے آیا۔ دلدل میں چھپی اس دیوار کیا اور پھر مضبوطی سے قدم رکھتا ہوا دلدل میں آگے بڑھنے لگا۔

یہ دلدل ٹھگوں کے پورے قافلے کو نگل گئی تھی۔ لیکن اس کی سطح پہلے کی طرح تھی۔ یکساں۔ قامران دلدل سے نکل کر اس دروازے کی طرف بڑھا' جس کی سیڑھیاں عبور کر کھنڈروں میں پہنچ سکتا تھا...... تہہ خانہ پار کر کے جب وہ کھنڈروں میں پہنچا تو اسے اپنی گھوڑی کھڑی دکھائی دی۔ کھنڈروں میں جگہ جگہ ٹھگوں کے گھوڑے بھی موجود تھے اور بہت سی گٹھڑیاں فرش پر پڑی تھیں' جو کالے دریا میں ڈوبنے سے رہ گئی تھیں۔ قامران نے تمام گھوڑوں لگامیں کھینچ کر انہیں آزاد کردیا اور گٹھڑیوں میں جو بھی کام کی چیز ملی اسے اس نے اپنی ابلا کو باندھ لیا اور کھنڈروں پر ایک الوداعی نظر ڈال کر ابلا کو ایڑ دی۔

بانسری کی دل موہ لینے والی آواز متواتر اس کے کانوں میں پڑ رہی تھی۔ اس کی سمت کر کے گھوڑی دائیں طرف موڑی اور آہستہ روی سے چل پڑا۔ آگے جاکر بانسری کی آواز ہوگئی۔ گویا اس نے سمت کا تعین غلط کیا تھا۔

ایک بار پھر اس نے ہوا کا رخ دیکھا اور سریلی آواز کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ صحرا میں بانسری کی آواز کا صحیح تعین کرنا آسان نہیں۔ جو آ نزدیک سے آتی ہوئی معلوم ہوتی ہے' تعاقب کرنے پر کوسوں دور نکلتی ہے۔

آخر قامران اندازے لگاتا' بانسری کی آواز کو اپنی گرفت میں لینے میں کامیاب اب بانسری والا اس کے خیال کے مطابق سامنے درختوں کے جھنڈ میں موجود تھا۔ قامران پیٹھ سے چھلانگ لگائی اور اس کی لگام نکال کر اسے چرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا اور خود جھنڈ کی طرف بڑھا۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا تاکہ بانسری بجانے والے کی محویت وہ اسے پورے انہماک سے بانسری بجاتے ہوئے دیکھ سکے۔ قامران جب چھپتا چھپاتا اور نے درختوں کی اوٹ سے ایک عجیب منظر دیکھا۔

ایک دوشیزہ بال کھولے' اس کے کندھے سے لگی' آنکھیں موندے بانسری کی لے اور وہ بانسری ہونٹوں سے لگائے' آنکھیں بند کیے' چیزوں کو ساکت کردینے والا راگ چھیڑ تھا۔ بانسری کی آواز سے ہر شے دم بخود تھی' خود قامران سکتے میں آ گیا تھا۔

تب اچانک اس کی محویت ٹوٹی۔ وہ مشٹنڈے جانے کہاں سے نکل آئے تھے۔ ہاتھوں میں مضبوط لاٹھیاں تھیں۔ انہوں نے آتے ہی پہلے تو اس دوشیزہ کا ہاتھ پکڑ کر لاٹھیاں اس کے سر پر برسائی جانے لگیں۔ آناً فاناً سر بکھر گئے۔ اس سے پہلے کہ قامران سوچتا' وہ لٹھ بردار مشٹنڈے اسے مار پیٹ کر اس لڑکی کو گھسیٹتے ہوئے جا چکے تھے۔ اب فضا میں ا کی دلخراش آوازیں گونج رہی تھیں۔

"رنگا...... رنگا۔"

رنگا تو اوندھے منہ بے ہوش پڑا تھا' اس کے سر سے خون جاری تھا۔ وہ اس کی

ن درختوں کی اوٹ سے نکل کر تیزی سے چھلانگیں مارتا رنگا کے پاس پہنچا۔ اٹھا کر اسے سیدھا کیا ھر ادھر کچھ پتے تلاش کرنے لگا۔

پتھروں کی اوٹ سے آخر اسے مطلوبہ پتے دکھائی دے ہی گئے۔ اس نے جلدی سے انہیں اور اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان رگڑتا رنگا کی طرف بڑھا۔ ان پتوں کو مسل کر اس نے زخم پر اعرق ٹپکایا اور مڑے تڑے پتوں کو پھاہے کی طرح زخم پر رکھ دیا۔ سر سے فوارے کی طرح ابلتا نوراً ہی بند ہوگیا۔

تب قامران نے اس خوبصورت نوجوان کو اٹھا کر اپنے کندھے پر ڈال لیا۔ اس کی بانسری ترکش میں رکھی اور نیچے اترنے لگا۔ نیچے آیا تو اس نے ابلا کے پاس ایک گھوڑے کو دیکھا۔ یہ گھوڑا س نوجوان کا ہوگا۔ قامران نے سوچا۔ اس گھوڑے نے اپنے مالک کو زخمی حالت میں دیکھا تو زور سے ہنہنانے لگا۔ اب قامران کو پکا یقین ہوگیا کہ یہ گھوڑا رنگا کا ہی ہے۔

رنگا ابھی تک بے ہوش تھا اور جلد ہی اس کے ہوش میں آنے کے کوئی امکانات نہ تھے۔ کے سر سے خون کچھ زیادہ ہی بہہ گیا تھا۔ قامران نے رنگا کو اس کی پیٹھ پر لاد دیا اور اسے اس طرح دیا کہ وہ گھوڑے سے گر نہ سکے۔ پھر قامران نے گھوڑے کے کولہے پر زور سے ہاتھ مارا۔ گھوڑا ان کی توقع کے مطابق آہستہ روی سے چل پڑا۔ گھوڑے کو چلتا دیکھ کر قامران نے چھلانگ لگائی ا کی پیٹھ پر سوار ہوگیا۔ اس نے اپنی ابلا کو اس گھوڑے کے پیچھے ڈال دیا۔ اس گھوڑے کی رفتار تیز نہ تھی۔ شاید اسے معلوم تھا کہ اگر وہ زیادہ تیز چلا تو اس کا مالک زمین پر آرہے گا۔ ہلکی رفتار ساتھ ہی وہ جھاڑی جھنکاڑیوں سے بچتا' گڑھوں اور ناہموار راستوں سے احتراز کرتا چلا جارہا تھا۔ ے کی اس سمجھ داری پر قامران کو بڑی خوشی ہوئی۔

ایک طرف وہ انسان تھے' جو اس بے رحمی سے اپنی ہی برادری کے آدمی کو زخمی کر کے چلے تھے اور دوسری طرف یہ جانور تھا' جو انسانیت کا ثبوت دے رہا تھا۔

یہ انسان کبھی کبھی جانور کیوں بن جاتا ہے؟ اس سوال کا جواب کسی کے پاس نہ تھا۔ قامران بھی نہیں۔

مغرب تک وہ اسی طرح آگے پیچھے چلتے رہے یہاں تک کہ وہ گھوڑا ایک آبادی میں داخل قامران نے لگام کو جھٹکا دے کر ابلا کی رفتار تیز کی اور گھوڑے کے برابر پہنچ گیا۔ پھر اس نے ھا کر اس گھوڑے کی لگام اپنے ہاتھ میں لے لی۔ سامنے سے آتے ہوئے ایک آدمی کو روک کر نے رنگا کی طرف اشارہ کیا اور پوچھا۔ "کیا اس کا گھر اسی آبادی میں ہے؟"

اس آدمی نے گھوڑے کی پیٹھ پر اوندھے پڑے ہوئے آدمی کو جھک کر دیکھا اور پھر حیرت الا۔ "ارے یہ تو رنگا ہے۔"

پھر اس آدمی نے جلدی جلدی اسے گھوڑے کی پیٹھ سے کھولا اور کندھے پر ڈال کر ایک ھاگا۔ رنگا کا گھر بستی کے شروع ہی میں تھا۔ وہ آدمی بھاگتا ہوا ایک مکان کے سامنے رک گیا۔ ال کے آواز دینے پر ایک ادھیڑ عمر آدمی باہر نکلا' جو صورت سے رنگا کا باپ نظر آتا تھا۔

رنگا کو اس شخص کے کندھے پر پڑے دیکھ کر اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ وہ بھاگ کر رنگا

کے نزدیک پہنچا اور بولا۔ ''آج اس نے پھر مار کھائی ہے کیا؟''

''مجھے نہیں معلوم...... اس نوجوان سے پوچھو۔ وہی رنگا کو بستی میں لایا ہے۔'' اس ا
قامران کی طرف اشارہ کیا۔

تب وہ ادھیڑ عمر آدمی قامران کی طرف بڑھا اور اسے ممنونیت سے دیکھتے ہ

''تمہاری بڑی مہربانی کہ تم اسے یہاں تک لے آئے...... اسے کیا ہوا؟ میں اس کا باپ ہوں۔''

قامران ابلا سے کود پڑا اور بولا ''رنگا کو کچھ آدمیوں نے مارا ہے۔''

''مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ یہ آج پھر پٹ کر آیا ہے۔ کیا اس کے ساتھ کوئی لڑکی ھی
رنگا کے باپ نے پوچھا۔

''ہاں تھی...... لڑکی کو گھسیٹ کر وہ اپنے ساتھ لے گئے۔''

''اوہ! پتا نہیں کیا ہونے والا ہے۔ اس رنگا کے بچے نے تو ہمیں عذاب میں مبتلا کر د
کا باپ جھنجھلا کر بولا۔

''رنگا بے ہوش ہے۔ پہلے ہمیں اس کی خبر لینی چاہیے۔ یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں
قامران نے نرمی سے کہا۔

پھر رنگا کو زمین پر لٹا دیا گیا۔ رنگا کا باپ ایک مٹی کے پیالے میں کالا سا محلول ب
اس نے رنگا کے نزدیک بیٹھ کر اس کے کھلے ہوئے منہ میں اپنی انگلی سے بوند بوند وہ محلول
قطرے اندر جاتے ہی اس کے جسم میں حرکت ہوئی۔ تب جلدی جلدی اس کے منہ پر پانی
دیئے گئے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔

اپنے باپ کو اپنے سامنے پا کر رنگا خجل سا ہوا۔ اسے فوراً ہی اپنے سر پر برتی لا
آ گئیں۔ پھر اس نے بائیں جانب دیکھا تو ایک اجنبی کو کھڑا پایا۔ رنگا نے اپنے دماغ پر بہت
لیکن وہ اس اجنبی کو شناخت نہ کر سکا۔

تب قامران نے اسے الجھن میں دیکھ کر کہا ''میں قامران ہوں، میں ہی تمہیں بے
حالت میں تمہارے گھر تک لایا ہوں۔''

''اوہ! بڑا کرم تمہارا۔'' رنگا نے بڑی نقاہت سے کہا۔

پھر قامران نے اپنے ترکش میں ہاتھ ڈال کر تیروں کے درمیان سے رنگا کی بانسرا
اور جھک کر اس کی خدمت میں پیش کرتا ہوا بولا ''تمہارا ساز، جس کی آواز سن کر میں تم تک پہنچا
تم بانسری خوب بجاتے ہو...... اس کم عمری میں یہ سوز تم نے کہاں سے پایا؟''

ابھی رنگا نے جواب دینے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ ایک آدمی باہر سے بھاگا ہ
اور گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا ''سردار کاکڑ کے آدمی آئے ہیں۔''

سردار کاکڑ کا ذکر سن کر رنگا کا باپ فکر میں ڈوب گیا۔

☆......☆......☆

رنگا کے چہرے پر بھی سوچ طاری ہو گئی۔ پھر رنگا کا باپ اٹھا اور زیر لب کچھ ب
باہر نکل گیا۔ دروازے کے باہر گلی میں دو گھڑ سوار موجود تھے اور بڑی خونخوار نظروں سے ر
تا ہوا دیکھ رہے تھے۔ جب وہ اُن کے نزدیک پہنچ گیا تو ان میں سے ایک سوار نے زبان

''سردار کاکڑ نے دو مرتبہ تمہارے بیٹے کو چھوڑ دیا ہے۔ اب تیسری مرتبہ بھی وہی غلطی دہرائی
ے زندہ گاڑ دیا جائے گا، سمجھے۔''

پھر انہوں نے رنگا کے باپ کے جواب کا بھی انتظار نہ کیا۔ اپنے گھوڑوں کو موڑا اور
اتے ہوئے آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ رنگا کا باپ بے نور آنکھوں سے اڑتی ہوئی دھول
۔ تب قامران نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور ہمدردی سے بولا ''فکر مت کرو...... مجھے
ہ کیا ہے؟''

''اس رنگا نے تو مجھے کہیں کا نہ چھوڑا۔ آج نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ وہ لوگ مجھے میرے
گی دے کر چلے گئے اور میں نے انہیں زندہ سلامت جانے دیا، کچھ نہ کر سکا، کچھ نہ کہہ
ش! رنگا سے وہ گری ہوئی حرکت سرزد نہ ہوئی ہوتی۔''

''گری ہوئی حرکت...... کیا کیا ہے رنگا نے؟''

''نوجوان! یہ اسی سے پوچھو وہی بتائے گا کہ وہ کیا کھیل کھیل رہا ہے۔'' رنگا کے باپ نے
ے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ''اس گدھے نے میری عزت خاک میں ملا دی ہے۔''

یہ کہہ کر رنگا کا باپ باہر چلا گیا۔

قامران کچھ دیر کھڑا سوچتا رہا پھر مکان میں داخل ہوا۔ رنگا بڑی بے تابی سے اس کا منتظر
ھ کر بیٹھ چکا تھا۔ اسے دیکھتے ہی بولا ''کیا ہوا؟ وہ کیا پیغام لائے تھے؟''

''وہ تمہیں زندہ دفن کر دینے کا پیغام لے کر آئے تھے۔'' قامران نے اس کی طرف دیکھتے
ہا۔

''اوہ!'' رنگا کے چہرے پر ایک لمحے کو دکھ کے سائے پھیلے۔ پھر فوراً ہی اس کا چہرہ پُرعزم
وہ بڑے مضبوط لہجے میں بولا ''میں اس کے لیے زندہ دفن ہونا بھی منظور کر لوں گا۔''

''کس کے لیے؟''

''جس کا باپ مجھے زندہ گاڑ دینے کی خواہش رکھتا ہے۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لڑکی جو تمہارے شانے پر بال بکھرائے بیٹھی تھی، وہ سردار کاکڑ کی
...... ذرا اس کا نام بتاؤ۔'' قامران نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''رنگی!'' اس کا نام لیتے ہی رنگا کے چہرے پر رونق آ گئی۔

''رنگی اور رنگا...... جوڑی تو خوب ہے......'' قامران ہنسا۔

''لیکن یہ دنیا والے کہاں مانتے ہیں۔''

''مان جائیں گے...... یہ بتاؤ رنگی کہاں رہتی ہے؟''

''علاقہ غیر میں۔''

''یہ محبت بھی خوب ہوتی ہے۔ ہمیشہ علاقہ غیر میں جنم لیتی ہے تاکہ آزمائشیں اور بڑھیں۔
ہارے اپنے علاقے میں کوئی لڑکی نہ تھی، جس سے تم محبت کر سکتے؟''

"محبت اگر علاقے نہیں دیکھتی تو پھر وہ ذات اور نسل بھی نہیں دیکھتی اور اتنی بے ا... ہے کہ کچھ سوچنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔" رنگا نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔ "کاش! محبت نہ... بھی دخل ہوتا۔"

"رنگی تمہیں کہاں ملی تھی؟" قامران نے براہ راست سوال کیا۔

"نیلی جھیل کے کنارے!" رنگا نے بتانا شروع کیا۔ "میں وہ شام وہ پہلی ملاقات نہ... بھول سکتا۔ میں ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے بانسری سے کھیل رہا تھا۔ میری نظریں... نیلے پانی اور اس میں کھلے سفید کنول کے پھولوں کا طواف کر رہی تھیں۔ کچھ آبی پرندے غول کی... میں جھیل پر اِدھر سے اُدھر اُڑ رہے تھے۔ میں اس منظر میں ڈوبا بانسری کے بدن پر اپنی انگلیاں... تھا۔ اس کے منہ سے مسحور کن آواز نکل رہی تھی...... اس فطری منظر اور ساز کی مسحور کن آواز نے... خود کر دیا تھا۔ تب اچانک ہی کوئی میرے سامنے آ کھڑا ہوا۔ جیسے اچانک چاند بادلوں کی اوٹ سے... یا گھنگھور گھٹا میں بجلی چمکے یا اندھیری رات میں سورج نکل آئے۔ بس وہ ایسے ہی چھم سے... سامنے آ گئی تھی۔ اسے دیکھ کر جیسے مجھے ہوش آ گیا۔ بانسری کے بدن پر میری انگلیاں تھم... گئیں۔ فطری مناظر ایک ایک کر کے دھواں ہو گئے۔ سامنے کچھ نہ رہا۔ بس وہ رہ گئی، رنگی جو... تھا۔ ساری کائنات کا حسن سمیٹے وہ میرے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گئی۔ جیسے کوئی شاگرد اپنے ا... سامنے بیٹھ جائے۔ میں نے اسے حیرانی سے دیکھتے ہوئے بانسری لبوں سے ہٹائی تو اس... یاقوتی لب کھولے اور بانسری کی طرح سریلی آواز میں بولی "لبوں سے بانسری نہ ہٹاؤ، اس... سے اپنی انگلیاں نہ اٹھاؤ، بانسری بجاؤ۔"

تب میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور دیکھتے ہوئے بانسری پر اپنے ہا... دیے۔ وہ شرما گئی، لجا گئی۔ حالانکہ میں نے اپنے ہونٹ بانسری کے منہ پر رکھے تھے۔ ... انگلیاں حرکت میں آ گئیں اور بانسری سے ایسی دُھن نکلنے لگی، جس کے بارے میں مجھے پہلے... تھا۔ محبت کا پہلے سے کسے علم ہوتا ہے۔ کب اور کہاں ہو جائے؟ بانسری کے منہ سے نکلنے وال... کوئی معمولی آواز نہ تھی، وہ تو محبت کا راگ تھا۔ شام ڈھلے جب وہ مجھ سے رخصت ہونے... میں نے اسے نیلی جھیل سے ایک کنول کا پھول توڑ کر دیا اور اُس سے اگلی شام آنے کو کہا... نے ہنستے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی اور میرے دل کے آنگن پر امید کے تارے چھوڑ کر... کی اوٹ میں سورج کی طرح غروب ہو گئی۔ پھر ہر نئے دن کا سورج میرے لئے محبت لانے لگا۔

ہم روز روز ملنے لگے۔ عشق کے نغمے گائے جانے لگے۔ حسن کے قصیدے پڑھے جانے لگے۔ محبت کا یہ سفر ایک طویل عرصے تک جاری رہا۔ جب پیار کی راہ پر بہت دُور نکل گئے تب... معلوم ہوا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے علاقہ غیر کے ہیں۔ ہماری ذاتیں الگ ہیں، ہمارے... جدا ہیں۔ یہ جاننے کے باوجود ہم میں سے کسی نے واپس لوٹنے کی کوشش نہیں کی۔ ہم آگے ہی... بڑھتے گئے۔ پھر مشک کی طرح ہمارا عشق چھپ نہ سکا۔ اس کے باپ نے اُس کے پاؤں میں زنجیر... ڈالنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ ہر بندش، ہر قید توڑ کر مجھ سے ملنے آتی رہی۔ اس پر حربے کارگر نہ ہو...

...ری آزمائش شروع ہوئی۔ پہلے مجھے تنبیہیں کی گئیں، دھمکیاں دی گئیں۔ میں نے انہیں ایک کان... پھر ایک دن مجھ پر حملہ کیا گیا۔ وہ لوگ اپنے غصے کی بھڑاس نکال کر چلے گئے۔ تب ہم نے... ملاقات کی جگہ ایک بار پھر بدل دی۔

وہ مجھ سے بانسری بجانے کی ضد کرتی۔ میں اسے بہانے بنا کر ٹال دیتا۔ آخر ایک دن مجھ... الا گیا اور وہ دن آج کا دن تھا۔ میں نے کئی دنوں بعد بانسری ہونٹوں سے لگائی تھی۔ اسے... سے لگاتے ہی عجیب سرور حاصل ہوا۔ میں پہلے مدھم سروں میں راگ الاپتا رہا۔ رنگی کو بہلاتا... میں بے خود ہو گیا اور بانسری کی آواز دُور تک پھیلتی اور پھسلتی گئی۔ پھر میری آنکھ اس وقت کھلی... سے سر پر لاٹھی کی ضرب لگی اور رنگی کو کسی نے میرے پہلو سے کھینچا۔ اس کے بعد پھر مجھے ہوش... جب ہوش آیا تو خود کو اپنے گھر میں پایا۔ بعد کے واقعات کا تمہیں علم ہی ہے۔ اگر کوئی بات... ہو تو بتاؤں۔" رنگا نے سر دیوار سے ٹکاتے ہوئے کہا۔

"نہیں، اب کچھ بتانے کی ضرورت نہیں...... میں نے ساری باتیں اچھی طرح سمجھ لی ہیں۔" ...ن نے جواباً کہا۔ "اب تم نے کیا سوچا ہے؟"

"میں کیا سوچوں؟...... سوچنے کا وقت تو نکل چکا......" رنگا نے کہا۔

"اب رنگی سے تمہاری ملاقات کب ہو گی؟"

"کل شام۔"

"تمہارا کیا خیال ہے...... اس سنگین صورتِ حال کے پیشِ نظر وہ تم سے ملنے آ سکے گی؟" ...نے سوال اٹھایا۔

"جب تک اس میں سانس ہے، اسے ملنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔"

"اِس قدر محبت ہے اُسے تم سے؟"

"اُسے ہی نہیں...... مجھے بھی اس سے اتنی ہی محبت ہے۔ میری راہ بھی میری موت ہی روک ... ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ زندہ گاڑ دینے کی دھمکی کے باوجود کل تم رنگی سے ملنے جاؤ گے؟"

"ہاں جاؤں گا...... ضرور جاؤں گا...... مجھے زندہ گاڑا جا سکتا ہے، لیکن میری محبت کو نہیں۔" ...بڑے یقین سے کہا۔

"اگر کل تم دونوں کو ہی زندہ گاڑ دیا گیا تو پھر کیا فائدہ ہو گا؟"

"محبت میں فائدہ کون دیکھتا ہے...... قامران یہ تو سراسر گھاٹے کا سودا ہے۔" رنگا نے ... ہوئے کہا۔

"کون کہتا ہے کہ محبت گھاٹے کا سودا ہے۔ محبت تو بڑی عظیم چیز ہے، میرے دوست...... ...ا ایک گھڑی، ہزار سالہ زندگی کے برابر ہے...... میری خواہش ہے کہ تم دونوں کی کسی صورت ... ہو جائے۔" قامران نے سوچتے ہوئے کہا۔

"اس جنم میں تو یہ ممکن نہیں۔" رنگا نے مایوسی سے کہا۔

"وجہ؟"

"وہی رنگ ونسل' غیرعلاقے کی باتیں...... میں کالا ہوں تو گورا ہے...... میں چھوٹے
ہوں تو بڑے قبیلے کا ہے...... میرے باپ دادا ریگستانوں سے آئے تھے' تیرے باپ دادا پہاڑوں
آئے تھے...... پھر ہم آپس میں شادی کیوں کریں!"

"ہاں! یہ شادی نہیں ہوسکتی۔" اچانک پشت سے آواز آئی۔

دونوں نے پلٹ کر دیکھا...... دروازے میں رنگا کا باپ کھڑا تھا۔

"اگر تو اس لڑکی سے شادی کے خواب دیکھ رہا ہے تو خود کو نیند سے جگا لے'
کھول لے...... میں سردار کاکڑ کے قبیلے کی لڑکی لانے کو تیار نہیں...... اور اب میں نے
لڑکی سے ملتا دیکھ لیا تو سردار کاکڑ سے پہلے میں خود تجھے زندہ دفن کردوں گا۔" یہ کہہ کر
لال پیلا ہوتا رنگا کا باپ گھر کے اندر چلا گیا۔ "کمبخت نے میری عزت خاک میں ملا کر
ہے۔"

"یہ بزرگ لوگ محبت کے اس قدر دشمن کیوں ہوتے ہیں؟" رنگا نے اپنے باپ
جانے کے بعد آہستہ سے کہا۔

"اپنے بابا سے بلا کر پوچھ لو...... کہو تو آواز دوں؟" قامران نے آنکھ مارتے ہوئے

"بس' بس...... ان کی اتنی ہی گالیاں کافی ہیں' اچھا چھوڑو ان باتوں کو' کچھ اپنے بار
بتاؤ کہ تم نے مجھے کب اور کیسے دیکھا۔" رنگا نے موضوع بدلا۔

"میں بانسری کی آواز سن کر تم تک پہنچا تھا...... میں نے جب یہ آواز سنی تو بے قرا
اور بے اختیار تمہاری طرف لپکنے لگا۔ رنگا تم بانسری خوب بجاتے ہو۔ اگر رنگی تمہاری بانسری سنتا
ہے' تو وہ حق بجانب ہے۔ تمہاری بانسری کی آواز دل میں ٹیسیں اٹھا دیتی ہے۔ آدمی دم بخود ر
ہے۔ تم نے کہاں سے سیکھی یہ بانسری؟"

"کسی سے نہیں...... بس خود بخود بجانی آ گئی اور جب سے رنگی ملی' تب سے میرے سا
ایک کشش پیدا ہوگئی' اس میں درد سمو گیا' سوز اکٹھا ہوگیا...... جب میں بانسری بجاتا ہوں تو مجھے اپا
نہیں رہتا' اردگرد کی خبر نہیں رہتی۔ بند آنکھوں میں رنگی بسی ہوتی ہے اور میری انگلیاں بانسری کے
پر رقص کرتی رہتی ہیں اور میرے ہونٹ اسے چومتے رہتے ہیں۔ میرے چاروں طرف رنگ ہی
بکھرے ہوتے ہیں اور میں خود کو فضا میں تیرتا ہوا محسوس کرتا ہوں۔" رنگا بڑی وارفتگی سے بولے
تھا۔

قامران بیٹھے بیٹھے کچھ اس طرح چونکا جیسے اڑتی چڑیا ہاتھ میں آ گئی ہو۔

"تمہیں کیا ہوا؟" رنگا نے اسے چونکتے دیکھ کر پوچھا۔

"ایک بات دماغ میں آئی ہے...... اگر تم میرے کہے پر عمل کرلو تو شاید کام بن جا
قامران کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"کہو!" رنگا ہمہ تن گوش ہوگیا۔

"کیا یہ نہیں ہوسکتا ہے کہ تم کل رنگی سے ملنے کا ارادہ ترک کردو؟"

"کیوں...... اس سے کیا فائدہ ہوگا؟"

"میرا خیال ہے کہ بات بڑھنے سے رک جائے گی...... سردار کاکڑ تمہیں زندہ دفن
کی دھمکی دے ہی چکا ہے۔ اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ تمہیں پاتال میں سے
کرلے گا...... میں چاہتا ہوں کہ اس کے مشتعل ہونے سے پہلے ہی اس سے ملاقات

"ملاقات......! یہ مسئلہ ملاقاتوں سے حل ہونے والا نہیں...... اگر میں کل رنگی سے ملنے نہ
مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھے بزدل نہ سمجھ لے۔" رنگا نے فکرمند ہوتے ہوئے کہا:

"آخر پورے مرد ہی نکلے!"

"کیا مطلب؟"

"مردوں کو اپنی مردانگی دکھانے کا بڑا شوق ہوتا ہے اور وہ بھی خاص طور سے عورتوں کو۔"
نے ہنستے ہوئے کہا۔

"نہیں...... یہ بات نہیں۔"

"پھر کیا بات ہے؟"

"میں نہیں چاہتا کہ وہ تنہا رہ جائے۔"

"وہ تنہا رہے گی نہ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوگی' اس کا وعدہ میں کرتا ہوں...... تم اگر ایک دن
کام لے جاؤ تو اس بات کے بہت امکانات ہیں کہ رنگی ہمیشہ کے لیے تمہاری ہو جائے۔"
نے یہ بات بڑے یقین سے کہی۔

رنگا یہ سن کر چونک اٹھا اور اسے حیرت سے دیکھتے ہوئے بولا: "یہ کیسے ممکن ہے
...... کیوں مجھے خواب دکھا کر عذاب میں مبتلا کرنا چاہتے ہو۔"

"کیا تم اب عذاب میں مبتلا نہیں؟"

"ہاں' ہوں لیکن جانتا ہوں کہ اندھیرے میرے مقدر میں لکھ دیئے گئے ہیں' تم اجالوں
ے کر مجھے پھر سے اندھیروں میں دھکیل دینا چاہتے ہو۔" رنگا نے چھت کو گھورتے ہوئے

"رنگا! تم مجھے ایک دن کا موقع دینے کے لیے بھی تیار نہیں...... بڑے افسوس کی بات ہے
مران نے کسی قدر خفگی سے کہا۔ "ایسی بھی کیا بے یقینی؟"

"تم کیا کرنا چاہتے ہو؟ کچھ بتاؤ تو سہی۔" رنگا آخر راہ راست پر آنے لگا۔

"میں کچھ نہیں بتا سکتا کہ میں کیا کرنا چاہتا ہوں...... فی الحال اتنا ہی جان لو کہ میں کل
کڑ سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے ملو...... لیکن اتنا جان لو کہ وہ کوئی اچھا آدمی نہیں ہے۔ یہ ملاقات تمہیں مشکلوں
سکتی ہے۔"

"میں ہر مشکل سے گزرنے کی صلاحیت رکھتا ہوں' تم میری بالکل فکر نہ کرو۔" قامران نے
اتھ مضبوطی سے تھامتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر بعد رنگا کا باپ اندر سے کھانے پینے کی چیزیں لے آیا اور وہ تینوں بیٹھ کر مزے

سے کھانے لگے۔

رات گہری ہوتے ہی قامران نے اپنی ٹانگیں پھیلا دیں اور آنکھیں بند کرکے • تیاریاں کرنے لگا۔

صبح ہوتے ہی قامران نے سردار کاکڑ کی بستی کی طرف رخ کیا۔ اس نے چلتے ہ سے اس کی نشانی لے لی تھی اور پیغام بھی تاکہ وقت ضرورت کام آئے۔ وقت رخصت رنگا بڑی کی کیفیت میں تھا...... ساتھ ہی وہ قامران کا احسان مند بھی تھا جو اپنی جان جوکھوں میں ڈال بچھڑے ہوؤں کو ملانے کی کوشش میں نکل کھڑا ہوا تھا۔

رنگا کے بتائے ہوئے پتے پر چلتے چلتے آخر اسے آبادی کے آثار دکھائی دینے لگے نے آج تک رنگی کا گھر نہیں دیکھا تھا اور وہ دیکھ بھی نہیں سکتا تھا' بس اس نے دور ہی سے اس کے نشانات دیکھے تھے۔ اب یہی نشانات قامران کے سامنے تھے۔ وہ بے دھڑک گھوڑی سردار کاکڑ کی بستی میں داخل ہوگیا۔ بستی میں گھستے ہی اس پر مصیبت نازل ہوگئی۔ کسی نے اچانک رسی کا پھندا پھینکا اور جھٹکا دے کر کھینچ لیا۔ قامران اس آفت ناگہانی کے لیے تیار نہ تھا۔ وہ سیدھا پر آرہا۔ ابھی وہ سنبھلنے کی کوشش میں ہی تھا کہ کئی مشٹنڈے اس پر ٹوٹ پڑے۔ سنبھلنے کی رہی سہی بھی جاتی رہی۔

''کون ہوتم؟'' ایک مشٹنڈے نے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

''کیا یہ سردار کاکڑ کی بستی ہے؟'' سوال کا جواب سوال۔

''ہاں۔'' اس مشٹنڈے نے تیوریاں چڑھاتے ہوئے کہا۔

''میں سردار کاکڑ سے ملنا چاہتا ہوں۔'' قامران نے پوری سنجیدگی سے کہا۔

''تم اس سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟''

''میں اس سے پوچھوں گا کہ تمہاری بستی میں مہمانوں کے ساتھ کیا یہی سلوک ہے۔'' قامران نے اپنے گرد رسی کو گھورتے ہوئے کہا۔

''اس بستی میں مہمان صرف وہی ہوتا ہے جسے ہم بلائیں...... کیا تم سردار کاکڑ یا بستی اور فرد کے بلاوے پر یہاں آئے ہو؟''

''نہیں...... میں تو مسافر ہوں۔''

''پھر تم مہمان کیسے ہوئے...... مسافر کبھی مہمان نہیں ہوسکتا۔''

''عجب دستور ہے تمہاری بستی کا۔'' قامران حیران تھا۔ ''میں مانے لیتا ہوں کہ میں مہمان ہوں' مسافر ہوں...... پر یہ تو بتاؤ کہ مسافروں کے ساتھ بھی تم یہی سلوک روا رکھتے ہو۔''

''اس بستی میں مسافروں کے لیے کوئی جگہ نہیں...... کیونکہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ مسافر چند کی پناہ مانگتا ہے' پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہماری بستی میں رہ جاتا ہے۔ جو ہماری بستی میں چند جائے سردار کاکڑ اسے یہاں رہنے کی اجازت دے دے اسے پھر بستی سے کوئی نہیں نکال سکتا۔ جائے تو چلا جائے۔''

''میں مسافر ضرور ہوں لیکن تمہاری بستی میں رہائش کے ارادے سے نہیں آیا ہوں۔''

''شروع شروع میں سب یہی کہتے ہیں۔ جب مفت کی خوراک ملنے لگتی ہے تو ہر مسافر اپنی دل جاتا ہے اور ہماری خوراک میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ساجھے دار بن جاتا ہے۔''

''میں یہاں صرف تمہارے سردار سے ملنے آیا ہوں۔ میں اس بات کا تم سے وعدہ کرتا ہوں سے ملاقات کرکے میں رات ہونے سے پہلے ہی یہاں سے چلا جاؤں گا اور جب تک یہاں اپنا کھاؤں گا۔ میرے پاس وافر مقدار میں خوراک موجود ہے۔'' قامران نے اسے یقین کوشش کی۔

''اس کا فیصلہ سردار کاکڑ ہی کرے گا...... تمہیں اسی طرح ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔'' اس نے کہا۔

''مجھے تم جس طرح چاہو لے چلو۔''

پھر ان مشٹنڈوں نے قامران کو اسی طرح بندھے بندھے اٹھالیا اور تیز تیز ایک طرف کو چلنے یک مشٹنڈا ابلا کی لگام پکڑے لیے آرہا تھا۔ کافی دیر چلنے کے بعد بھی سردار کاکڑ کی رہائش گاہ نہ بستی کی آبادی ہی ختم ہوگئی اور وہ لوگ ایک چھوٹے سے میدان میں آنکلے۔ اس میدان کے بیچ وڑا سا چبوترا تھا اور اس میں ایک مضبوط سی بلی گڑی ہوئی تھی۔

''تم لوگ مجھے کہاں لے آئے ہو؟'' قامران نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔

''خاموش رہو...... اگر زیادہ بولو گے تو سردار کاکڑ کی ملاقات سے محروم ہو جاؤ گے۔'' وہی بولا۔

قامران نے پھر خاموشی اختیار کرلی اور خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا۔ ان مشٹنڈوں اسے چبوترے پر چڑھا کر بلی کے سہارے کھڑا کر کے رسیوں سے جکڑ دیا...... پھر انہوں نے آپس لرلی بات کی اور اس مشاورت کے نتیجے میں دو مشٹنڈے بستی کی طرف روانہ ہوگئے۔ بقیہ آدی ے پر اس طرح بیٹھ گئے جیسے انہیں کسی چیز کا انتظار ہو۔ اپنے مالک کو بندھے دیکھ کر ابلا زور زور ہنہنانے لگی۔ قامران نے اپنے منہ سے تیز تیز آوازیں نکال کر اسے دلاسہ دیا۔ تب وہ سر ڈال کر لی سے کھڑی ہوگئی۔

تھوڑی دیر میں قامران کو سامنے سے ایک بہت لمبا مگر سوکھا سڑا سا آدمی آتا ہوا نظر آیا۔ کے آگے پیچھے وہ دونوں مشٹنڈے تھے اور اس کے کانوں میں چاندی کے بڑے بڑے بالے پڑے تھے۔ قامران کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ سردار کاکڑ کے سوا کوئی اور نہیں۔

سردار کاکڑ چھلانگ مار کر چبوترے پر چڑھا۔ اس نے پہلے بغور قامران کا معائنہ کیا اور اسے ظروں سے دیکھتے ہوئے حکم دیا: ''اپنا ہاتھ لاؤ۔''

تب فوراً اس کے ہاتھ رسی سے آزاد کردیے گئے۔ قامران نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ خلاف سردار کاکڑ نے اس سے ہاتھ ملانے کے بجائے اپنی انگلیاں اس کی نبض پر رکھ دیں اور چند لمحوں لا: ''کون ہوتم؟''

''ایک مسافر۔''

''نام۔''

''قامران۔''

''یہاں کیوں آئے ہو؟''

''سردار کاکڑ......تم سے ملنے۔''

''مجھ سے ملنے۔'' سردار کاکڑ نے پھر اس کی نبض سے ہاتھ ہٹا لیا اور مسکراتا ہوا بولا۔

''بظاہر تو تم سچے دکھائی دیتے ہو۔''

پھر اس نے اپنے ایک مشٹنڈے کو قامران کی رسیاں کھولنے کا حکم دیا اور لمبے لمبے ڈگ جدھر سے آیا تھا' ادھر ہی چلا گیا۔

''نوجوان! تم بڑے خوش قسمت ہو کہ بچ نکلے ورنہ یہاں آنے والا مسافر مشکل ہی کر جاتا ہے۔''

قامران جواب میں صرف مسکرا کر رہ گیا۔ ان مشٹنڈوں نے جلد جلد قامران کو کھولا اور احترام کے گھوڑی پر بٹھا دیا۔

پھر ایک مشٹنڈے نے ابلا کی لگام پکڑی اور وہ سب بستی کی طرف چلنے لگے۔ سردار کا رہائش گاہ پر پہنچ کر قامران ابلا سے کود پڑا۔ اسے اندر لے جایا گیا اور ایک جگہ بٹھا دیا گیا۔ بعد کمرے میں کوئی نہ رہا۔

کچھ دیر انتظار کے بعد سردار کاکڑ اندرونی دروازے سے برآمد ہوا اور تیز تیز ڈگ قامران کی طرف بڑھا۔ قامران اسے دیکھ کر احتراماً کھڑا ہو گیا۔ سردار کاکڑ نے نزدیک آ کر قا سے ہاتھ ملایا اور تین بار زور سے جھٹک کر چھوڑ دیا۔ ان جھٹکوں نے قامران کو پورا ہلا دیا۔ تب قامر اندازہ ہوا کہ اس ہڈی کے ڈھانچے میں کتنی جان ہے۔

''بیٹھو......نوجوان۔'' سردار کاکڑ کے لہجے میں اب تحکم نہ تھا۔

قامران چاروں طرف نظریں دوڑاتا آہستہ سے بیٹھ گیا۔ اسے کسی کھڑکی کسی جھروکے کوئی من موہنی صورت دکھائی نہ دی۔

''اب کہو نوجوان ......تم ہم سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟''

ابھی قامران سوچ ہی رہا تھا کہ بات کہاں سے شروع کرے کہ اتنے میں ایک مشٹنڈا داخل ہوا اور سردار کاکڑ کے نزدیک آ کر بولا:

''سردار......رنگا کے بارے میں کیا حکم ہے؟''

''وہی جو کل تھا۔'' سردار کاکڑ نے اپنی پیشانی پر بل ڈال کر کہا۔ ''اپنے آدمی چپے چپے پھیلا دو۔ جہاں بھی رنگا دکھائی دے جائے' اسے اٹھا لاؤ...... پھر میں دیکھوں گا کہ اسے کون موت منہ سے نکالتا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' یہ کہہ کر مشٹنڈا مودبانہ مڑا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

''پیدا ہوتے نہیں ہیں عشق کرنا شروع کر دیتے ہیں۔'' سردار کاکڑ زیر لب بڑبڑایا۔

''کیا ہوا سردار...... یہ عشق کا کیا سلسلہ ہے؟' قامران نے بڑے بھولپن سے پوچھا۔

''غیر علاقے کے ایک لڑکے نے پریشان کر رکھا ہے...... وہ کمبخت میری بیٹی کے پیچھے پڑا

''اور تمہاری بیٹی؟''

''وہ معصوم اور بھولی ہے۔''

''میرا مطلب تھا' اس لڑکے میں اس کی دلچسپی کس حد تک ہے؟''

''سچی بات تو یہ ہے کہ میری بیٹی رنگی اس سے زیادہ اس کی دیوانی ہے۔'' سردار کاکڑ نے گی سے کہا۔ ''شام ہوتے ہی وہ کسی نہ کسی طرح بستی سے نکل جاتی ہے۔''

''پھر قصوروار وہ اکیلا تو نہ ہوا...... پکڑے جانے پر کیا سزا دونوں کو ملے گی؟'' قامران نے بات پوچھی۔

''نہیں' سزا صرف اسی کو ملے گی...... میری بیٹی بڑی نازک اور پھولوں کی طرح شاداب اور ہے۔'' سردار کاکڑ نے سنجیدگی سے کہا۔

وہ بھی تو کسی کو پیارا ہوگا؟ قامران نے سوچا لیکن زبان سے کچھ نہ کہا۔ وہ سردار کاکڑ سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ کچھ دیر وہ دونوں خاموش بیٹھے رہے۔

''ہاں' نوجوان تم اپنی کہو؟'' سردار کاکڑ اچانک گویا ہوا۔

''سردار کاکڑ میں اپنے علاقے سے سونے کی تلاش میں نکلا تھا۔ دنیا کی خاک چھانتا آخر ان بتوں تک جا پہنچا ہوں جن میں بے شمار سونا بھرا ہوا ہے۔'' اتنا کہہ کر قامران قصداً رک گیا۔

وہ سردار کاکڑ کا ردعمل دیکھنا چاہتا تھا۔ دولت انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ اس ہی کی بدولت جہاں انسان خود خوار ہوتا ہے وہاں دوسرے کو خوار بھی کر سکتا ہے۔

سونے کا ذکر سن کر سردار کاکڑ قامران کے نزدیک کھسک آیا۔ اس کے چہرے سے خوشی لگی اور وہ لمبے لمبے سانس لے کر بولا: ''نوجوان! کہاں ہیں' وہ بت جن میں سونا بھرا ہوا ہے۔ لدی سے بتاؤ۔''

''وہ بت یہاں سے زیادہ دور نہیں۔'' قامران نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''سردار میں چاہتا ہ تم سونا نکالنے میں میری مدد کرو۔''

''ضرور...... ضرور...... نوجوان...... یہ بتاؤ تم نے یہاں کسی اور سے تو سونے کا ذکر نہیں

''نہیں...... اب میں اتنا کچا بھی نہیں۔''

''خوب' خوب ...... قامران...... ہم کب سونا نکالنے وہاں چلیں گے۔''

''سونا نکالنے سے پہلے میں وہ جگہ تمہیں دکھانا چاہتا ہوں' صرف جگہ...... اتنا یاد رکھو کہ تم بغیر وہاں سے سونا نہیں نکال سکو گے۔''

''مجھے نکالنے کی ضرورت بھی نہیں ...... بتاؤ پھر ہم وہاں کب چلیں گے۔''

''کل صبح۔'' قامران نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''اوہ... صبح تو بہت دور ہے......نوجوان ابھی کیوں نہیں چلتے۔'' سردار کاکڑ کی حالت تو بل

سردار کاکڑ کی حالت دیکھ کر اب قامران کو کام بننے کی امید ہو چلی تھی۔

''صرف ایک رات درمیان میں ہے سردار...... صبر کرو' صبر کا پھل بڑا میٹھا ہوتا
قامران نے اس کی بے قراری سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

''صبر نہیں ہوتا' قامران ...... مجھے ابھی وہاں لے چلو۔''

''چلو ٹھیک ہے......تم بھی کیا یاد کرو گے......ابھی چلو' نکالو گھوڑا۔''

سردار کاکڑ یہ سن کر بے اختیار اچھل پڑا اور بڑے جوش سے قامران سے لپٹ گیا۔
نے بڑی مشکل سے اس کیکڑے سے اپنی جان بچائی۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں کالے دریا کے کنارے کھنڈروں کی طرف بڑھے چلے جا
تھے۔ دوپہر کو وہ ان کھنڈروں میں پہنچ گئے۔ قامران نے سردار کاکڑ کو تہہ خانے کے باہر کھڑا کیا اور
تیزی سے سیڑھیاں اترتا اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں
کے بڑے بڑے ٹکڑے تھے۔ اس نے وہ چمکتے ٹکڑے سردار کاکڑ کے ہاتھ پر رکھ دیے اور بولا
دیکھو۔''

سونا دیکھ کر سردار کاکڑ پر نشہ سا سوار ہو گیا۔ وہ جھومتا ہوا بولا: ''یہ تم کہاں سے لائے
بت کہاں ہیں؟''

''آؤ...... میرے ساتھ ...... تمہیں وہ بت بھی دکھا دوں۔''

پھر قامران نے اسے تہہ خانے سے گزار کر دلدل سے گھرے ان بتوں کا نظارہ کروا

''یہ تو بہت بڑے بڑے ہیں...... ان میں تو بے شار سونا ہوگا۔''

''ہاں بے شار...... اور یہ سب سونا تمہارا ہو سکتا ہے لیکن ایک شرط پر۔''

''شرط بتاؤ...... میں سونا حاصل کرنے کے لیے تمہاری ہر شرط پوری کرنے کے
ہوں۔''

''بس پھر ٹھیک ہے......اب واپس چلو بستی میں وہیں بات ہوگی۔''

سردار کاکڑ نہ چاہتے ہوئے بھی گھوڑے پر سوار ہو گیا اور بے دلی سے بستی کی طرف
لگا۔ سورج چھپنے سے پہلے وہ بستی میں پہنچ گئے۔ ابھی وہ بستی میں داخل ہوئے ہی تھے کہ ایک
بھاگتا ہوا نزدیک آیا اور بڑے فخر سے بولا۔

''سردار......رنگا کو ہم نے پکڑ لیا ہے۔''

''کہاں ہے وہ خبیث؟''

''وہ ادھر میدان میں۔''

سردار کاکڑ نے اپنے گھوڑے کو زور سے ایڑ لگائی۔ نتیجے میں قامران نے بھی ابابا کو
اشارہ کیا۔ جب وہ دونوں میدان میں پہنچے تو قامران نے عجب منظر دیکھا۔

رنگا چبوترے پر بلی سے رسیوں سے جکڑا ہوا تھا اور چبوترے کے نیچے چند مشٹنڈ
کھودنے میں مصروف تھے۔

☆......☆......☆

قامران نے بڑی حیرت سے رنگا کی طرف دیکھا۔ اسے اس وعدہ خلافی کی ہرگز امید نہ
نگا نے ایسا آخر کیوں کیا؟ قامران نے سوچا۔

رنگا نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا' اسے خالی خالی نظروں سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں کچھ نہ
شرم نہ ندامت نہ الجھن۔

قامران نے سوچا' آگے بڑھے اور اس سے پوچھے کہ اس نے وعدہ خلافی کیوں کی؟ وہ گھر
یوں نکلا جبکہ اس نے رنگی سے آج نہ ملنے کا وعدہ کر لیا تھا۔ پھر وہ کچھ سوچ کر رک گیا۔ وہ ابھی
سے اپنا تعلق ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تب قامران نے اس سے نظریں چرا لیں' اجنبی بن گیا۔

پھر قامران کو خیال آیا کہ سردار کاکڑ کیونکہ بستی میں نہ تھا' اس موقع سے رنگی نے فائدہ
لے کی سوچی ہوگی اور وہ رنگا سے ملنے نکل پڑی ہوگی۔ ادھر رنگا جس نے رنگی سے نہ ملنے کا وعدہ کر
تھا' وقت مقررہ پر بے چین ہو اٹھا ہوگا۔ اس کے ہونٹ بانسری کو منہ سے لگانے اور اس کے بدن
انگلیاں رقصاں کرنے کے لیے مچل اٹھے ہوں گے۔ اور وہ یوں ہی اپنی بستی سے نکل کر کسی
کے نیچے بانسری سے کھیلنے بیٹھ گیا ہوگا۔ آخر رنگی ڈھونڈتی ڈھانڈتی بانسری کی آواز پر اس کے
جا پہنچی ہوگی اور ابھی وہ دونوں کوئی بات بھی نہ کر پائے ہوں گے کہ سردار کاکڑ کے مشٹنڈے ان
آ پڑے ہوں گے اور یوں کھیل ختم ہو گیا ہوگا...... رنگا سے وعدہ خلافی ضرور رنگی نے کروائی ہوگی۔
یہ سوچ کر قامران نے اپنا دل بہلایا۔

رنگا کو بلی سے بندھے دیکھ کر سردار کاکڑ اچانک غضب میں آ گیا۔ وہ اچھل کر چبوترے پر
اور رنگا کے نزدیک پہنچ کر اس نے ایک زور دار ہاتھ مارا کہ رنگا کا چہرہ پھر گیا اور اس کے بائیں
پر سردار کاکڑ کی پانچوں انگلیاں ابھر آئیں۔

''ذلیل ...... کتے...... تجھے آخر تیری موت یہاں تک لے ہی آئی۔'' سردار کاکڑ نے دانت
ہوئے کہا۔ پھر وہ اپنے ایک مشٹنڈے سے مخاطب ہو کر بولا۔

''اس عاشق کے بچے کو زندہ زمین میں گاڑ کر اس پر کتے چھوڑ دو اور رنگی کو اس کا تماشا
دکھاؤ۔''

یہ کہہ کر سردار کاکڑ چبوترے سے کودا' اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور قامران کی طرف اشارہ
کرکے بولا: ''آؤ قامران چلیں۔''

قامران نے چلتے ہوئے رنگا پر نظر ڈالی اور نظروں ہی نظروں میں اسے پریشان نہ ہونے کا
اشارہ دیا۔ رنگا کچھ سمجھا' کچھ نہ سمجھا۔

تھوڑی دیر بعد قامران سردار کاکڑ کی رہائش گاہ کے ایک کمرے میں بیٹھا ہوا تھا جبکہ سردار کاکڑ اندر گیا ہوا تھا۔ آخر سردار کاکڑ کچھ بڑبڑاتا ہوا اندر داخل ہوا جسے قامران نے کچھ لیے اس نے پوچھا:

"کیا ہوا سردار......؟"

"رنگی کہتی ہے کہ اگر رنگا کو کچھ ہو گیا تو میں بھی زندہ نہ رہوں گی۔" سردار کاکڑ نے کچھ غم سے بتایا۔ قامران یہ سن کر زیرلب مسکرایا۔

"سردار! پھر تم نے کیا سوچا ہے۔ کیا رنگا کو تم مروا دو گے؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں...... کبھی جی چاہتا ہے کہ رنگی کو بھی اس کے ساتھ دوں۔"

"کیا تم اتنے پتھر دل ہو سکتے ہو؟"

"نہیں...... یہ ممکن نہیں۔"

"پھر میری ایک بات مانو...... رنگی کو رنگا کے حوالے کر دو۔"

"یہ بھی نہیں ہو سکتا۔"

"فرض کرو تم نے رنگا کو زندہ دفن کروا دیا' اس کے بعد اگر رنگی نے زندگی سے منہ تم کیا کرو گے...... تم کچھ نہیں کر سکو گے...... اپنی نازک اور پھول سی بیٹی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دھو بیٹھو گے جبکہ دوسری صورت میں تم جب چاہو گے رنگی سے مل سکو گے۔ وہ رنگا کی ہونے کے تمہارے آس پاس رہے گی...... میرا خیال ہے کہ تم اسے اپنی انا کا مسئلہ نہ بناؤ اور اپنی بیٹی کو رنگا کے حوالے کر دو۔" قامران نے اسے راہ راست پر لانے کی کوشش کی۔

"مر کر بھی نہیں۔" سردار کاکڑ بالکل ہتھے سے اکھڑ گیا۔

"اگر میں اس بات کو بطور شرط پیش کروں تو۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"اگر میں یہ کہوں کہ تمہیں سونا صرف اسی صورت میں ملے گا جب تم رنگی کو رنگا کے کر دو گے تو......"

"نوجوان! یہ کہہ کر تم مجھے الجھن میں ڈال رہے ہو۔" سردار کاکڑ کا چہرہ سیاہ پڑ گیا۔ "میری سمجھ میں نہیں آیا کہ تمہیں ان دونوں سے اتنی دلچسپی کیوں ہے۔ ان دونوں کے ملاپ سے تم کو کیا فائدہ پہنچے گا؟"

"سردار کاکڑ میں تاجر نہیں ہوں۔ سیاح ہوں جو نفع نقصان کی سوچوں' سیاح کی تجربات ہوتے ہیں جو اسے راہ باٹ میں ملتے جاتے ہیں' ویسے بھی میں محبت کو انسانیت کی معراج ہوں۔ رنگا اور رنگی میرے لیے قابل احترام ہیں۔ ان پر میں دنیا جہان کی دولت نچھاور کر سکتا ہوں تو صرف تھوڑا سا سونا ہے۔"

"سردار کاکڑ کو پہلی بار کسی کی باتوں نے اتنا متاثر کیا ہے...... نوجوان! میں اتنا تو ہوں کہ رنگا کو سزائے موت سے بچا لوں...... رنگی کو اس کے حوالے کرنا میرے لیے بہت مشکل ہے۔

"سردار کاکڑ تمہاری بیٹی اس کی زندگی ہے...... وہی نہ ملی تو پھر موت اور زندگی اس کے لیے ہیں...... بہتر ہو گا کہ تم اسے مروا دو اور مجھے بھی اجازت دو۔ مجھے افسوس ہے کہ سونا میں تمہارے لیے نہ کر سکوں گا۔" قامران یہ کہہ کر کھڑا ہو گیا۔ "تم یہ مت سمجھنا کہ تم نے کیوں کہ وہ جگہ دیکھ لی اس لیے میرے بغیر آسانی سے سونا وہاں سے نکال لو گے۔ یاد رکھو! میرے بغیر تمہیں وہاں سے کے سوا کچھ نہ ملے گا...... اچھا میں چلتا ہوں۔"

قامران کو جاتے دیکھ کر سردار کاکڑ بے قرار ہو گیا۔ وہ بے چینی سے اٹھا اور لمبے لمبے ڈگ قامران کے نزدیک جا پہنچا۔ "قامران! میری بات تو سنو۔"

قامران رک گیا۔ اس نے پلٹ کر سوالیہ نگاہوں سے سردار کاکڑ کی طرف دیکھا۔

"مجھے کچھ سوچنے کا موقع دو۔"

"ہاں! سوچ لو...... لیکن وہ گڑھا جو رنگا کے لیے کھودا جا رہا ہے اس دوران وہ تو گہرا ہوتا

"میں ابھی کھدائی بند کروائے دیتا ہوں۔" سردار یہ کہہ کر باہر جانے لگا۔

"رنگا کو رسیوں سے بھی آزاد کرنا ہو گا۔" قامران نے جاتے جاتے اس سے کہا۔ "وہ فرار ہو گا...... اگر ہو گا تو میں اسے پاتال میں سے بھی پکڑ لاؤں گا......"

قامران کی اس یقین دہانی نے سردار کاکڑ کو مطمئن کر دیا۔ وہ گردن ہلاتا ہوا باہر نکل گیا۔ چند لمحوں بعد ہی وہ واپس پلٹا اور بولا۔

"میں نے اپنا پیغام وہاں بھیج دیا ہے...... رنگا تھوڑی دیر بعد تمہارے سامنے ہو گا۔"

قامران' سردار کاکڑ کی اس تبدیلی پر مسکرائے بنا نہ رہ سکا۔ اس نے سوچا کہ یہ چمک دار انسانی زندگی میں کیا خوب تماشے کرتی ہے۔ دولت کی ہوس انسان کو اس کی اپنی انا کی صلیب پر لیتی ہے اور وہ اس کے لیے سب کچھ برداشت کر لیتا ہے۔ ہائے رے! انسان کی کمزوریاں۔

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ دو مشٹنڈے رنگا کو اپنے ساتھ لیے اندر داخل ہوئے۔ رنگا حیران تھا قامران کو تجسس بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

وہ دونوں مشٹنڈے پریشان تھے اور سردار کاکڑ کو الجھی ہوئی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے...... حکم ان کے کیے دھرے پر پانی پھیر گیا تھا۔

رنگا آیا تو قامران نے اسے اپنے نزدیک بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ "آؤ بیٹھو۔"

تب رنگا اور حیران ہوا کہ سردار کاکڑ کی موجودگی میں قامران نے اسے اپنے نزدیک بیٹھنے کو سردار کی پیشانی پر تیوری نہ پڑی...... قامران نے سردار پر ایسا کیا جادو پڑھ کر پھونک دیا ہے؟

رنگا خاموشی سے اس کے نزدیک آ کر بیٹھ گیا۔ قامران نے رنگا کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور ہوئے بولا۔ "تم خوش نصیب ہو نوجوان......! سردار نے سزائے موت کا حکم واپس لے لیا تم چاہو تو اپنی رسم کے مطابق سردار کا شکریہ ادا کر سکتے ہو۔"

رنگا فوراً اٹھا اور اس کے قدموں میں گر پڑا۔ اس نے سردار کاکڑ کے بڑی عقیدت سے اور بولا۔ "مجھے زندگی بخشنے کا شکریہ سردار۔"

سردار کاکڑ نے جواب میں کچھ نہ کہا۔ ویسے یہ کیا کم تھا کہ سردار نے اسے اپنے لینے دیئے تھے۔

''پھر سردار...... تم نے کیا سوچا؟'' قامران نے سوال کیا۔

سردار نے جواب دینے میں ہچکچاہٹ محسوس کی۔

قامران نے ہچکچاہٹ کی وجہ جان کر رنگا سے کہا۔ ''نوجوان! میں سردار سے کچھ با چاہتا ہوں...... کچھ دیر کے لیے تم باہر بیٹھو۔''

رنگا نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔

رنگا کے جانے کے بعد سردار کاکڑ نے کہا۔ ''مجھے کچھ سوچنے کی مہلت دو۔''

''کتنی مہلت چاہتے ہو؟''

''دو دن۔''

''نہیں...... دو دن تو نہیں مل سکتے...... ایک رات ضرور مل سکتی ہے۔'' قامران نے سے کہا۔ ''آج رات تم سکون سے لیٹ کر مسئلے کے ہر پہلو پر غور کر لو۔ صبح ہوتے ہی مجھے اس سے کر دینا...... میں اس نوجوان کے ساتھ اس کی بستی میں جا رہا ہوں...... اگر فیصلہ میرے حق میں ہو رنگی کو اس نوجوان کے حوالے کرنا چاہو تو مجھے پیغام نہ بھیجنا بلکہ اپنی بیٹی کو ساتھ لے کر آ جانا۔ سورج چڑھنے تک نہیں آئے تو سمجھ لوں گا کہ تمہیں سونے کی ضرورت نہیں...... پھر میرا فرض ہوگا نوجوان کو تمہارے حوالے کر جاؤں...... اچھا، میں اب جاتا ہوں...... کل دن کی روشنی میں تمہارا کروں گا۔''

یہ کہہ کر قامران ایک لمحے کو نہ رکا۔ اس نے سردار کاکڑ کا جواب سننے کی کوشش بھی نہ دروازے سے باہر نکلا۔ باہر کھڑے رنگا کا ہاتھ پکڑا اور اپنی گھوڑی کی طرف بڑھنے لگا۔

اتنے میں تین چار مشٹنڈوں نے انہیں گھیر لیا اور راستہ روک کر بولے۔ ''تم رنگا کو نہیں جا سکتے۔''

''مجھے رنگا کو لے جانے سے کوئی نہیں روک سکتا...... جاؤ پہلے اپنے سردار سے بات کر میرا راستہ روکنا۔'' قامران نے قدرے غصے سے کہا۔

اتنا سن کر مشٹنڈوں کا رویہ فوراً بدل گیا۔ وہ فوراً پیچھے ہٹ گئے۔ پھر ایک مشٹنڈا سردار کا رہائش گاہ کی طرف بھاگا۔ ابھی اندر نہیں جا پایا تھا کہ سردار کاکڑ دروازے پر نمودار ہو گیا۔ اس نے طرف آتے ہوئے مشٹنڈے کو ہاتھ کے اشارے سے وہیں روک دیا اور پھر قامران کو چلے جا اشارہ کیا۔ اشارہ پاتے ہی مشٹنڈے کائی کی طرح پھٹ گئے۔

''رنگا! تمہارا گھوڑا کہاں ہے؟'' قامران نے پوچھا۔

''انہی لوگوں کے پاس ہے۔''

پھر قامران نے ان مشٹنڈوں سے اس کا گھوڑا لانے کو کہا جسے فوراً ہی رنگا کے حوالے گیا۔ اب وہ دونوں بستی کی طرف اڑے جا رہے تھے۔

اندھیرا پھیلتے پھیلتے ان دونوں نے برق رفتاری کا مظاہرہ کر کے بستی کو جا لیا۔ رنگا کے

دونوں کو گھر کے سامنے رکتے دیکھا تو بھاگ کر ان کے نزدیک پہنچا اور پرتشویش لہجے میں بولا۔ کیا تو آج بھی اس چڑیل سے ملنے گیا تھا۔''

''بابا میں چڑیل سے تو نہیں البتہ رنگی سے ضرور ملنے گیا تھا۔'' رنگا نے دبی دبی مسکراہٹ ساتھ کہا۔

''پھر تو زندہ کیسے بچ آیا؟''

''یہ کارنامہ قامران کا ہے!'' رنگا نے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

رنگا کے باپ کو یہ سن کر بڑی حیرت ہوئی...... ! ایک مسافر نے اسے کس طرح بچا لیا؟ دار کاکڑ تو بڑی ظالم چیز ہے، وہ اس نوجوان کے ہاتھوں کس طرح رام ہو گیا۔

''قامران! یہ کیسے ہوا؟'' رنگا کا باپ اس سے مخاطب تھا۔

''یہ تو کچھ بھی نہیں...... دیوتا نے چاہا تو کل صبح تم اپنے گھر کے دروازے پر سردار کاکڑ کو گے اور اس کے ساتھ رنگی بھی ہوگی۔'' قامران نے ہوشربا انکشاف کیا۔

''نہیں...... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔'' رنگا کے باپ نے اسے مذاق جانا۔

''فرض کرو اگر یہ ہو جائے...... کل صبح سردار کاکڑ اپنی بیٹی کو یہاں لے کر آ جائے اور رنگا اپنی بیٹی بیاہنے کی درخواست کرے تو کیا تم انکار کر دو گے؟''

''میں ہرگز انکار نہیں کروں گا کیونکہ اس کا بذات خود آنا ہی تمام گستاخیوں کی تلافی کر جائے ...پھر میرے بیٹے کو من چاہی بیوی مل جائے گی۔ اس سے زیادہ خوشی کی بات میرے لیے کیا ہو سکتی ہے۔'' رنگا کا باپ خوشدلی سے بولا۔

''لیکن کل تو تم نے بڑی سختی سے اس رشتے کی مخالفت کی تھی۔''

''میں دراصل اس لڑکی کو اس کے دل سے اتارنا چاہتا تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ یہ اگر یونہی سے ملتا رہا تو اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔''

پھر اسی طرح کی گفتگو کرتے ہوتے، ان تینوں نے کھانا کھایا۔ رنگا اور رنگا کے باپ کی ہوں میں قامران کی قدر و منزلت اور بھی سوا ہو گئی۔ گفتگو کے دوران رنگا کے باپ نے وہ منتر معلوم رنا چاہا جسے پھونک کر قامران نے سردار کاکڑ کو اپنے بس میں کر لیا تھا۔ قامران نے اس ''منتر'' کو نے سے گریز کیا۔ اس نے ہنس کر بات کا رخ کسی اور طرف پھیر دیا۔

رات دھیرے دھیرے گزرتی رہی۔ قامران نے اگرچہ رنگا اور اس کے باپ سے سردار کاکڑ آمد کا ذکر کر دیا تھا، اسے امید بھی تھی کہ سونے کا لالچ اسے یہاں ضرور گھسیٹ لائے گا۔ اس کے قامران کبھی کبھی متذبذب ہو جاتا تھا...... ممکن ہے سردار کاکڑ اپنی انا کے آگے ڈھیروں سونے کو مار دے۔ انسان سے کسی بھی وقت غیر متوقع حرکت سرزد ہو سکتی ہے۔ جذبات کا پتلا جو ٹھہرا۔ ران یقین اور غیر یقینی کی حالت میں جانے کیا کیا سوچتا، آخر نیند کے آغوش میں جا پہنچا۔

ادھر رنگا پر یہ رات بڑی بھاری تھی۔ وہ بار بار کروٹیں بدل رہا تھا اور جانے کیا کیا الابلا سوچ رہا تھا۔ کچھ خواب بنتے تھے، کچھ مٹتے تھے۔ کبھی امید خوشیوں کا ہار لے کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوتی۔ کبھی وہ مایوسی کا بھیانک چہرہ دیکھتا۔ کبھی موت دبے پاؤں اس کے سرہانے کھڑے ہو کر قہقہے

لگاتی۔ کبھی رنگی اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر زندگی کی نوید دیتی۔ صبح کے وقت بڑی مشکل کی آنکھوں میں نیند اتری۔ ابھی وہ اچھی طرح سو بھی نہ پایا تھا کہ اس کے باپ نے اسے جگا ا

''اٹھو...... بیٹا صبح ہوگئی۔''

کوئی اور دن ہوتا تو رنگا کروٹ لے کر پھر سو جاتا۔ باپ کے بار بار اٹھانے کے آنکھیں نہ کھولتا لیکن آج تو کچھ معاملہ ہی اور تھا۔ باپ کے ایک دفعہ کہنے ہی سے وہ اٹھ کر اور چہرے پر ناگواری بھی نہ تھی۔ رنگا کا باپ رنگا کو اس پھرتی سے اٹھتا دیکھ کر مسکرائے بنا نہ رہ باپ کے جانے کے بعد رنگا باہر نکل آیا۔ قامران ابھی پڑا سوتا تھا۔ اس نے اسے نہ جگایا۔

مشرق لال ہو رہا تھا۔ سورج کی آمد آمد تھی۔ ٹھنڈی ہوا جسم کو گدگدا رہی تھی۔ پ چہچہاتے پھر رہے تھے۔ زندگی کروٹیں لے کر اٹھ رہی تھی۔ دھیرے دھیرے اجالا پھیلتا جا رہا تھا نے اپنی بانسری اٹھائی اور گھر کے سامنے ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھ گیا۔ چند لمحوں بعد رنگا نے ا کے منہ پر اپنے لب رکھے اور اس نازک بدن پر اس کی انگلیاں رقص کرنے لگیں۔ بانسری سے پھوٹ بہا' ایک ایسا نغمہ جس میں خوشیوں کے موتی تھے۔ زندگی کا جوش تھا' دریا کا بہاؤ تھا' پہاڑ عزم تھا اور بدمست ہواؤں کا رچاؤ تھا۔

قامران کے کانوں میں بانسری کی آواز شہد بن کر بوند بوند ٹپکنے لگی۔ فوراً ہی اس کی کھل گئی۔ وہ کچھ دیر بے حس و حرکت پڑا' بانسری کے دل کی پکار سنتا رہا۔ پھر وہ اٹھا اور باہر نکل جہاں رنگا ایک پتھر پر بیٹھا' آنکھیں بند کیے ایک نئے راگ کی تخلیق میں مصروف تھا۔

قامران خاموشی سے اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ اسے پتہ ہی نہ چلا...... اسے تو اس وقت بھی پتہ نہ تھا۔ قامران بہت احتیاط سے کہ آواز نہ ہو' اس کے قریب پڑے ایک دوسرے پتھر پر بیٹھ اور پوری توجہ سے فضا پر چھائے اس نغمے کو سننے لگا۔

اور اس کی محویت اس وقت ٹوٹی جب اس نے سامنے سے کافی فاصلے پر ریت اڑتی دیکھی۔ چند گھڑسوار بڑی تیزی سے بستی کی طرف آ رہے تھے۔ قامران انہیں دیکھ کر فوراً کھڑا ہو گیا سردار کاکڑ آ پہنچا؟

ابھی تو سورج اچھی طرح نکل بھی نہیں پایا تھا' اگر یہ سردار کاکڑ ہے تو اس نے آنے بڑی جلدی کی' بڑی پھرتی دکھائی۔ جب وہ گھڑسوار قریب آ گئے' اتنے کہ قامران انہیں پہچان سکے تو نے انہیں فوراً پہچان لیا۔ وہ سردار کاکڑ ہی تھا۔ اس کے برابر رنگی تھی اور اس کے پیچھے باقی گھڑسوار وہ تعداد میں پانچ تھے۔ سردار کاکڑ کے ساتھ رنگی کو دیکھ کر قامران جھوم اٹھا...... اس نے فوراً رنگا کندھے پر ہاتھ رکھا۔

رنگا نے چونک کر اپنا چہرہ اٹھایا اور آنکھیں کھول کر قامران کی طرف سوالیہ نگاہوں دیکھنے لگا۔

''میرے فنکارا!'' قامران نے ہنستے ہوئے اس کا چہرہ دوسری طرف گھمایا...... ''وہ سامنے دیکھو۔''

اب وہ اتنے نزدیک آ چکے تھے کہ کسی شک کی گنجائش نہ تھی لیکن رنگا انہیں دیکھ کر سکتے م

رشک میں پڑ گیا۔

''کیا یہ ممکن ہے؟ یہ رنگی' سردار کاکڑ کے ساتھ آ رہی ہے......؟ یہ کوئی خواب تو نہیں؟ کیا رہا ہوں' کیا میں زندہ ہوں؟'' رنگا خوابناک لہجے میں جانے کیا کیا بڑبڑائے جا رہا تھا۔

قامران اس کے پاس سے ہٹ گیا...... وہ بڑی تیزی سے بھاگ کر سردار کاکڑ کے پاس اس کی لگام تھام کر بڑی خوش دلی سے بولا۔ ''خوش آمدید! سردار کاکڑ!''

پھر اس نے رنگی کی طرف نگاہ اٹھائی۔ رنگی اسے دیکھ کر مسکرائی۔ فضا میں کئی کلیوں کے چٹکنے آئی۔ اس کی مسکراہٹ میں بڑی جان تھی۔

پھر قامران نے اس کے گھوڑے کی بھی لگام پکڑ لی اور دونوں گھوڑوں کے درمیان بھاگتا ہوا گھر کی طرف بڑھا۔

رنگا کا باپ چہرے پر خوشی لیے بڑی دلچسپی سے اس منظر کو دیکھ رہا تھا جبکہ رنگا ہنوز پتھر پر نے جاگنے کی آزمائش میں مبتلا مبہوت بیٹھا تھا۔

قامران نے اس کے نزدیک پہنچ کر اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ نچایا اور زور سے اپنی رنگی کو گھوڑے سے اتار لو۔''

رنگا یوں ہی خاموش بیٹھا تھا' ایک دم ساکت...... پلک بھی نہ جھپکی۔ چہرے پر کوئی رنگ آیا

تب قامران نے اسے پکڑ کر ہلایا...... اور یہ بھی اچھا ہوا کہ اس نے اسے فوراً ہی پکڑ لیا ورنہ سر پتھر سے ٹکرا جاتا۔ وہ اس کے ہلاتے ہی زمین بوس ہو گیا تھا۔

قامران نے گھبرا کر اسے زمین پر لٹا دیا اور اس کا جسم ٹٹولنے لگا۔ رنگا کی آنکھیں ابھی تک ان بنی ہوئی تھیں اور اس کا جسم ٹھنڈا ہو گیا تھا۔

رنگا کو زمین پر گرتے دیکھ کر سردار کاکڑ اور رنگی نے اپنے گھوڑوں سے چھلانگیں لگا دیں۔ یشان ہو کر رنگا کی طرف لپکی...... سردار کاکڑ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔ سے کام لو رنگی۔''

پر رنگی کہاں رکنے والی تھی۔ وہ ہاتھ چھڑا کر رنگا پر جھپٹ پڑی۔ اس نے اس کا سر اٹھا کر الو پر رکھ لیا اور ''رنگا' رنگا'' پکارنے لگی۔

رنگا کا باپ الگ پریشان تھا...... وہ باؤلوں کی طرح ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا' اس کی سمجھ آ رہا تھا کہ کیا کرے' کیا کہے۔

سردار کاکڑ سختی سے ہونٹ بھینچے رنگا کی طرف بڑھا۔ اس نے زمین پر بیٹھ کر رنگا کا ہاتھ پکڑا کی نبض ٹٹولنے لگا۔ باوجود کوشش کے اس کی نبض نہ ملی۔ ہوتی تو ملتی۔ اس کی نبض تو ڈوب چکی

سردار کاکڑ نے مایوسی سے گردن ہلا کر اس کے دل پر ہاتھ رکھا۔ اس کا دل بھی اس کی نبض خاموش ہو چکا تھا۔ تب سردار کاکڑ افسردگی کے ساتھ اٹھا اور رنگا کی طرف پشت کر کے کھڑا پشت کر کے کھڑا ہونا اس بات کی علامت تھا کہ رنگا اب اس دنیا میں نہیں رہا۔

"نہیں، نہیں...... یہ نہیں ہوسکتا۔" رنگی چیخ مار کر رو پڑی۔

رنگا کے باپ کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا پھیل گیا۔ وہ لرزتے قدموں سے
اور ہوش گنوا بیٹھا۔

قامران نے ایک گہری ٹھنڈی سانس لی اور بڑی بے قراری سے اس کی نبض ٹٹولی
دل کی دھڑکن گننی چاہی لیکن نتیجے میں اداسیاں ہی ملیں...... وہ بے نور آنکھوں سے سردار کا
لگا۔

سردار کاکڑ پلٹا، اس نے جھک کر رنگا کی کھلی ہوئی آنکھیں بند کرنی چاہیں لیکن آ
چکی تھیں، بند نہ ہوئیں۔

پھر اس نے اس کی مٹھی سے بانسری نکالنی چاہی لیکن وہ ایسا بھی نہ کرسکا۔
مٹھی میں بڑی سختی سے بند تھی۔

رنگی بدستور روئے جا رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد رنگا کے باپ نے اچانک آنکھیں کھول دیں اور لیٹے لیٹے
گھورنے لگا۔ معاً اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ وہ اچھل کر کھڑا ہوا اور سردار کاکڑ کی
جھولتا ہوا بولا۔ "مردار...... تو نے میرے بچے کو مار دیا...... زندہ دفن کرنے کی دھمکی دیتا تھا
کر لے دفن...... مرتے مرتے میرا بیٹا تیری خواہش پوری کر گیا......"

سردار کاکڑ نے بہت نرمی سے اس سے اپنی گردن چھڑائی اور اس کے کہے کا بالکل
کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس حالت میں کوئی بھی باپ اپنا دماغی توازن برقرار نہیں رکھ سکتا۔

قامران نے رنگا کے باپ کو پکڑ لیا اور اسے صبر کی تلقین کرنے لگا۔

"قامران! میرا اکلوتا بیٹا زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا اور تم کہتے ہو کہ صبر کروں۔
صبر نہیں ہوتا قامران نہیں ہوتا۔" یہ کہہ کر رنگا کا باپ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔

رنگا کی موت کی خبر سیلاب کے پانی کی طرح پوری بستی میں پھیل گئی۔ آناً فاناً
رنگا کے گھر پر ہجوم کر آئے۔ پوری بستی کو رنگا کے دل کا حال معلوم تھا۔ انہیں سردار کاکڑ کی خا
کا بھی علم تھا۔ اب جو انہوں نے سردار کاکڑ کو رنگا کے گھر پر دیکھا تو بگڑ اٹھے۔ بعض نے نفر
موڑ لیے۔ بعض غصے سے اسے دیکھنے لگے۔ فضا پر اچانک گہرا سکوت چھا گیا، جو کسی طوفان کا
تھا۔

قامران نے نفرت کی فضا پیدا ہوتے دیکھ کر حالات کو قابو میں رکھنے کی ٹھانی
بڑے سے پتھر پر کھڑا ہوگیا جس پر کچھ دیر پہلے رنگا رنگی کا آخری نغمہ چھیڑ کر چل بسا تھا اور
میں لوگوں سے مخاطب ہوا۔

"بستی کے لوگو! میں بھی اگر اس بستی کا باسی ہوتا تو میرے بھی وہی جذبات ہو
وقت تمہارے ہیں...... میں اس وقت سردار کاکڑ کی حمایت میں نہیں کھڑا ہوا ہوں بلکہ میں چاہتا
غلط فہمی پیدا ہونے سے پہلے میں تمہیں حقیقت حال سے آگاہ کردوں۔ رنگا کی موت میں
سردار کاکڑ کا بالکل ہاتھ نہیں...... وہ تو خلاف توقع اپنی بیٹی کا ہاتھ دینے آیا تھا۔ شاید یہی

...اتنی حقیقت جان لینے کے بعد اب تمہیں اختیار ہے کہ سردار کاکڑ کے ساتھ عزت سے
لت سے۔"

اتنا کہہ کر قامران پتھر سے نیچے اتر آیا۔

حقیقت حال سے واقفیت کے بعد بستی والوں کا انداز فکر ایک دم تبدیل ہوگیا...... اب ان کی
اکڑ سے ہٹ کر رنگا کے کریا کرم کی طرف مبذول ہوگئی۔

بستی کی روایت کے مطابق گھر کے سامنے ہی گڑھا کھودا جانے لگا۔ جب گڑھا خاصی گہرائی
تو رنگا پر کالے دریا کا پانی ڈالا گیا اور پھر اسے زمین کے حوالے کرنے کے لیے اس کے
گیا۔

اس کے باپ کی حالت اس قابل نہ تھی کہ وہ آخری رسومات ادا کرسکتا۔ تب یہ کام بستی کے
کو سونپا گیا۔

کچھ دیر بعد جب رنگا کو گڑھے میں اتارا جانے لگا تو رنگی نے دہائی مچادی۔

"میں بھی اس کے ساتھ جاؤں گی۔"

بڑی مشکل سے رنگی پر قابو پایا گیا۔

پھر جلدی جلدی رنگا کو گڑھے میں ڈال کر مٹی پھینکی جانے لگی۔ کچھ دیر میں مٹی برابر ہوگئی۔
جھاڑتا ہوا اٹھا۔

ابھی اس نے کمر سیدھی ہی کی تھی کہ اس کے دل کے کسی گوشے سے وہ مترنم آواز سنائی دی،
سازوں کو پیچھے چھوڑ جاتی تھی، ساتھ ہی اس کے آس پاس کنوارے بدن کی وہ خوشبو بھی
ہزار گلوں پر بھاری تھی۔

قامران اس کی بات سن کر بری طرح چونک پڑا اور خود کلامی کے انداز میں بولا: "نہیں، ایسا
ا ہے۔"

☆......☆......☆

وہ بات ہی ایسی تھی جس پر چونکے بنا نہیں رہا جاسکتا تھا۔ چاند کا نے کہا تھا......" قامران!
ہے...... اسے فوراً گڑھے سے نکال لو۔"

"تم اب تک کہاں تھیں؟" قامران نے دل ہی دل میں سوال کیا۔ "ذرا پہلے نہیں آسکتی
اسے دفن کرنے کی نوبت ہی نہ آتی۔"

"ہاں، آنے میں مجھے دیر ہوگئی لیکن کیا کروں، مجبور تھی۔" چاند کا کا جواب آیا۔ اس کے لہجے
پت تھی۔

"اوہ، چاند کا بھی لفظ مجبوری سے آشنا ہے؟" قامران کے لہجے میں ہلکا سا طنز تھا۔

"چاند کا دیوتا تو نہیں۔" مترنم ہنسی سنائی دی۔

"دیوی تو ہے؟"

"ہاں، صرف تمہارے من کی دیوی۔"

"اچھا...... اب کیا کروں؟" قامران اصل مسئلے کی طرف آیا۔

"رنگا کو گڑھے سے نکالو...... وہ مرا نہیں ہے۔"

"لیکن میں کیسے نکالوں' کیا کہہ کر نکالوں......" قامران الجھن میں پڑ گیا۔

قامران کے لیے واقعی یہ مسئلہ تھا جس نے اپنے ہاتھوں پوری طرح اس کی ۔۔ کرکے دفن کیا تھا' اب وہ کیسے کہہ سکتا تھا کہ رنگا زندہ ہے۔ اسے فوراً نکالو...... ظاہر ہے ہونے والی گفتگو تو لوگوں پر ظاہر نہیں کی جا سکتی تھی۔

ابھی قامرن سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کرے' اتنے میں اسے ایک سفید ریش بزرگ آگے بڑھتے دکھائی دیئے۔ آخر انہوں نے قامران کے پاس آ کر دم لیا اور اپنی کڑکتی آواز ۔۔

"ارے خوش بخت' کس کو دفن کر دیا تو نے؟"

قامران نے ایک گہرا سانس لے کر اس بزرگ کا اوپر سے نیچے تک جائزہ لیا ۔۔ آم کی طرح کہیں اوپر سے آ ٹپکے تھے۔ تب قامران کو اسے پہچاننے میں دیر نہ لگی۔ چاندکا نے ۔۔ تو بدل لی تھی لیکن کنوارے بدن کی خوشبو پر شاید اسے اختیار نہ تھا۔

"ارے' مجھے کیا دیکھتا ہے...... نکال اس کو...... کوئی زندوں کو بھی دفن کرتا ہے۔"

"کیا رنگا زندہ ہے؟" قامران نے مصنوعی حیرت سے پوچھا۔

"ارے' کیا سوال جواب ہی کیے جائے گا...... کیا اسے سچ مچ ہی مار دے گا' جلد ۔۔ اس کو۔" اس بزرگ نے ڈانٹ کر کہا۔

تب سب سے پہلے رنگی اٹھی اور اس نے اپنے ہاتھوں رنگا کی قبر کھودنی شروع کر ۔۔ کی دیکھا دیکھی بستی کے دوسرے لوگوں نے بھی اس کا ساتھ دینا شروع کر دیا...... دیکھتے دیکھتے ۔۔ کی لاش گڑھے سے نکل کر اوپر آ گئی۔

تب وہ سفید ریش بزرگ آگے بڑھے۔ انہوں نے رنگا کی لاش کا جائزہ لیا اور معنی ۔۔ میں گردن ہلا کر بولے۔

"سکتے میں آ گئے بیٹا...... محبوبہ سے ملاپ کی خوشی برداشت نہ ہو سکی۔"

رنگا یونہی خاموشی سے لیٹا رہا۔ وہ کیا جواب دیتا۔

وہ بزرگ آہستہ سے جھکے۔ رنگا کے بائیں پیر کا انگوٹھا پکڑ کر زور سے تین بار جھٹکے، ہر جھٹکے پر "اٹھ" کہنے لگے۔

جب تیسرے جھٹکے پر انہوں نے "اٹھ" کہا تو رنگا مسکراتا ہوا سچ مچ اٹھ بیٹھا۔

مردے کو زندہ ہوتے دیکھ کر مجمع ایک دم بپھر اٹھا' جذبات قابو میں نہ رہے' لوگ ۔۔ دیوانے ہو کر رنگا کی طرف جھپٹ پڑے۔ ہر شخص نے اسے ہاتھ لگا کر دیکھا...... پھر اچانک ۔۔ اس بزرگ کا خیال آیا جس نے مردہ کو زندہ کر دیا تھا' لیکن لوگوں کی تلاش کے باوجود اس ۔۔ کہیں پتہ نہ چلا۔ وہ مجمع کو بے قابو ہوتے دیکھ کر ہی چپکے سے کہیں کھسک لیے تھے۔

رنگا کا لوگوں نے پیچھا چھوڑا تو اسے رنگی دکھائی دی۔ وہ بے اختیار اس کی طرف ۔۔ کے دونوں ہاتھ پکڑتا ہوا بولا۔ "رنگی تو آ گئی۔"

"ہاں' رنگا اور ہمیشہ کے لیے۔"

تب رنگا کو سردار کاکڑ کا خیال آیا۔ وہ تیزی سے اس کی طرف بھاگا اور اس کے قدموں میں ۔۔ اظہار تشکر کے طور پر اس کے پاؤں چومے۔

سردار کاکڑ نے اسے اپنے قدموں سے اٹھا کر سینے سے لگا لیا اور پوری سنجیدگی سے بولا۔ ۔۔ ملی تمہاری ہوئی۔"

پھر کہیں سے قامران کا پرکشش چہرہ رنگا کے سامنے آ گیا۔ وہ سردار کاکڑ کو چھوڑ کر قامران ۔۔ لپکا اور بہت کچھ کہنے کے باوجود کچھ نہ کہہ سکا' اس کی زبان گنگ ہو گئی۔ ہاں' آنکھوں میں ۔۔ کے موتی اور لرزتے ہونٹوں نے بہت کچھ کہہ دیا۔

قامران نے اس کے گالوں پر لڑھکتے آبگینوں کو اپنی انگلی کے پوروں سے صاف کیا اور ۔۔ بولا۔ "آخر تمہارا عشق رنگ لے ہی آیا...... رنگی تمہیں مل گئی' مبارک ہو۔"

رنگا نے جواب میں کچھ کہنا چاہا' لیکن وفور جذبات نے قوت گویائی سلب کر لی' وہ ہونٹ ۔۔ رہ گیا۔ پھر قامران سردار کاکڑ کی طرف بڑھا اور اس سے مخاطب ہوا۔

"کیا خیال ہے...... شادی کی تیاریاں کی جائے؟"

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے...... رنگی کو میں تمہاری خواہش کے مطابق رنگا کو سونپ ہی ۔۔

"تم عظیم ہو...... سردار کاکڑ...... واقعی یہ تم نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ مجھ پر ہی ۔۔ احسان رنگا اور رنگی پر بھی ہوا ہے...... تم قابل ستائش ہو سردار کاکڑ۔" قامران نے سچے دل سے ۔۔ تعریف کی۔

پھر قامران نے رنگا کے باپ سے کہا کہ جتنی جلد ہو سکے شادی کی رسم ادا کر دی جائے۔

رنگا کے باپ نے اثبات میں گردن ہلا کر وہاں موجود بستی کے لوگوں کے سامنے رنگا' رنگی کی ۔۔ کا اعلان کیا۔ جس پر بستی والوں نے خوشی سے نعرے لگائے' تالیاں بجائیں اور کورس کی شکل ۔۔ کی مبارکباد دی۔ اس طرح شادی کی رسموں کی ابتدا ہوئی۔

پھر رنگا کو بستی کے لڑکوں اور رنگی کو بستی کی لڑکیوں کے حوالے کر دیا گیا تا کہ لڑکے رنگا کو اور ۔۔ رنگی کو سجائیں۔

بستی کے باہر میدان میں شادی کے انتظامات کیے جانے لگے۔

آخر وہ وقت بھی آ پہنچا جب بستی کے نوجوان لڑکے لڑکیاں رنگا اور رنگی کو گاتے بجاتے ۔۔ لائے۔ ان دونوں کو کیلوں کے پتوں پر بٹھایا گیا۔

رنگی کے جسم پر پھول ہی پھول تھے' وہ پھولوں میں ڈھکی' پھولوں سے لدی' شاخ گل کی ۔۔ لگ رہی تھی۔

رنگا کے گلے میں پھولوں کا صرف ایک ہار تھا۔ پیشانی پر سرخ پٹی بندھی ہوئی تھی اور جسم پر ۔۔ دھوتی کے سوا کچھ نہ تھا۔

رنگی کے جسم پر بھی کوئی کپڑا نہ تھا' لیکن اسے پھولوں میں اس طرح چھپایا گیا تھا کہ جسم کے ۔۔ نظر نہ آتے تھے۔

پھر ایک تھال میں بڑا سا ناریل لایا گیا۔

تھال رنگا کے سامنے آیا تو اس نے ناریل اٹھا کر اپنی پیشانی سے لگایا' پھر اس ۔ا کی طرف بڑھایا۔ اس نے اسے اپنی پیشانی سے لگا کر رنگا کو واپس کر دیا۔

پھر رنگا نے ناریل تین بار فضا میں اچھال کر توڑا اور اس سے نکلنے والے پانی کو پھر رنگی کو پلایا۔

اس رسم کے ادا ہوتے ہی مبارک سلامت کا شور ہوا' ڈھولک پر تھاپ پڑی ا سمیت سب نے ناچنا شروع کر دیا۔ آخر قامران کو بھی اس رقص میں گھسیٹ لیا گیا اور یہ بخیر و عافیت رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔

جب یہ شور و غوغا ختم ہوا' رقص شادی اپنے انجام کو پہنچا' شادی کی رسومات اختتام کو سردار کاکڑ مضبوط قدموں سے چلتا ہوا قامران کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''نوجوان! میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے' اب تم کیا کہتے ہو؟'' وہ اسے گہری نظ دیکھتا ہوا بولا۔

''اگر تم نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے تو قامران کو اپنے وعدے سے کب انکار ہے مسکراتا ہوا بولا۔ ''سردار کاکڑ کھنڈرات کا تمام خزانہ تمہارا ہے جب چاہے لے لو۔''

''پھر چلو۔'' سردار کاکڑ نے کہا۔

''ابھی؟'' قامران نے وضاحت چاہی۔

''ہاں' ابھی۔''

''ٹھیک ہے...... ابھی چلتے ہیں۔'' قامران اٹھتا ہوا بولا۔

رنگا اور رنگی تک جب قامران کے جانے کی اطلاع پہنچی تو وہ دونوں رسمی پابند باوجود بھاگے چلے آئے۔

''قامران تم کہاں جا رہے ہو؟'' رنگا ہانپتا ہوا بولا۔

''اور کیوں جا رہے ہو؟'' رنگی کانپتی ہوئی بولی۔

''میں سردار کاکڑ کے ساتھ جا رہا ہوں' اپنا وعدہ نبھانے...... اس لیے تم دونوں سے ا چاہتا ہوں۔''

''کیا واپس لوٹ کر نہیں آؤ گے؟'' رنگا کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

''مسافروں کو آگے ہی آگے جانا ہوتا ہے اور میں تو ایک ایسا مسافر ہوں جس کی نہیں...... مجھے حکم ملا ہے کہ میں سفر کرتا رہوں...... کب اور کہاں تک یہ مجھے معلوم نہیں...... کے لیے جا رہا ہوں اور تم جانتے ہو کہ سفر آگے کی طرف ہوتا ہے...... پھر واپسی کا سوال ہی کیا

قامران نے اتنا کہہ کر اپنی بانہیں کھولیں' رنگا آگے بڑھا لیکن وہ اس کے گلے بجائے قدموں میں گر پڑا۔ اپنے محسن کے قدم چومنے کے لیے۔

تب قامران نے فوراً ہی رنگا کو اپنے قدموں سے اٹھا لیا اور اپنے گلے سے لگا

''میرے قدموں میں گر کر مجھے اذیت نہ دو' آؤ میرے گلے لگ جاؤ...... دیوتا کا شکر ہے کہ میں

ہو گیا...... آج میں تم دونوں کو اکٹھا دیکھ کر بے انتہا خوش ہوں...... اس خوشی کے موقع پر کیا تم یک فرمائش پوری کر سکو گے؟''

''ایک نہیں...... کئی' سینکڑوں بلکہ ہزاروں...... تم اپنی خواہش تو ظاہر کرو۔'' رنگا نے بڑے از میں کہا۔

''میں چاہتا ہوں کہ تم میرے لیے ایک بار بانسری بجاؤ اور کوئی ایسا نغمہ چھیڑو جو میری روح جس میں جوش ہو' سوز ہو' رنگ ہی رنگ ہوں' امن ہو' سکون ہو' زندگی کی امنگ ہو...... ایک ہوتا ابد میری سماعت سے ٹکراتا رہے جسے میں بھول نہ سکوں۔''

''میں تمہارے لیے ضرور بانسری بجاؤں گا اور کوشش کروں گا کہ تمہیں وہ سب دے سکوں و خواہش رکھتے ہو۔''

یہ کہہ کر رنگا واپس مڑا اور اس کا ہاتھ پکڑتا ہوا بولا۔ ''آؤ میرے ساتھ۔''

پھر رنگا اس پتھر پر بیٹھا جس پر بیٹھے بیٹھے وہ سکتے میں آ گیا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے پنے لبوں سے لگائی۔ رنگی اس کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ قامران قریب ہی پڑے ایک پتھر پر ہا ہو گیا۔ سردار کاکڑ کو بانسری سے کوئی دلچسپی نہ تھی' لیکن اسے بھی قامران کا ساتھ دینا پڑا۔

تب بانسری کے جسم سے نغمہ پھوٹا...... یہ نغمہ رنگا نے اپنے خون جگر سے سینچا تھا۔ اس کی ما بانسری کے بدن پر بڑی مہارت سے چل رہی تھیں اور دھیرے دھیرے اس کی آنکھوں میں نشہ چھا رہا تھا' وہ بند ہوتی جا رہی تھیں۔

قامران دم سادھے بانسری کی آواز میں گم تھا۔ اس کی روح میں ارتعاش پیدا ہو چکا اس کی آنکھوں کے سامنے رنگ بکھرنے لگے تھے۔ کبھی وہ خود کو پھولوں کی سیج پر لیٹا ہوا کرتا کہ خوشبوئیں اس سے لپٹ جاتیں...... کبھی وہ خود کو بادلوں میں اڑتا ہوا محسوس کرتا' بھیگے سے جب اس کا جسم مس ہوتا تو ایک شبنمی لہر اس کے رگ و پے میں سرایت کر جاتی...... کبھی اس کی گود میں اتر آتا' کبھی سورج اس کے سر پر چمکنے لگتا...... تپش سے بے نیاز ٹھنڈا اور

تب قامران نے اچانک ہی اپنے سر کو جھٹکا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے ہوش گم ہو

ہوش گم ہونے سے پہلے ہی وہ خود کو ہوش میں لے آیا۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو کو بے خود پایا۔ یہاں تک کہ سردار کاکڑ پر بھی سحر طاری تھا۔

قامران اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس نے سردار کاکڑ کو ہلایا۔ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''چلو......'' قامران نے اسے چلنے کا اشارہ کیا۔

سردار نے غیر ارادی طور پر رنگا کی طرف دیکھا۔ وہ آنکھیں بند کیے حال اور مستقبل سے روح میں اتر جانے والا نغمہ چھیڑے جا رہا تھا۔ رنگی اس کے گھٹنوں پر سر رکھے بے سدھ بیٹھی تھی۔

پھر اس نے قامران کی طرف دیکھا' اس کی آنکھوں میں سوال تھا۔

قامران نے اس کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا' اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے کھینچتا ہوا دور تک

لے آیا۔ اور پھر بولا۔

"سردار کاکڑ...... میں اس نغمے کو ختم ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ میں اسے ہمیشہ کے روح میں اتار لینا چاہتا ہوں...... اب جتنی جلد ممکن ہو یہاں سے نکل چلو۔"

پھر وہ دونوں اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر آہستہ روی سے آگے بڑھنے لگے۔ قامر سماعت سے بانسری کی آواز بڑی دور تک ٹکراتی رہی۔ پھر ایک وقت آیا کہ وہ نغمہ دھیرے دھ معدوم ہو گیا لیکن قامران کے کانوں میں وہ آواز مستقل رس گھولتی رہی۔

رنگا کا چھیڑا ہوا نغمہ واقعی اس کی روح میں رچ بس گیا تھا' جسے وہ ذرا سی توجہ دے کر چاہے سن سکتا تھا۔

کالا دریا نظر آتے ہی قامران جو پہلے ہی برق رفتاری سے چلا آ رہا تھا اور بھی تیز ہو گی سردار کاکڑ نے بھی اپنے گھوڑے کو اور تیز چلنے کا اشارہ کیا۔ جلد ہی وہ کھنڈروں میں پہنچ گئے۔

تہہ خانے کے نزدیک آ کر قامران نے ابلا کی پیٹھ خالی کردی۔ سردار کاکڑ نے اس کی کی۔

"سردار کاکڑ اب تم خزانے کے نزدیک آ پہنچے ہو لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم یہاں سے سو طرح لے جاؤ گے۔" قامران نے تہہ خانے کی سیڑھیاں اترتے ہوئے پوچھا۔

"فی الحال میرے پاس چمڑے کا ایک بڑا سا تھیلا ہے' کچھ سونا اس میں لے جاؤں گا بعد میں دیکھا جائے گا۔"

"تمہارے دونوں ہاتھ تو خالی ہیں...... تھیلا کدھر ہے؟" قامران بولا۔

"میری ایک ٹانگ سے لپٹا ہوا ہے!" یہ کہہ کر اس نے ٹانگوں سے لباس ہٹا کر دکھایا۔

"یہ دیکھو۔"

جب سردار کاکڑ نے نیچے اتر کر سونے کے بت دیکھے تو اس کا ہاتھ فوراً اپنی پنڈلی کی طر گیا۔ وہ تھیلا جو سردار کاکڑ اپنی پنڈلی کے گرد لپیٹے ہوئے تھا' وہ اس کی توقع سے کہیں لمبا نکلا۔ اس میں خاصا سونا لے جایا جا سکتا تھا۔

"سردار کاکڑ' یہ جو تم بتوں کے چاروں طرف دلدل دیکھ رہے ہو' یہ دلدل بہت گہری اگر اس دلدل میں آدمی پھنس جائے تو پھر اس کی موت یقینی ہے۔" قامران نے اسے سمجھانا شروع

"ان بتوں تک پہنچنے کا ایک مخصوص راستہ ہے جو اسی دلدل کے نیچے چھپا ہوا ہے۔ میں تمہیں دکھاتا ہوں جہاں سے وہ بالشت بھر چوڑی دیوار شروع ہوتی ہے۔ یہ دیوار بتوں والے چبوتر سیڑھیوں پر ختم ہوتی ہے۔"

پھر قامران نے وہ جگہ تلاش کر کے سردار کاکڑ سے اپنی نشانی لگانے کو کہا۔ سردار کاکڑ اس جگہ ایک بڑا سا پتھر لا کر رکھ دیا۔

اب قامران نے دلدل کے نیچے ایک پاؤں سے اس دیوار کو ٹٹولا۔ جب اس کا پاؤں دل کے نیچے کسی ٹھوس چیز پر ٹک گیا تو اس نے ایک قدم آگے بڑھایا اور سردار کاکڑ کو اپنے پیچھے آنے کو

"آؤ...... سردار...... مگر احتیاط سے۔"

سردار کاکڑ نے بھی قامران جیسا عمل دہرایا۔ جلد ہی اس نے راستے کو پا لیا اور پھر وہ دونوں انداز میں قدم جماتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔

سردار کاکڑ کے نزدیک پہنچ کر قامران نے چھلانگ لگائی اور تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا ہوا ے پر پہنچ گیا...... سردار کاکڑ بھلا کیوں پیچھے رہتا' اس نے بھی زقند بھری اور چبوترے پر۔

پھر اس نے درمیان والے بت کا چاروں طرف سے جائزہ لیا اور اسے جگہ جگہ سے ٹھوک کر دیکھا۔

"اس بت کو توڑنا آسان نہیں۔" سردار کاکڑ فکرمند ہو گیا۔

"ابھی دیکھتے جاؤ' میں کیا کرتا ہوں...... یہ بت خود بخود ٹوٹے گا اور سارا سونا تمہارے ہوں میں ہوگا۔"

یہ کہہ کر قامران تیزی سے بت پر چڑھنے لگا۔ اس دیوقامت بت کے کندھے پر بیٹھ کر ران نے اس کا ایک کان پکڑ کر گھمایا اور کان گھماتے ہی سونا زمین پر گرنے لگا۔ سونے کے جمع تے ڈھیر کو دیکھ کر سردار کی باچھیں کھل گئیں۔ اس پر نشہ سا طاری ہو گیا۔ پھر قامران نے دوسرے بتوں کا سونا بھی زمین پر ڈھیر کر دیا۔ سونے کے اتنے بڑے بڑے پانچ ڈھیر دیکھ کر سردار کاکڑ کی غیر ہو گئی۔ وہ ادھر ادھر بولایا پھرنے لگا۔

پھر اچانک اس پر ہنسی کا دورہ پڑا۔

وہ کبھی سونے کے اس ڈھیر پر بیٹھتا اور کبھی اس ڈھیر پر لیٹتا' ہذیانی انداز میں ہنسے جا رہا

تب قامران نے سردار کاکڑ کو جھنجوڑ دیا اور زور سے بولا: "سردار کاکڑ ہوش میں آؤ۔"

سردار کاکڑ کی ہنسی اچانک رک گئی اور اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے قامران کو گھورا اور ے درشت لہجے میں بولا۔ "کیا کہا ہوش میں آؤں۔"

"سردار کاکڑ سونا جلدی سے تھیلے میں بھرو اور یہاں سے نکل چلو۔ ہم یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہریں گے۔" قامران نے اس کے لہجے کی درشتی کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔

"کیا یہ سارا سونا میرا نہیں؟" سردار کاکڑ نے ایک عجیب سوال کیا' وہ واقعی بہک گیا تھا۔

"سب تمہارا ہے!" قامران نے اسے اطمینان دلایا۔

"پھر جانے کی جلدی کیوں......؟ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں ایک تھیلا سونا لے جاؤں اور رے جانے کے بعد بقیہ پر تم ہاتھ صاف کر جاؤ۔"

"سردار کاکڑ مجھے اس سونے سے کوئی دلچسپی نہیں...... یہ سونا میں تمہیں دے چکا ہوں...... اس پر میرا کوئی حق نہیں۔ اس کے علاوہ میں نے دلدل پار کرنے والا راز تمہیں بتا دیا ہے اور یہ راز ے اور تمہارے سوا کوئی نہیں جانتا اور میں یہاں رہوں گا نہیں' اپنے سفر پر نکل جاؤں گا۔ پھر تم بے ہو کہ جب چاہے یہاں سے سونا لے جا سکتے ہو اور فرض کرو کوئی غیر آدمی تہہ خانہ پار کر کے اندر بھی جائے گا تو وہ یہاں سے سونا نہیں لے جا سکے گا۔"

"میں کسی اور کی نہیں تمہاری بات کر رہا ہوں۔" سردار کاکڑ کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

"اب میں تمہیں کس طرح یقین دلاؤں کہ وعدہ خلافی اور دھوکا دہی میری سرشت میں نہیں۔ میں تمہارے سامنے ہی یہاں سے خالی ہاتھ نکلوں گا' پھر یہاں لوٹ کر آنے کا سوال ہی نہیں ہوتا۔"

"مجھے یقین نہیں آتا۔"

"پھر تم نے غلطی کی اپنے ساتھ چند آدمی لے آتے اور سارا سونا میرے سامنے ہی سے اٹھا کر لے جاتے...... پھر کوئی جھگڑا ہی باقی نہ رہتا۔"

"میں اتنا بے وقوف نہیں کہ کسی اور کو اس راز میں شامل کر کے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارلوں...... میں اکیلا ہی بہت ہوں' یہ سارا سونا میرا ہے اور اسے اپنا ہی رکھنا چاہتا ہوں۔"

"پھر ایسا کرتے ہیں کہ ہم دونوں مل کر یہاں سے سونا کسی اور جگہ منتقل کر دیتے ہیں..... سارا سونا تمہارے قبضے میں آجائے گا اور میں اپنا سفر اختیار کرنے کے لیے آزاد ہو جاؤں گا۔" قامران نے ایک اور تجویز پیش کی۔

"اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ ہم جہاں سونا منتقل کریں گے وہاں سے تم اس سونے کو لے اڑو گے...... ظاہر ہے میں ہر وقت تو اس جگہ کا پہرہ نہیں دے سکوں گا۔ میرے لیے یہ جگہ سب سے محفوظ ہے۔ اب تمہیں اپنے بارے میں فیصلہ کرنا ہوگا۔" سردار کاکڑ نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟"

"اس دنیا میں اس سونے کا راز صرف ایک آدمی کو معلوم ہے۔" سردار کاکڑ نے خباثت سے ہنستے ہوئے کہا۔

"یہ کیسے ممکن ہے؟"

"تمہیں مرنا ہوگا۔" سردار کاکڑ کی آنکھوں میں زہر بھرنے لگا تھا۔

"کیا کہا؟" قامران حیرت زدہ رہ گیا۔

"ہاں......اب تم یہاں سے زندہ بچ کر نہیں جاؤ گے۔"

یہ کہہ کر سردار کاکڑ نے قامران پر جست لگائی۔ قامران تیزی سے پیچھے ہٹا...... وہ اس کی زد سے بچ گیا لیکن سردار کاکڑ نے اسے کمان سیدھی کرنے کی مہلت نہ دی۔

اب وہ ایک دوسرے سے دست و گریباں تھے۔

قامران کو سردار کاکڑ نے کیکڑے کی طرح اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ وہ باوجود کوشش کے خود کو چھڑا نہیں پا رہا تھا۔ وہ سردار کاکڑ کی طاقت دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ ایک پتلے دبلے سوکھے آدمی میں اتنی جان ہوگی کہ وہ اس کے مقابلے میں کم عمر اور صحت مند ہونے کے باوجود اس کی گرفت ڈھیلی نہ کر پائے گا۔

قامران نے ایک بار پھر خود کو چھڑانے کی کوشش کی جواباً سردار کاکڑ کی انگلیاں لکڑی کی میخوں کی طرح اس کے گوشت میں گھسنے لگیں۔

پھر اچانک سردار کاکڑ نے پلٹا کھایا اور اب اس کے فولادی ہاتھ قامران کی گردن کو اپنی گرفت میں لے چکے تھے۔

اور قامران بے بس تھا' اس کی ساری زور آزمائی بے کار جا رہی تھی۔ وہ مہلت کے صرف چند لمحے چاہتا تھا' لیکن سردار کاکڑ اسے ایک لمحے کی بھی مہلت دینے کو تیار نہ تھا۔ اس کی گرفت قامران کی گردن پر بڑھتی جا رہی تھی۔

دباؤ کی وجہ سے قامران کا چہرہ سرخ ہوتا جا رہا تھا۔ گردن میں شدید تکلیف تھی۔ سر میں خون جمنے لگا تھا۔ آنکھوں کے آگے تارے ناچ رہے تھے۔ سردار کاکڑ کا خبیث چہرہ اس کے سامنے تھا۔ اس کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ رقصاں تھی۔

"نوجوان! تم نے مجھے اتنے بڑے خزانے سے نوازا' اس کے لیے میں تمہارا ممنون ہوں لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑ سکتا' لہٰذا مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ اور ......"

ابھی سردار کاکڑ کی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ قامران کے ذہن میں ایک خیال آیا اور اس نے اس خیال کو ایک لمحہ ضائع کیے بنا عملی جامہ پہنا دیا۔

تب سردار کاکڑ کی بات پوری نہ ہو سکی' اس کے پیٹ پر قامران کی بھرپور لات پڑی اور جسم کے نازک حصے پر اس شدید ضرب کو وہ برداشت نہ کر سکا۔

قامران کی گردن فوراً ہی آزاد ہو گئی۔

قامران نے ان لمحات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بندر کی طرح چھلانگیں لگائیں اور ایک بت کے اوپر چڑھ گیا۔

بت کے بازو پر بیٹھ کر اس نے اپنی کمان سیدھی کی۔ اتنی دیر میں سردار کاکڑ خود پر قابو پا چکا تھا اور وہ بڑی تیزی سے بت پر چڑھ رہا تھا۔ اتنی تیزی سے کہ قامران کو کمان پر تیر چڑھانا بھی دوبھر ہو گیا۔ قامران نے بغیر نشانہ لیے محض اندازے سے تیر چھوڑا کہ نشانہ لینے کا وقت نہ تھا۔ اندازہ غلط ثابت ہوا۔ تیر ٹھکانے پر نہ لگا' وہ سردار کاکڑ کا بازو چھیلتا ہوا ضرور گزر گیا۔ سردار کاکڑ نے اپنے زخمی بازو کی بالکل پروا نہ کرتے ہوئے قامران کی ٹانگ پکڑ لی اور ایک زوردار جھٹکا دیا۔ قامران اس بت کے بازو پر بے سہارا بیٹھا تھا' اس غیر متوقع حملے کی تاب نہ لا سکا۔

پھر وہ دونوں ایک دوسرے پر لڑھکتے ہوئے سونے کے ڈھیر پر آ گرے۔ اس سے پہلے کہ قامران خود کو سنبھالتا' کھڑا ہو کر سردار کاکڑ پر حملہ آور ہوتا کہ سردار کاکڑ نے برق رفتاری کا مظاہرہ کیا۔ وہ سونے کے ڈھیر پر گرتے ہی فوراً سنبھلا' کھڑا ہوا اور جست لگا کر قامران کے اوپر۔

اس اثنا میں قامران ترکش سے ایک تیر نکال چکا تھا اور چاہتا تھا کہ وہ تیر اس کے سینے میں اتار دے لیکن سردار کاکڑ نے تیر والا ہاتھ اپنی گرفت میں لے لیا تھا اور اب وہ دونوں زور آزمائی میں مصروف تھے۔

قامران کی کوشش کی تھی کہ وہ تیر کسی طرح اس کے دل کے نزدیک پہنچ جائے جبکہ سردار کاکڑ اس تیر کا رخ قامران کے سینے کی طرف کر دینا چاہتا تھا...... لیکن دونوں میں سے کوئی بھی اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا۔

تب اچانک سردار کاکڑ نے جانے کیا داؤ استعمال کیا کہ قامران اوپر اٹھتا چلا گیا اور تیر اس کی گرفت سے نکل گیا۔

اس سے پہلے کہ قامران کچھ سوچتا کہ اس پر کیا گزرنے والی ہے' سردار کاکڑ نے اسے دونوں ہاتھ پر اٹھالیا۔ بھاگ کر وہ چبوترے کے کنارے پر پہنچا اور اس نے پوری قوت سے قامران کو دلدل میں پھینک دیا۔

قامران دلدل پر چاروں شانے چت گرا اور آہستہ آہستہ اندر دھنسنے لگا۔

سردار کاکڑ کے ہذیانی قہقہے اس کی سماعت سے ٹکرا رہے تھے اور وہ جانتا تھا کہ اس دلدل سے نکلنے کی اب کوئی صورت نہیں۔ اب تو اسے موت سے ہم آغوش ہونا پڑے گا۔

☆......☆......☆

اس سے پہلے کہ قامران دلدل میں غرق ہوتا' چاندکا مدد کو آ پہنچی۔ اب وہ دلدل میں دھنسنے کے بجائے آہستہ آہستہ اوپر اٹھتا جارہا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی تختے پر لیٹا ہو۔

اوپر اٹھتے اٹھتے وہ اتنا بلند ہو گیا کہ دیوقامت بت بھی چھوٹے دکھائی دینے لگے۔ فضا میں معلق' لیٹے لیٹے اس نے نیچے نگاہ کی۔ سردار کاکڑ کی ہذیانی ہنسی اب ختم ہو چکی تھی۔ وہ بڑے غور سے اس جگہ کو دیکھ رہا تھا جہاں اس نے قامران کو پھینکا تھا۔ وہاں اب کچھ نہ تھا۔ دلدل کی سطح اب ہموار ہو چکی تھی۔

''کیا اسے میں نہیں دکھائی دے رہا؟'' قامران نے چاندکا سے سوال کیا۔

''نہیں...... یہ سمجھ رہا کہ تم دلدل میں دفن ہو چکے۔'' جواب آیا۔

''کیا...... میں زندہ ہوں؟'' قامران نے ایک اور سوال کیا۔

''میرے ہوتے ہوئے تمہیں کون مار سکتا ہے؟'' چاندکا کی آواز میں بڑا فخر اور بڑی اپنائیت تھی۔

''میرے مرنے میں کیا کسر رہ گئی تھی...... تم چند لمحے اور نہ آتیں تو میں تو دلدل میں دفن ہو ہی چکا تھا۔'' قامران کے لہجے میں شکایت تھی۔

''قامران......! یہ تو دلدل ہے تم اگر پاتال میں بھی ہوتے تو تمہیں وہاں سے نکال لاتی۔ تم میری صدیوں کی تلاش ہو قامران' یہ کیوں بھول جاتے ہو۔''

''اچھا' اب میں فضا میں کب تک معلق رہوں گا؟'' قامران نے سردار کاکڑ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا' جو بڑے اطمینان سے تھیلے میں سونا بھر رہا تھا۔

''کیا تمہیں اس کیکڑے کے سامنے اتار دوں؟'' چاندکا نے پوچھا۔

''نہیں' فی الحال تو میری تیر کمان ذرا مجھے اٹھادو۔''

''سردار کاکڑ کو مارو گے؟''

''ظاہر ہے...... اس بدبخت کو میں کسی قیمت پر زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

''ارے کیوں...... خواہ مخواہ اپنے ہاتھ خون سے رنگتے ہو' ذرا تماشا دیکھو۔''

''چلو ٹھیک ہے تماشا دکھاؤ...... پر مجھے تو نیچے اتار دو۔''

''لو......'' چاندکا کی آواز آئی اور ساتھ ہی قامران دھیرے دھیرے نیچے آنے لگا۔ جب وہ چبوترے کے نزدیک پہنچ گیا تو اس نے اوپر سے چھلانگ لگادی۔ وہ دھڑ سے چبوترے کے فرش پر گرا۔ اس نے فوراً سردار کاکڑ کی طرف مڑ کر دیکھا۔ وہ اسی طرح محو تھا اور پورے اطمینان سے تھیلے میں سونا

ڈالے جا رہا تھا۔ تب قامران بڑے آرام سے ٹہلتا ہوا اس کی طرف بڑھا اور اس کے قریب پہنچ کر آہستہ سے سردار کاکڑ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

سردار کاکڑ بری طرح چونک اٹھا۔ اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے اپنے سر پر جلدی جلدی ہاتھ پھیرا' مگر وہاں کوئی چیز ہوتی تو زمین پر گرتی۔ پھر اپنے دل کا وہم سمجھ کر دوبارہ سونا بھرنے میں مصروف ہوگیا۔ قامران بالکل اس کے سر پر کھڑا تھا اور اسے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ یہ تجربہ اس کے لیے بڑا مزے دار تھا۔

پھر اس نے سردار کاکڑ کا کان بڑے زور سے مروڑا اور دور جا کر کھڑا ہوگیا۔ سردار کاکڑ پریشان ہوکر ایک دم کھڑا ہوگیا۔ اس نے چاروں طرف گھوم کر دیکھا۔ ایک ہاتھ سے وہ برابر اپنا کان سہلا رہا تھا۔ اس مرتبہ بھی اسے کچھ نظر نہ آیا۔ پھر وہ چبوترے کی اس سمت بڑھا جہاں سے اس نے قامران کو دلدل میں پھینکا تھا۔ دلدل اپنی جگہ ہموار تھی۔ اس دلدل سے قامران کے نکل آنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ سردار کاکڑ نے ایک مرتبہ پھر اپنا کان سہلایا اور اس خیال کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کرنے لگا کہ کسی نے اس کا کان مروڑا تھا۔

چند لمحوں بعد وہ پھر سونے کے ڈھیر پر آ بیٹھا اور بکھرے ہوئے تھیلے کو اور بھرنے لگا۔ آخر جب تھیلا ٹھسا ٹھس بھرا گیا اور اس میں مزید سونا ڈالنے کی گنجائش نہ رہی تو وہ مجبوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے تھیلے کو ایک مرتبہ اٹھا کر وزن کا اندازہ کیا۔ ضرورت سے زیادہ سونا بھرے جانے کی وجہ سے تھیلا بے حد وزنی ہوگیا تھا لیکن اس نے وزن کی پروا نہ کی اور اپنی تمام طاقت جمع کرکے آخر تھیلے کو کمر پر لاد ہی لیا۔ پھر وہ سونے کے بوجھ تلے دبا' دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔

قامران نے سوچا کہ اس کے ساتھ کوئی شرارت کرے' لیکن چاندکا نے اسے روک لیا' اور دھیرے سے بولی۔ ''اس کے ساتھ شرارت تو ہوچکی' اب مزید کسی شرارت کی ضرورت نہیں۔''

سردار کاکڑ بہ مشکل سیڑھیوں سے اترا۔ پھر اس نے اپنا ایک پاؤں دلدل میں ڈال کر اس کے نیچے چھپی بالشت بھر چوڑی دیوار تلاش کی۔ اس تلاش میں کئی بار اس کا توازن بگڑا۔ آخر اس نے دیوار تلاش کر ہی لی۔ پھر وہ پوری احتیاط سے دیوار پر چلنے لگا۔

سردار کاکڑ نے اپنی کمر پر ناقابل برداشت بوجھ لاد رکھا تھا۔ اتنے وزن کو لے کر چلنا ویسے ہی آسان نہ تھا کہ ایسے پرخطر راستہ سے گزرنا۔ سونے کی چمک نے اسے اندھا کردیا تھا۔ دولت کی ہوس نے اس کی عقل سلب کر لی تھی۔ وہ دو چار قدم چل کر ہی ایسا لڑکھڑایا کہ پھر اس دیوار پر اس کے پاؤں جم نہ سکے۔ گرتے گرتے بھی اس نے تھیلے کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ پکڑنے کی کوشش میں وہ مزید لڑکھڑایا اور جس سونے کو اس نے زندگی سمجھا تھا' وہ اس کے لیے بھاری موت بن گیا...... سردار کاکڑ غڑاپ سے دلدل میں گرا اور ایک لمحے میں دلدل کے اندر دھنس گیا۔ قامران نے دلدل کی سطح ہموار ہوتے دیکھ کر ایک گہری سانس لی۔

''اس سونے کو دنیا کا کوئی آدمی یہاں سے نہیں لے جاسکتا۔'' چاندکا اس کے پیچھے کھڑی کہہ رہی تھی۔

''کیوں؟'' قامران نے پوچھا۔

''یہ کسی کی تحویل میں ہے۔'' چاندکا نے بتایا۔

''کس کی؟''

''یہ میں نہیں بتا سکتی۔'' چاندکا نے نرمی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

پھر قامران نے مزید سوال کرنا مناسب نہ سمجھا۔

چند لمحوں بعد چاندکا کا دایاں ہاتھ فضا میں بلند ہوا اور اس نے بلند آواز میں حکم دیا...... ''تم جہاں تھے وہیں چلے جاؤ۔''

اس حکم کے نشر ہوتے ہی سونے کے پانچوں ڈھیروں میں حرکت ہوئی اور سونے کی ڈلیاں بتوں کے اندر جانے لگیں۔

''وہ دیکھو۔'' اچانک چاندکا نے ایک طرف اشارہ کیا۔

قامران نے اس طرف دیکھا تو دلدل سے اس تھیلے کو ابھرتے پایا۔ پھر وہ تھیلا دلدل سے نکل کر فضا میں بلند ہوتا درمیان والے بت کے قدموں میں گرا اور اس سے سونا یوں نکلا جیسے کسی نے اسے پکڑ کر الٹ دیا ہو...... سونا زمین پر گرنے کے بجائے سیدھا بت کے پیٹ میں گیا جبکہ تھیلا زمین پر

چند لمحوں بعد پانچوں بت اپنی اصل حالت میں آ گئے۔ تب قامران نے زمین پر بکھرے اپنے تیروں کو سمیٹا۔ پھر کمان اٹھا کر اپنے کندھے پر رکھی اور چاندکا کی طرف بڑھتے ہوئے بولا......

''اب کیا حکم ہے؟''

''قامران! کیا تمہیں کبھی سفید محل بھی یاد آتا ہے؟''

''ہاں آتا ہے...... میں اسے کیسے بھول سکتا ہوں...... اسراروں کا جہان' جہاں میں نے تمہیں پایا تھا...... سفید محل تو میری زندگی کا اہم حصہ ہے لیکن تم نے کیوں پوچھا۔''

''ویسے ہی۔'' چاندکا کے ہونٹوں پر دلفریب مسکراہٹ تھی۔ ''جانتے ہو' اس وقت تم سفید محل سے کتنی دور ہو؟''

''نہیں۔''

''اگر تم سالوں اور وہ بھی مسلسل اپنی گھوڑی پر سفر کرو تو وہاں پہنچو۔''

''اوہ' میں سفر کرتا ہوا اتنی دور نکل آیا ہوں۔'' قامران نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

''آؤ...... اب یہاں سے نکلیں۔'' چاندکا سیڑھیوں کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

قامران نے بلاپس و پیش اس کا ساتھ دیا۔ وہ بھی سیڑھیوں کی طرف چلا۔ چاندکا سیڑھیوں سے اترتے اترتے فضا میں تحلیل ہوگئی۔ قامران نے گھبرا کر چاروں طرف اسے تلاش کیا تو وہ دلدل کے اس پار اسے کھڑی دکھائی دے گئی۔ وہ دور کھڑی اسے اپنے پاس بلا رہی تھی۔ قامران نے جلدی دلدل میں چھپا راستہ تلاش کیا اور بڑے محتاط انداز میں چلتا ہوا آگے بڑھا۔ جب اس نے کنارے پر قدم رکھا تو اپنے پیچھے ایک زوردار گڑگڑاہٹ کی آواز سنی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا' ایک حیران کن منظر اس کے سامنے تھا۔ وہ چبوترہ جس پر وہ پانچوں بت ایستادہ تھے دھیرے دھیرے دلدل میں دھنستا جا رہا تھا۔

قامران نے چاندکا کی طرف دیکھا اور اس سے بولا۔ ’’یہ کیا ہو رہا ہے؟‘‘

’’کچھ نہیں...... جس کی چیز تھی اس کو لوٹائی جا رہی ہے۔‘‘ چاندکا نے بڑی سنجیدگی سے

’’تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔‘‘

’’تمہیں ضرورت بھی کیا ہے خواہ مخواہ اپنا دماغ الجھانے کی۔ یہ کائنات کے راز ہیں میں چھپانے پر مجبور ہوں' آؤ آگے بڑھیں۔‘‘ چاندکا مسکراتی ہوئی آگے بڑھی۔

قامران کے چلتے چلتے وہ پانچوں بت گردن تک دلدل میں دھنس چکے تھے۔ جب خانے کے دروازے پر پہنچا اور اس نے پیچھے نگاہ کی تو دلدل کے سوا کچھ نہ دکھائی دیا۔

قامران تیزی سے چاندکا کے ساتھ سیڑھیاں چڑھتا تہہ خانے سے باہر آ گیا۔ سامنے سردار کاکڑ کا گھوڑا اور اس کی ابلا کھڑی تھی۔ قامران نے ابلا کے نزدیک پہنچ کر اس کی پیٹھ تھپتھپائی سردار کاکڑ کے گھوڑے کے منہ سے لگام نکال کر اسے آزاد کردیا۔

’’جاؤ...... بیٹا' عیش کرو۔‘‘

’’اب کہاں جانا ہے؟‘‘ قامران نے چاندکا کی طرف رخ کیا۔

’’کیوں' کہیں جانا ضروری ہے کیا؟‘‘ چاندکا نے سوال کا جواب سوال سے دیا۔

’’ہاں' کہیں نہ کہیں ضرور جانا چاہیے...... اب تو سفر کی عادت ہوگئی ہے۔ بس جی چاہتا کہ رکاب سے پاؤں نہ نکلیں' میں آگے ہی آگے بڑھتا جاؤں۔ نئے نئے چہرے' عجیب عجیب' نت نئے تجربات...... سفر کس قدر پرکشش ہوتا ہے' تم کیا جانو؟‘‘ قامران نے ہنستے ہوئے کہا۔

’’اچھا۔‘‘ چاندکا نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں حیرت سے پھاڑیں اور پھر ایک پتھر ہوئی بولی۔ ’’تمہیں بھوک نہیں لگتی؟‘‘

’’لگ تو رہی ہے۔‘‘ قامران نے اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

’’پھر کچھ کھا پی لو۔‘‘

’’کیا کھالوں پتھر؟‘‘ قامران نے ایک پتھر پر براجمان ہوتے ہوئے پوچھا۔

’’ارے! پتھر کھائیں تمہارے دشمن۔‘‘ چاندکا نے اپنا دایاں ہاتھ فضا میں بلند کرتے ہو کہا۔ ’’کھانا آئے۔‘‘

اس حکم کے نشر ہوتے ہی قامران کے سامنے ایک بڑا سا تھال حاضر ہوگیا جس میں کھا کو بہت کچھ تھا۔

’’یہ کھاؤ۔‘‘ چاندکا نے تھال کی طرف اشارہ کیا۔

قامران کی بھوک اچانک شدت اختیار کرگئی۔ وہ تھال پر بڑی بے قراری سے ٹوٹ پڑ کھانا بے حد لذیذ تھا۔ اس نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ کھانے کے بعد ایک لمبی ڈکار لی اور مسکرا کر بولا۔

’’اب کوئی مشروب بھی ہو جائے۔‘‘

’’کیوں نہیں...... ایسا مشروب کہ تمہارے ہوش اڑا دے۔‘‘ یہ کہہ کر چاندکا نے پھر اپنا دایا ہاتھ فضا میں بلند کیا اور تحکمانہ انداز میں بولی۔ ’’ہوشربا مشروب۔‘‘

چند ساعتوں بعد قامران نے اپنے تھال میں مشروب سے بھرا پیالہ دیکھا۔ وہ اسے

گھونٹ پینے لگا۔ وہ واقعی ایک بے حد مزے دار اور خمار پیدا کرنے والا شربت تھا۔ قامران اس لو پیتے پیتے اپنے ہوش گنوا بیٹھا۔ اس کا دماغ چکرانے لگا۔ وہ روئی کے گالوں میں خود کو دھنستا ہوں کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا۔ پھر اس کا سر جھکا اور پتھر پر ٹک ، جانے وہ کب تک غفلت کی نیند سوتا رہا' جانے کب اس کا نشہ ٹوٹا' خمار اترا......! جب اس کی کھلی تو وہاں کچھ نہ تھا۔

چاندکا کا دور تک پتہ نہ تھا۔ پتھروں کی جگہ گھاس نے لے لی تھی۔ کھنڈر غائب تھے۔ اس چونک کر چاروں طرف نظر دوڑائی...... ابلا بھی غائب تھی۔ یہ کیا ہوا؟ چاندکا اسے نشہ آور مشروب پلا کہاں چھوڑ گئی؟ اب وہ کہاں جائے؟ کیا کرے؟ قامران سوچ میں پڑ گیا۔

قریب ہی کسی بستی کے آثار موجود تھے۔ قامران سارٔی دیوتا کا نام لے کر اٹھ بیٹھا۔ مے پر کمان درست کی' ترکش کو سنبھالا اور تیز قدموں سے بستی کی طرف چل پڑا۔ چلتے چلتے اس نے بے سے کسی کو آتے دیکھا۔ جوں جوں وہ قریب آتا جا رہا تھا' قامران کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔ لے والے کے بدن پر ایک کپڑا نہ تھا اور وہ کوئی نوجوان لڑکی تھی۔ وہ بڑے اطمینان سے قامران کی ف بڑھتی آ رہی تھی۔ جب قامران نے اسے دیکھ لیا تو اس نے بھی قامران کو دیکھ لیا ہوگا لیکن وہ الک شرمائے بغیر چہل قدمی کرتی اس کی طرف آ رہی تھی۔ قامران اس بے لباس لڑکی کو دیکھ کر اندر ہ اندر سمٹا جا رہا تھا۔ اسے شرم آ رہی تھی۔

یہ کیسی بستی ہے؟ وہ کہاں آ پہنچا؟ یہ نوجوان لڑکی بے لباس کیوں ہے؟ اس کا دماغ چکرانے ا۔ جب وہ لڑکی اس کے برابر سے گزرنے لگی' خاموشی سے' اس نے اس کی طرف دیکھا۔ بھی نہیں تو امران بولے بنا نہ رہ سکا۔ وہ اس سے پوچھ بیٹھا۔ ’’اے لڑکی! تم ننگی کیوں ہو؟‘‘

یہ بات سن کر لڑکی کا چہرہ سرخ ہوگیا' شرم سے نہیں غصے سے' وہ چلتے چلتے رک گئی اور اپنی لر پر ہاتھ پھیر کر بولی۔ ’’ننگے ہو گے تم۔‘‘

پھر وہ تیزی سے مڑی اور تیز قدموں سے چلتی آگے بڑھ گئی۔

یہ جواب سن کر قامران سناٹے میں آ گیا۔ ایک لمحے کو اس نے خود کو برہنہ محسوس کیا لیکن ایسا ہیں' اس کے جسم پر کپڑے موجود تھے۔ پھر وہ آگے بڑھا۔ ابھی وہ کچھ دور ہی چلا ہوگا کہ ایک اور لت اس پر نازل ہوتی دکھائی دی۔ یہ کوئی نوجوان لڑکا تھا۔ وہ بھی بے لباس تھا اور پورے اطمینان سے گے بڑھتا آ رہا تھا۔ جب وہ لڑکا اس کے نزدیک آ گیا تو قامران نے اسے روک لیا اور اس سے کہا: ’’دوست! تم ننگے کیوں ہو؟‘‘

’’میں کیوں ہوتا ننگا' ننگے ہو گے تم......‘‘ اس نے بھی غصے سے کہا اور تیزی سے آگے بڑھ

قامران بھی انگشت بدنداں رہ گیا۔

’’مارے گئے!‘‘ وہ حیران و پریشان آگے بڑھا۔

کچھ دور چلنے کے بعد اسے ایک ادھیڑ عمر آدمی اپنی طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔ اس کے ساتھ چھوٹا بچہ تھا جس نے اس کی انگلی پکڑ رکھی تھی اور وہ دونوں ہی فطری لباس میں تھے اور بڑے

اطمینان سے ہنستے کھیلتے آگے بڑھتے چلے آ رہے تھے۔ جب وہ ادھیڑ عمر آدمی بغیر اس سے مخاطب ہوئے اس کے برابر سے گزرنے لگا جیسے اس نے قامران کو دیکھا ہی نہ ہو تو پھر قامران سے رہا نہ گیا اس نے پیچھے سے آواز دی۔ ”ذرا سنو۔“

وہ آدمی چلتے چلتے رک گیا اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

”کیا تم یہ بتانا پسند کرو گے کہ تم ننگے کیوں؟“ قامران نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

”یہ کیا بکواس ہے، کون ہے ننگا؟...... ننگے ہو گے تم!“ وہ بھی غصے میں آ گیا اور قدم چلتا آگے بڑھ گیا۔

قامران اس ادھیڑ عمر آدمی اور بچے کو بڑی دیر تک حیرت سے دیکھتا رہا۔ کبھی وہ اپنے پر نظر ڈالتا، کبھی انہیں جاتے ہوئے دیکھتا۔ اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ یہ ننگے لوگ ننگا کہلوانے سے کیوں کترا رہے ہیں۔

”ہاں بھئی! ننگے ہو گے تم۔“

تب اچانک قامران کو چاندکا کی آواز سنائی دی، ساتھ ہی کنوارے بدن کی خوشبو کا جھونکا بھی آیا۔

”چاندکا یہ سب کیا ہے...... یہ لوگ بے لباس کیوں گھوم رہے ہیں؟“ قامران نے بڑی بے تابی سے سوال کیا۔

”قامران! جس بستی میں جھوٹ، سچ کہلائے، بے ایمانی، ایمان بن جائے، بے حجابی، حجاب بن جائے...... اس بستی کے لوگ خود ننگے ہو کر اگر تمہیں ننگا کہہ رہے ہیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے...... وہ ٹھیک کہتے ہیں...... ان کی بے لباسی اب ان کے لیے بے لباسی نہیں رہی، پردا بن گئی ہے...... قامران! یہ روئے زمین کی سب سے ترقی یافتہ بستی ہے جو خود کو دن رات مہذب کہتے نہیں تھکتے...... اس بستی کی دنیا اپنے محور پر الٹی گھوم رہی ہے۔ یہاں الٹا ہی چکر چلتا ہے۔ ایسا چکر کہ آدمی چکرا کر رہ جائے...... تم سامنے درختوں کے جھنڈ دیکھ رہے ہو؟“

”ہاں! دیکھ رہا ہوں۔“ قامران نے سامنے درختوں پر نظر جماتے ہوئے کہا۔

”ان درختوں کے پیچھے یہ بستی موجود ہے...... تم اس بستی میں صرف اسی صورت میں داخل ہو سکتے ہو کہ خود کو لباس سے آزاد کر لو۔“

”میں اس کے لیے تیار نہیں...... میں غیر مہذب ہی اچھا ہوں۔“

”لیکن میں تمہیں اس بستی میں بھیجنا چاہتی ہوں۔“

”کیوں آخر؟“

”اس میں تمہاری اور میری بھلائی پوشیدہ ہے۔“

”وہ کیسے؟“

”بحث کیے بنا اگر تم میری بات مان لو تو اچھا ہے۔“ چاندکا نے سنجیدگی سے کہا۔

”چلو، مان لیتا ہوں...... لیکن یہ بتاؤ تم مجھے اس بستی میں کسی خاص مقصد سے بھیجنا چاہتی ہو؟“

”ہاں...... مقصد خاص ہے اور اہم بھی...... اور تمہارے لیے دلچسپ بھی۔“

”کیا آخر؟“

”ان بے لباسوں کی بستی میں اگر تم ایک آدمی کو بھی لباس پہنا دو تو دیوتا تم سے خوش ہو جائیں گے اور ہماری منزل آسان ہو جائے گی، قریب آ جائے گی۔“ چاندکا نے اس مرتبہ اسے انوکھی الجھن میں ڈال دیا۔

”تم نے مجھے عجیب مخمصے میں پھنسا دیا چاندکا...... اس بستی کے کسی آدمی کو لباس پہنانے سے پہلے مجھے خود بے لباس ہونا پڑے گا کہ بستی میں داخلے کی یہی شرط ہے اور یہ شرط ماننے کے لیے میں کسی قیمت پر تیار نہیں۔“

”اس کی فکر مت کرو...... میں تمہیں اس بستی میں داخل کر دوں گی اور تم بے لباس بھی نہیں ہو گے۔“

”ذرا وضاحت کرو۔“

”میں تمہیں ابھی سرخ پتھر کی ایک گولی دیتی ہوں۔ اس گولی کو جیسے ہی تم اپنے بائیں کان میں ٹھونسو گے تو آدم زاد کی نظروں سے اوجھل ہو جاؤ گے۔ اس طرح تم آسانی سے ان بے لباسوں کی بستی میں گھوم پھر سکو گے، اٹھ بیٹھ سکو گے۔ ان کے ساتھ کھاؤ پیو گے اور انہیں کچھ نہ پتہ چلے گا...... تم جیسے ہی یہ گولی اپنے کان سے نکالو گے لوگوں پر ظاہر ہو جاؤ گے...... اب تو تم جانے کے لیے تیار ہو نا میں؟“ چاندکا نے اپنی لازوال مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے، میں تیار ہوں...... لاؤ گولی۔“

تب چاندکا نے اپنا دایاں ہاتھ فضا میں بلند کیا اور تحکمانہ انداز میں بولی۔ ”سرخ گولی۔“

چند ساعتوں بعد قامران کے سامنے ایک چھوٹی سی سرخ پتھر کی گولی رقص کرنے لگی۔ قامران نے اسے پکڑ لیا اور اپنے کان میں لگا کر دیکھا۔ وہ گولی بڑی آسانی سے اس کے کان میں سما گئی۔

”اس گولی کو کان میں لگا کر میں تو ویسے کا ویسا ہی ہوں۔“ قامران نے چاندکا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کیا میں اب تمہیں نظر نہیں آ رہا۔“

”مجھے تو نظر آ رہے ہو...... میری بات اور ہے، مجھ سے بھلا تم کہاں چھپ سکتے ہو؟ البتہ اس بستی کے کسی آدم زاد کو نظر نہیں آ سکتے۔“

”اچھا ٹھیک ہے...... پھر میں اپنی مہم پر چلتا ہوں۔ میرے لیے دعا کرنا۔“ قامران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

چاندکا کے فضا میں تحلیل ہونے کے بعد قامران دل تھام کر بے لباسوں کی بستی کی طرف چل دیا۔ درختوں کا جھنڈ پار کرتے ہی قامران کو ایک اونچی سی دیوار دکھائی دی۔ یہ دیوار پتھروں یا مٹی کی نہ تھی...... اس دیوار کے آر پار دیکھا جا سکتا تھا۔ وہ شیشے کی دیوار تھی۔ اس دیوار کے پیچھے اسے بہت سے مرد عورتیں اور بچے چلتے پھرتے دکھائی دے رہے تھے۔ اسی دیوار میں ایک جگہ بڑا سا دروازہ دکھائی دے رہا تھا۔ قامران اس دروازے کے نزدیک آ کر رک گیا اور دیوار پر ہاتھ رکھے اندر جھانکنے

ابھی وہ اندر کا حال اچھی طرح دیکھ نہ پایا تھا کہ دروازہ اچانک کھلا اور دس بارہ آ
سرعت سے اندر سے نکلے اور اسے گھیرے میں لے لیا۔ قامران نے دیکھا ان بے لباسوں کے
ایک چھوٹا سا نالی دار ہتھیار تھا جسے انہوں نے اس کی طرف تانا ہوا تھا۔

پھر ان میں سے ایک نے بڑے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ ”خبردار! اگر ذرا بھی حرکت کی ت
مار دی جائے گی۔“

گولی کا ذکر سن کر قامران کو اچانک ہوش آ گیا۔ چاندکا کی دی ہوئی گولی اس کے
تھی‘ وہ اسے کان میں رکھنا بھول گیا تھا۔ قامران نے فوراً اپنی بھول کا ازالہ کرنا چاہا۔ جیسے ہی
کان میں گولی رکھنے کے لیے ہاتھ اوپر اٹھایا تو معاً اس نالی دار ہتھیار سے ایک شعلہ سا لپکا اور
نکلی ہوئی گولی اس کے پاؤں کے نزدیک ریت میں دھنس گئی۔

”اگر اب ہاتھ اوپر اٹھایا تو یہ گولی تمہارے دل میں اتار دی جائے گی...... اپنے ہاتھ
کرو اب پیچھے کرلو...... ٹھیک ہے اب اپنا منہ بستی کی طرف کرلو۔“

قامران نے بڑی فرمانبرداری سے اپنا منہ دروازے کی طرف کر لیا۔ پھر ایک بے لباس
کی طرف بڑھا۔ اس نے قامران سے ترکش اور کمان چھین لیے۔ قامران دونوں ہاتھوں کی مٹھی بند
دم سادھے کھڑا رہا۔ ان لوگوں کی توجہ اس کے ہاتھوں کی طرف نہ گئی۔ تب کسی نے اسے پیچھے سے
دیا اور غصیلی آواز میں حکم دیا۔ ”آگے بڑھو۔“

قامران آگے بڑھا تو بند دروازہ خود بخود کھل گیا۔ وہ اندر داخل ہوا‘ اس کا خیال تھا‘
جیسے ہی اندر داخل ہوگا تو اسے دیکھ کر بستی کے لوگ اس کے گرد جمع ہو جائیں گے کہ ایسی مہذب
میں یہ لباس والا جانور کہاں سے گھس آیا‘ لیکن ایسا نہ ہوا‘ جو جس کام میں مصروف تھا مصروف
قامران پر کسی نے خاص توجہ نہ دی۔ بس ایک نظر اسے دیکھا اور سر جھکا کر اپنے کام میں مصروف ہو
قامران جوں جوں آگے بڑھتا رہا اس کی حیرت میں اضافہ ہوتا رہا۔ بستی میں اس نے
بھی مکان دیکھے سب شیشے کے تھے اور ان کے اندر بیٹھے ہوئے مکین باہر سے صاف نظر آتے
مکانوں میں اسے زیادہ تر عورتیں نظر آئیں اور وہ بھی کاموں میں مشغول‘ مرد اکادکا ہی مکانوں
دکھائی دیئے۔

سورج ڈھل چکا تھا۔ شام گہری ہو رہی تھی اور وہ بے لباس آدمی قامران کو نالی دار ہتھیار
زد میں لیے آگے بڑھے جا رہے تھے۔

تب اچانک قامران کو ایک تیز سیٹی کی آواز سنائی دی۔ سیٹی کی آواز سنتے ہی بستی کے
اپنا کام چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے‘ ادھر گھروں سے عورتیں باہر آنے لگیں۔ ان لوگوں کے ہاتھ
کھانے کا برتن تھا۔ وہ سارے قامران کے برابر سے تیز تیز گزرنے لگے۔ پہلے عورتیں گزریں‘ پ
گئیں‘ اس کے بعد بچے۔ یہ سارے مرد‘ عورتیں اور بچے کہاں گئے‘ قامران یہ نہ دیکھ سکا کیوں کہ
مخالف سمت میں چلنے کا اشارہ کیا گیا۔

اندھیرا ہونے تک آخر وہ ایک بڑے مکان کے سامنے جا کر رکے۔ مکان کے اندر
موجود تھی اور اس کی تمام دیواریں سفید کے بجائے سرخ تھیں۔ ان سرخ دیواروں کے پیچھے اسے

ازہ آدمی بیٹھا دکھائی دے رہا تھا۔ قامران کو چند ساعتوں بعد اس موٹے تازے آدمی کے سامنے
لیا گیا۔ وہ موٹا تازہ آدمی جو ایک پتھر کی کرسی پر بیٹھا تھا۔ قامران کو دیکھ کر آگ بگولا ہوگیا۔

پہلے اس نے زہریلی آنکھوں سے قامران کی طرف دیکھا اور پھر انتہائی نفرت سے بولا۔
”اس جنگلی لڑکے کو مہذب دنیا میں رہنے کا سلیقہ سکھاؤ۔“

یہ سن کر دو آدمی آگے بڑھے۔ قامران ان کا ارادہ بھانپ کر پریشان ہو گیا اور ایک قدم
ہٹتے ہوا بولا۔ ”نہیں نہیں۔“

☆......☆......☆

قامران جانتا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ لیکن وہ نہیں چاہتا تھا کہ ان کی طرح
ی بے لباس ہو جائے۔ وہ جنگلی بھلا تھا‘ غیر مہذب اچھا تھا۔ وہ مہذب دنیا کا کوئی سلیقہ نہیں سیکھنا
ا تھا۔ اس کی ”نہیں نہیں“ نے سب کو چونکا دیا۔ اس معصومانہ ”نہیں‘ نہیں“ پر سب کھلکھلا کر ہنس
ے کہ شرم کے معاملے میں وہ عورتوں سے دو ہاتھ آگے تھا۔ قامران کے لیے یہ لمحے بڑے غنیمت
۔ اس نے بڑی پھرتی سے وہ سرخ گولی اپنے کان میں رکھ لی۔ گولی کان میں رکھتے ہی وہ آدم
ان کی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ اسے غائب ہوتے دیکھ کر ان کا قہقہہ ایک دم رک گیا۔ ان کی
یں حیرت سے پھٹ گئیں اور وہ پتھر کی کرسی پر بیٹھا موٹا تازہ آدمی پریشان ہو کر کھڑا ہوگیا۔

تب قامران کو اس گولی کے اثرات کا پتہ چلا۔ وہ بڑے مزے سے ٹہلتا ہوا دروازے کی
بڑھ رہا تھا جبکہ وہ سارے وہیں کھڑے آپس میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ اس کے اچانک
ہو جانے پر سب حیرت زدہ تھے۔ وہ انہیں حیران پریشان چھوڑ کر پورے اطمینان سے دروازے
باہر نکلا اور ایک طرف چل پڑا۔

چلتے چلتے اس نے کچھ عورتوں اور بچوں کو کھانے کا برتن اٹھائے سامنے سے آتے ہوئے
ا۔ قامران اسی سمت چل پڑا جدھر سے وہ عورتیں اور بچے اسے آتے ہوئے دکھائی دیے تھے۔
ے میں اسے اور بھی دوسرے مرد اور عورتیں کھانے کا برتن اٹھائے آتی دکھائی دیں‘ وہ ان کے برابر
گزرتا آگے بڑھتا رہا۔ آخر وہ ایک بڑے میدان میں پہنچ گیا۔

اس میدان کے بالکل بیچ میں ایک شیشے کا مکان تھا اور اس میں چاروں طرف بڑی بڑی
کیاں تھیں۔ ان کھڑکیوں میں آدمی کھڑے تھے اور ان کھڑکیوں کے سامنے مرد‘ عورتوں اور بچوں کی
لمبی قطاریں لگی ہوئی تھیں۔ ایک آدمی ہٹتا تو دوسرا آدمی خاموشی سے اپنا برتن کھڑکی پر رکھ دیتا اور
ہوا آدمی فوراً ہی اس میں کھانا ڈال دیتا اور وہ اپنا برتن اٹھا کر آگے بڑھ جاتا۔ کھانے کی تقسیم کا
بڑے منظم انداز میں ہو رہا تھا۔ اتنا بڑا مجمع ہونے کے باوجود کوئی شور و شر‘ ہنگامہ نہ تھا۔ لوگ بڑے
ان سے قطار میں کھڑے اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے‘ حتیٰ کہ بات چیت کی آواز بھی میدان میں
سنائی دے رہی تھی۔ خاموش ہونٹ سلے‘ لبوں پر مہر جیسے میدان میں کھانا لینے نہ آئے ہوں کسی کا
کرنے آئے ہوں۔ دیکھتے ہی دیکھتے کھانے کی تقسیم اپنے انجام کو پہنچی۔ میدان عورتوں‘ مردوں اور
سے خالی ہوگیا۔

قامران پھر بستی کی طرف پلٹ پڑا۔ نالی دار ہتھیار والے پوری بستی میں کت... ن طرح اس

کی بو سونگھتے پھر رہے تھے۔ ہر طرف قامران کا چرچا تھا' اسی کا ذکر تھا۔ ان کی زندگی میں یہ پہلا
پیش آیا تھا کہ کوئی آدمی اس طرح آنکھوں آنکھوں میں غائب ہو گیا تھا۔

قامران کان میں گولی لگائے بڑے مزے سے لوگوں کی باتیں سنتا رہا تھا' اسے اپنا
کر بڑا لطف آ رہا تھا۔ دو نوجوان' حسین اور کسے ہوئے بدن کی لڑکیوں کی زبانی اپنا ذکر سن کر وہ
کے نزدیک کھڑا ہو گیا اور ان کی رازدارانہ گفتگو سننے لگا۔

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ ان لوگوں کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔''

''کورا...... کیا تو یہ کہنا چاہتی ہے کہ سرے سے اس کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔'' دوسری
بولی۔

''ہاں نوکا...... میں یہی کہنا چاہتی ہوں۔'' کورا نے پر یقین لہجے میں کہا۔

''لیکن میں نے خود اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور وہ اب بھی میری آنکھوں میں
ہوا ہے۔ وہ جانے کہاں سے آیا تھا۔ ایسا سجیلا نوجوان ہماری بستی میں ایک نہیں...... کاش! کوئی
نوکا ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

''تو نے اگر اپنی آنکھ سے دیکھا تو میں یقین کیے لیتی ہوں' اس کا وجود مانے لیتی ہوں'
وہ دیکھتے دیکھتے غائب کیسے ہو گیا۔ کیا وہ انسان نہ تھا' کیا وہ کسی اور دنیا کی مخلوق تھا؟'' کورا کی عقل
واقعہ کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھی۔

''اس نے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔'' نوکا نے انکشاف کیا۔

''کپڑے۔'' کورا نے انتہائی نفرت سے اپنی ناک سکوڑی۔ ''پھر تو وہ کوئی بوسیدہ انسان
انتہائی غیر مہذب۔''

''مجھے تو وہ کوئی فرشتہ معلوم ہوتا تھا۔'' نوکا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیا تمہیں ایسی احمقانہ باتوں پر یقین ہے...... کیا تم نہیں جانتیں کہ ہمارا صرف زمین
تا ہے' آسمان ہمارے لیے فریب نظر کے سوا کچھ نہیں۔''

''لیکن میری نظریں جانے کیوں بار بار آسمان کی طرف اٹھتی ہیں۔ مجھے وہاں کوئی نا
طاقت بیٹھی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ ایک ایسی قوت جو ہمیں مارتی اور جلاتی ہے۔'' نوکا کا لہجہ عجیب تھا۔

''شیشے کی بستی میں رہ کر تم انتہائی غیر مہذبانہ باتیں کرتی ہو' انتہائی دقیانوسی خیالات رکھ
ہو...... اگر یہ بات مقدم بمن تک پہنچ گئی تو تمہارا انجام بہت برا ہوگا...... تم میری دوست ہو میں تمہیں
زندہ دیکھنا چاہتی ہوں' بہتر ہوگا کہ تم ان فرسودہ خیالات سے جلد از جلد چھٹکارا پالو۔'' یہ کہہ کر کورا تیز
سے ایک طرف چلی گئی۔

نوکا چند لمحے تو کورا کو جاتا دیکھتی رہی۔ پھر اس کے ہونٹوں پر آپ ہی آپ مسکراہٹ
آ گئی۔ وہ پراعتماد انداز میں واپس مڑی اور دھیرے دھیرے آگے بڑھنے لگی۔ قامران فوراً اس کے
راستے سے ہٹ گیا۔ اس کے آگے جانے پر وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ تھوڑا سا آگے جا کر
ایک شیشے کے مکان میں داخل ہو گئی۔ اس مکان میں بھی دوسرے مکانوں کی طرح کوئی دروازہ نہ تھا۔
اندر جا کر اس نے کھانے کا برتن ایک طرف رکھا اور ٹانگیں پسار کر بیٹھ گئی۔

قامران بھی اس کے ساتھ اندر آ چکا تھا۔ اس نے کھانے کے برتن کو غور سے دیکھا۔ اس کی
لی نہ آیا کہ وہ کس قسم کا کھانا تھا۔ پھر وہ جھکا اور اس کے کھانے کو سونگھ کر دیکھا۔ اس میں سے
لی بو آ رہی تھی۔

کچھ دیر آرام کرنے کے بعد وہ بے لباس لڑکی اٹھی اور برتن اٹھا کر بڑے آرام سے کھانا
نے لگی۔ ابھی وہ کھانا کھا ہی رہی تھی کہ دو ہتھیار بند آدمی اندر داخل ہوئے۔

''کیا بات ہے بہادرو!'' نوکا نے لقمہ منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''کیا تم نے اس غیر مہذب انسان کے بارے میں سن لیا؟'' ایک ہتھیار بند بہادر نے

''ہاں...... جسے تم نے پکڑا اور جو بڑی آسانی سے تمہارے ہاتھوں سے نکل گیا۔'' نوکا نے
تے ہوئے رک رک کر کہا۔

''بہادرو! یہ تو بتاؤ کیا وہ آدمی ہی تھا۔''

''ہم کچھ نہیں کہہ سکتے...... وہ کون تھا......؟ بہرحال ہم تمہیں یہ بتانے آئے ہیں کہ ذرا چوکنا
اگر تمہیں وہ کہیں دکھائی دے جائے تو فوراً سیٹی بجا دینا۔''

نوکا نے جواب میں کچھ نہ کہا۔ صرف اثبات میں گردن ہلائی اور پورے انہماک سے کھانے
صروف ہو گئی۔ تب وہ دونوں ہتھیار بند بہادر واپس چل دیئے۔ جاتے جاتے ایک بہادر دروازے
یب پہنچ کر رکا' اس نے مسکرا کر نوکا کی طرف دیکھا اور بڑے خبیث لہجے میں بولا: ''تم کب تک
لوغ کو پہنچ رہی ہو؟''

''کیوں بہادر! تمہیں میری کیا فکر ہے...... ویسے اپنی معلومات میں اضافے کے لیے یہ سن
مجھے موٹے پیٹ کے مرد بالکل پسند نہیں۔'' نوکا نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

''اچھا' اچھا۔'' اس بہادر نے اپنے موٹے پیٹ پر ہاتھ پھیرا اور جھینپتا ہوا دروازے سے

''کتے۔'' نوکا نے انتہائی حقارت آمیز انداز میں کہا اور پھر چپڑ چپڑ نوالے چبانے لگی۔

کھانے سے فارغ ہو کر اس نے برتن صاف کیا' پھر اسے اپنے ٹھکانے پر رکھ کر مکان
اہر نکل گئی۔ قامران اس کے تعاقب میں چلا۔ نوکا اپنے گھر سے نکل کر برابر والے دروازے میں
ہو گئی۔ قامران نے اس مکان میں بھی ایک ہی لڑکی کو دیکھا۔ وہ لڑکی بھی ابھی کھانے سے فارغ
لی۔ نوکا کو اندر آتا دیکھ کر وہ مسکرائی' پھر اسے بیٹھنے کا اشارہ کر کے اپنا برتن صاف کرنے لگی۔

قامران ٹہلتا ہوا آگے بڑھا۔ جوں جوں وہ آگے بڑھ رہا تھا' اسے ہر مکان میں ایک ہی
دکھائی دے رہی تھی اور وہ بھی جوانی کی حدود میں قدم رکھتی ہوئی۔ قامران کی سمجھ میں یہ بات نہ
ان مکانوں میں یہ لڑکیاں تنہا کیوں ہیں جبکہ شام کو اس نے ایسے مکان بھی دیکھے تھے جہاں
کے ساتھ بچے بھی موجود تھے اور ایک آدھ مکان میں مرد بھی دکھائی دیا تھا۔

قامران ابھی اس ترقی یافتہ بستی میں گھوم ہی رہا تھا کہ اسے ایک تیز سیٹی کی آواز سنائی دی
بہت دور سے آ رہی تھی اور یہ سیٹی شام والی سیٹی سے مشابہ تھی' جس کی آواز سن کر بستی کے لوگ

برتنوں سمیت باہر نکل پڑے تھے۔ اس سیٹی کی آواز سنتے ہی تمام گھروں کی روشنیاں بجھنے لگیں۔ ہی دیکھتے ہر سو اندھیرا پھیل گیا۔ قامران اندازے سے نوکا کے گھر کی طرف بڑھا۔ اندھیرا ہو بعد سارے گھر یکساں نظر آرہے تھے اور ان میں سے نوکا کا گھر تلاش کر لینا آسان نہ تھا۔ کہیے یا قامران کی قسمت کی خوبی کہ چلتے چلتے قامران کو ایک لمحے کے لیے روشنی دکھائی دی۔ اس روشنی میں نوکا کو پہچاننے میں ذرا بھی دقت نہ ہوئی۔ نوکا نے کسی ضرورت کے تحت ایک لمحے کی تھی اور پھر فوراً ہی بجھا دی تھی۔ قامران نوکا کا گھر پہچان کر پورے اطمینان سے اس کی طرف اس نے دروازے پر ہی کوئی ہیولا سا دیکھا۔ نزدیک پہنچنے پر اس نے نوکا کو دروازے پر کھڑا پایا۔ طرح دروازہ روکے کھڑی تھی کہ وہ اندر داخل نہیں ہوسکتا تھا۔ وہ دروازے کا سہارا لیے دور اندھ میں جانے کیا تک رہی تھی جبکہ آس پڑوس کی لڑکیاں سونے کی تیاریاں کر رہی تھیں۔

قامران کے ذہن میں اس بستی سے متعلق بے شمار سوالات مچل رہے تھے۔ اس کا کہ وہ نوکا سے بات کرے' اس سے پوچھے کہ وہ دروازے پر کھڑے ہو کر کس کا انتظار کر رہی اسے نیند کیوں نہیں آرہی؟ لیکن قامران ایک دم اس سے بات کرتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ کہیں اس بات کرتے ہی وہ ڈر نہ جائے۔

تب قامران نے سوچا کہ آہستہ آہستہ اسے اپنی موجودگی کا احساس دلانا چاہیے۔ یہ سوچ قامران نے بہت دھیرے سے اس کا ریشمیں بازو چھوا۔ نوکا بری طرح چونک پڑی۔ اس نے جلد جلدی کئی دفعہ اپنا بازو جھاڑا۔ اسے اپنے بازو پر کسی کیڑے کے رینگنے کا احساس ہوا تھا۔ پھر اس دروازے کے چاروں طرف دیکھا اور کچھ سوچ کر اندر آگئی۔ راستہ ملتے ہی قامران بھی اس کے ساتھ اندر چلا آیا۔

ابھی وہ لیٹی ہی تھی کہ اس نے اپنے بازو پر پھر کوئی چیز رینگتی محسوس کی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اس نے جلدی سے کمرے میں روشنی کی اور اپنا بازو دیکھنے لگی۔ بازو پر کچھ ہوتا تو دکھائی دیتا۔ اس نے فرش پر نگاہ کی۔ وہاں بھی اسے کچھ نظر نہ آیا۔ قامران دور کھڑا پریشان ہوتی نوکا کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

نوکا کے مکان میں روشنی دیکھ کر گشت کرتے دو ہتھیار بند اس کے دروازے پر رک گئے اور وہیں سے چیخ کر بولے۔ ''نوکا...... تمہارے مکان میں روشنی کیوں ہے؟''

''میں نے اپنے بازو پر کوئی چیز رینگتی ہوئی محسوس کی تھی۔ روشنی کر کے اسی کو تلاش کر رہی تھی۔'' نوکا نے زمین پر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

''نوکا...... جب لڑکی جوان ہونے لگتی ہے تو اسے خواہ مخواہ بے کلی لگ جاتی ہے...... بہتر ہو روشنی بجھا دو اور خاموشی سے سو جاؤ۔''

نوکا نے جواب دینے کے بجائے روشنی بجھا دی اور لیٹ کر پوری سنجیدگی سے سونے کی کوشش کرنے لگی۔

تب قامران اس کے نزدیک ہی بیٹھ گیا اور اپنا منہ اس کے کان کے پاس لے جا کر سرگوشی کے انداز میں بولا۔ ''نوکا!''

نوکا اپنا نام ایک اجنبی آواز میں سن کر ادھر ادھر آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگی۔ اب اسے اپنے میں کوئی گڑبڑ دکھائی دینے لگی تھی۔ اسے کس نے پکارا؟ تب اسے وہ خوبرو نوجوان یاد آیا جو بستی نے کے بعد غائب ہو گیا تھا۔ کیا وہ نوجوان اس وقت اس کے مکان میں موجود ہے؟ کیا یہ آواز نہیں' نہیں' ایسا نہیں ہوسکتا۔ اس نے سوچا۔

''نوکا...... ڈرو مت...... میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔'' قامران نے ہمت والے لہجے میں کہا۔

''تم کون ہو؟ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو؟'' نوکا نے لرزتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں جو کوئی بھی ہوں' بہرحال تمہارا دوست ہوں اور تم سے صرف چند باتیں کرنا چاہتا

''تم ہو کہاں؟'' نوکا نے اپنے آس پاس ہاتھ لہراتے ہوئے کہا۔

''فی الحال تم میرا وجود محسوس کر سکتی ہو' میری آواز سن سکتی ہو' لاؤ اپنا ہاتھ آگے بڑھاؤ۔'' ان نے بڑے دوستانہ انداز میں کہا۔

پھر اس نے نوکا کا بڑھا ہوا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اسے نرمی سے دبایا۔

''اوہ' واقعی تم یہاں موجود ہو...... ٹھہرو' میں روشنی کرتی ہوں۔'' نوکا کے لہجے میں جوش تھا۔ ار غائب ہو چکا تھا۔

''روشنی کرتی ہوں' پھر سیٹی بجا کر ان کتوں کو بلاتی ہوں...... یاد رکھو' اس بستی کا ایک بھی میرا بال بیکا نہیں کر سکتا...... اس لیے آرام سے بیٹھو اور مجھ سے باتیں کرو۔'' قامران نے تنبیہ

''تم غلط سمجھے...... روشنی میں تمہیں دیکھنے کے لیے کرنا چاہتی تھی۔ اپنی خوشی پر نازاں ہونا ہا تھی...... یہ بات میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ جو شخص مقدم بمن کے سامنے غائب ہو گیا وہ ان ملی بہادروں کی گرفت میں کس طرح آئے گا۔''

''اگر تم مجھے دیکھنے کی خواہش مند ہی ہو تو میں ظاہر ہو جاتا ہوں لیکن تم روشنی نہیں کرو گی۔ لحال اس گھپ اندھیرے پر اکتفا کرنا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے...... میں روشنی نہ کرنے کا وعدہ کرتی ہوں۔''

تب قامران نے اپنے کان سے سرخ گولی نکال لی۔ گولی نکالتے ہی اس کا وجود نوکا پر ظاہر نوکا نے جگہ جگہ سے اس کا جسم ٹٹول کر اپنی تسلی کی۔

''حیرت انگیز۔'' نوکا استعجاب آمیز انداز میں چیخی۔ ''نوجوان! تم کون ہو؟ کس دنیا سے ہو؟''

''میں تمہاری ہی دنیا کا آدمی ہوں...... نام میرا قامران ہے اور شمشے کی اس بستی میں آیا بھیجا گیا ہوں۔''

''تمہیں یہاں کس نے بھیجا ہے؟''

''یہ میں نہیں بتا سکتا۔''

’’یہاں کیوں آئے ہو‘ یہ بتا سکتے ہو؟‘‘

’’فی الحال یہ بھی نہیں۔‘‘

’’تم غائب کس طرح ہو گئے تھے‘ کیا یہ بتا سکتے ہو؟‘‘

’’بتا تو سکتا ہوں لیکن بتانا بے کار ہے...... تم مادہ پرستوں کی سمجھ میں آسانی باتیں آئیں گی بھلا۔‘‘

’’گویا تمہارا تعلق آسمان سے ہے؟‘‘

’’نہیں...... میرا تعلق تو نہیں...... ہاں حاضر غائب والا معاملہ ضرور آسمانی ہے۔‘‘

’’اچھا یہ بتاؤ...... تم نے اتنی بڑی بستی چھوڑ کر میرے پاس ہی آنا کیوں پسند کیا؟‘‘

’’اگر ناگوار گزرا ہو تو واپس چلا جاؤں۔‘‘

’’ناگواری کی بات نہیں...... میں اپنی خوش قسمتی کا پہلے ہی ذکر کر چکی ہوں...... یہ بات تو صرف اپنے دل کی تسلی کے لیے معلوم کرنا چاہتی تھی۔‘‘

’’اس پوری بستی میں مجھے تم سب سے اچھی لگیں۔‘‘

’’ایسی کیا خاص بات ہے مجھ میں جو یہاں کی دوسری لڑکیوں میں نہیں۔‘‘

’’تم بہت پرکشش ہو۔‘‘ قامران نے تیر چلایا۔

’’نہیں...... یہ بات غلط ہے۔ میں بڑی حقیقت پسند واقع ہوئی ہوں۔ میں یہ بات اچھی طرح جانتی ہوں‘ میں ہی کیا پوری بستی یہ بات اچھی طرح جانتی ہے کہ کورا سی خوبصورت لڑکی کوئی نہیں...... اور ہاں میں اس حقیقت سے بھی واقف ہوں کہ میرے جیسا جسم اس بستی میں دوسرا نہیں۔‘‘ لوکا نے حقیقت حال بیان کی۔

’’کورا کون......؟ وہی کورا جو تن ڈھانکنے والوں کو انتہائی حقارت سے دیکھتی ہے۔ انہیں دقیانوسی‘ بوسیدہ اور غیر مہذب انسان سمجھتی ہے...... تم دونوں کے خیالات میں زمین آسمان کا فرق کیوں ہے؟‘‘ قامران نے کہا۔

’’اس کا مطلب ہے کہ ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو کے دوران تم ہمارے آس پاس ہی تھے؟‘‘

’’ہاں...... میں نے تم دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کا لفظ لفظ سن لیا ہے۔‘‘ قامران نے ہنستے ہوئے کہا۔

’’تم خاصے خطرناک آدمی معلوم ہوتے ہو...... اس طرح تو تم ہماری بستی کے سارے راز بڑی آسانی سے لے جا سکتے ہو۔‘‘

’’راز......!‘‘ قامران نے حیرت سے کہا۔ ’’اس برہنہ بستی میں کوئی چیز چھپی ہوئی بھی ہے؟‘‘

’’یہ حقیقت پسندوں کی بستی ہے۔ یہاں کوئی چیز کسی سے چھپی ہوئی نہیں۔ میں تو ایسے ہی مذاق کر رہی تھی اور اس بستی میں وہی رہ سکتا ہے جو خود بھی حقیقت پسند ہو...... میں تم سے پوچھ سکتی ہوں کہ تم نے اپنا تن کیوں ڈھانکا ہوا ہے؟‘‘

’’میں یہ بات تم سے کیوں نہ پوچھوں کہ تم لوگ بے لباس کیوں رہتے ہو؟‘‘ قامران نے

کر دیا۔

’’ہم لباس والوں کو بزدل سمجھتے ہیں...... ایسے لوگ جو حقیقت سے منہ چھپاتے ہوں‘ احساس میں مبتلا...... لباس جسم کے بہت سے عیب چھپا لیتا ہے اور ہماری بستی میں کوئی چیز چھپانا جرم سمجھا ہے۔ ہم جیسے ہیں اچھے یا برے دوسروں کے سامنے‘ اور دوسرے تمام اچھائی اور برائی کے ساتھ سامنے...... یہاں تک کہ بمن بھی ہماری طرح رہتا ہے جو اس بستی کا مقدم ہے۔‘‘ لوکا نے انداز میں کہا۔

’’مقدم کیا؟‘‘ قامران نے پوچھا۔

’’تم سربراہ کہہ لو۔ سردار جان لو۔‘‘ لوکا نے بتایا۔

’’لوکا...... اگر تمہیں کوئی لباس پہننے کو کہے تو کیا تم مان لو گی؟‘‘

’’کسی قیمت پر نہیں۔‘‘ لوکا نے دوٹوک جواب دیا۔

یہ جواب سن کر قامران کی امیدوں پر منوں اوس پڑ گئی۔ وہ لوکا کی طرف اس کی گفتگو سن کر تھا۔ اس کی گفتگو سے اپنے معاشرے سے بیزاری جھلکتی تھی۔ وہ لوکا کو اصلاح طلب لڑکی سمجھتا تھا‘ لباس کے بارے میں اس کی حتمی رائے سن کر اب کچھ کہنے کی گنجائش نہ رہی تھی۔

’’کیا سوچنے لگے۔‘‘ لوکا اس کے قریب ہوتے ہوئے بولی۔

’’کچھ نہیں!‘‘ قامران نے گہری سانس لے کر کہا۔ ’’کیا تم مجھے اپنی بستی کی تمام حقیقتوں سے آگاہ کرنا پسند کرو گی؟‘‘

’’بڑی خوشی سے...... میں جو کچھ جانتی ہوں‘ اس کا حرف حرف تمہارے گوش گزار کر دوں گی۔ پوچھو‘ کیا پوچھتے ہو؟‘‘ لوکا نے قامران کا ہاتھ پکڑ لیا اور نرمی سے اسے دبانے لگی۔

’’تمہارے آس پاس جتنے بھی مکان ہیں‘ ان میں‘ میں نے تنہا لڑکیوں کو دیکھا ہے‘ تم بھی ان میں اکیلی ہو...... اس کی وجہ؟‘‘

’’میرے آس پاس جتنے بھی مکان ہیں‘ وہ سب کنواری لڑکیوں کے لیے مخصوص ہیں۔ ایسی جو جلد ہی جوان ہونے والی ہوں۔ جب کوئی لڑکی سن بلوغ کو پہنچ جاتی ہے تو اسے یہاں سے لیا جاتا ہے اور اسے اس کے پسند کے مرد کے حوالے کر دیا جاتا ہے اور ان دونوں کو ایسے علاقے منتقل کر دیا جاتا ہے جہاں صرف جوڑے رہتے ہیں۔‘‘

’’گویا‘ تمہاری بستی میں لڑکی کی پسند کو خاصی اہمیت حاصل ہے۔ اس کی شادی زبردستی کسی اور مرد سے نہیں کی جاتی۔‘‘

’’ہاں‘ اس بستی میں لڑکی کی پسند کا خاصا احترام کیا جاتا ہے لیکن ہمارے ہاں غیر مہذب دنیا کی طرح شادی کا کوئی تصور موجود نہیں...... ہمارے ہاں انسانی جذبات کا بہت خیال رکھا جاتا ہے۔‘‘

’’وہ کیسے؟‘‘

’’اس بستی میں زندگی بھر کے لیے کسی لڑکی کو ایک مرد کے حوالے نہیں کیا جاتا۔‘‘

’’یعنی۔‘‘ قامران کے پلے لوکا کی بات نہ پڑی۔

’’اصل میں ہم لوگ مشترکہ نظام کے حامی ہیں۔ یہاں کوئی چیز کسی کی نہیں اور سب کی

ہے...... شراکت کا یہ اصول مرد اور عورت پر بھی لاگو ہے۔ یہاں ایک بار کسی لڑکی کو اس کی پسند کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ اب یہ اس لڑکی کی مرضی ہے کہ وہ اس مرد کے ساتھ ایک دن رہے یا زندگی گزار دے۔ ایک مرتبہ کسی مرد کے حوالے کیے جانے کے بعد وہ بستی کے کسی بھی مرد کا ہاتھ ہے۔ یہی آزادی یہاں مرد کو بھی حاصل ہے کہ وہ ایک مرتبہ کسی لڑکی کے ساتھ بندھ جانے کے بعد کی کسی بھی عورت کا ہاتھ پکڑ سکتا ہے لیکن یہ کام زبردستی نہیں ہو سکتا' اس میں دونوں کی مرضی ہونا ہے۔ اس طرح اس بستی کی ہر عورت کسی بھی مرد کی بیوی بن سکتی ہے اور اس کے ساتھ جب تک رہ سکتی ہے۔''

''یہاں کوئی ایسی مثال بھی ہے کہ کسی لڑکی یا لڑکے نے ایک ہی مرد یا ایک ہی عورت ساتھ زندگی گزار دی ہو؟''

''یہ انتہائی احمقانہ خیال ہے۔'' نوکا نے منہ بنا کر کہا۔

''اچھا...... یہ بتاؤ جب اس بستی میں ہر عورت ہر مرد کی بیوی بن سکتی ہے تو بچوں کی ماں کیا جنا ہے...... پیدا ہونے والا بچہ کس کا کہلاتا ہے اور اسے کس کے حوالے کیا جاتا ہے؟''

''اس بستی میں ملکیت کا کوئی تصور نہیں...... جیسا کہ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ یہاں اشتراک کی بنیادوں پر کام ہوتا ہے۔ یہاں کوئی چیز کسی کی نہیں اور سب کی ہے...... اس بستی میں جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ کسی کا نہیں ہوتا۔ اسے فوراً ''بچہ گھر'' میں منتقل کر دیا جاتا ہے اور اس کی پرورش کی ذمے داری مقدم بمن کے سر ہوتی ہے اور مقدم بمن ہی تمام بچوں کا باپ کہلاتا ہے۔''

''یہاں کام کاج کا کیا طریقہ ہے؟''

''کام کاج کا طریقہ بھی مشترک ہے۔ اس بستی کا ہر فرد کام کرتا ہے۔ اس کی ذہنی صلاحیت کے مطابق اسے کام سونپ دیا جاتا ہے اور اس کا معاوضہ مقدم بمن کے نام منتقل ہو جاتا ہے۔ مقدم بمن ہماری ہر جائز ضروریات کا ذمے دار ہے۔ یہاں تک کہ کھانا بھی ہمیں اس کے توسط سے ملتا ہے۔''

''ان افراد کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے جو کام کرنے کے قابل نہیں رہتے' بوڑھے ہو جاتے ہیں۔'' قامران نے پوچھا۔

''انہیں نیلی ٹکیہ دے دی جاتی ہے۔'' نوکا نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''یہ کوئی طاقت کی دوا ہے؟ کیا نیلی ٹکیہ کھا کر بوڑھے کام کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں؟'' قامران نے وضاحت چاہی۔

''نیلی ٹکیہ اصل میں زہریلی ہوتی ہے۔ اسے کھا کر آدمی ہر غم سے آزاد ہو جاتا ہے۔'' نوکا نے بڑے سفاک لہجے میں کہا۔

''اوہ......'' قامران نے تاسف سے آہ بھری اور پھر بولا۔ ''اپنے بزرگوں کے ساتھ ایسا سفاکانہ سلوک کر کے تم لوگوں کو دکھ نہیں ہوتا...... تم کیسے ظالم لوگ ہو؟''

''ہمارا کوئی بزرگ نہیں اور نہ ہی یہاں کسی پر ظلم ہوتا ہے...... اس بستی کا جب کوئی فرد کام کرنے کے قابل نہیں رہتا تو وہ خود بخود نیلی ٹکیہ کھانے پہنچ جاتا ہے اور یوں باعزت زندگی گزار کر م

تا ہے۔''

''اگر کوئی بوڑھا آدمی کام سے مفلوج ہونے کے باوجود نیلی ٹکیہ کھانے نہ پہنچے تو؟'' قامران سوال کیا۔

''ایسا کبھی ہوا نہیں...... اور اگر کوئی شخص کام نہ کر کے کھانا چاہے تو اس نظام میں یہ ممکن ...... اس کا کھانا فوراً بند ہو جاتا ہے۔ اس طرح وہ نیلی ٹکیہ کھائے بغیر بڑی تکلیف میں ایڑیاں رگڑ رہتا ہے۔''

ابھی قامران کچھ کہنے ہی والا تھا کہ وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ نوکا بھی چونکی ہوگئی۔ قامران ہی رو کے بھاری قدموں کی آواز سننے لگا۔ چند لمحوں بعد اس نے دو ہتھیار بند آدمیوں کو جو اس بستی ''بہادر'' کہلاتے تھے' گزرتے دیکھا۔

وہ دونوں اندھیرے مکانوں پر نظر ڈالتے' زور زور سے بولتے ان کے مکان کے سامنے زر گئے۔ ان کے جانے کے بعد نوکا نے سونے کی خواہش ظاہر کی۔

وہ بولی۔ ''قامران رات خاصی ہوگئی ہے۔ اب میں سونا چاہتی ہوں۔ صبح ہی کام پر جانا میں نہیں چاہتی کہ کام کے دوران اونگھتی رہوں۔''

قامران کی آنکھوں میں خود نیند بھرنے لگی تھی۔ اس لیے اس نے اس کی فرض شناسی کی کرتے ہوئے فوراً ہی آرام کرنے کی حامی بھرلی۔ اس نے کہا۔ ''میں خود بھی سونا چاہتا ہوں۔''

پھر نوکا آرام سے لیٹ گئی۔

ابھی قامران سونے کے لیے کروٹیں ہی بدل رہا تھا کہ اس نے نوکا کے خراٹے سنے...... پھر آہستہ قامران بھی نیند کے آغوش میں چلا گیا اور وہ اتنی گہری نیند سویا کہ اسے آنے والے ہولناک وقت کا احساس ہی نہ ہو سکا۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا۔ اس کے چاروں طرف ہتھیار بند آدمی کھڑے تھے۔ سب کے ہاتھ میں نالی دار ہتھیار تھا اور اس کا رخ قامران کی طرف تھا۔ صبح ہو چکی تھی۔ مکان میں موجود نہ تھی۔

ایک ہتھیار بند آدمی نے اسے خباثت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ہلنا جلنا مت...... ورنہ گولی مار دوں گا۔''

دفعتاً قامران کو اپنی سرخ گولی کا خیال آیا جسے وہ اپنے کان میں لگا کر سویا تھا لیکن اب وہ کے کان میں نہ تھی۔

☆......☆......☆

اس کے کان سے گولی کس نے نکالی؟ کیا یہ نوکا کی سازش تھی؟ قامران نے سوچتے ہوئے بغیر ہلے جلے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ تب اچانک اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوگئی۔ وہ پتھر کی گولی ایک ہتھیار بند بہادر کے قدموں کے درمیان پڑی تھی اور قامران کی دسترس سے دور تھی یہ وہاں کیسے پہنچی؟ وہ تو اسے کان میں لگا کر سویا تھا۔ کیا وہ سوتے میں اس کے کان نکل گئی؟ ایسا ہی ہوا ہوگا...... اگر یہ نوکا کی سازش ہوتی تو یہ گولی یہاں نہ پڑی ہوتی بلکہ نوکا خود موجود ہوتی اور اسے فتح مندانہ نظروں سے دیکھ رہی ہوتی۔

اب سردست مسئلہ یہ تھا کہ اس گولی کو بہادر کے قدموں سے کس طرح اٹھایا جائے؟ بہادروں نے اسے چاروں طرف سے گھیرا ہوا تھا اور ان کے ہتھیاروں کا رخ اس کے سینے کی طرف اس تنبیہ کے ساتھ کہ ذرا بھی ہلے جلے تو گولی مار دی جائے گی۔

''اس کی تلاشی لو!'' ایک بہادر نے حکم دیا۔

حکم کی تعمیل کے لیے وہ بہادر بڑھا جس کے قدموں میں گولی پڑی تھی۔ وہ آگے بڑھا گولی کو ٹھوکر لگی اور گولی سیدھی قامران کے پاس...... قامران نے فوراً ہی اس گولی کو اٹھانے کی کوشش کی۔ اس نے اسے اہمیت ہی نہ دی۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے عجلت میں گولی اٹھائی تو وہ کان تک جانے سے پہلے ہی ان نام نہاد ''بہادروں'' کے ہاتھ میں چلی جائے گی۔

گولی کو لڑھکتے دیکھ کر وہ بہادر متوجہ ہوئے بنا نہ رہ سکا۔ اس نے تلاشی لینے سے پہلے قامران کے نزدیک سے اٹھایا اور اپنے انگوٹھے اور انگلی کے درمیان دبا کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ ایک رنگ کی پتھر کی بھدی سی گولی تھی۔ اس گولی میں باریک باریک سے بے شمار سوراخ تھے۔ دیکھنے میں سوراخ ہی دکھائی دیتے تھے لیکن ایسا نہ تھا...... ان سوراخوں کے ذریعے دیوتا کی شبیہ منقش کی گئی تھی۔

''کیا ہے؟'' بہادروں کا سرغنہ آگے بڑھا۔

اس بہادر نے بغیر تبصرہ کیے' وہ گولی اس کی طرف بڑھا دی۔ بہادروں کے سرغنہ نے بھدے سے پتھر کے ٹکڑے پر سرسری سی نظر ڈالی اور لاپروائی سے اسے ایک کونے میں پھینکتا ہوا بولا

''کچھ نہیں' تم اپنا کام کرو۔''

قامران نے بڑی مایوسی سے اس گولی پر نظر ڈالی جو اس کے نزدیک آ کر پھر دور ہوگئی پھر وہ بہادر اپنے سرغنہ کا حکم سن کر قامران کی طرف بڑھا اور اس کے جسم کا چپہ چپہ چھان مارا اسے کوئی قابل اعتراض چیز نہ دکھائی دی۔

''صاف ہے۔'' اس بہادر نے اٹھتے ہوئے رپورٹ پیش کی۔

قامران نے سازی دیوتا کا شکر ادا کیا کہ ان لوگوں نے اس کے کپڑے اتار کر اسے مہذب کی کوشش نہیں کی۔

''چلو اٹھو۔'' سرغنہ نے ہتھیار سے اشارہ کیا۔

قامران دور پڑی گولی کو دیکھتا ہوا آہستہ آہستہ اٹھنے لگا۔ وہ گولی کو اپنی گرفت میں لینے کی ب سوچ رہا تھا۔ جب قامران کھڑا ہوگیا تو سرغنہ نے پیچھے سے دھکا مار کر کہا...... ''آگے بڑھو۔''

بس یہی وقت کچھ کر گزرنے کا تھا۔ دھکا اگرچہ ایسا نہ تھا کہ وہ چاروں شانے چت زمین پر ا لیکن وہ جا گرا۔ فرش پر گرتے ہی اس نے تیزی سے ہاتھ آگے بڑھایا۔ اس سے پہلے کہ وہ بہادر ھتے' قامران ایک مرتبہ پھر ان کی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ قامران نے گرتے ہی کونے میں پڑی پر ہاتھ مارا تھا اور کھڑے ہوتے ہوئے اسے کان میں ٹھونس لیا تھا اور ان بہادروں کی گرفت سے اب بڑے مزے سے ایک کونے میں کھڑا تھا۔

وہ حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے اور اس جگہ کو ٹٹول رہے تھے جہاں قامران تھا۔ پھر وہ غصے سے لال پیلے ہوتے نوکا کے مکان سے نکل گئے۔ ان کے جانے کے بعد قامران کان میں لگی گولی کو مزید اندر کیا اور پورے اطمینان سے ٹہلتا ہوا نوکا کے مکان سے نکلا اور ایک چل دیا۔

آگے تمام مکان خالی پڑے تھے۔ ان میں ایک بھی لڑکی موجود نہ تھی۔ شاید تمام لڑکیاں اپنے پر جا چکی تھیں۔ قامران کو اس وقت شدت سے بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے رات کو بھی کھایا تھا۔ اس ننگے بھوکوں کی بستی میں اسے کھانے کو کیا مل سکتا تھا؟ قامران نے چاروں طرف دوڑاتے ہوئے سوچا۔

ایک خالی مکان میں گھس کر اس نے اچھی طرح تلاشی لی لیکن کھانے کی کوئی چیز اس کے ہ لگی اور یہ بات قامران کی توقع کے مطابق تھی۔ وہ جانتا تھا کہ جہاں صبح شام لمبی قطار لگوا کر کھانا تا ہو وہاں گھروں میں کسی کھانے پینے کی شئے کا ہونا ایسے ہی ہے جیسے چیل کے گھونسلے میں ماس کا

وہ گھومتا گھامتا بستی کے دروازے پر پہنچا۔ اس نے سوچا کہ وہ باہر جا کر ہی کچھ پھل پھول ئے لیکن بستی کا دروازہ بند تھا۔ اس نے ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مار کر دروازے کو کھولنے کی کوشش کی' ناکام رہا۔ دروازے سے مایوس ہو کر وہ پھر بستی کی طرف پلٹا۔ گولی کان میں رکھنے کی وجہ سے وہ ں کی نظروں سے اوجھل تو ہوگیا تھا لیکن اس کا وجود اپنی جگہ تھا۔ وہ شدت سے بھوک محسوس کر رہا ور دروازہ بند ہونے کی وجہ سے وہ باہر نہیں جا سکتا تھا۔

کیا وہ کھانا نہ ملنے کی وجہ سے اس شیشے کی بستی میں دفن ہو کر رہ جائے گا۔ بظاہر آثار تو ایسے ھائی دے رہے تھے! پھر اس نے مقدم بمن کے گھر کا رخ کیا۔ اس کا خیال تھا کہ قدم بمن بھی کے دوسرے لوگوں کی طرح کام پر گیا ہوگا۔ باہر سے نظر آنے والی پتھر کی کرسی خالی پڑی تھی جس شام وہ وہاں براجمان تھا۔

قامران کھلے دروازے سے بے دھڑک اندر داخل ہوگیا۔ سرخ دیواروں والے بڑے

کمرے کو عبور کر کے اس نے اندرونی دروازے سے اندر جھانکا تو ایک بے لباس لڑکی قیامت ڈ
چلتی چھری سے کوئی پھل کاٹتی اس کی طرف آتی دکھائی دی۔ قامران فوراً دروازے سے ہٹ گیا
لڑکی ادھر آنے کے بجائے ایک اور دروازے میں داخل ہوگئی۔ وہ جس دروازے سے داخل ہ
اس کی دیواریں بہت گہری تھیں۔ ان کے آر پار نہیں دیکھا جاسکتا تھا۔ قامران بھاگ کر اس درو
میں داخل ہوگیا۔ یہ ایک چھوٹا سا چوکور کمرہ تھا۔ اس کمرے میں وافر مقدار میں کھانے پینے
موجود تھا۔

اس لڑکی نے پھل کاٹتے کاٹتے ادھر ادھر دیکھا اور ایک بڑا سا ٹکڑا اپنے منہ میں رکھا
جلدی جلدی منہ چلانے لگی۔ قامران اس کی اس حرکت پر مسکرائے بنا نہ رہ سکا۔ جب وہ بڑا سا
پھلوں کے ٹکڑوں سے بھر گیا تو اس نے ایک ٹکڑا اور اٹھا کر اپنے منہ میں رکھا اور جلدی جلدی اسے
سے اتار کر اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

وہ پھلوں سے بھرا برتن اگرچہ اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ اس کے باوجود کمرے میں کھا
پینے کا ''مال'' وافر مقدار میں موجود تھا۔ قامران رس بھرے میٹھے پھلوں پر طوطے کی طرح ٹو
اور اپنے تیز دانتوں سے پھلوں کو کتر کتر کر کھانے لگا۔ گاہے گاہے وہ دروازے کی طرف بھی دیکھ
تھا' لیکن اس وقت تک جب تک قامران کھانے میں مصروف رہا' کوئی اندر نہ آیا اور اگر اتفاق سے
آ بھی جاتا تو اس کا کچھ نہ بگاڑ سکتا تھا۔ اس نے سیر ہو کر پھلوں سے شغل کیا۔ جب پیٹ میں
گنجائش نہ رہی تو وہ اپنے ہاتھ اور منہ صاف کرتا اس چھوٹے سے چوکور کمرے سے باہر نکلا۔

مقدم بمن کا گھر بستی کے عام گھروں سے بہت بڑا تھا۔ قامران نے سوچا کیوں نہ پ
دیکھ لیا جائے۔ اس گھر میں ادھر ادھر کمروں میں چند لڑکیاں تو نظر آئیں لیکن مقدم بمن کہیں نہ
دیا۔ وہ مختلف دروازوں سے گزرتا اندر ہی اندر بڑھتا گیا یہاں تک کہ ایک دروازے سے اسے
اور پھلوں سے لدے درخت نظر آنے لگے۔

یہ ایک بے حد خوبصورت باغ تھا۔ قامران سیڑھیاں اتر کر اس باغ میں داخل ہوگیا۔
سا آگے جانے کے بعد اسے ایک گوشے میں مقدم بمن دکھائی دے گیا۔ مقدم بمن جو اس شہر کی
کا سربراہ تھا' وہ اس وقت جبکہ پوری قوم کام پر لگی ہوئی تھی' گھاس پر اوندھے منہ لیٹا تھا۔ اس
سامنے پھلوں کے ٹکڑوں سے بھرا برتن رکھا تھا۔ اور ایک بے لباس لڑکی اسے اپنے ہاتھ سے پھل کھلا
تھی جبکہ دوسری لڑکی اس کے جسم کی مالش کرنے میں مصروف تھی۔

تب قامران کو نوکا کے کہے الفاظ یاد آئے...... ہمارا مقدم بھی ہماری طرح رہتا ہے۔
قامران نے یہاں جو کچھ دیکھا تھا' وہ اس کے برخلاف تھا...... ایک تو مقدم بمن کا گھر بے حد
تھا۔ دوسرے اس گھر میں کھانے پینے کی اشیاء کی کوئی کمی نہ تھی جبکہ دوسرے لوگوں کو قطار میں کھانا
اور وہ بھی نپا تلا۔ ایک عام آدمی بغیر کام کیے کھانے کا مستحق نہ ٹھہرتا جبکہ مقدم بمن کے پاس کوئی
تھا اور کھانے کے عیش تھے۔

قامران نے سوچا کہ شاید ایک عام آدمی کو مقدم بمن کے بارے میں کوئی علم نہیں ا
جاننے کا وقت ہی کہاں ملتا ہوگا۔ صبح ہوتے ہی کام کی دھن...... شام کو تھوڑا بہت گھر پر وقت گزا

ا کھانا حاصل کیا۔ جلدی جلدی زہر مار کیا کہ ادھر سونے کی سیٹی بج گئی۔ پوری بستی اس سیٹی کی
سو جاتی ہے۔ صبح اٹھ کر پھر وہی کام۔ اس کام اور کھانے کے چکر سے یہاں کے لوگوں کو کہاں
تی ہوگی کہ وہ اپنے سربراہ کے بارے میں کچھ سوچ سکیں۔

مقدم بن نے بڑی چالاکی سے یہاں کے عوام کو اپنے دام میں پھنسایا ہوا ہے۔ خود عیش کرتا
عوام اپنا خون پسینہ بہا کر بھی ایک وقت کے کھانے کو ترستے ہیں۔ بوڑھے لوگوں کو یہاں کھانے
ام پر زہر دے دیا جاتا ہے۔

مقدم بمن کو اس طرح عیش کرتے دیکھ کر قامران کا جی چاہا کہ ایک بڑے سے پتھر سے اس
ر کچل دے...... لیکن وہ ایسا کرنے سے قاصر تھا۔ چاندکا نے اسے اس بستی میں کسی کا قتل کرنے نہیں
ام پہنانے کو بھیجا تھا۔ ہاں اگر وہ خود سے اس بستی میں داخل ہوا ہوتا تو کب کا یہ کام کر گزرتا۔
یہاں کے عوام مقدم بمن کے بھیانک قتل کی خبر سن لیتے۔

ابھی قامران غصے میں بھرا اپنا خون جلا ہی رہا تھا کہ اس نے ایک کسے ہوئے بدن کی لڑکی کو
چلتے بمن کی طرف آتے دیکھا۔ اس کی چال سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کوئی اہم خبر لے کر آئی
مران اس کی بات سننے کے لیے مقدم بمن کے اور نزدیک ہوگیا۔

''مقدم!'' وہ لڑکی نزدیک آ کر بصد احترام مخاطب ہوئی۔

''کیا خبر ہے؟'' بمن نے چپڑ چپڑ منہ چلاتے ہوئے کہا۔

''نوکا کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔'' اس لڑکی نے اطلاع دی۔

گرفتاری کی خبر سن کر مقدم بمن اچھل کر کھڑا ہوگیا اور تیز تیز چلتا مکان کی طرف بڑھنے
مران بھی اس کے ساتھ ساتھ چلا۔ مقدم بمن نے اس بڑے کمرے میں پہنچ کر دم لیا جس کی
ی سرخ تھیں اور جس کے اندر باہر سے بہ آسانی دیکھا جاسکتا تھا۔ نوکا کو پانچ ہتھیار بندوں نے
رغے میں لیا ہوا تھا۔ مقدم بمن کو اندر آتے دیکھ کر انہوں نے نوکا کو دھکا دے کر آگے بڑھایا۔

مقدم بمن پتھر کی کرسی پر آرام سے بیٹھ گیا اور نوکا کی طرف زہریلی نظروں سے دیکھتے
ولا: ''نوکا۔''

نوکا نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا اور بمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔ ''ہاں' مقدم۔''

''ہم تمہیں نیلے مکان میں بند کرنے کا حکم دیتے ہیں' تمہیں کوئی اعتراض؟''

''اعتراض کوئی نہیں...... میں صرف اپنا قصور جاننا چاہوں گی۔'' نوکا نے سنجیدگی سے کہا۔

''تم اب اس مہذب بستی میں رہنے کے قابل نہیں رہی ہو۔''

''کیا میں نے کام کرنے سے انکار کر دیا ہے یا میں نے غیر مہذب دنیا کا کوئی وطیرہ اپنا لیا

تم نے ایک غیر مہذب دنیا سے آنے والے وحشی کو فرشتے سے مماثلت دی۔ اس کی
کی تعریف کی۔ پھر وہ وحشی اور جنگلی آدمی تمہارے مکان میں پایا گیا...... کیا تم اس سے انکار

''میں صبح جب کام پر جانے کے لیے نکلی ہوں تب تک میرے مکان میں کوئی نہ تھا۔ میرے

جانے کے بعد اگر وہاں کوئی آ گیا ہو تو میں اس کی ذمے دار نہیں۔" نوکا نے اپنی صفائی پیش کی
"تم غیر مہذب دنیا کی طرح دیوتاؤں پر یقین رکھتی ہو۔" ایک اور الزام۔
"میں نے کورا سے جو کچھ کہا' وہ محض ایک مذاق تھا۔ اس نے یہ باتیں تم تک پہنچا
اس نے بہت برا کیا۔"
"اس نے اچھا کیا یا برا...... یہ ہم بہتر جانتے ہیں...... اب تمہاری گلوخلاصی اسی صور
ہو سکتی ہے کہ اس جنگلی نوجوان کو ہمارے حوالے کر دو ورنہ سنہری رات کے جشن کے بعد تمہیں
دی جائے گی۔"

نوکا نے جواب میں کچھ کہنا چاہا لیکن بمن نے کچھ سننے سے انکار کر دیا اور بہادروں
سر طنے سے اسے نیلے مکان میں ڈال دینے کو کہا۔ مقدم بمن کا حکم سن کر وہ اسے گھسیٹتے ہوئے لے
گئے۔

قامران کا اب یہاں کھڑا ہونا بیکار تھا۔ وہ ان بہادروں کے پیچھے ہولیا۔ وہ نام نہاد
کو بڑی بے دردی سے گھسیٹتے ہوئے لیے جا رہے تھے۔ قامران کا جی چاہا کہ ان میں سے کسی کا
چھین کر ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دے اور نوکا کو یہاں سے نکال لے جائے۔ لیکن ایسا ممکن نہ تھا
بہادروں کی موت کے بعد نوکا مزید سختیوں میں گرفتار ہو سکتی تھی۔ قامران نے صبر کیا اور اپنے ہونٹ
سے بھینچے ان کے پیچھے چلتا رہا۔

چلتے چلتے وہ ایک چھوٹے سے میدان میں پہنچ گئے۔ اس میدان کے بیچ ایک چھوٹا سا
تھا جس کی دیواریں نیلی تھیں۔ ان بہادروں نے نوکا کو اس مکان میں دھکیل دیا اور خود مکان
چاروں طرف پھیل گئے جبکہ ایک بہادر دروازے کے قریب کھڑا ہو گیا۔

نوکا دھکا کھا کر فرش پر اوندھے منہ گری۔ چوٹ کی پروا نہ کرتے ہوئے وہ بڑی لا
سے اٹھی اور مکان کے ایک کونے میں بڑے اطمینان سے جا بیٹھی۔

قامران دروازے سے گزر کر اندر پہنچا اور نوکا کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ پھر اس نے نوا
ریشمیں بازو پر اپنی انگلی پھیری۔ نوکا پہلے تو سہم کر پیچھے ہٹی' پھر اسے قامران کی موجودگی کا ا
ہو گیا۔ اس نے چاروں طرف دیکھ کر اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔

قامران نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور اسے دباتے ہوئے دھیرے سے بولا۔ "میری وج
تمہیں مصیبت میں گرفتار ہونا پڑا...... اس کے لیے میں شرمندہ ہوں۔"

"مجھے پہلے یہ بتاؤ کہ ان لوگوں نے تمہیں میرے مکان میں کیسے دیکھ لیا جبکہ میری
تک تم وہاں موجود نہ تھے۔" نوکا نے اپنا سر جھکا کر گھٹنوں میں دے لیا تاکہ باہر موجود بہادر اس
ہونٹ ہلتے نہ دیکھ سکیں اور اتنے آہستہ سے بولی کہ پاس بیٹھا قامران تو سن لے لیکن اس کی
کمرے سے باہر نہ جا سکے۔

"بس' یوں سمجھ لو کہ سوتے میں مجھ سے غلطی ہو گئی۔ بے دھیانی میں ان پر ظاہر ہو گیا
لیکن اب تم بتاؤ کہ میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔" قامران نے پرخلوص لہجے میں کہا۔
"اب میری زندگی سنہری رات کے جشن تک ہے اور میں جانتی ہوں کہ مجھے موت کے

ہاتھ سے اب کوئی نہیں چھڑا سکتا' لیکن مرنے سے پہلے میری ایک خواہش ہے اگر وہ تم پوری کر دو تو......
"خواہش بتاؤ...... میں اپنی زندگی داؤ پر لگا کر تمہاری خواہش پوری کروں گا...... بولو۔"
"اپنے مرنے سے پہلے میں کورا کی موت کی خبر سننا چاہتی ہوں۔ اس نے دوست ہو کر مجھے
دیا ہے...... کیا تم اسے ٹھکانے لگا پاؤ گے؟" نوکا نے آہستہ مگر تیز لہجے میں پوچھا۔
"میرے لیے یہ کام بہت آسان ہے...... آج ہی رات میں کورا کو موت سے ہمکنار کر دوں
اور بولو۔"
"بس اس کے علاوہ کچھ نہیں...... اس کی موت کی خبر میرے دل میں سکون پھیلا دے گی
آرام سے مر سکوں گی۔"
"سنہری رات کا جشن کب ہے؟" قامران نے پوچھا۔
"کل رات...... یہ جشن ہر ماہ چاند کی چودہ تاریخ کو منایا جاتا ہے...... اسی جشن میں کسی نئی
لو اگر ہو تو کسی پسند کے مرد کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بقیہ لوگ اپنی اپنی پسند سے
دوسرے کا انتخاب کر لیتے ہیں...... کل رات کورا اپنی پسند کے مرد کے حوالے کر دی جائے گی......
چاہتی ہوں کہ وہ خوشی نہ دیکھ سکے۔"
"تم فکر مت کرو' نوکا...... کورا سنہری رات کا جشن تو دور کی بات ہے وہ کل صبح کا سورج بھی
دیکھ پائے گی۔" قامران نے بڑے یقین سے کہا۔
پھر کچھ دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد قامران نیلے مکان سے نکل آیا۔
چلتے چلتے اس نے ایک بہادر کے بازو پر زور سے چٹکی بھری۔ وہ بلبلا کر پیچھے پلٹا مگر وہاں
ائی نہ تھا۔ قامران مسکراتا ہوا آگے بڑھا' وہ بہادر بڑی دیر تک حیرت سے اپنا بازو سہلاتا رہا۔
قامران کو کورا کا مکان تلاش کرنے میں ذرا بھی دقت نہ ہوئی۔ نوکا نے اس کے مکان کی
سی نشانیاں بتا دی تھیں۔ اس کے گھر میں داخل ہو کر وہ آرام سے فرش پر لیٹ گیا اور اس کے
نے کا انتظار کرنے لگا۔
کورا شام کے وقت کام سے واپس آئی۔ اس کے چہرے پر تھکن کے آثار تھے۔ لگتا تھا
وہ جسمانی مشقت کر کے آئی ہو۔
کورا کے آتے ہی قامران اٹھ کر کھڑا ہو گیا تاکہ اس کا وجود اس سے مس نہ ہونے پائے۔
آتے ہی فرش پر چت لیٹ گئی۔ اس نے اپنے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیئے اور آنکھیں بند کر کے
ہاتھ ان پر رکھ لیا اور گہرے سانس لینے لگی۔
بستی کی سب سے حسین لڑکی کو اس قیامت خیز انداز میں لیٹا دیکھ کر اس کے مساموں میں
بھرنے لگا...... قامران کے لیے کورا کی طرف دیکھنا مشکل ہو گیا' اس نے اپنی نظریں پھیر لیں۔
ابھی کورا بے سدھ پڑی آرام کر رہی تھی کہ ایک نوعمر لڑکا دروازے پر نمودار ہوا۔ اس نے
ے پر آتے ہی کورا کو زور سے پکارا۔
کورا اس کی آواز سنتے ہی اچھل کر کھڑی ہو گئی۔
پھر وہ دونوں بانہیں پھیلا کر ایک دوسرے کی طرف بڑھے اور بڑے جوش سے ایک

دوسرے کے گلے لگ گئے۔ اس لڑکے کی گرفت دھیرے دھیرے مضبوط ہوتی گئی۔ یہاں تک۔۔ تلملا اٹھی۔

"پیچھے ہٹو...... کیا ہڈیاں توڑو گے میری۔" کورا اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے بولی۔

"پھر کل رات کا جشن میرے لیے خوشیاں لے کر آئے گا؟ کیا تم اپنے وعدے پر قائم" لڑکے نے پھر اسے اپنے بازوؤں میں بھرتے ہوئے کہا۔

"ہاں ...... اس میں کیا شک ہے' کروشا۔" کورا اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"صبر نہیں ہوتا کورا...... کیا یہ جشن آج ہی رات نہیں منایا جاسکتا۔"

"اتنے بے صبرے نہ بنو...... اصول کی خلاف ورزی کی سزا تم جانتے ہی ہو۔" کورا نے اس کی ناک مروڑتے ہوئے کہا۔ "اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ میں مرنا ابھی نہیں چاہتی۔"

کروشا نے کوئی جواب دینے کے بجائے اسے سختی سے اپنی بانہوں میں بھرلیا کہ کورا کو لینا بھی دوبھر ہوگیا۔

"چھوڑ دو مجھے۔" کورا نے کسی حد تک سختی سے کہا' لیکن کروشا پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ کے چہرے پر جھکنے لگا۔

قامران کی طرف کروشا کی پشت تھی اور قامران اس کے نزدیک ہی کھڑا یہ تماشا دیکھ تھا۔ اسے جانے کیا شرارت سوجھی کہ اس نے کروشا کے بے لباس کولہے پر ایک زوردار ہاتھ جما کروشا نے فوراً ہی کورا کو چھوڑا اور اپنا کولہا سہلاتا ہوا کورا کو حیرت سے دیکھنے لگا۔

"کیا ہوا؟" کورا نے پوچھا۔

"میرے کولہے پر ہاتھ کس نے مارا؟"

"ہیں...... یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" کورا کے لہجے میں خوف تھا۔ "یہاں میرے اور تمہارے سوا کوئی نہیں۔"

قامران ایک کونے میں آرام سے بیٹھا ان دونوں کی گفتگو بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا قامران کا ہاتھ کھاتے ہی کروشا کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا تھا...... اب وہ کورا سے لپٹنے کے بجائے دو ہاتھ پیچھے کھڑا تھا۔ پھر وہ زیادہ دیر وہاں نہ ٹھہر سکا۔ کورا دروازے تک اس کے ساتھ گئی۔ اسے الوداع کہہ کر واپس پلٹی اور بڑی حیرانی سے مکان میں چاروں طرف دیکھنے لگی۔ مکان کی تمام چیزیں اپنے ٹھکانے موجود تھیں۔ پھر اس نے کروشا کا وہم سمجھ کر اپنے دل سے اس واقعہ کو نکالنے کی کوشش کی۔

شام ڈھلتے ہی جب کھانے کی تیز سیٹی سنائی دی اور بستی کے لوگ اپنے اپنے برتن اٹھائے کھانا لینے جانے لگے' کورا بھی مکان سے نکل گئی تو قامران نے مقدم بمن کے مکان کا رخ کیا۔ اسے کھانا صرف وہیں سے مل سکتا تھا۔

بمن کے مکان میں کھانا توقع سے کہیں زیادہ موجود تھا اور یہ کھانا اس کھانے سے بالکل مختلف تھا جو ایک عام آدمی کو تقسیم کیا جاتا تھا...... اس کھانے میں بدبو نہ تھی' یہ ایک بے حد لذیذ اور شاندار کھانا تھا...... قامران نے خوب سیر ہو کر کھایا اور بڑے اطمینان سے مقدم بمن کے سامنے سے ہوتا اسے مکا دکھاتا ہوا باہر نکل آیا۔

اب اس کے قدم تیزی سے کورا کے گھر کی طرف اٹھ رہے تھے۔ جب وہ اس کے مکان پر تو وہ وہاں موجود تھی اور کھانا کھا کر برتن صاف کر رہی تھی۔

قامران نے مکان میں داخل ہو کر ایک ایسا گوشہ تلاش کیا جہاں کورا کی آمدورفت نہ تھی۔ وہ محفوظ کونے میں بیٹھ کر کورا کو چلتے پھرتے دیکھنے لگا۔

ایک بار ایسا ہوا کہ وہ کوئی چیز رکھنے اسی گوشے میں آپہنچی۔ وہ تو قامران نے پھرتی دکھائی اس کا وجود اسے محسوس ہوجاتا۔

آخر وہ وقت آپہنچا۔ قامران کے کانوں میں تیز سیٹی کی آواز پڑی جو اس بات کی علامت کہ اب کسی مکان میں روشنی نہ رہے۔ سیٹی کی آواز سنتے ہی کورا نے روشنی بجھا دی اور آرام سے نے کے لیے لیٹ گئی۔

قامران مکان کے گوشے سے نمودار ہوا۔ بیٹھے بیٹھے اس کی ٹانگیں اکڑ گئی تھیں۔ کھڑے ہو کر اس نے ایک بھرپور انگڑائی لی۔ انگڑائی کے دوران اس کے منہ سے پرکیف آواز نکلنے لگی تھی لیکن اس نے فوراً ہی اپنی آواز پر قابو پالیا اور خاموش انگڑائی لے کر کورا کی طرف بڑھا۔

کورا تھوڑی دیر سونے کے لیے ادھر ادھر کروٹیں بدلتی رہی۔ جلد ہی اسے نیند نے آدبوچا۔ قامران نے جب اس کے منہ سے خراٹوں کی آواز سنی تو وہ خود کو آنے والے لمحات کے لیے تیار کرنے پھر وہ دروازے تک گیا۔ اس نے جھانک کر باہر دیکھا۔ دور تک کوئی بندہ بشر نہ تھا۔ تمام گھر اندھیرے میں لپٹے ہوئے تھے۔ قامران واپس پلٹا۔

کورا کے قریب بیٹھ کر اس نے اپنا گھٹنا اس کے منہ پر رکھا اور برق رفتاری سے اس کے گلے کو دبوچ لیا۔ پھر قامران جو چاہتا تھا' ویسا ہی ہوگیا۔

کورا اپنے گلے پر دباؤ پڑتے ہی بہت تڑپی' بہت پھڑکی' اس نے اپنے بچاؤ کے لئے لاکھ جتن کیے لیکن قامران کی آہنی گرفت سے نکلنا تو دور کی بات ہے وہ اپنے گلے سے آواز بھی نہ نکال سکی۔ قامران کو جب یقین ہوگیا کہ رشتۂ جسم و جاں اب چھوٹ چکا ہے تو اس نے اپنے ہاتھ اس کی گردن سے ہٹا لیے۔

ابھی وہ کھڑا ہونا ہی چاہتا تھا کہ معاً اس کی نظر دروازے پر پڑی۔ دروازے میں کسی کا وجود دیکھ کر وہ چونک اٹھا۔

☆......☆......☆

اس نے فوراً اپنے کان کو ہاتھ لگایا...... گولی اس کے کان میں موجود تھی' اس نے سارے دیوتا کا شکر ادا کیا۔

قامران کو اسے پہچاننے میں دیر نہ لگی۔ وہ کروشا تھا' بے قرار اور بے چین جو سنہری رات کے جشن سے پہلے ہی کورا کو اپنا بنا لینا چاہتا تھا۔ وہ بڑی احتیاط سے دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہا تھا جبکہ قامران اتنی ہی احتیاط سے پیچھے ہٹتا جارہا تھا۔ قامران نے جب دروازے سے نکلتے ہوئے کروشا کو بے جان کورا پر جھکتے دیکھا تو وہ مسکرائے بنا نہ رہ سکا۔ وہ جانتا تھا کہ کروشا جو اس وقت جوانی کے جنون میں مبتلا ہے کورا کی موت کا اندازہ نہ کر پائے گا بلکہ اس گہری نیند کو غنیمت جان کر اس سے

بھرپور فائدہ اٹھائے گا۔

صبح ہونے سے پہلے قامران نوکا کو خوشخبری سنا دینا چاہتا تھا' لہٰذا وہ تیز تیز قدموں مکان کی طرف بڑھنے لگا۔ راستے میں اسے کئی مرتبہ ہتھیار بند بہادر دکھائی دیئے لیکن وہ ان کے سے گزرتا آگے بڑھتا گیا۔ نیلے مکان پر پہنچ کر اس نے ہتھیار بندوں کو تلاش کیا۔ وہ چاروں اس بجائے چاروں طرف کھڑے ہونے کے دروازے کے نزدیک بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک جاگ تھا جبکہ دوسرے ہتھیار بند آدمی گھٹنوں میں سر دیئے پورے اطمینان سے خراٹے بھر رہے تھے۔

قامران ان کے نزدیک سے گزرتا بغیر آواز کیے نیلے مکان میں داخل ہو گیا۔ نوکا دیوار پیٹھ لگائے' ہاتھ پاؤں پسارے بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ قامران نوکا کے پاس بیٹھ گیا دھیرے سے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا اور ہلکے سے کھانسا۔ نوکا جانے کن خیالوں میں گم تھی ۔ اچھل پڑی۔

''میں ہوں قامران۔'' اس نے سرگوشی کی۔

''اوہ۔'' تب نوکا نے اسے پہچان لیا۔ ''کیا خبر لائے ہو۔''

''تمہارے دشمن کو نیست و نابود کر دیا گیا ہے۔''

''سچ۔'' نوکا کی آواز میں خوشی تھی اور اس کے چہرے پر اطمینان کی ٹھنڈی پھوا پڑنے لگی۔ اس خبر نے اس کا کلیجہ ٹھنڈا کر دیا تھا۔

پھر قامران وہاں زیادہ دیر نہ ٹھہرا۔ صبح ملاقات کا وعدہ کر کے وہ نیلے مکان سے نکل آیا۔ اس نے بستی میں ایک گوشہ تلاش کیا جہاں آمدورفت برائے نام ہو۔ کھلے آسمان کے نیچے اس نے اپنا جمایا۔ گولی کو کان میں مزید ٹھونسا تاکہ وہ سوتے میں نکل نہ جائے۔ پھر کروٹ لے کر وہ سو گیا۔

صبح کا سورج بستی میں طوفان لے کر آیا۔ ہر سو کورا کی موت کا چرچا تھا اور کروشا کے وحشیانہ طرز عمل کا ذکر۔ کروشا کو ہتھیار بند بہادروں نے کورا کے مکان سے نکلتے دیکھ لیا تھا۔ یہ ایک سنگین جرم تھا۔ کنواری لڑکیوں کے مکانوں میں جانے کی کسی کو اجازت نہ تھی اور وہ بھی رات کے اندھیرے میں۔ کروشا کو گرفتار کرنے کے بعد جب ہتھیار بندوں نے کورا سے بازپرس کے لیے اس کے مکان میں قدم رکھا تو وہاں صورت حال کو مزید سنگین پایا۔ تب کروشا کو پتہ چلا کہ کورا گہری نیند میں نہ تھی بلکہ ابدی نیند میں تھی اور وہ بیک وقت کئی جرائم میں ملوث ہو گیا تھا۔

قامران نے صبح اٹھ کر سب سے پہلے کورا کے گھر کا رخ کیا۔ راستے میں اسے بے کہانیاں سننے کو ملیں۔ جب وہ کورا کے مکان پر پہنچا تو وہاں کچھ نہ تھا۔ مکان خالی تھا۔ کورا کی لاش و سے اٹھوالی گئی تھی۔ باوجود کوشش کے قامران کو یہ نہ معلوم ہو سکا کہ کورا کی لاش کہاں گئی۔ اسے جلا گیا یا دفنا دیا گیا یا دریا برد کر دیا گیا...... وہ کروشا کا انجام بھی نہ جان سکا۔ بس لوگوں کو خیال آرا کرتے ہی سنا کہ کروشا کو بڑی عبرت ناک سزا دے گئی ہے۔

قامران لوگوں کی باتیں سنتا' گھومتا گھامتا مقدم بمن کے گھر پہنچا۔ اس کا خیال تھا کہ بمن کے ہاں سے صحیح معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ خلاف توقع بمن گھر میں موجود نہ تھا۔ قامران نے گھر کا چپہ چپہ چھان مارا۔

مقدم بمن گھر میں نہ دکھائی دیا تو اس نے اپنا غصہ وہاں رکھی ہوئی کھانے پینے کی اشیاء پر اور اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرتا باغ کی طرف چلا۔ باغ بھی سنسان پڑا تھا۔ قامران نے باغ کا گوشہ دیکھ ڈالا لیکن شیشے کی اس بستی کا حکمران اسے کہیں نہ دکھائی دیا۔ تب قامران نے باغ کا ایک گوشہ منتخب کر کے اپنا ڈیرہ وہاں جما لیا اور آنکھیں بند کر کے سوچنے لگا کہ اب کیا کیا جائے۔ جس مقصد کے لیے بستی میں بھیجا گیا تھا' اس میں کامیابی کا کوئی امکان نہ تھا۔

اس کا خیال تھا کہ وہ نوکا کو کپڑے پہنانے میں کامیاب ہو جائے گا لیکن وہ یہ نہ جانتا تھا ورت کو بے لباس کرنا تو آسان ہے لیکن اسے کپڑے پہنانا مشکل بلکہ بے حد مشکل۔

نوکا اسے دوسری لڑکیوں کے مقابلے میں کچھ بہتر لگی تھی۔ اس کے دل میں ابھی دیوتاؤں کی انی تھی' لیکن اس نے کپڑے پہننے سے قطعی انکار کر کے قامران کو سخت مایوس کیا تھا۔

اب جبکہ اس نے اس کے لیے ایک انسانی جان لے لی تھی تو کیا وہ مرنے سے پہلے لباس کرا سے خوشی نہیں دے سکتی تھی۔ قامران نے سوچا' وہ اس سے ایک مرتبہ اور بات کر کے دیکھے گا۔ اس کے دل میں اس کی بات اتر جائے اور وہ لباس پہننے کے لیے راضی ہو جائے۔

تب قامران کو اچانک ہنسی آ گئی۔ فرض کرو اگر نوکا اس کے کہنے پر لباس پہننے کے لیے راضی تو وہ اسے پہنائے گا کیا؟...... لباس نام کی کوئی چیز اس کے پاس نہ تھی۔

تب قامران چھلانگ مار کر اٹھ بیٹھا اور باغ سے پتے توڑ توڑ کر ایک خوبصورت لباس تیار نے لگا۔ پھر وہ اس لباس کو درختوں کے ایک جھنڈ میں چھپا کر باہر نکل آیا۔

بستی میں سرشام ہی سے رات کے جشن کی دھوم تھی۔ آج شاید بستی کے لوگ جلد ہی اپنے ں سے واپس آ گئے تھے۔ ہر طرف چہل پہل تھی۔ لوگ نہا دھو کر اپنے جسموں کو رنگ رہے تھے۔ بوٹے بنا رہے تھے۔

قامران جب بستی سے گزرتا نیلے مکان میں پہنچا تو اس نے ایک ہتھیار بند کو نوکا کی طرف ے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں رنگ تھا اور وہ اس کے جسم پر لگانا چاہتا تھا۔

''خبردار جو آگے بڑھے۔'' نوکا نے للکار کر کہا۔ ''یہ ٹھیک ہے کہ مقدم بمن نے مجھے نیلی ٹکیہ سزا دے دی ہے لیکن میں جب تک زندہ ہوں میرے جسم پر کوئی شخص میری مرضی کے بغیر ہاتھ نہیں سکتا......''

''قاعدہ قانون تو ہمیں بھی سارے معلوم ہیں...... پر یہ تو سوچو کہ آج جشن کی رات ہے۔ تمہاری زندگی بھی بہت تھوڑی ہے۔ سنہری رات کے جشن کے بعد تمہیں کسی بھی وقت نیلی ٹکیہ کھلائی تی ہے۔ ایسی صورت کے پیش نظر تو تمہیں خود چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ خوشیاں حاصل کرو۔ ہمارے ہ ناچو گاؤ' رنگ لگواؤ نہ کہ ہمیں قاعدے قانون بتا کر ہماری خوشیاں بھی تباہ کرو۔'' وہ خباثت سے ہوا آگے بڑھا۔

''میں کتنی بار کہہ چکی ہوں کہ مجھے توند والے مردوں سے سخت نفرت ہے...... میں تم پر تھوکنا نہیں چاہتی......'' نوکا نے خفگی سے کہا۔

''اب کوئی شہزادہ تو تمہارے لیے اوپر سے اترنے سے رہا...... بہتر ہوگا اپنی آنکھ سے

خودفریبی کی پٹی اتارلو۔"

"آسمان سے میرے لیے شہزادہ تو اتر آیا ہے..... تم لوگوں نے تو اسے دیکھا ہوگا' میرے گھر میں موجود تھا..... تھا نا! اسی لیے تو مجھے بمن نے نیلی ٹکیہ دینے کی سزا مقرر کی ہے۔" اسے جلانے کے لیے بولی۔ "آج کی رات میں اسی کے ساتھ جشن مناؤں گی۔"

"کیا واقعی اس آدمی سے تمہارا کوئی تعلق ہے۔" وہ ہتھیار بند آدمی آگے بڑھتے بڑھتے گیا۔

"ہاں! بہت گہرا۔" نوکا نے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

"کیا وہ اس وقت یہاں موجود ہے۔" سوال ہوا۔

تب قامران تیزی سے نوکا کی طرف بڑھا اور دھیرے سے اس کے بازو پر ہاتھ تاکہ نوکا کو اس کی موجودگی کا احساس ہو جائے۔ نوکا کے ہونٹوں پر خوشی پھیل گئی۔ اس نے طرف یونہی نظریں دوڑائیں اور پھر بڑے اعتماد سے بولی۔ "ہاں ہے۔"

"ہم کیسے یقین کریں کہ وہ یہاں موجود ہے۔" وہ سارے بہادر ایک جگہ اکٹھا ہوگئے۔

"تم لوگ کیسے یقین کرو گے؟"

"وہ ہمارے سامنے آئے..... چند لمحوں کے لیے سہی۔"

"اتنا بے وقوف تو نہ وہ ہے اور نہ میں کہ اس سے سامنے آنے کے لیے کہوں اور آجائے۔" نوکا کمر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔ "کہو تو تمہارے تھپڑ مروا کر دکھاؤں۔"

"چلو..... ٹھیک ہے..... اگر وہ یہاں موجود ہے تو میرے تھپڑ مارے۔"

"قامران! ذرا تماشہ تو دکھاؤ۔" نوکا نے انداز سے قامران کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

قامران بغیر جواب دیئے' مسکراتا ہوا آگے بڑھا' اس ہتھیار بند بہادر کے نزدیک رکا جو کھانا چاہتا تھا۔ پھر قامران نے پوری طاقت سے ہاتھ گھمایا۔ "تڑاخ....." کی ایک زوردار آواز گونجی اور وہ ہتھیار بند فرش پر دور تک لڑھکتا چلا گیا۔ قامران بھاگ کر پھر نوکا کے نزدیک آ کر کھڑا ہوگیا۔ بہادر تھپڑ کھا کر جھینپا ہوا اٹھا۔ نوکا نے اس کے منہ پر پانچوں انگلیاں بنی دیکھیں۔

"اب کوئی اور بھی' اس کی موجودگی کا ثبوت چاہے گا؟" نوکا نے بقیہ بہادروں کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں..... ہرگز نہیں۔" وہ بیک وقت چیخے۔ ان کی آواز میں لرزش تھی جیسے وہ خوف ہو گئے ہوں۔

"جاؤ..... یہاں سے نکل جاؤ..... جا کر باہر بیٹھو..... اسی میں تمہاری خیریت ہے۔" نوکا دھمکی دی۔

وہ سب کے سب فوراً ہی باہر نکل گئے۔ پھر نوکا نیلے مکان کے ایک کونے میں جا بیٹھی قامران بھی اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔

"آج میں نے پورا دن مقدم بمن کے باغ میں گزارا۔" قامران نے آہستہ سے کہا۔

"مقدم بمن کے باغ میں!" نوکا کے لہجے میں بے پناہ حیرت تھی۔

"اتنی حیرت کیوں؟" قامران نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"اس لیے کہ مقدم بمن کا کوئی باغ نہیں۔"

"یہ اصول کہ اس بستی میں کوئی چیز کسی کی نہیں اور سب کی ہے صرف بستی والوں تک محدود تمہارا سربراہ جسے تم لوگ اپنے جیسا سمجھتے ہو' اس احمقانہ اصول سے مستثنٰی ہے۔ اس کے گھر میں ہے وہ اس کا ہے۔ وہ انتہائی عیش و عشرت کی زندگی گزارتا ہے۔ وہ بستی والوں کو بھوسا کھلاتا ہے اور خود شاہی کھانے کھاتا ہے۔ پوری قوم کام کرتی ہے اور وہ اپنے مکان میں بنائے ہوئے باغ میں اس پیار کر لیتا ہے۔ جوان لڑکیاں ہر وقت اس کی خدمت میں حاضر رہتی ہیں....."

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو..... مقدم بمن ہرگز ایسا نہیں۔ یہ بات میں جانتی ہوں۔ میں کیا جانتے ہیں کہ مقدم بمن کے مکان میں کوئی باغ نہیں۔" اس نے بڑے یقین سے کہا۔

"مقدم بمن انتہائی شاطر آدمی ہے۔ اس نے پوری قوم کی آنکھوں میں دھول جھونکی ہوئی کاش! میں تمہیں مقدم بمن کا گھر اندر سے دکھا سکتا۔ کاش! پوری بستی اس کا گھر دیکھ سکتی۔ پھر کہتے اور تم بھی پکار پکار کر مقدم بمن کی برائیاں کرتیں اور اس کے قتل کے در پے ہو جاتیں۔ میں ہے قتل کرتے کرتے چھوڑ چکا ہوں۔" قامران نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔

"قامران..... فرض کرو اگر میں تمہاری بات سچ مان بھی لوں تو میرے سچ ماننے سے کچھ نہ ا۔ میری زندگی چند گھنٹوں کی ہے..... اگر یہ باتیں بستی والوں تک کسی ذریعے سے پہنچائی جائیں تو پر کوئی یقین نہ کرے گا..... مقدم بمن یہاں لوگوں کے دلوں پر راج کرتا ہے۔ اسے لوگ دیوانگی کی حد تک چاہتے ہیں۔"

"آخر کیوں؟" قامران حیران تھا۔

"اس نے ہمارے لیے بہت کام کیا ہے۔ اس نے بستی کی کایا پلٹ کر رکھ دی ہے۔ آج ہم کی مہذب ترین قوم کہلاتے ہیں' کل ہم وحشی تھے' جنگلی تھے' پھر اس بستی میں انسانی جذبات کا بڑا کیا جاتا ہے....."

"یہ باتیں تم کہہ رہی ہو جسے اس نے نیلی ٹکیہ کی سزا دے دی ہے اور جو دنیا میں صرف چند نوں کی مہمان ہے۔ اسی سے اس کی مقبولیت کا اندازہ ہو جاتا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ لوگ اسے لیے پسند کرتے ہیں کہ اس نے معاشرے میں جنسی بے راہ روی کی اجازت دے رکھی ہے۔ یہاں لوگ شاید کسی اور مقدم کا تصور کرنے سے ڈرتے ہیں کہ آیندہ والا مقدم جانے کیسا ہو' وہ ان سنہری کے جشن اور ان تمام بیہودگیوں کی اجازت دے نہ دے۔ اس مقدم نے تو لوگوں کا اس زمین جوڑ کر آسمان سے رشتہ جوڑ دیا ہے اور خود اس خطہ زمین کا دیوتا بن بیٹھا ہے۔

"ہم دیوتا کے تصور کو فرسودہ جانتے ہیں۔"

"حالانکہ تم دیوتا کے وجود کا اظہار کر چکی ہو اور اسی کی پاداش میں تم سے زندگی چھینی جا رہی

"وہ محض ایک مذاق تھا..... یہ میری بدقسمتی ہے کہ وہ مذاق انتہائی سنگین صورت اختیار کر اب ہر حال میں اس کی سزا بھگتنی ہوگی۔" نوکا اپنا سر کھجاتے ہوئے بولی۔ "ویسے کیا تمہاری کسی

دیوتا سے ملاقات ہوئی ہے؟"

"تم شاید میرا مذاق اڑانا چاہتی ہو۔"

"نہیں ایسا میں سوچ بھی نہیں سکتی...... تم نے کورا کو ٹھکانے لگا کر میرا دل جیت لیا میں تمہاری بے حد ممنون ہوں اور تمہیں اپنا محسن سمجھتی ہوں۔

"میں نے مقدم بمن کے باغ کا ذکر ایک خاص مقصد کے لیے کیا تھا لیکن پھر بات بہت آگے بڑھ گئی۔"

"کیا کہنا چاہتے تھے تم؟"

"میں نے وہاں بیٹھ کر تمہارے لیے ایک بے حد شاندار لباس تیار کیا تھا۔" اتنا کہہ کر قامران رک گیا۔"

"لباس میرے لیے؟" نوکا نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم جانتے ہو لباس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں...... میں خود کو غیر مہذب کہلوانا پسند نہیں کرتی۔"

"اگر میں تم سے درخواست کروں کہ میرے لیے اپنا برہنہ جسم ڈھک لو...... تو کیا تم انکار کر دو گی' اپنے محسن کا دل توڑ دو گی۔"

"اوہ' تم نے مجھے عجیب آزمائش میں ڈال دیا...... کیا تم مجھ سے لباس پہنانے کے علاوہ کوئی اور خواہش نہیں کر سکتے...... ابھی اگرچہ میں سن بلوغ کو نہیں پہنچی ہوں' اس کے باوجود میں اپنا آپ تمہارے حوالے کرنے کے لیے تیار ہوں...... میرا خیال ہے کہ یہ پیشکش تمہیں پرکشش لگے گی۔" نوکا نے ایک آنکھ دباتے ہوئے کہا۔

"نہیں' بالکل نہیں...... میں تمہیں لباس میں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"آخر کیوں؟"

"میں چاہتا ہوں کہ مرنے سے پہلے تم لباس پہن کر لوگوں کو سیدھا راستہ دکھا جاؤ۔"

"سیدھا راستہ!" اس کے لہجے میں سوال تھا۔ "میرے خیال میں تو یہ الٹا راستہ ہے...... میرا ضمیر اس کام کے لیے مطمئن نہیں...... میں نہیں چاہتی کہ بستی والے مجھے مرنے کے بعد بزدل کہیں۔"

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اچانک قامران کے نتھنوں نے ایک مانوس سی خوشبو محسوس کی۔

قامران کھل اٹھا۔ اس نے دل ہی دل میں سوال کیا۔ "چاندکا تم؟"

"ہاں' میں۔" ادھر سے جواب آیا۔ "قامران میں اس وقت ایک خاص اطلاع لے کر آئی ہوں۔ تم میری باتیں غور سے سنو۔"

"ہاں کہو' میں سن رہا ہوں۔"

"آج کی رات' اس بستی کے لیے بہت اہم ہے۔ رات کا آخری پہر......"

چاندکا دھیرے دھیرے اسرار کھولتی گئی اور وہ دم سادھے اس کی باتیں سنتا رہا۔ عجیب و غریب اور خوفناک باتیں۔

قامران کو اتنی دیر خاموش دیکھ کر نوکا پریشان ہو اٹھی۔ اس نے اندازے سے ادھر ادھر ہاتھ مارے

لیکن اس کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔ قامران چاندکا کے آتے ہی نوکا سے دور ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

"اچھا' میں چلتی ہوں۔" چاندکا اپنی بات ختم کرتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے۔" قامران اٹھتا ہوا بولا۔ پھر وہ نوکا کے پاس آ بیٹھا۔ اس نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

"کہاں چلے گئے تھے؟" نوکا اس کا وجود محسوس کرتے ہوئے بے قراری سے بولی۔

"نوکا' تمہارے لیے ایک خوش خبری ہے۔"

"کیا؟" نوکا نے چونک کر کہا۔

"مقدم بمن اب تمہیں موت کی سزا نہ دے سکے گا۔"

"کیا تم نے خود کو اس کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے؟" نوکا نے پوچھا۔

"نہیں۔" قامران نے جواب دیا۔

"پھر؟"

"اس بستی کو دیوتاؤں نے تباہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور جب مقدم بمن اس بستی کے ساتھ ہی تباہ ہو جائے گا تو تمہیں سزا کون دے گا؟"

"پھر تو میں بھی تباہ ہو جاؤں گی۔"

"نہیں تم تباہ نہیں ہو گی بشرطیکہ میرا کہا مان لو۔"

"یعنی لباس پہن لوں۔" نوکا نے اپنے پرکشش جسم پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... تم ہی نہیں اس بستی میں جو بھی اپنا تن ڈھانپ لے گا' دیوتاؤں کے عذاب سے بچ جائے گا۔" قامران نے پوری سنجیدگی سے کہا۔ "تم لوگ دیوتاؤں کے خیال کو فرسودہ جانتے ہو' آج کی رات تمہیں بتائے گی کہ دیوتا کیا ہوتے ہیں اور ان کا عذاب کیسا ہوتا ہے۔"

"عذاب دیوتاؤں کا۔" نوکا یہ کہہ کر کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بہت دیر تک ہنستی رہی۔ پھر ایک دم سنجیدہ ہو کر بولی۔ "قامران مجھے دیوتاؤں کے عذاب سے نہ ڈراؤ۔ ہم جس چیز پر اعتقاد ہی نہیں رکھتے اس سے ڈریں گے کیا......؟ تم نے کیونکہ مجھ پر ایک احسان کیا ہے اس لیے میں تمہاری بات مان لیتی ہوں۔ اب لوگ مجھے جو چاہیں کہیں۔ لاؤ' کہاں ہے وہ لباس۔"

"لباس میں ابھی جا کر لے آتا ہوں لیکن......" قامران کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"لیکن کیا۔" نوکا نے پوچھا۔

"کیا تم جشن میں شرکت کرو گی؟"

"میرا خیال ہے کہ مجھے وہاں ضرور لے جایا جائے گا۔" نوکا نے سوچتے ہوئے کہا۔

"پھر وہ لباس تم جانے سے پہلے پہننا۔" قامران نے کہا۔

"تم مجھے پوری بستی کے سامنے شرمندہ کرنا چاہتے ہو...... خیر یہ بھی سہی۔ تمہاری خاطر یہ بھی برداشت کر لوں گی۔" نوکا نے فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔

قامران پھر وہاں ایک لمحہ نہ رکا۔ وہ چہرے پر خوشی سجائے مقدم بمن کے گھر کی طرف

باغ میں پہنچ کر اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس کا محنت سے بنایا ہوا لباس جوں موجود تھا۔ قامران نے جھپٹ کر لباس اٹھا لیا اور اسے چومتا ہوا باہر نکل آیا۔ مقدم بمن اسے ا گھر میں کہیں نظر نہ آیا۔ ممکن ہے وہ کسی تہہ خانے میں چھپا بیٹھا ہو۔

آخر رات نے زلفیں کھولیں۔ چاند مچل کر باہر نکلا۔ چودھویں کا پرشباب اور تابناک طرف ٹھنڈی ٹھنڈی چاندنی پھیل گئی۔

نوکا نے پتوں والا لباس بہ مشکل پہنا۔ حسین جسم کی مالک نوکا لباس پہن کر اور بھی لگنے لگی۔ قامران نے اس کے حسن کی دل کھول کر تعریف کی۔ اسے بے شمار اشعار سنا ڈالے۔ نوکا حسن کے قصیدے سن کر شرما گئی' لجا گئی۔

پھر قامران نے کئی بہادروں کو نیلے مکان کی طرف بڑھتے دیکھا۔

''شاید' تمہارا بلاوا آ گیا۔'' قامران ان بہادروں کو بغور دیکھتا ہوا بولا۔

دروازے پر بیٹھے بہادروں سے آنے والے بہادروں نے کچھ کہا' پھر ان میں ایک اٹھ کر اندر آیا۔

''مقدم بمن نے تمہیں جشن میں شرکت کی اجازت دے دی ہے...... آؤ چلیں۔''

''میں تو کب سے چلنے کی منتظر ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

قامران بھی اس کے ساتھ ساتھ چلا۔ پھر ان سب کی نظریں بیک وقت نوکا پر پڑیں۔

''ارے!'' سب حیران رہ گئے۔

''نوکا...... یہ کیا بیہودگی ہے۔ یہ لباس کہاں سے آیا' تمہیں کس نے پہنایا۔'' ان میں ایک بہادر بولا۔

پھر دو تین بہادر اس کی طرف غصے سے بڑھے اور چیخ کر بولے۔ ''اتارو لباس۔''

اس سے پہلے کہ ان میں سے کوئی بہادر نوکا کا لباس اتارنے میں کامیاب ہوتا قامران ایک بہادر کا ہاتھ جھٹک کر نالی دار ہتھیار چھین لیا اور اسے نوکا کے ہاتھ میں دیتا ہوا بولا...... ''ہتھیار!''

اس بہادر کو نہتا اور نوکا کو مسلح دیکھ کر بڑھتے ہوئے بہادروں کی سٹی گم ہوگئی۔ ان کے ق وہیں کے وہیں رک گئے۔

''نہیں...... بڑھو آگے...... اتارو آ کر میرا لباس۔'' نوکا نے نالی دار ہتھیار ان کی طرا تانتے ہوئے کہا۔

وہ سب کے سب پیچھے ہٹ گئے۔ وہ چاہتے تو بہت آسانی سے نوکا پر قابو پا سکتے تھے اس پراسرار مظاہرے نے ان لوگوں کے ہوش اڑا دیئے تھے۔ وہ بڑی شرافت سے آگے آگے ہو لیے تب نوکا بڑی تمکنت سے چلتی ہوئی آگے بڑھی۔ قامران کے سنائے ہوئے اشعار کا نشہ ابھی باقی تھا۔

خاصا چلنے کے بعد آخر وہ شیشے کی لمبی دیوار آ ہی گئی جس کے پیچھے جشن منایا جا رہا تھا قامران نے اس دیوار کے پیچھے وحشت ناچتی دیکھی' درندگی کو پھلتے پھولتے دیکھا۔ مہذب بستی کے لو انتہائی غیر مہذبانہ حرکتوں میں مصروف تھے۔ آخر ایک جگہ لمبی دیوار اختتام کو پہنچی۔ ایک دروازہ اند

چند بہادر لپک کر اندر چلے گئے جبکہ کئی دروازے پر رک گئے اور نوکا کے آنے کا انتظار کرنے ۔ اندر داخل ہونے والے بہادروں نے اپنے ہتھیار کمر سے بندھی پٹی میں اڑسے اور بھاگ کر اس پر پہنچے جہاں شراب تقسیم ہو رہی تھی۔ شراب پی کر وہ قطار میں بیٹھی ہوئی بستی کی عورتوں کی طرف ۔ وہاں سے ایک ساتھی کا انتخاب کر کے ''میدان عمل'' میں داخل ہو گئے۔

جو بہادر دروازے پر رک گئے تھے' انہوں نے بڑے مودبانہ انداز میں نوکا کے داخل ہونے لیے جگہ چھوڑی۔ جب وہ اندر داخل ہوگئی تو انہوں نے جلدی جلدی اپنے ہتھیار پیٹیوں میں لگائے پینے حصے کے جام چڑھانے لگے۔

نوکا کو لباس پہن کر داخل ہوتے جس نے بھی دیکھا۔ پہلے تو اس نے ایک لمحے حیرت سے پھر یہ حیرت کی نظر حقارت میں تبدیل ہوگئی۔ بستی کی کئی عورتوں اور مردوں نے اسے دیکھ کر پر تھوک دیا۔ نفرت اور غصے سے۔

نوکا کو بستی والوں کی طرف سے اس طرز عمل کی پوری توقع تھی' لہٰذا اس نے خود کو سنبھالے ر بڑی بے نیازی سے اس حصے کی طرف جانے لگی جہاں اور دوسری کنواری لڑکیاں موجود تھیں۔

قامران نے اچانک نوکا کو چلتے چلتے اپنے کندھے پر بٹھا لیا۔ اس کے کان میں وہ سرخ موجود تھی' اس لیے وہ کسی کو نہیں دکھائی دے رہا تھا لیکن لوگوں کو نوکا ہوا میں معلق دکھائی دے رہی

نوکا کو اس طرح ہوا میں اڑتے دیکھ کر لوگوں کا نشہ ہرن ہونے لگا۔ وہ اپنی غیر مہذبانہ چھوڑ کر اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے۔ تب نوکا نے قامران کے کہنی ماری اور آہستہ سے ''مجھے نیچے اتار دو۔''

''کیوں؟ کیا پریشانی ہے؟''

''لوگوں کی شکلیں نہیں دیکھتے۔'' نوکا نے ہنستے ہوئے کہا۔

''مقدم بمن کہاں ہے؟''

''اس کے آنے کا ابھی وقت نہیں ہوا۔''

''اوہ! پھر تو اتر جاؤ' ورنہ میرا ارادہ ٹھیک اس کے سامنے اتارنے کا تھا۔''

''کیوں شرارت کرنے پر تلے ہو...... کیا مجھے وقت سے پہلے ہی مروا دینا چاہتے ہو۔'' نوکا لبیدگی سے کہا۔

''تمہیں کوئی نہیں مار سکتا نوکا اور جیسا کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں یہاں جو شخص بھی اپنا تن لے گا' وہ موت کے عذاب سے بچ جائے گا...... نوکا ایسا کرو کہ تم کسی اونچی جگہ کھڑے ہو کر کے عذاب کا ذکر کر دو' اس بستی کی تباہی کا اعلان کر دو اور لوگوں کو اس عذاب سے بچنے کا علاج

''لباس پہن کر ہی میں کافی احمق لگ رہی ہوں۔ اب مجھ سے مزید حماقتیں نہ کرواؤ...... بات سن کر لوگ ہنسنے کے سوا کچھ نہ کریں گے۔''

''ہنسنے دو...... تم میرے کہنے سے انہیں صرف تنبیہ کر دو۔ ماننا نہ ماننا یا سن کر مذاق اڑانا ان

کے اختیار میں ہے۔"

"میں یہ کام کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔" لوکا نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

پھر قامران نے اس سے زیادہ اصرار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اس نے لوکا کو اپنے کندھے سے اتار دیا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

لوکا جیسے ہی زمین پر اتری اسے بے شمار لوگوں نے گھیر لیا۔ وہ الٹے سیدھے جواب حصے کی طرف بڑھنے لگی جہاں دوسری دوشیزائیں موجود تھیں۔

ابھی یہ کھلبلی مچی ہوئی تھی کہ مقدم بمن کی آمد کا غلغلہ اٹھا۔ مقدم بمن بستی کا سب تازہ، سرخ سفید آدمی بڑی شان سے چلتا جشن کی حدود میں داخل ہوا اور ادھر ادھر دیکھتا بڑھ طرف بڑھنے لگا۔ ابھی وہ سیڑھیاں عبور کر کے اس بڑے سے چبوترے پر بیٹھا ہی تھا کہ اس نے کان کے نزدیک کسی کو کچھ کہتے سنا۔

☆......☆......☆

مقدم بمن نے اس کی پوری بات سننے سے پہلے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ تب وہ حیران رہ گیا کیونکہ بات کہنے والے کا دور تک پتہ نہ تھا، لیکن وہ بات اب بھی اس کے کانوں میں پڑ رہی تھی۔ اب کوئی دائیں کان میں بڑے پراسرار انداز میں کہہ رہا تھا۔

"بمن اب تمہارا وقت پورا ہو چکا ہے۔ تم نے اس زمین پر جو بیج بوئے ہیں، انہیں کاٹنے کا وقت آ پہنچا۔ رات کے پچھلے پہر اس بستی پر دیوتاؤں کا عذاب نازل ہونے والا ہے...... چاہو تو خود کو سنبھال لو...... لوکا کی طرح اگر تم بھی اپنا تن ڈھانک لو اور اپنی پوری قوم کو تن ڈھانکنے کا حکم دے دو تو دیوتاؤں کا عذاب رک سکتا ہے...... اب بھی وقت ہے سنبھل جاؤ۔"

مقدم بمن نے بڑے غضبناک انداز میں اپنے دائیں جانب دیکھا اور کڑک کر بولا۔ "وحشی کے شعبدے باز! میں تجھ سے مرعوب ہونے والا نہیں۔ تیرے لیے یہی بہتر ہے کہ تو خود کو میرے لے کر دے ورنہ تیرا انجام اچھا نہ ہوگا۔"

قامران مقدم بمن کی بات سن کر ہنسے بنا نہ رہ سکا۔ "او ننگے آدمی تو میرا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ کئی دن سے تیری بستی میں ہوں۔ تیرا کھانا کھا رہا ہوں۔ تیری بستی کے ایک فرد کو لباس پہنا چکا اب تک تو نے میرا کیا بگاڑ لیا، ذرا بتا۔"

"میں تجھے کچا چبا جاؤں گا۔" مقدم بمن دانت کچکچا کر بولا۔

"میں تیرے ہاتھ آؤں گا جب نا۔" قامران یہ کہہ کر چبوترے سے اتر آیا۔

مقدم بمن نے کچھ دیر انتظار کیا...... جب قامران کی طرف سے مزید کوئی سوال جواب نہ ہوا س نے بلا ٹلنے کا دل ہی دل میں شکر ادا کیا اور بیک وقت دو لڑکیوں کا ہاتھ تھام لیا۔

قامران بستی کے ایک ایک بدمست فرد سے آنے والے عذاب کا ذکر کرتا رہا لیکن کسی نے غیبی آواز" پر کان نہ دھرے۔ سب نے اس کی آواز کو شعبدے سے زیادہ نہ گردانا۔

رات تیزی سے ڈھل رہی تھی۔ سنہری رات کا جشن اپنے شباب پر تھا۔ شیطانی کام اپنے وج پر تھا۔ کسی کو کسی کی خبر نہ تھی۔ جو جس کی بانہوں میں آ جاتا اس کا ہو جاتا۔ کسی کو کوئی اعتراض نہ اور کیوں ہوتا۔

قامران کو ان ننگوں کے کرتوت دیکھ کر ابکائی آنے لگی۔ اس نے نفرت سے دیوار کی طرف ر لیا۔ دیوار کے اس پار چاندنی میں شیشے کے خالی گھر چمک رہے تھے۔

پھر قامران نے آسمان کی طرف دیکھا اور اپنی آنکھوں میں آنسو بھر کر پکار اٹھا۔ "بھیج ...... بھیج، انتظار نہ کر۔"

قامران کی التجا پر عذاب تو نہ آیا البتہ چاندکا ضرور آ گئی۔ وہ آتے ہی بولی۔ ''قامران ا
دیوار کے اس پار چلے جاؤ۔''

قامران نے فوراً ہی چاندکا کا حکم مان لیا۔ وہ جیسے ہی دروازے سے باہر نکلا۔ گرم ہوا تیز جھکڑ چلنے لگے۔ چاروں طرف سے کالی گھٹا اٹھی اور تیزی سے آسمان پر چھا گئی۔ چودھویں کا چاند اندھیروں میں ڈوب گیا۔ ہوا تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ آخر اس نے طوفانی شکل اختیار کر لی۔

اچانک قامران کو نوکا کا خیال آیا۔ اس نے کچھ سوچے بنا دروازے میں چھلانگ لگا دی برق رفتاری سے اس حصے کی طرف جانے لگا جو کنواری لڑکیوں کے لیے مخصوص تھا۔

طوفانی ہوا نے سب کے ہوش اڑا دیئے تھے۔ لوگ اب اٹھ کھڑے ہوئے تھے ا اندھیروں میں باہر جانے کا راستہ تلاش کر رہے تھے۔

''نوکا' تم کہاں ہو؟'' قامران نے چیخ کر کہا۔

''میں یہاں ہوں۔'' آخر اسے کہیں دور سے نوکا کی خوفزدہ آواز سنائی دی۔

قامران اسے آوازیں دیتا بہت تیزی سے اس کے نزدیک پہنچ گیا۔

''آؤ' میرے ساتھ۔'' اس نے نوکا کا ہاتھ پکڑا اور اسے گھسیٹتا ہوا دروازے کی طرف چلا۔

قامران کے ہوش بجا تھے۔ اس کی چھٹی حس تیزی سے کام کر رہی تھی۔ وہ لوگوں کو پھلانگتا بچتا بچاتا آخر دروازے پر پہنچ ہی گیا۔ دروازے سے قدم باہر نکالتے ہی ایک زوردار دھماکا ہوا۔ چند لمحوں کے لیے پورا آسمان روشن ہو گیا۔ ہوا میں اور تیزی آ گئی' اتنی کہ لوگوں کے قدم زمین سے اکھڑنے لگے۔

چند لمحوں بعد آسمان سے ایک بلا اور نازل ہوئی۔ طوفانی ہوا کے ساتھ اوپر سے پتھر برسنے لگے۔ بار بار بجلی کڑکتی' ایک انتہائی خوفناک دھماکا ہوتا' ہوا کے طوفانی جھکڑ کے ساتھ پتھروں کے بڑے بڑے ٹکڑے لوگوں کے سروں پر پڑتے۔

یہ سارا طوفان دیوار کے اندر تھا۔ دیوار کے باہر جہاں نوکا' قامران سے چمٹی کھڑی تھی' کچھ نہ تھا' نوکا بے حد سہمی ہوئی تھی۔ اسے اب قامران کی صداقت اور دیوتاؤں کے وجود کا یقین آ گیا تھا۔ اگرچہ اس نے لباس بڑی بے دلی اور احسان اتارنے کی خاطر زیب تن کیا تھا' لیکن اسے احساس تھا کہ اس لباس ہی نے اسے پتھروں کی بارش سے محفوظ رکھا ہے۔ لوگوں کی چیخ و پکار' آہ و بکا سے پوری بستی گونج اٹھی۔ نوکا دل تھامے اس دلدوز منظر کو دیکھ رہی تھی۔

''قامران! کیا ان لوگوں کو بچایا نہیں جا سکتا؟'' آخر اس سے رہا نہ گیا۔

''نہیں۔'' دوٹوک انداز میں کہا گیا۔ ''انہیں بچانے کا وقت اب گزر چکا۔ میں نے بستی کے ہر شخص سے فرداً فرداً درخواست کی تھی' انہیں آنے والے طوفان کے بارے میں بتایا تھا پر انہوں نے میری بات پر کان نہ دھرے۔ الٹا مجھے شعبدہ باز کہا۔ اب میں ان کے لیے کچھ کرنا چاہوں بھی تو نہیں کر سکتا۔ موت ان کا مقدر بن چکی ہے۔ ویسے ان کا تباہ ہو جانا ہی بہتر ہے۔''

''میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی کہ یہ لوگ دروازے سے باہر کیوں نہیں نکل آتے یا اگر

نہیں مل رہا تو دیوار ہی توڑ دیں۔'' نوکا نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

''یہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے۔ دیوار توڑنا تو دور کی بات ہے۔ یہ دروازے کے سامنے ہونے باوجود اس سے باہر نہیں آ سکتے۔''

''آخر کیوں؟''

''ان کی عقلیں سلب کر لی گئی ہیں اور ان کے سروں پر پتھر مارے جا رہے ہیں۔''

''ٹھہرو' میں انہیں بتاتی ہوں۔ دروازے کی راہ دکھاتی ہوں' دیوار توڑنے کا طریقہ سکھاتی نوکا بے قرار ہو کر بھاگی۔

''نہیں۔'' قامران نے بھاگتی ہوئی نوکا کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے اپنی طرف گھسیٹتا ہوا بولا۔

''پاگل مت بنو نوکا...... اگر تم نے ایسا کیا تو تمہاری زندگی خود خطرے میں پڑ جائے گی۔''

''پروا نہیں۔'' یہ کہہ کر نوکا نے جھٹکا دے کر ہاتھ چھڑانا چاہا لیکن قامران نے اسے مضبوطی تھام لیا۔

''چھوڑو مجھے۔'' نوکا نے غصے سے کہا۔ ''میں اپنے لوگوں کی طرف جا رہی ہوں...... میں تی کے لوگوں کو اس طرح مرتا ہوا نہیں دیکھ سکتی۔'' یہ کہہ کر نوکا بہت تیزی سے دروازے کی طرف ا۔ جاتے جاتے اس نے اپنے جسم سے لباس نوچ پھینکا۔

قامران نے چند قدم آگے بڑھائے تھے کہ وہ نوکا کو لباس اتارنے سے روکے تب ہی وہ ملاوے بدن کی خوشبو کے حصار میں آ گیا۔

''قامران اسے مت روکو...... جانے دو...... یہ اپنے اصل کی طرف لوٹ گئی ہے۔ یہ کیا کم کہ اس نے تمہارے کہنے سے اتنی دیر لباس پہن لیا۔ تمہارے لیے یہی کافی ہے۔ تمہارا کام تمہارے ٔ اعمال میں لکھا گیا...... اب یہ جو چاہے کرے' تمہیں پریشان ہونے کی بالکل ضرورت نہیں۔'' کا کہہ رہی تھی۔

تب اچانک بجلی کڑکی۔ قامران نے بجلی کی تیز روشنی میں نوکا کو دروازے میں داخل ہوتے ابھی وہ ہاتھ اٹھا کر ''اپنے لوگوں'' سے کچھ کہنے ہی والی تھی کہ ایک کڑاکے کا دھماکا ہوا۔ قامران طاری ہو گیا۔ اس نے بڑے دکھ سے نوکا کے چیتھڑے اڑتے دیکھے۔ ایسے عبرت ناک انجام کے میں تو وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

پھر جانے کیا ہوا۔ بجلی گری کہ زمین ہلی یا زلزلہ آیا۔ قامران کے پاؤں زمین سے اکھڑ ۔ اسے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے زمین الٹی ہو گئی ہے اور وہ نیچے کی طرف خلا میں گر رہا ہے۔ اس کے ف گھپ اندھیرا تھا۔ اس کی آنکھیں خود بخود بند ہو گئی تھیں اور وہ اتھاہ گہرائی میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ تک کہ اس کے حواس گم ہو گئے' اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔

جب قامران کی آنکھ کھلی' اسے ہوش آیا' اس کے حواس بحال ہوئے تو اس نے خود کو خشک کے دامن میں پایا۔ اس کے چاروں طرف پتھر ہی پتھر تھے۔ سورج خاصا چڑھ چکا تھا۔ اس نے سے چاروں طرف نظریں گھمائیں' ششئے کی بستی کا دور تک پتہ نہیں تھا۔ اس کے دائیں بائیں' پیچھے فلک بوس پہاڑوں کے سوا کچھ نہ تھا۔

تب قامران کے ذہن کے پردے پر گزرے ہوئے واقعات نمودار ہونے لگے لباسوں کی بستی' مقدم بمن' ہتھیار بند بہادر' کورا اور نوکا۔ وہ صاف ستھری دنیا کی سب سے ترقی یا کہاں گئی؟...... کدھر گئی؟ کیا اس نے کوئی دلچسپ خواب دیکھا تھا۔

تب ہی قامران کو ہنہنانے کی آواز سنائی دی۔ ایک بڑے سے پتھر کے پیچھے اسے ابا دی۔ وہ تڑپ کر اٹھا اور چھلانگ مار کر اپنی چہیتی گھوڑی کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے بڑے پیار کی گردن تھپتھپائی اور اس کا منہ چوما۔

ابلا کے نزدیک ہی اس کی تیر کمان اور ترکش پڑا ہوا تھا۔ اس نے جھپٹ کر کمان اٹھا کمان تو شیشے کی بستی کے لوگوں نے اس سے چھین لی تھی اور پھر باوجود تلاش کے اس کو نہیں اب یہ یہاں کہاں سے آ گئی؟ قامران نے کمان اٹھا کر اپنی گردن میں ڈالی اور ترکش کندھے کر اس نے چھلانگ لگائی۔

ابلا کی پیٹھ پر بیٹھتے ہی اس کا جی چاہا کہ وہ زور سے ایڑ لگائے اور ہوا ہو جائے ممکن نہ تھا۔ راستہ بے حد دشوار تھا۔ ابلا پوری احتیاط سے قدم رکھتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔

کئی گھنٹے کی تگ و دو کے بعد اسے صاف ستھرا راستہ دکھائی دیا۔ قدم قدم احتیاط سے چلتے ہوئے دونوں ہی بدمزا ہو گئے تھے۔ اب جو صاف راستہ نظر آیا تو دونوں ہی مچل اٹھے۔ قامران ابھی ہلکی سی ایڑ لگائی تھی کہ ابلا نے اسے ہی بہت جانا۔ وہ قامران کو لے اڑی۔ قامران ابلا کی رفتاری سے لطف اٹھانے لگا۔

ابھی وہ تھوڑی ہی دور آگے گیا تھا کہ اسے راستے میں ایک آدمی دکھائی دیا۔ وہ سامنے چلا آ رہا تھا۔ قامران نے ابلا کی رفتار فوراً کم کر دی۔ دوسری صورت میں اس بات کے بہت امکا تھے کہ وہ ابلا کی لپیٹ میں آ جاتا۔

اس سے پہلے کہ قامران اس کے نزدیک رکتا اور اس کا احوال پوچھتا اس آدمی نے لم قامران کو رکنے کا اشارہ کیا۔ قامران نے تیزی سے ابلا کی لگام کھینچی اور اس کے سر پر جا پہنچا۔ پھر ا سے کود پڑا۔

اس آدمی کے سر اور چہرے پر خاک جمی ہوئی تھی۔ ڈاڑھی کے بال الجھے ہوئے اور ترتیب تھے' جسم پر چند دھجیاں لٹکی ہوئی تھیں۔ کمر کے گرد ایک لوہے کی زنجیر بندھی ہوئی تھی جس اس کی کمر پر سیاہ حلقے پڑ گئے تھے۔ وہ آدمی کبھی خوبصورت رہا ہوگا لیکن اس کی جوانی گھل کر بڑھا میں تبدیل ہو گئی تھی۔

''بابا کون ہو تم؟'' قامران نے اس کی طرف ہمدردی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''بیٹا' کبھی میں بھی تمہاری طرح کڑیل نوجوان تھا' بستی میں ہر طرف میرا ہی چرچا لیکن میرے جنون نے مجھے کہیں کا نہ چھوڑا۔ میں اپنے جنون کی وجہ سے بستی سے نکل کھڑا ہوا مجھے بھٹکتے ہوئے پورے پینتیس سال ہو گئے ہیں۔ منزل اب بھی مجھ سے دور ہے' اپنا سب کچھ کرنے کے بعد' میں آج بھی وہیں ہوں جہاں سے چلا تھا۔''

''بابا...... آخر تم کیوں بھٹکتے پھر رہے ہو...... کچھ بتاؤ تو۔'' قامران نے پوچھا۔

''میں پارس پتھر کی تلاش میں گھر سے چلا تھا۔''

''پھر کیا ہوا؟''

''اب میں کیا بتاؤں کہ کیا ہوا؟'' وہ بڑی اداسی سے بولا۔ ''میں گھر سے نکل تو پڑا لیکن مجھے علوم نہ تھا کہ پارس کہاں سے ملے گا۔ بس میری مہم جو طبیعت اور پارس حاصل کرنے کا جنون مجھے گھر سے نکال لایا۔ بستی سے نکلتے ہی سب سے پہلے میں نے ٹوٹی قبر کے بابا سے پارس پتھر کا پتہ یافت کیا۔ ٹوٹی قبر کا بابا پارس پتھر کا نام سن کر بہت دیر تک ہنستا رہا۔ پھر وہ ہنستے ہنستے اچانک خاموش ہو گیا اور بڑے گھمبیر لہجے میں بولا۔

''پارس پتھر......! پارس پتھر امید کے پہاڑوں پر ملے گا۔''

اور جب میں نے امید کے پہاڑوں کا پتہ دریافت کرنا چاہا تو ٹوٹی قبر کا بابا مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگا' جیسے میں نے امید کے پہاڑوں کا پتہ پوچھ کر کوئی سنگین جرم کر دیا ہو...... شام ڈھلے میں ایک چھوٹی سی بستی میں داخل ہوا۔ وہاں مجھے ایک درخت کے نیچے سفید چادر اوڑھے ایک آدمی لیٹا دکھائی دیا۔ میں نے اس آدمی کے چہرے سے چادر ہٹائی۔ اسے ہلا کر جگایا اور اس سے پارس پتھر کا پتہ معلوم کیا۔

''پارس آرزوؤں کے جنگل میں ملے گا۔'' یہ کہہ کر اس شخص نے سفید چادر اوڑھ لی۔ اب اس سے مزید سوال کرنے کی گنجائش نہ رہی تھی۔

پھر میں اس شخص کو سوتا چھوڑ کر آگے چل دیا۔ رات اس چھوٹی سی بستی میں بسر کی۔ صبح ہوتے ہی میں پھر پارس کی تلاش میں چل پڑا۔ چلتے چلتے مجھے دریا کے کنارے ایک نیم برہنہ آدمی ملا۔ وہ دریا میں پاؤں لٹکائے بڑے انہماک سے بہتے ہوئے پانی کو دیکھ رہا تھا۔ میں نے حسب معمول آدمی کے سامنے اپنا سوال دہرایا۔

سوال سن کر وہ چند لمحوں تک خاموش رہا جیسے کسی طوفان کی آمد ہو' پھر اس نے جھک کر پانی میں ہاتھ ڈالا اور پانی سے لفظوں کے موتی نکالتے ہوئے بولا۔

''پارس خواہشوں کے دریا میں ملے گا۔''

یہ کہہ کر اس نیم برہنہ آدمی نے دریا میں ڈبکی ماری اور خاصی دیر تک دریا سے نہ نکلا۔ میں مایوس ہو کر دریا کے کنارے کنارے آگے بڑھنے لگا۔ جب میں چلتے چلتے تھک گیا اور دھوپ میں خاصی تیزی آ گئی تو میں نے ایک سائے دار درخت کے نیچے کچھ دیر آرام کرنا مناسب سمجھا۔ درخت کے تنے سے پیٹھ لگا کر میں نے آرام سے پاؤں پھیلا لیے اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے مجھے تھپک تھپک کر سلا دیا۔

ابھی مجھے سوئے ہوئے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ ایک کمبل پوش آدمی نے مجھے جھنجوڑ کر اٹھا دیا اور بولا۔ ''تجھے پارس پتھر کی تلاش ہے؟''

میں اس انکشاف پر حیرت زدہ رہ گیا۔ میں نے جلدی سے کہا۔ ''ہاں بابا۔''

تب اس کمبل پوش نے میرے منہ پر ایک تھپڑ رسید کیا اور غصے سے بولا۔ ''بے وقوف' پارس بھاڑ میں ڈال...... پہلے اپنی تلاش کر۔''

اسی وقت میں نے فیصلہ کیا کہ کسی کمبخت سے پارس پتھر کا پتہ نہیں معلوم کروں گا بلکہ
پارس کی تلاش میں دنیا کے اس کونے سے اس کونے تک چکر لگاؤں گا۔ یہ سوچ کر میں نے ایک
کے گلے سے زنجیر کھول لی جو کھونٹے سمیت بھاگی جا رہی تھی۔ زنجیر کھول کر میں نے اپنی کمر
اور راہ کے پتھروں کو غور سے دیکھتا ہوا چلنے لگا۔ جس پتھر پر مجھے شبہ ہوتا کہ یہ پارس ہو سکتا ہے
اٹھاتا اور زنجیر پر رگڑ کر دیکھتا۔ زنجیر سونے کی نہ ہوتی تو مایوسی سے پھینک دیتا اور دوسرے پتھر کی
میں آگے بڑھ جاتا۔

اب تک میں جانے کتنے دریا، کتنے صحرا، کتنے جنگل پار کر چکا ہوں۔ ہزاروں لاکھوں
میرے ہاتھ سے گزر چکے ہیں مگر ان میں کوئی بھی پارس نہ تھا۔ اب مایوسی بڑھنے لگی ہے۔ تمہیں بیٹا
نے اس لیے روکا کہ شاید تم میری مدد کر سکو...... ممکن ہے تمہیں پارس پتھر کا پتہ معلوم ہو۔" یہ کہہ کر
شخص نے پرامید نگاہوں سے قامران کی طرف دیکھنا شروع کیا۔

قامران اس کی آنکھوں کا مفہوم سمجھ کر پریشان ہو گیا۔ اسے کسی پارس پتھر کا پتہ معلوم نہ تھا
تب اسے شدت سے چاندکا یاد آئی۔ ایسے آڑے وقتوں میں وہی ہمیشہ اس کی مدد کیا کرتی تھی۔ کاش
اس وقت بھی چاندکا اس کے نزدیک ہوتی تو وہ اس سے پارس پتھر کا پتہ پوچھ کر اس جنونی شخص کا
مسئلہ حل کر دیتا۔ قامران کے پاس چاندکا کو بلانے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ وہ سوچ میں پڑ گیا، کیا کرے
وہ بوڑھا شخص جس نے اپنی زندگی کے سنہرے پینتیس سال اپنے جنون کی نذر کر دیئے تھے
پرامید نگاہوں سے اب بھی قامران کو دیکھ رہا تھا۔

"بیٹا! کیا تم پارس پتھر کا پتہ جانتے ہو؟"

تب قامران نے چاندکا کو دل ہی دل میں پکارا۔ "چاندکا آؤ۔"

دل سے نکلی ہوئی سچی پکار کوسوں میل دور بیٹھے محبوب کو تڑپا سکتی ہے۔ اس کا اندازہ قامران کو
اس وقت ہوا جب اس نے اچانک ہی کنوارے بدن کی خوشبو محسوس کی۔

"میں آ گئی ہوں، قامران...... کہو کیا بات ہے۔"

"میرے سامنے کھڑے اس بوڑھے شخص کو دیکھتی ہو۔ اس نے پارس پتھر کی خاطر اپنی پوری
زندگی تباہ کر لی۔ کیا تم پارس پتھر کا پتہ جانتی ہو۔ تم ضرور جانتی ہو گی۔ مجھے بتا دو۔ میں جان پر کھیل کر
اسے اس پتھر تک پہنچا دوں گا۔ یہ پارس دیکھ کر جتنا خوش ہو گا، شاید تم اس کا اندازہ نہ کر سکو۔" قامران
نے دل ہی دل میں اس بوڑھے شخص کی پرزور سفارش کی۔

تب قامران کے کانوں میں چاندکا کی مترنم ہنسی سنائی دی۔ "اس احمق شخص کو بتاؤ کہ وہ
خود پارس ہے۔ اپنے عمل کی قوت سے جس چیز کو ہاتھ لگائے گا، وہ سنہری ہو جائے گی۔ اس سے کہو اب
بھی وقت ہے، اب بھی سنبھل جائے۔ سراب کے پیچھے نہ بھاگے، خواب دیکھنا چھوڑ دے، خود کو پہچانے
جس دن یہ خود کو پہچان لے گا، سونا اس کے چاروں طرف بکھرا ہو گا۔" چاندکا اتنا کہہ کر روپوش ہو گئی۔

چاندکا کی باتوں نے قامران کو سخت الجھن میں ڈال دیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ اس
شخص کو کیسے بتائے کہ جس پتھر کے لیے اس نے اپنی زندگی کے پینتیس قیمتی سال برباد کر دیئے اس کا
کوئی وجود نہیں۔

"بیٹا! تم خاموش کیوں کھڑے ہو...... کچھ تو کہو۔" اس نے قامران کو ٹوکا۔

تب قامران نے دل پر پتھر رکھ کر اپنے لب کھولے کہ سچ کہے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔

"بابا! اب بھی وقت ہے تم واپس لوٹ جاؤ اور بھرپور عملی زندگی گزارو کہ عمل ہی اصل
رس ہے اور یہ کہ......" قامران کی بات ادھوری رہ گئی۔

وہ جنونی شخص اتنا سن کر ہی بے قابو ہو گیا۔ اس نے پاس پڑا ہوا بڑا سا پتھر اٹھایا اور قامران
سر میں دے مارا اور چیخ کر بولا۔ "گھوڑی کے بچے...... مجھے عمل کی تلقین کرتا ہے؟"

وہ تو اچھا ہوا کہ قامران اس کے پتھر اٹھاتے ہی چوکنا ہو گیا تھا ورنہ اب تک اس کے سر دو
چکے ہوتے۔ قامران نے اب زیادہ وہاں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا۔ اس نے چھلانگ لگائی اور ابلا کی پیٹھ
ابلا اشارہ پاتے ہی ہوا ہو گئی۔ قامران کو کچھ دور تک اس جنونی آدمی کی گالیاں سنائی دیتی رہیں لیکن
نے ان گالیوں کی پروا نہ کی، وہ تیزی سے آگے بڑھتا رہا۔

چلتے چلتے آخر دوپہر ہو گئی۔ سورج سر پر آ گیا تھا۔ قامران کو اب دھوپ کے ساتھ بھوک بھی
گی تھی۔ ادھر ابلا بھی خاصا سفر کر چکی تھی، اسے بھی آرام کی ضرورت تھی۔ تب قامران نے سائے اور
کی جستجو شروع کر دی۔ کچھ دیر ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد آخر اسے پانی کی روانی دکھائی دی۔ ایک
رو دریا اس کے سامنے تھا۔ دریا کے کنارے ہی چند درختوں کا جھنڈ تھا۔ یہاں ابلا کے لیے وافر
ار میں خوراک تھی۔ قامران نے ابلا کی پیٹھ سے اتر کر اس کے منہ سے لگام کھینچ لی۔ ابلا ہری ہری
اس پر دشمن کی طرح ٹوٹ پڑی۔ ابلا کو خوراک مہیا کرنے کے بعد قامران کو اپنی فکر ہوئی۔ وہ کافی
سے نہایا نہیں تھا۔ پہلے اس نے سوچا کہ ذرا دریا میں غوطے لگا کر جسم ہلکا پھلکا کر لیا جائے، پھر
نے کی تلاش کی جائے گی۔ یہ سوچ کر اس نے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ تیز دھوپ کے باوجود دریا
پانی بے حد ٹھنڈا تھا۔ قامران کو دریا میں نہانے کا بڑا مزہ آ رہا تھا۔ وہ لمبے لمبے غوطے لگاتا اور دور تک
چلا جاتا۔ پھر وہ اس وقت دریا سے نکلا جب بھوک ناقابل برداشت ہونے لگی۔ اس نے جلدی
کپڑے پہنے۔ اس دوران اس کی نظر آس پاس درختوں کا جائزہ لیتی رہی۔

تب ایک درخت پر اسے چند پرندے ادھر ادھر پھدکتے نظر آ ہی گئے۔ قامران نے ترکش
تیر کھینچ کر کمان پر چڑھایا اور نشانہ لے کر شائیں سے چلایا۔ ایک پرندہ مع تیر زمین پر آ رہا۔ باقی
ے اڑ کر دوسرے درخت پر جا بیٹھے۔ قامران نے جلد ہی تین پرندے شکار کر لیے۔ پھر انہیں بھوننے
ھانے میں دیر نہ لگی۔

قامران نے شکم سیر ہو کر گوشت کھایا اور دریا کا ٹھنڈا پانی پی کر لمبی ڈکار لی۔ ابھی وہ ایک
جماہی اور ایک عدد انگڑائی لے کر سوچ ہی رہا تھا کہ کس درخت کے نیچے آرام کرے معاً اس کی نگاہ
کی لہروں پر پڑی۔ اس نے دریا کی لہروں میں کوئی چیز ڈوبتے ابھرتے دیکھی۔ پھر اسے یہ اندازہ
نے میں دیر نہ لگی کہ وہ چیز کیا ہو سکتی ہے۔ یہ اندازہ ہوتے ہی اس نے ایک لمحے کی بھی دیر نہ کی۔
وہ دریا کے کنارے دور تک بھاگا جب وہ شے اس سے خاصی پیچھے رہ گئی تو اس نے دریا میں
نگ لگا دی اور تیزی سے تیرتا ہوا دریا کے درمیان پہنچ گیا۔ پھر اس انسانی لاش کو بہت آسانی سے
کر لیا۔ وہ اسے گھسیٹتا ہوا دریا کے کنارے لے آیا۔

قامران نے سب سے پہلے اس کے سینے پر ہاتھ رکھا۔ اس کا جسم گرم تھا اور دل ابھی .م نہ بھولا تھا۔ تب اس نے اسے فوراً الٹا کر دیا اور اسے دبا دبا کر اس کے پیٹ سے پانی نکالنے لگا۔ نکالنے کے بعد اس نے اسے سیدھا لٹا دیا اور اس کے پاؤں کے تلوے زور زور سے سہلانے لگا۔

اس پر ابھی تک غشی طاری تھی۔ ویسے پانی میں ڈوبے اسے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی' اس ا زندگی خطرے سے باہر تھی اور وہ کچھ ہی دیر میں حواسوں میں آیا چاہتا تھا۔

قامران نے اس کے چہرے پر نظر ڈالی۔ یہ عمر تو خودکشی کی نہ تھی۔ وہ ایک بھرپور نوجوان تھا۔ اس کے جسم پر جو لباس تھا وہ اگرچہ جگہ جگہ سے پھٹ گیا تھا لیکن اس کی امارت کا پتہ دیتا تھا۔ اس نوجوان کے جسم پر کسی قسم کا زخم یا چوٹ کا نشان موجود نہ تھا جس سے اس کے کسی حادثے سے دوچار ہونے کا پتہ چلتا...... اگر اس نے خودکشی کی ہے تو آخر کیوں؟ قامران ابھی انہی خیالات میں الجھا تھا کہ اس نوجوان نے آنکھ کھول دی اور اس طرح اٹھ کر بیٹھ گیا جیسے اسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

''نوجوان...... کون ہو تم؟'' قامران نے اسے دلچسپی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''پاگل۔'' اس نے عجیب بیزاری سے کہا۔

تب قامران کو فوراً ہی وہ جنونی یاد آ گیا جس نے اس کے سر پر پتھر دے مارا تھا۔ قامران نے سوچا کہ کیا آج کے دن پاگلوں ہی سے ٹکراؤ ہوگا۔

''دوست! مجھے تو تم کہیں سے بھی پاگل نظر آتے۔'' قامران نے کہا۔

''پاگل کیسے ہوتے ہیں؟'' اس نوجوان نے پوچھا۔

''پاگل تو دوسروں کو پتھر مارتے ہیں یا گالیاں دیتے ہیں یا اپنے کپڑے پھاڑ کر بستیوں بستیوں مارے مارے پھرتے ہیں۔'' قامران نے ہنستے ہوئے کہا۔

''افسوس تو یہی ہے کہ میں نے آج تک کسی کے پتھر نہیں مارا' کسی کو گالی نہیں دی ا کپڑے تو میں تمہارے سامنے پہنے ہی بیٹھا ہوں۔ پھر بھی یہ دنیا والے مجھے پاگل کہتے ہیں۔'' اس نوجوان نے بڑی یاسیت سے کہا۔ ''آخر تنگ آ کر میں نے خودکشی کر لی تھی لیکن تم نے میری جان بچا کر سارے کیے دھرے پر پانی پھیر دیا۔ تم نے مجھے دریا سے کیوں نکالا بولو۔''

''نوجوان! تمہارا نام کیا ہے؟'' قامران نے اس کی بات پر کان نہ دھرا۔

''میرا نام سلارا ہے اور میں کورام کا راجکمار ہوں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ تھا۔ دنیا والوں نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا اور میں کسی سے کچھ نہ کہہ سکا۔ پھر جس کے لیے اتنے دکھ جھیلے وہ بھی تو نہ ملی۔ چند دن جھلک دکھا کر جانے کہاں روپوش ہوگئی۔'' سلارا کہہ رہا تھا۔

''کون تھی وہ؟'' قامران نے پوچھا۔ ''اور تمہیں کہاں ملی تھی؟''

''کورام کے نزدیک کچھ پرانی تہذیب کے آثار موجود ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ آثار کسی ترقی یافتہ بستی کے ہیں جو راتوں رات ملیامیٹ ہوگئی۔ انہی صدیوں پرانے کھنڈروں میں وہ مجھے ملی تھی۔ میں نہیں جانتا کہ وہ ان کھنڈروں میں کہاں سے آئی۔ یہ جاننے کی مجھے کبھی ضرورت نہ پڑی۔ اسے دیکھتے ہی میرے ہوش جاتے رہے۔ ایسی حسین دوشیزہ' پتھر سے تراشی ہوئی میں نے کہاں دیکھی تھی بھلا۔ میں اپنا دل ہار بیٹھا۔ کچھ اس نے بھی لگاوٹ دکھائی اور یوں ویران کھنڈر حسن و عشق کے قصوں سے گونج

اور پھر دنیا والوں نے مجھے پاگل قرار دے دیا۔ پاگل کہنے میں میرا چچا پیش پیش ہوتا' میرے پاگل دیئے جانے کے بعد وہ کورام کا راجہ بن بیٹھا اور میں در در کا بھکاری بن گیا......'' سلارا نے ایک سانس لی اور چند لمحوں کے لیے خاموش ہوگیا۔

''کسی کو چاہنا تو پاگل پن کی دلیل نہیں...... پھر تمہیں پاگل کس طرح قرار دیا گیا۔ وہ بھی قل کہ تمہیں راجہ بننے سے روک دیا گیا؟'' قامران نے پوچھا۔

''وہ بات ہی ایسی ہے...... تم بھی سنو گے تو یہی کہو گے۔'' سلارا نے قامران کی آنکھوں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''اپنے آپ کو پاگل سنتے سنتے میرے کان پک گئے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے پاگل کہو یا ایسی نظروں سے دیکھو کہ میں خود کو حواس باختہ سمجھنے لگوں...... بہتر ہوگا کہ تم مجھے دریا ڈوب جانے دو۔''

اتنا کہہ کر سلارا کھڑا ہوگیا اور دریا کی طرف بڑھنے لگا۔

☆......☆......☆

اور اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ دریا میں ڈوب مرنے کے لیے چھلانگ لگاتا' قامران نے سے اٹھ کر اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔ سلارا نے ایک دو مرتبہ اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش لین وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ تب قامران نے اسے سمجھایا۔

''سلارا زندگی کی قدر کرنا سیکھو۔ تم ابھی بہت کم عمر ہو۔ تم نے دنیا میں ابھی دیکھا ہی کیا ...... مایوس نہ ہو مجھے ساری باتیں ذرا تفصیل سے بتاؤ اور یہ بات اپنے دل سے نکال دو کہ تم پاگل ...... تمہاری بستی کے لوگ اگر تمہیں پاگل کہتے ہیں تو کہنے دو' تم مجھے کہیں سے بھی پاگل نظر نہیں تے۔ میں نے اگرچہ ابھی پوری بات نہیں سنی لیکن مجھے شبہ ہونے لگا ہے کہ یہ جال تمہارے چچا کا بلایا ہوا ہے۔'' قامران اس کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ درختوں کے جھنڈ میں لے آیا۔

''نہیں' ایسا نہیں ہوسکتا۔'' سلارا نے اسے بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''وہ بات ایسی ہے کہ اس میں زش چل ہی نہیں سکتی...... ہاں' یہ ضرور ہوا کہ میرے چچا نے اس صورتحال سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور نر میرا حق مار کر کورام کا راجہ بن بیٹھا۔''

''اچھا...... اب اپنے پاگل قرار دینے جانے کی وجہ بیان کرو۔'' قامران سلارا کو راہ راست لاتا ہوا بولا۔

''ٹھیک ہے سنو...... مجھ پر جو گزری ہے میں اس کا حرف حرف سنائے دیتا ہوں لیکن اس تک پہنچنے میں ذرا دیر لگے گی...... تھوڑا صبر سے کام لینا۔'' سلارا نے کہا۔

''میں کتنا صابر ہوں' اس کا اندازہ تمہیں ابھی ہو جائے گا...... تم ذرا اپنا قصہ چھیڑ دو تو۔'' ران نے ہنستے ہوئے اس کا بازو دبایا۔

''جیسا کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں کورام کا راجکمار ہوں۔ میرے والد کچھ عرصے پہلے کورام کے راجہ تھے۔ اب وہ اس دنیا میں نہیں رہے لیکن کورام کی رعایا آج بھی ان کے نام کی پتی ہے اور وہ تھے بھی اسی قابل۔ وہ اپنی رعایا سے بیٹوں کی طرح پیار کرتے تھے' وہ اپنی رعیت کے بھی فرد کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتے تھے۔ انہیں دنیا میں ایک ہی شوق تھا اور وہ بھی شیر کے شکار کا'

انہوں نے اپنی زندگی میں کئی شیر مارے۔ وہ بنیادی طور پر ایک نڈر اور بہادر آدمی تھے اور چچا کڑو شیر کے شکار سے بڑا ڈر لگتا تھا۔ اگرچہ وہ کورام کے سالار تھے‘ انہیں یقینی طور پر جی دار آدمی ہونا چا تھا۔ میرے والد یعنی کورام کے راجہ شکار پر نکلتے تو حکومت چچا کڑوچ کے ہاتھ میں آ جاتی۔ راجہ کورام سے نکلتے ہی راج محل میں ناچ رنگ کی محفلیں آراستہ ہونے لگتیں...... اوباش قسم کے عہد چچا کڑوچ کے گھر گھیرا ڈال لیتے۔ میرے باپ کو ناچ رنگ سے کوئی دلچسپی نہ تھی‘ اس لیے ان سامنے تو کسی کو کھل کھیلنے کا موقع نہ ملتا تھا۔ ان کے کورام چھوڑتے ہی تمام چوہے بلوں سے نکل آ اور ماہ دو ماہ تک جب تک وہ شکار پر رہتے واہی تباہی مچاتے۔ میں خاموش تماشائی کی طرح راج مح میں ہونے والی رنگین محفلوں کو دیکھا کرتا۔ مجھ میں ہمت نہ تھی۔ مجھ میں کیا راج محل کے کسی آدمی م ہمت نہ تھی کہ وہ کورام کے راجہ کو کورام کے سالار کی حرکتوں سے آگاہ کردے۔ ایک آدھ بار کسی نے ڈھکے چھپے لہجے میں راجہ کو بتانے کی کوشش بھی کی تو چچا کڑوچ نے اس کے ساتھ انتہائی سفاکانہ سلوک کیا۔ پھر اس کے بعد کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ راجہ کو کچھ بتا دے۔ میرے باپ کو اپنے بھائی پر بہت اعت تھا اور وہ ان کے بارے میں کوئی الٹی سیدھی بات سننے کے لیے تیار نہ تھے‘ اس لیے میں نے خود کو ان معاملات سے الگ رکھا۔ ویسے بھی چچا کڑوچ کے متعلق میرے منہ سے نکلی ہوئی بات میرے باپ کو اچھی نہ لگتی۔ ایک نوعمر لڑکا کورام کے سالار کے بارے میں کچھ کہتا تو وہ چھوٹا منہ بڑی بات والی بات ہوتی۔ میں نے سوچا کہ ایسی باتیں زیادہ عرصے تک چھپی نہیں رہ سکتیں‘ ایک وقت آئے گا کہ سب کچھ راجہ کے سامنے عیاں ہو جائے گا۔ پھر میں خواہ مخواہ کیوں اپنے باپ کی نگاہ سے گروں۔ میں نے خود کو اس ماحول کی کثافت سے نکالنے کے لیے اپنے باپ کے ساتھ شکار پر جانا شروع کردیا۔ شکار میں میری دلچسپی دیکھ کر میرے والد بہت خوش ہوئے اور انہوں نے آہستہ آہستہ شیر کے شکار کی باریکیوں سے مجھے آگاہ کرنا شروع کیا۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ وہ شیر کے شکار کے کس قدر ماہر تھے۔ ایک مرتبہ چچا کڑوچ کو جانے کیا سوجھی کہ وہ راگ رنگ کی محفلوں کو چھوڑ کر ہمارے ساتھ شکار پر ہو لیے۔ انہیں اپنے ساتھ چلتا دیکھ کر کورام کے راجہ مسکرائے بنا نہ رہ سکے اور مجھے خاصی حیرت ہوئی کیونکہ راگ رنگ کی محفل آراستہ کرنا اور شیر کا شکار دو متضاد چیزیں ہیں۔ بظاہر میں نے خوشی کا اظہار کیا‘ اگر نہ بھی کرتا تو چچا کڑوچ کا کچھ نہ بگڑتا...... بس یہاں سے میری مصیبت کے دن شروع ہوئے۔“ اتنا کہہ کر سالار خاموش ہوگیا۔ پھر وہ انگلی سے ریت پر نشان بنانے لگا۔

چند لمحوں بعد اس نے اپنا ہاتھ جھاڑا اور دو گہرے سانس لے کر پھر یوں گویا ہوا۔

”چچا کڑوچ کا وہ پہلا اور آخری شکار تھا۔ اس دن میرے باپ کو حادثہ پیش آیا۔ انہوں نے شکار کھیلتے وقت چچا کڑوچ کو اپنی ہی مچان پر بٹھا لیا تھا جبکہ میں سامنے والی مچان پر تھا۔ میں نیچے ”چارہ“ پر نظر رکھے ہوئے تھا‘ ہانکا جاری تھا۔ اور شیر کچھ ہی دیر میں برآمد ہونے والا تھا۔ پھر جانے کیا ہوا؟ وہ حادثہ کس طرح پیش آیا۔ بہرحال میں نے اپنے باپ کو نیچے گرتے دیکھا جبکہ چچا کڑوچ درخت کی چند موٹی ٹہنیوں سے لٹکے ہوئے تھے۔ شیر کا شکار کرنے والے خود ہی شکار ہو گئے تھے۔ مچان جانے کس طرح ٹوٹ گئی تھی۔ زمین پر گرتے ہی ان کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ میں تیزی سے نیچے اترا‘ ہانکا رکوایا‘ اپنے باپ کو اٹھا کر کاندھے پر لادا اور چند آدمیوں کے ذریعے چچا کڑوچ کو درخت سے اتارا۔

ے والد اس دن زمین پر ایسے گرے کہ پھر کھڑے نہ ہو سکے۔ حکیم وید اپنا اپنا علاج کر کے تھک گئے۔ میرے والد کی زندگی اب چھپر کھٹ تک محدود ہوگئی تھی اور چچا کڑوچ کے ہاتھ میں حکومت کی ل ڈور آ گئی تھی۔ میرے باپ اب خود سے مایوس ہو چکے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ میں اب راج ومی سنبھال لوں۔

اس کا ذکر انہوں نے چچا کڑوچ سے بھی کیا۔ چچا نے یہ تجویز بڑی خندہ پیشانی سے سنی اور ہوں نے مجھے راج سنگھاسن پر بٹھانے کے انتظامات کرانے کی حامی بھرلی۔ جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ ں بہت جلد راج سنگھاسن پر بٹھایا جانا والا ہوں تو اس رات مجھے بالکل نیند نہ آئی۔ ایک طرف ومت ملنے کی خوشی تھی تو دوسری طرف اپنی کم عمری اور ناتجربے کاری کا غم...... پھر بھی میں نے طے رلیا تھا کہ جو کچھ بھی ہونا ہے ہو لیکن چچا کڑوچ کے ہاتھ میں حکومت نہیں رہنے دوں گا۔ جس رات ے باپ نے مجھے راج گدی دینے کا ذکر چچا کڑوچ سے کیا۔ وہ رات میرے باپ کے لیے ری ثابت ہوئی۔ جانے کیا ہوا بس مچان ہی کی طرح اچانک وہ اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ حالانکہ ت تک ان کی طبیعت بالکل ٹھیک ٹھاک تھی۔ ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جانے کی وجہ سے وہ اٹھ بیٹھ نہیں تے تھے۔ بس یہی انہیں تکلیف تھی۔ ویسے وہ اچھے خاصے صحت مند تھے۔ کہتے ہیں کہ آدمی کو چند گھنٹے ل اپنی موت کا پتہ چل جاتا ہے۔ شاید اسی لیے انہوں نے چچا کڑوچ سے راج گدی میرے حوالے رنے کی خواہش ظاہر کی تھی‘ لیکن ان کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ مجھے چچا کے رحم و کرم پر چھوڑ کر ں دنیا سے رخصت ہوئے۔ کورام میں چالیس دن تک اپنے راجہ کا سوگ منایا گیا۔ ظاہر تھا کہ مجھے ا سوگ کے دوران راج سنگھاسن پر بٹھانے کی رسم ادا نہیں کی جاسکتی تھی۔ اس عبوری دور کے لیے ا کڑوچ نے حکومت سنبھال لی اور کورام میں ہر طرف ان کا سکہ چلنے لگا۔ پھر انہی دنوں ایک مجسمہ نے کا شہرہ ہوا۔ ہوا یوں کہ کسی نے پرانے کھنڈرات کے نزدیک ایک گڑھا دیکھا۔ یہ گڑھا سرنگ کی رح کافی اندر چلا گیا تھا۔ گمان ہوا کہ کسی جنگلی جانور نے یہاں ٹھکانہ نہ کرلیا ہو‘ آبادی نزدیک ہی ی۔ لہٰذا سوچا یہ گیا کہ اس گڑھے کو فوراً مسمار کردیا جائے تاکہ وہ جنگلی جانور کہیں اور چلا جائے۔ ورام کے چند آدمیوں نے مل کر پہلے خوب شور شر کیا کہ اگر کوئی جانور کھوہ میں موجود ہو تو نکل کر اگ جائے لیکن وہاں کوئی نہ تھا۔ تب لوگوں نے اسے مسمار کرنا شروع کردیا‘ جیسے جیسے گڑھا کھدتا تا وہ بجائے ختم ہونے کے بڑھتا جاتا۔ کچھ دور تک کھودنے کے بعد کھدائی بند کردی گئی اور ایک بوط دل گردے کے آدمی کو اس سرنگ میں بھیجا گیا جواب چھوٹا سا گڑھا نہ رہی تھی۔

ابھی اس آدمی کو اندر گئے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ اس کی چیخ کی آواز سنائی دی۔ باہر کھڑے ارے لوگ پریشان ہو گئے۔ وہ آدمی پسینے میں شرابور فوراً ہی سرنگ سے باہر نکلا اور باہر کھڑے ہو کر ہنپنے لگا۔

”کیا ہوا؟“ کسی نے پوچھا۔

”اندر سیڑھیاں ہیں۔“ وہ بہ مشکل بولا۔

”سیڑھیاں!“ وہاں کھڑے تمام لوگ حیران رہ گئے۔

تب فوراً ہی چچا کڑوچ کو کھنڈرات میں سرنگ برآمد ہونے کی اطلاع دی گئی۔ انہوں نے

قائم مقام سالار کو تحقیق کے لیے روانہ کردیا۔ کھنڈرات کے چاروں طرف پہرہ بٹھا دیا گیا۔ اب کو کوئی عام آدمی سرنگ میں جانا تو دور کی بات ہے' سرنگ کے پاس سے گزر بھی نہیں سکتا تھا۔ راج میں مجھے بھی سرنگ برآمد ہونے کی اطلاع مل گئی تھی لیکن مجھے ان ٹوٹی پھوٹی عمارتوں' گئے وقتوں یادگاروں سے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی' اس لیے میں نے اس خبر کو ایک کان سے سنا' دوسرے سے دیا' یہ جاننے کی کوشش بھی نہ کی کہ سرنگ سے کیا برآمد ہوا۔

شام کو جب میں تیار ہو کر سیر کے لیے نکلنے والا تھا تو چچا کڑوچ کا بلاوا آ پہنچا۔ میں ان حضور دست بستہ حاضر ہوا۔ انہوں نے مجھے کیل کانٹے سے لیس دیکھ کر پوچھا۔

''کہیں جا رہے تھے کیا؟''

''جی سیر کو۔'' میں نے بڑے مودبانہ انداز میں جواب دیا۔

''آج کھنڈرات کے نزدیک جو سرنگ برآمد ہوئی ہے اس کے بارے میں کچھ سنا؟'' کڑوچ نے میری طرف گہرائی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی' صرف اتنا سنا ہے کہ کوئی سرنگ برآمد ہوئی ہے۔''

''اس سرنگ کے اندر کیا ہے یہ نہیں معلوم؟''

''نہیں۔'' میں نے نفی میں گردن ہلائی۔

''بہتر ہوگا کہ آپ اسے دیکھنے چلے جائیں' اس میں ایک حسین مجسمہ برآمد ہوا ہے۔ ا مجسمہ کسی نوعمر لڑکی کا ہے اور ایسا جیتا جاگتا ہے کہ اسے نظر بھر کر دیکھو تو اس میں حرکت پیدا ہوتی معلو ہوتی ہے۔'' چچا کڑوچ نے میرے جذبہ تجسس کو ابھارنے کی کوشش کی۔

مجھے اگرچہ ان پتھروں کے مجسموں سے کوئی دلچسپی نہ تھی جیسا کہ میں تمہیں ابھی بتا چکا ہوں لیکن میں نے یہ سوچ کر کہ چچا کڑوچ مجھے بدذوق نہ سمجھیں' میں نے اس مجسمے کو دیکھنے کی حامی بھر لی۔ مجھے وہاں پہنچانے کے لیے خصوصی انتظامات کیے گئے۔ میں قائم مقام سالار کے ساتھ کھنڈرات کی طرف روانہ ہوا۔ جب ہماری سواری کھنڈرات میں پہنچی تو میں نے دور تک وہاں سناٹا پھیلا ہوا دیکھا سرنگ پر دو سپاہی تعینات تھے۔ انہوں نے ہمیں دیکھ کر جھک کر سلام کیا جس کا جواب میں نے گردن کے ایک خفیف اشارے سے دیا۔

''راجکمار...... میں باہر ہی ٹھہرتا ہوں' آپ اطمینان سے اندر چلے جایئے......'' سالار نے سے کہا۔

''مجھے اکیلے جانے میں بھلا کیا اعتراض ہوسکتا تھا۔ میں فوراً ہی آگے بڑھا اور بے دھڑک سرنگ میں داخل ہوگیا۔ اب سوچتا ہوں تو پچھتاتا ہوں۔ کاش! میں نے اپنی بدذوقی کا ثبوت دے ا ہوتا۔ کاش! میں نے یہ مجسمہ نہ دیکھا ہوتا تو پھر دنیا کا کوئی آدمی مجھے پاگل نہیں کہہ سکتا تھا۔ خیر تھوڑی دور آگے جا کر سیڑھیاں شروع ہوگئیں جو کہیں نیچے کی طرف چلی گئی تھیں...... سیڑھیوں پر قدم رکھتے ہوئے میں نے اس سپاہی کو بھی واپس کردیا جو میرے پیچھے پیچھے چلا آیا تھا۔ پھر میں بے خوفی سے سیڑھیاں اترنے لگا۔ یہ بے خوفی مجھے اپنے باپ سے ورثے میں ملی تھی...... جوں جوں میں سیڑھیاں ا رہا تھا' روشنی بڑھتی جا رہی تھی۔ آخر وہ دروازہ آ پہنچا جس دروازے سے گزر کر مجھے اس مجسمے کے دیدا

لہنے تھے۔ دروازے میں داخل ہوتے ہی مجھے وہ مجسمہ نظر آ گیا۔

وہ ایک سفید پتھر کا بے حد حسین مجسمہ تھا۔ میں نے اس پر ایک نظر ڈالی تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ میں نے چچا کڑوچ کا دل ہی دل میں شکریہ ادا کیا جنہوں نے مجھے یہاں بھیج کر زبردست احسان تھا۔ یہ مجسمہ واقعی اس قابل تھا کہ اسے دیکھا جائے۔ میں آہستہ آہستہ مجسمے کی طرف بڑھنے لگا۔ کچھ گے جا کر میں رک گیا اور اس مجسمے کو غور سے دیکھنے لگا۔

یہ مجسمہ جانے کتنا پرانا ہوگا۔ ممکن ہے صدیوں پرانا ہو۔ میں سوچنے لگا لیکن اس کی آب و ابھی تک ماند نہ پڑی تھی۔ یہ کہیں سے ٹوٹا پھوٹا بھی نہ تھا۔ یہ مجسمہ کسی نوخیز شعلہ بدن' قتالہ عالم لکن لڑکی کا تھا۔ اپنے لباس سے یہ لڑکی رقاصہ معلوم ہوتی تھی۔ اس کی آنکھیں' اس کے ہونٹ' اس رخسار ایسے تھے کہ ساری رات ان پر شعر کہے جاسکتے تھے۔ اس کے جسم کے نشانوں پر ہزار تانیں کھڑی جاسکتی تھیں۔

چند لمحوں کے لیے مجھے اپنا ہوش نہ رہا۔ میں اس مجسمے کے حسن میں ڈوب گیا اور بے اختیار را جی چاہا کہ کاش! اس وقت یہ لڑکی خود میرے سامنے ہوتی اس کا مجسمہ نہ ہوتا۔ یہ مجسمہ کسی طرح جی ٹا۔

ابھی میں اس خیال کی گرفت میں ہی تھا کہ کہیں سے ''چھن'' کی آواز آئی جیسے کہیں گھنگھرو کا۔ میری نظر بے اختیار اس مجسمے کے پاؤں پر گئی۔ اس کے پاؤں میں گھنگھرو موجود تھے۔

کیا یہ آواز اس کے پاؤں سے آئی؟ میں اس احمقانہ خیال پر دل ہی دل میں ہنسا۔ یہ مجسمہ جیتا جاگتا تو تھا لیکن ایسا جیتا جاگتا بھی نہیں کہ اپنا پاؤں حرکت میں لے آئے۔

ایک مرتبہ پھر ''چھن'' کی آواز آئی۔

میری نظر اس کے پاؤں پر جم گئی۔ اس کے پاؤں منجمد تھے۔

پھر کئی بار مسلسل چھن چھن چھن کی آوازیں آئیں اور خاموشی چھا گئی...... اس مجسمے کے ں پر میری مسلسل نظر تھی' میں یقین سے کہہ سکتا ہوں اس میں ذرا بھی جنبش نہ ہوئی تھی...... لیکن گھنگھرو کی آواز بھی اپنی جگہ حقیقت تھی' میرے کانوں نے پورے وثوق سے ان آوازوں کو سنا تھا۔

عجب ماجرا تھا...... عجب معمہ تھا۔

تب مسلسل چھنا چھن ہونے لگی' جیسے کوئی رقاصہ ایک جگہ کھڑی تیزی سے اپنے پاؤں کو ت دے رہی ہو۔ اب میرے دل میں خوف پیدا ہو چلا تھا۔ گھنگھروؤں کی گھن گرج چند لمحوں تک آتی پھر ایک دم سناٹا چھا گیا۔

اب جو میں نے مجسمے پر نظر ڈالی تو ششدر رہ گیا۔ مجسمے کے پیچھے سے ایک ہاتھ نکلا ہوا ر یہ ہاتھ مجسمے جیسا تھا۔

ایک جھلک دکھا کر یہ سیمیں ہاتھ اندر چلا گیا۔ پھر چھن کی آواز کے ساتھ دوسرا ہاتھ برآمد تھوڑی دیر میں وہ بھی غائب ہوگیا۔

اس مرتبہ ایک ٹانگ باہر آئی۔ پھر وہ ٹانگ اندر ہوئی تو دوسری نکلی۔

اس کے بعد زور سے چھن چھنا چھن ہوئی اور اس مجسمے کے پیچھے سے ایک اور مجسمہ برآمد

ہوا جیتا جاگتا' گوشت پوست کا۔

اب میرے سامنے دو مجسمے تھے' برابر برابر کھڑے ہوئے ایک ہی انداز میں..... لیکن ا میں زندگی تھی اور دوسرا زندگی سے عاری تھا۔

میں کبھی اس کو اور کبھی اس کو دیکھتا تھا۔

پھر میں بے قرار ہو کر آگے بڑھا۔

مجھے آگے بڑھتا دیکھ کر ایک مجسمے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی' پھر اس میں حرکت ہوئی گھنگھرو چھن چھن بج اٹھے۔

میں نے چاہا کہ اسے اپنی گرفت میں لے لوں لیکن وہ بلا کی تیز نکلی۔ مجھے اپنی طرف ا دیکھ کر رقص کے انداز میں بڑی سرعت سے پیچھے ہٹی اور برق کی طرح لہراتی سیڑھیوں کی طرف دی۔

میں نے بھی برق رفتاری دکھائی اور تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر پہنچا۔

جب میں سرنگ سے باہر نکلا تو سالار میری آمد کا منتظر تھا۔ مجھے آتا دیکھ کر وہ تیزی میری طرف بڑھا۔ میں نے اس کا چہرہ غور سے دیکھا..... اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔ پھر میں نے ا سپاہیوں کو بھی غور سے دیکھا لیکن مجھے ان کے چہروں پر کوئی ایسی بات نظر نہ آئی جس سے یہ ظاہر ہو کہ انہوں نے کوئی غیر معمولی بات رونما ہوتے ہوئے دیکھی ہے۔

میرے اندر طوفان آیا ہوا تھا۔ میں نے سالار کے قریب آتے ہی اس سے سوال کیا۔ ' لڑکی کہاں گئی؟''

''کون سی لڑکی راجکمار۔'' سالار کے لہجے میں بے پناہ حیرت تھی۔

''وہ ابھی تو نیچے سے بھاگتی ہوئی اوپر آئی ہے۔'' میں نے ذرا تیز لہجے میں کہا۔

''لیکن راجکمار یہاں تو کوئی لڑکی نہیں آئی..... جب سے آپ اندر گئے ہیں' میں مسلسل یہیں کھڑا ہوں..... راجکمار کہیں آپ کو دھوکا تو نہیں ہوا۔''

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے..... وہ لڑکی میرے سامنے سیڑھیوں تک آئی ہے۔ وہ بالکل ویسی ہی تھی جیسا کہ مجسمہ۔''

میری اس بات نے ان دونوں سپاہیوں کے چہرے پر ہلدی مل دی۔ وہ خوف سے کانپنے لگے۔

''نہیں راجکمار۔'' سالار بھی خوفزدہ ہوئے بنا نہ رہ سکا۔ ''ذرا آیئے میرے ساتھ۔''

پھر ہم دونوں نے مل کر اوپر سے نیچے تک' یہاں سے وہاں سے کوئی جگہ نہ چھوڑی لیکن اس لڑکی کا سراغ نہ مل سکا' البتہ اس کا مجسمہ ویسے ہی اپنی جگہ کھڑا تھا۔

مجھے چکر سا آ گیا۔ وہ تو سالار نے مجھے تھام لیا ورنہ زمین پر گر جاتا۔ پھر راستے بھر وہ مجھے سمجھاتا ہوا آیا۔ اس نے یہی باور کرانے کی کوشش کی کہ میں نے جاگتی آنکھوں سے کوئی خواب دیکھا۔ مجسمے سے نکلنے والی لڑکی میرا واہمہ تھی۔

سالار کے سمجھانے پر میں ''ہاں' ہاں'' کرتا گیا لیکن میرا دل اسے واہمہ ماننے کو تیار نہ ہوا۔

نے حقیقت میں اس مجسمے کو مجسم ہوتے دیکھا تھا۔ گھنگھروؤں کی آواز اب بھی میرے کانوں میں ہوئی تھی۔ جاتے جاتے اس کی آنکھوں میں جو بلاوا تھا اسے میں کیسے بھول سکتا تھا۔

جب چچا کڑوچ تک یہ بات پہنچی تو وہ موصوف رات گئے بذات خود میرے کمرے میں لے آئے اور شام پیش آنے والے واقعہ کی تفصیل پوچھی۔ میں نے پورا واقعہ تمام باریکیوں کے ان کے گوش گزار کر دیا۔ پوری بات انہوں نے پوری سنجیدگی سے سنی۔ انہوں نے اس واقعہ کو فوراً میرا واہمہ نہ کہا۔ اس رات چچا کڑوچ مجھے پہلی بار بہت اچھے لگے۔ چلتے ہوئے انہوں نے کچھ لیش صفت لوگوں سے اس واقعہ کا تذکرہ کرنے کو کہا تو وہ مجھے اور بھی اچھے لگے۔ اس بستی میں کم از ایک آدمی تو ایسا تھا جس نے نہ صرف میری پوری بات ہمدردی سے سنی تھی بلکہ اس ناقابل یقین پر یقین بھی کر لیا تھا۔

وہ رات پوری میری آنکھوں میں کٹی' میں جدھر بھی کروٹ لیتا وہ چھن سے میری آنکھوں سامنے آ کھڑی ہوتی۔ وہ حسین چہرہ' وہ تراشیدہ جسم' پرشباب اور توبہ شکن..... خیالوں' خیالوں میں اسے اپنی گرفت میں لے لیتا' وہ میری بانہوں میں آتے ہی مچل اٹھتی' اس کا ریشمیں وجود میرے ں سے پھسل جاتا اور میں ایک سرد آہ بھر کر رہ جاتا۔

صبح ہوتے ہوتے وہ میرے وجود پر بخار کی طرح چھا گئی۔ میں عشق کی آگ میں جلنے بھننے بن جل مچھلی تڑپنے لگا۔

حکیم وید بلائے گئے۔ کسی کی سمجھ میں میری بیماری نہ آئی۔ مجھے کوئی بیماری ہوتی تو کسی کے پڑتی۔

پھر جھاڑ پھونک والے بلائے گئے۔ کل والے واقعہ کے پس منظر میں بڑی بڑی باتیں کہی ں۔ کسی نے کہا صدیوں پرانی ایک روح نے اس کا دل جکڑ لیا ہے۔ کسی نے کہا کھنڈرات کی ایک ں نے اس کے وجود پر قبضہ کر لیا ہے۔ کسی نے کہا کہ اس پر کوئی جننی سوار ہو گئی ہے۔ کسی نے کہا وئی نٹنی اس پر عاشق ہو گئی ہے۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں..... جھاڑ پھونک ہونے لگا۔ میرے نے اور دائیں بائیں عجب قسم کے لوگوں نے قبضہ جما لیا۔ دھونی دی جانے لگی۔ جنتر منتر پڑھے لگے۔

پھر مجھے ان خبیث صورتوں پر غصہ آ گیا۔ میں چھپرکھٹ سے اٹھا اور ایک ایک کو گدی سے کر نکال دیا۔ دروازہ بند کر کے میں پھر آرام سے لیٹ گیا۔ جیسے ہی لیٹا' وہ پھر میرے سامنے مسکراتی آ کھڑی ہوئی۔ میرا دل اسے دیکھنے کے لیے بے تاب ہو گیا۔ میں الٹے سیدھے لباس میں جس لیٹا تھا نکل کر باہر آ گیا اور ایک ملازم سے سواری تیار کرنے کو کہا۔

راج محل کے دروازے پر میرا چچا کڑوچ سے ٹکراؤ ہو گیا۔ انہوں نے مجھے ہونقوں کی طرح نکلتے دیکھا تو انتہائی نرمی سے مجھے سمجھایا کہ میں جہاں بھی جا رہا ہوں' مناسب لباس پہن کر باہر

چچا کڑوچ کے لحاظ اور اپنی راجکماری کے بھرم میں مجھے لباس تبدیل کرنا پڑا' جب میں کیل ئے سے لیس' سواری میں بیٹھ' پرانے کھنڈرات پہنچا تو وہاں ایک عجیب اطلاع سننے کو ملی۔

سالار جو کئی سپاہیوں کے ساتھ سرنگ پر موجود تھا' اس نے مجھے دیکھتے ہی بڑے مود بانہ ا میں سرنگ میں جانے سے روکا۔ جب میں نے سخت رویہ اختیار کیا تو اس نے مجھے صاف طور پر بتا ا راجہ کا حکم ہے کہ مجھے کسی قیمت پر سرنگ میں داخل نہ ہونے دیا جائے ساتھ ہی اس نے یہ اطلاع دی کہ وہ مجسمہ یہاں سے اٹھوا دیا گیا ہے۔

چچا کڑوچ کا حکم اور مجسمہ اٹھوا دیئے جانے کی اطلاع دونوں ہی میرے لیے تعجب خیز ہوئے۔ میں نے سالار سے جب مجسمہ منتقل کیے جانے والی جگہ دریافت کی تو اس نے بڑی معصو سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ اب مجھے چچا کڑوچ پر سخت غصہ آنے لگا تھا لیکن میں کچھ کرنے سے لا تھا۔ زبان کھولنے کی تاب اور مجال نہ تھی مجھ میں۔

میں خاموشی سے راج محل لوٹ آیا اور خاموشی ہی سے اپنے کمرے میں بند ہو گیا۔ شام تک میں دروازہ بند کیے پڑا رہا۔ میرے آرام میں کسی نے مخل ہونے کی جسارت نہ کی تھی' سوائے اس کے جو میرے لیے کھانا لے کر آیا تھا۔

سورج ڈوبنے سے ذرا پہلے میں اپنے کمرے سے نکل کر باغ میں آ گیا اور ادھر ادھر پھرا۔ دل ٹھکانے پر نہ تھا۔ رہ رہ کر وہ لڑکی یاد آتی۔ دل میں ایک ٹیس سی اٹھتی۔ جی بے اختیار کہ اڑ کر اس کے پاس پہنچ جاؤں لیکن اب کہاں جاتا' ظالموں نے تو اس کا مجسمہ تک اپنے ٹھکانے ہٹوا دیا تھا۔

انہی خیالات میں غلطاں میں ایک کنج میں بیٹھ گیا۔ باغ میں اس وقت میرے سوا کوئی تھا۔ چاروں طرف سے پرندوں کے چہچہانے کی آواز آ رہی تھی۔

میں آنکھیں بند کیے اس کے تصور میں بیٹھا تھا کہ اچانک چھن کی آواز آئی اور پھر چھن چھن ہونے لگی جیسے کوئی بڑی تیزی سے قدم اٹھاتا کنج میں داخل ہو گیا ہو۔

میں نے آنکھیں کھولیں تو دل جھوم اٹھا۔ وہ میرے سامنے تھی۔ اس وقت اس راجکماریوں جیسا لباس پہن رکھا تھا۔

اچانک اس کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ "ہائے میں مرجاؤں" کہہ کر واپس مڑی۔ میں سرعت سے اٹھا۔ کنج سے باہر آیا تو چند ثانیوں کے لیے درختوں کے پیچھے رنگین آنچل لہراتا نظر آیا۔ نے تعاقب کیا۔ درختوں کے پیچھے مالی کا گھر تھا۔ اس وقت مالی سامنے سے آ رہا تھا جب کہ وہ غارت اس کے پاس سے گزرتی ہوئی آگے بھاگی جا رہی تھی۔

تب میں نے چیخ کر اپنے مالی سے کہا۔ "شالو! اسے پکڑ لو۔"

شالو میری آواز سن کر فوراً ہی کھڑا ہو گیا اور چاروں طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ ا میں' میں اس کے نزدیک پہنچ گیا تو وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"کسے پکڑوں سرکار۔"

میں اس کی بات سن کر سناٹے میں آ گیا۔ میں نے اس سے بڑے غصے میں کہا: "شالو۔ بچے! کیا تو نے اس لڑکی کو نہیں دیکھا جو ابھی تیرے پاس سے گزری ہے۔"

"لڑکی۔" شالو نے احمقوں کی طرح میری طرف دیکھا۔ "لڑکی کا تو یہاں کوسوں دور تک پتہ نہیں سرکار...... آپ کہتے ہیں کہ میرے پاس سے گزری ہے۔ میرے پاس سے گزرتی تو یا میں دیکھتا نہ سرکار...... ابھی میری آنکھیں اتنی بوڑھی تو نہیں ہوئیں۔"

میں شالو کو وہیں چھوڑ کر آگے بھاگا لیکن اب دیر ہو چکی تھی۔ باوجود تلاش کے وہ مجھے کہیں نہ ائی دی۔

باغ میں رونما ہونے والا یہ واقعہ جانے کس طرح چچا کڑوچ تک جا پہنچا۔ رات کے کھانے کے بعد انہوں نے مجھے بلا بھیجا اور انتہائی نرم لہجے میں انتہائی سخت بات کہی!

"سلارا...... راجکماروں جیسے اطوار اختیار کرو۔"

میں نے ابھی کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ وہ اٹھ کر چلے گئے۔

دوسرے دن کا سورج میرے لیے کچھ نئی آزمائشیں لے کر آیا۔ اب کورام میں ہر طرف ے پاگل ہو جانے کا چرچا تھا۔ کسی کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی تھی کہ صدیوں پرانے مجسمے کے عقب ، ویسی ہی لڑکی کس طرح نکل آئی۔ اور اگر نکل بھی آئی تو وہ صرف راجکمار کو کیوں دکھائی دی۔ سالار سپاہیوں کو کیوں نہ دکھائی دی...... نچلی سطح پر مالی کا بیان بڑی تیزی سے پھیلایا جا رہا تھا اور اب ایک آدمی بھی مجھے مشکوک نگاہوں سے دیکھنے لگا تھا۔

اب چچا کڑوچ کا رویہ میرے ساتھ یکسر بدل گیا تھا۔ وہ اس لڑکی سے متعلق کوئی بات سننے تیار نہ تھے اور برملا اسے میرے دماغ کا خلل کہنے لگے تھے۔ وہ ہمدردی جو پہلے دن ان میں نظر آئی ا وہ غائب ہو چکی تھی۔ اب وہ بات بات پر میرا مذاق اڑانے لگے تھے۔

راج محل اور کورام کی سرزمین میرے لیے تنگ ہوتی جا رہی تھی۔

اس دن میں راج محل سے باہر نکلا۔ میرے پاگل ہونے کی تمام اطلاعات مجھے میرے رے میں ملتی رہیں اور میں صبر کے گھونٹ پیتا رہا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ مجھے اس بات کی بالکل نہ تھی کہ چچا کڑوچ اور کورام کے لوگ میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ مجھے پروا تھی تو صرف اس دلربا کی جو مجھ سے میرا سکون لوٹ لے گئی تھی۔ جو صرف چند لمحوں کے لیے مجھے نظر آتی تھی۔ ابھی نکھیں اس کا جلوہ سمونہ پاتی تھیں کہ وہ بلبلے کی طرح غائب ہو جاتی۔ میں تمام مصائب سے بے خبر سے بات کرنے کا خواہش مند تھا۔ اسے دیکھنا چاہتا تھا...... اسے چھونا چاہتا تھا۔

شام کو دروازے پر کسی نے دستک دی تو معلوم ہوا کہ چچا کڑوچ نے میرے لیے سواری ر کروا دی ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ میں سیر کرنے نکلوں' اس لیے کہ کمرے میں پڑے پڑے مجھے پورا ہو گیا۔

میں جلد ہی الٹا سیدھا لباس پہن کر راج محل کے سامنے کھڑی سواری میں آ بیٹھا۔ یہ چچا وچ کی سواری تھی جو انہوں نے ازراہ عنایت چند گھنٹوں کے لیے مجھے بخش دی تھی۔ اس گاڑی میں بیٹھ کر سیر کرنے کا اور ہی مزا تھا' اگرچہ یہ میرے لیے نئی نہ تھی' میں اپنے باپ کے زمانے میں بارہا اس سیر کر چکا تھا۔

سولہ گھوڑوں کی یہ گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی جا رہی تھی۔ ٹھنڈی ہوا جسم کو گدگدا رہی تھی' ایک نت کا احساس ہو رہا تھا۔

اچانک میری نظر دائیں جانب پڑی۔ سڑک کے کنارے' درختوں کے سائے میں' میں ۔
کسی لڑکی کو جاتے دیکھا۔

اس بیابان جنگل میں' تنہا لڑکی کو دیکھ کر' مجھے بڑی حیرت ہوئی۔

میں نے گاڑی بان سے کہا۔ ''گاڑی آہستہ کرو۔''

تب اچانک اس لڑکی نے پلٹ کر دیکھا۔ مجھ پر بجلی سی گری اور میں نے ''گاڑی روکو'' ۔ حکم کے ساتھ گاڑی سے چھلانگ لگانی چاہی لیکن میرے دائیں بائیں پائے دانوں پر کھڑے محافظوں نے میرا راستہ روک لیا۔

''سامنے اس لڑکی کو دیکھتے ہو' یہ وہی لڑکی ہے مجسمے والی۔'' میں نے بے قراری سے کہا۔

''سرکار......! یہاں تو دور تک کوئی لڑکی نہیں۔'' ایک محافظ نے مجھے چڑانے کے انداز میں کہا۔

''اندھو! تمہیں اگر وہ لڑکی نظر نہیں آ رہی تو میں کیا کروں...... ہٹو میرے سامنے سے آج میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔'' میں نے غصے سے کہا۔

''راجکمار......! آپ گاڑی سے نہیں اتر سکتے...... راجہ کا یہی حکم ہے۔'' ایک محافظ نے زبان چلائی۔

تب میں نے سامنے نگاہ کی تو اسے جھاڑیوں میں غائب ہوتے دیکھا۔ میں غصے سے بے قابو ہو گیا۔ قریب ہی کوڑا پڑا تھا۔ میں نے کوڑا اٹھا لیا اور وحشیانہ انداز میں اس محافظ پر سانے لگا۔

☆......☆......☆

محافظ نے اف نہ کی' اس نے پوری سعادت مندی سے اپنی کمر جھکا دی۔ اس کی اس ت مندی نے میرا غصہ کم کر دیا۔ اگر وہ مزاحمت کرتا تو اس بات کے پورے امکانات تھے کہ وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔

پھر بھی میں نے اپنے غصے پر قابو پاتے پاتے اس پر بے شمار کوڑے برسا دیئے تھے۔ ان کی ضربوں سے وہ لہولہان ہو گیا۔ کپڑے تو کپڑے اس کی کھال تک پھٹ گئی تھی اور اس پر نیم وشی طاری تھی۔

تب عقب سے مجھے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ی سواری آ رہی تھی۔

سالار نے میرے ہاتھ میں کوڑا اور محافظ کو خون آلود زمین پر پڑے دیکھا تو بہت ن ہوا۔

وہ بھاگتا ہوا میرے نزدیک آیا اور گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''کیا ہوا راجکمار؟''

''اسے لے جاؤ۔'' میں نے زمین پر پڑے محافظ کی طرف اشارہ کیا۔ ''تمہارے راجہ کے ایک خوبصورت تحفہ۔''

پھر میں وہاں ایک لمحہ بھی نہ رکا۔ گاڑی بان سے واپس چلنے کا کہہ کر میں پورے آرام سے ی کی پشت سے ٹک گیا۔ چند لمحوں بعد گاڑی فراٹے بھرنے لگی۔

میں راستے بھر چچا کرودچ کے رویے پر غور کرتا آیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ اس وقت قائم مقام تھے لیکن انہیں یہ سوچنا چاہیے تھا کہ ان کی حکومت عارضی ہے۔ سوگ کا عرصہ ختم ہوتے ہی حکومت ے ہاتھوں میں منتقل ہو جانی تھی۔ انہیں محافظوں کو اس قسم کا حکم نہیں دینا چاہیے تھا۔ ایسا حکم دے کر نے میرے غصے کو بھڑکا دیا' وہ معصوم محافظ بلاوجہ میرے ہاتھوں لہولہان ہوا۔ بہرحال سالار جب بے ہوش محافظ کو چچا کرودچ کے سامنے لے کر پہنچے گا اور انہیں میرے گستاخانہ کلمات سے آگاہ ے گا تو ان آنکھوں سے بے شمار پردے اٹھ جائیں گے۔ آئندہ وہ میرے بارے میں اس قسم کے ت جاری کرتے ہوئے ہچکچائیں گے! راستہ انہی سوچوں میں کٹ گیا۔ راج محل آ پہنچا۔

سواری سے اتر کر میں نے سیدھا اپنے کمرے کا رخ کیا اور لباس تبدیل کر کے کسی بھاری ی طرح چھپرکھٹ پر گر پڑا۔

ان لمحوں میں مجھے میرے والد بہت یاد آئے۔ ان کے نہ ہونے نے میری شخصیت میں یں پیدا کر دی تھیں۔ میں محرومی کا شکار ہونے لگا تھا۔ مجھے دور تک کوئی غم گسار نہ دکھائی دیتا

تھا۔

سالار رات ہونے تک راج محل نہ پہنچا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ اس خون آلود نیم ہوش محافظ کو پورے کورام میں گھماتا پھرا۔ کورام کے لوگوں کے سامنے میرے پاگل پن کی تازہ مثال پیش کی گئی۔ میرے خلاف خوب زہر اگلا گیا اور اس تشہیر کا لب لباب یہی تھا کہ میں قطعی پاگل ہو ہوں اور پاگل بھی خطرناک۔

ابھی میں رات کا کھانا کھا کر فارغ ہی ہوا تھا کہ دروازے پر زور زور سے دستک ہوئی اس دستک کی کرختگی نے مجھے آنے والی مشکلات کا پتہ دیا۔ میں نے لمبے لمبے سانس لے کر دروازہ کھول دیا۔

تب مجھے دروازے پر سالار کا منحوس چہرہ نظر آیا۔ اس کے چہرے پر خباثت تھی اور میں اس کے دستک دینے کے انداز ہی سے سمجھ گیا کہ مجھ پر کیا بیتنے والی ہے۔

سالار کے ساتھ چند سپاہی بھی تھے اور سارے کے سارے مسلح۔

"راجکمار...... آپ خود کو گرفتار سمجھئے۔" سالار نے میری سوالیہ نگاہوں کے جواب میں لب کھولے۔

یہ بات میری توقع کے خلاف تھی۔ میں سالار کی بات سن کر انگشت بدنداں رہ گیا۔ مجھے ہرگز امید نہ تھی کہ چچا کڑوچ اس حد تک جا سکتے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ وہ میرے گستاخانہ کلمات اور محافظ پر کوڑے برسانے کے جرم میں زیادہ سے زیادہ تنبیہہ کر کے چھوڑ دیں گے۔

گرفتاری کی خبر نے میرے تن بدن میں آگ لگا دی۔ اب میری سمجھ میں کچھ کچھ یہ آنے لگی تھی کہ چچا کڑوچ کیا چاہتے ہیں۔ وہ میرے "خلل دماغ" کی وجہ سے سیاسی فائدہ اٹھانے کا سوچ رہے تھے۔ کورام میں اس بات کی تشہیر کہ میں پاگل ہو گیا ہوں، چچا کڑوچ کے عزائم ظاہر کرتی تھی اور اب میری گرفتاری غالباً اس تابوت کی آخری کیل تھی۔

میرا جی چاہا کہ میں سالار سے اپنی گرفتاری کی وجہ پوچھوں لیکن اسے میں نے اپنی شان کے خلاف سمجھا۔ اگر موقع ملا تو اس سلسلے میں چچا کڑوچ ہی سے بات ہوگی۔ یہ سوچ کر میں نے خود کو سالار کے حوالے کر دیا۔

"چلو۔" میں نے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔

اتنی آسانی سے مجھے گرفتاری کے لیے پیش ہوتے دیکھ کر اس کے چہرے پر خوشی پھیل گئی۔ اسے توقع ہوگی کہ میں گرفتاری سے بچنے کے لیے مزاحمت ضرور کروں گا اور میں ایسا ضرور کرتا۔ ممکن تھا کہ اس وقت ایک آدھ سپاہی میرے ہاتھوں جہنم رسید ہو جاتا، لیکن صورت حال کی یکسر تبدیلی نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا اور کچھ سوچ کر ہی میں پر کٹے کبوتر کی طرح ان کے ہاتھوں میں چلا گیا تھا۔

میں دراصل چچا کڑوچ کو کھل کھیلنے کا موقع دینا چاہتا تھا تاکہ ان کے اندر چھپی ہوئی خباثت کھل کر میرے سامنے آ جائے۔

سالار نے جب شیر کو اپنے کندھے پر جوار رکھوانے کے لیے جھکتے دیکھا تو وہ خود بھی شر پر اتر آیا اس نے میرے ہاتھ باندھنے کی کوشش نہ کی البتہ میری کمر سے بندھا ہوا خنجر ضرور کھول دیا

"مجھے کہاں لے جایا جا رہا ہے؟" میں نے چلتے چلتے سالار سے پوچھا۔

"فی الحال راجہ آپ کے منتظر ہیں، اس کے بعد جو حکم ہوگا، بجا آوری کی جائے گی......"

سالار نے بڑے سپاٹ لہجے میں کہا۔

اب سالار سے کوئی بات کرنا فضول ہی تھا۔ بات کرنے کا موقع تو اب آ رہا تھا۔ میں آنے والے لمحات کے لیے خود کو تیار کرنے لگا۔

چچا کڑوچ کو شاہی مسند پر بیٹھا دیکھ کر میرے دل پر گھونسا سا لگا۔ اس جگہ پر میں اپنے باپ کو دیکھا کرتا تھا اور وہ یہاں بیٹھ کر بے حد شاندار لگتے تھے جبکہ چچا کڑوچ یہاں بیٹھے ہوئے انتہائی احمق دکھائی دے رہے تھے۔ وہ تو سالار کی وردی میں بھی الو دکھائی دیتے تھے۔ مجھے اکثر حیرت ہوتی تھی کہ چچا کڑوچ کو سالار کس طرح بنا دیا گیا۔ یہ شاید میرے باپ کی مہربانی تھی۔

اب وہی باپ کا بھائی تمام مہربانیاں بھول کر اس کا دشمن بن گیا تھا۔ بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے؟

"آپ کے حکم کی تعمیل کر دی گئی ہے۔ ملزم حاضر ہے۔" سالار نے شاہی آداب بجا لانے کے بعد لب کھولے۔

یہ سن کر چچا کڑوچ کے ہونٹوں پر زہر پھیل گیا۔ میں اسے مسکراہٹ تو کہنے سے رہا۔ پھر انہوں نے اپنی زبان سے تیر چلایا۔

"کیا حال ہے سلارا؟"

اس سوال کا میں کیا جواب دیتا، میں خاموش رہا۔

میری کمر سے اگرچہ خنجر کھول لیا گیا تھا لیکن میرے ہاتھ ابھی کھلے ہوئے تھے۔ چچا کڑوچ کی اس بات نے میرے تن بدن میں آگ لگا دی، میرا جی چاہا کہ میں بڑھ کر ان کا گریبان پکڑ لوں اور منہ پر دو کس کر تھپڑ رسید کروں لیکن میں نے اپنے غصے پر قابو پا لیا۔ اس لیے کہ میرے دائیں بائیں چند سپاہی اور مجھ سے ذرا سا آگے سالار موجود تھا۔ میں نے اپنے ہاتھ اس لیے نہیں روکے تھے کہ میں سالار اور سپاہیوں سے خائف تھا بلکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ ان ملازموں کے سامنے میرے چچا کی بے عزتی ہو۔

"چچا کڑوچ...... یہ مذاق میرے ساتھ کب......!" میں اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا...... میری زبان گنگ ہو گئی۔

وہ عارت گرد دروازے میں کھڑی مسکرا رہی تھی۔

میں خاموشی سے اس کی طرف جھپٹا لیکن میرے دائیں بائیں کھڑے سپاہیوں نے مجھے پکڑ لیا۔ سالار نے تلوار سونت لی۔

"مجھے چھوڑ دو، مجھے چھوڑ دو...... آج میں اس لڑکی کو پکڑ کر رہوں گا۔" میں نے زور سے چیخ کر کہا۔ میرے جھپٹتے ہی وہ لڑکی دروازے سے ہٹ گئی۔

تب چچا کڑوچ کا قہقہہ بلند ہوا۔ وہ بہت دیر تک ہنستے رہے۔ جب ان کی ہنسی رکی تو میں نے بڑی لجاجت سے کہا۔ "چچا کڑوچ میں سچ کہتا ہوں، میں اپنے باپ کی قسم کھا کر کہتا ہوں، اس لڑکی کو

میں نے دیکھا ہے۔ وہ ابھی ابھی دروازے میں تھی۔ مجھے ذرا چھوڑ دو' وہ ابھی راج محل میں ہی ہو گی' میں اسے پکڑ کر لاتا ہوں۔"

میری اس درخواست کے جواب میں چچا کڑوچ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور وہ لال پیلی آنکھ کرکے بولے۔ "پاگل! کیا تو مجھے بھی پاگل سمجھتا ہے...... سالار لے جاؤ اسے اور قید تنہائی میں ڈال دو۔"

سالار نے تالی بجا کر بہت سے سپاہی اندر بلا لیے اور مجھے پکڑ کر زبردستی ایک تاریک کمرے میں بند کر دیا گیا۔

اس تاریک کمرے میں میں نے کیسے زندگی گزاری' مجھ پر کیسی کیسی مصیبتیں نازل ہوئیں' کیسے کیسے ظلم توڑے گئے' ان کا ذکر اب کیا کروں' ہاں' تم سن لو کہ مجھے قید کرنے کے بعد چچا کڑوچ کورام کا باقاعدہ راجہ بن بیٹھا۔ میں رعایا کے سامنے' سالار' سپاہیوں' محافظ اور مالی کی شہادتوں کی بنیادوں پر پاگل قرار دے دیا گیا اور جو آدمی پاگل ہو اسے ظاہر ہے حکومت نہیں سونپی جا سکتی' اس طرح تخت و تاج کے جائز مالک چچا کڑوچ بن گئے اور انہوں نے سوگ کے دن ختم ہوتے ہی اپنی رسم تاجپوشی کروالی۔

پھر جانے کتنے دن اور کتنی راتوں کے بعد اس تاریک کمرے کا دروازہ کھلا۔ مجھے اس کمرے سے باہر نکالا گیا اور چچا کڑوچ کے سامنے پیش کیا گیا۔

میں نے چچا کڑوچ کی شکل دیکھتے ہی نفرت سے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"سلارا...... تمہاری زندگی اس وقت ہماری مٹھی میں ہے۔ ہم تمہیں جب چاہیں مسل دیں لیکن ہم تمہیں مارنا نہیں چاہتے۔ تمہیں مارنے کو جی نہیں چاہتا...... اب تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ تم کورام سے کہیں بہت دور چلے جاؤ اور زندگی بھر کورام کا رخ نہ کرو...... آج رات سالار تمہیں گاڑی میں بٹھا کر دور چھوڑ آئے گا۔ امید ہے جنگلوں میں تمہاری گزر بسر ٹھیک طرح ہو جائے گی...... وہاں تمہیں اس لڑکی کے پیچھے بھاگنے سے کوئی نہ روکے گا...... جنگلوں میں تم جتنا چاہے پاگل پن دکھانا' تم پر کوئی انگلی نہ اٹھائے گا......اب جاؤ اور یہاں سے جانے کی تیاری کرو۔" چچا کڑوچ اتنا کہہ کر باہر نکل گئے۔

چچا کڑوچ کی اس بات نے مجھے حیران کر دیا۔ میں تو اس تاریک کمرے میں اپنی زندگی کے آخری دن گن رہا تھا۔ قدموں کی ہر آہٹ پر یہی گمان ہوتا کہ پروانۂ موت آ پہنچا۔

سفاک چچا کے دل میں جانے کہاں سے اور کیوں جذبۂ ترحم در آیا۔ میں نے ان کی اس رحم دلی کو غنیمت جانا اور سالار کے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی ایک لمحے کو میرے دل میں خوف پیدا ہوا۔ کہیں مجھے کورام سے باہر قتل کرنے کو تو نہیں لے جایا جا رہا۔ میں نے خود کو تقدیر کے حوالے کر دیا اور گاڑی کی پشت سے ٹیک لگا دی۔

مجھے نہیں معلوم کہ مجھے کہاں اتارا گیا۔ جب مجھ سے سالار نے کہا۔ "راجکمار...... یہاں اتر جاؤ۔"

تو میں پوری فرماں برداری سے گاڑی سے اتر آیا۔

پھر اس کے بعد میں بہت دیر تک گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں سنتا رہا۔

جب ٹاپوں کی آوازیں معدوم ہو گئیں تو میں نے مشرق کو لال ہوتے دیکھا۔ سپیدۂ سحر نمودار ہو چکا تھا۔

میں پاس ہی پڑے ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھ گیا اور سورج کو طلوع ہوتے دیکھنے لگا۔

میں ایک لمبی قید تنہائی کاٹ کر آیا تھا۔ کورام کی گدی مجھ سے چھین لی گئی۔ میں رعایا کی نظر میں پاگل گردانا جانے لگا تھا اور وہ لڑکی جو مجسمے سے برآمد ہوئی تھی اور گاہے گاہے مختلف جگہوں پر دکھائی دی تھی جس نے میرے دل کا قرار اور راتوں کی نیندیں لوٹ لی تھیں' جانے کہاں گم ہو گئی تھی...... میں بہت کچھ' اپنا سب کچھ پیچھے چھوڑ آیا تھا اور وہ بھی ہمیشہ کے لیے۔

روشنی پھیلتے ہی میں نے خود کو ایک ہرے بھرے علاقے میں پایا۔ میں نے ادھر ادھر گھوم کر یہ پتہ چلانے کی کوشش کی مجھے کہاں اتارا گیا ہے لیکن باوجود کوشش کے میں اس علاقے کو پہچان نہ سکا۔

قید تنہائی کی اذیتوں نے مجھے ذہنی طور پر بہت مضبوط بنا دیا تھا۔ اس جنگل میں اگر سونے کو پتھر اور کھانے کو درختوں کے پتے ملیں تو وہ پھر بھی بہتر تھے۔ کم از کم تاریک کمرے کے عذاب سے ...... لہٰذا صبر و شکر کیا۔

سورج جب اچھی طرح آسمان پر چمکنے لگا اور ہر سو تیز روشنی پھیل گئی تو میں اٹھ کھڑا ہوا اور جدھر منہ اٹھا چل پڑا۔

تین دن اور تین راتیں میں نے آوارہ گردی کرتے گزار دیں۔ پھر میں جلد ہی اس بے عمل اور بے مصرف زندگی سے اکتا گیا۔ نہ تو میں پیچھے جا سکتا تھا اور نہ آگے کا ہی راستہ مجھے معلوم تھا۔ میری اب کوئی منزل نہ تھی۔ اگر کوئی منزل تھی بھی تو وہ کورام کے کھنڈرات میں روپوش ہو گئی تھی۔

راج گدی چھن جانے کے بعد اگر وہ لڑکی ہی میری زندگی میں آ جاتی تو پھر یوں خالی پن کا احساس نہ ہوتا' دل بیزار اور ذہن اکتاہٹ محسوس نہ کرتا۔ اس غارت گر کو آخری بار میں نے چچا کڑوچ کے کمرے میں دیکھا تھا جہاں وہ دروازے میں کھڑی مسکرا رہی تھی۔ اس کا جلوہ آج بھی میری نگاہوں میں بسا ہوا تھا۔ اب میرے پاس یادوں کے سوا اور تھا کیا اور یہ یادیں بھی کس قدر اذیت ناک تھیں' کس قدر محرومیاں بھری تھیں ان میں۔

آج صبح ہی سے مجھ پر مایوسی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ میں بھٹکتا ہوا دریا کنارے نکلا تھا۔ ذہن میں یادوں کی کربناک لہریں طوفانی انداز میں بپھری ہوئی تھیں۔

بس پھر میں نے بغیر کچھ سوچے سمجھے دریا میں چھلانگ لگا دی اور خود کو دریا کی تیز دھار کے سپرد کر دیا۔ اس کے بعد جب ہوش آیا تو تمہیں اپنے سامنے پایا اور لطف کی بات یہ ہے کہ مجھے تمہارے بارے میں کچھ نہیں معلوم کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو جبکہ میں نے اپنی آپ بیتی تمام کی تمام سنا ڈالی...... کیا تم اپنا نام بتانا پسند کرو گے؟"

سلارا کا فسانۂ عجائب آخر اختتام کو پہنچا۔ اس اثناء میں قامران مہر بہ لب رہا۔ اس نے درمیان میں ذرا بھی مداخلت نہ کی' پورا قصہ نہایت خاموشی سے سنا۔ اب جبکہ قصہ ختم ہو گیا تھا اور سلارا اس کے بارے میں کچھ جاننا چاہتا تھا تو قامران نے لب کھولے۔

"سلارا...... میرا نام قامران ہے۔ میں ایک دور دراز علاقے سے آیا ہوں اور بڑے عر صے سے سفر پر ہوں۔"

"قامران! تمہارا کیا خیال ہے میرے بارے میں' کیا واقعی میں پاگل ہوں؟" سلارا نے رائے مانگی۔

"نہیں...... مجھے تو تمہاری کہانی میں کوئی خاص بات نظر نہیں آئی لیکن جو واقعات تمہیں پیش آئے ہیں' وہ ایک عام آدمی کے لیے ناقابل یقین ہیں۔ شاید اسی لیے تمہارے چچا تمہیں پاگل قرار دلوانے میں کامیاب ہو گئے۔

"اوہ...... قامران کاش! تم سے کورام میں ملاقات ہوئی ہوتی تو ہم دونوں مل کر اس لڑکی کا کھوج نکال لیتے اور پھر کورام کا بچہ بچہ اس کے وجود کی گواہی دیتا...... پر اب کیا ہو سکتا ہے؟"

"اس لڑکی سے تمہاری کبھی بات بھی ہوئی؟"

"اس چھلاوا نے اس کا موقع کہاں دیا۔"

"اچھا...... یہ بتاؤ' جب وہ پہلی بار تمہیں دکھائی دی تھی تو وہ کیا مجسمہ توڑ کر باہر آئی تھی۔"

"نہیں...... وہ مجسمے کے عقب سے نکلی تھی۔"

"کیا تم نے اس کے ظاہر ہونے سے پہلے مجسمے کا پچھلا حصہ دیکھا تھا؟"

"نہیں...... سیڑھیاں اترتے ہی جیسے ہی میں دروازے میں داخل ہوا تو وہ مجسمہ مجھے نظر آ گیا۔ اس کی خوبصورتی دیکھ کر میں اس میں گم ہو گیا۔ چند لمحوں بعد ہی گھنگھرو چھنک اٹھے...... مجھے مجسمے کے عقب میں جانے کا موقع کہاں ملا؟"

"اچھا...... یہ بتاؤ' اس سرنگ میں باہر جانے کا کوئی دوسرا راستہ بھی تھا؟"

"غالباً نہیں...... اگر ہوگا تو مجھے اس کا علم نہیں...... دراصل سرنگ کو اچھی طرح میں دیکھ نہ سکا...... لیکن ایک بات ضرور ہے کہ وہ لڑکی اسی راستے سے اوپر گئی اور یقیناً سالار اور سپاہیوں کے سامنے سے گزری لیکن وہ اسے دیکھ نہ پائے...... میری سمجھ میں یہ بات آج تک نہیں آئی کہ وہ لڑکی صرف مجھے ہی کیوں نظر آتی تھی۔"

تب قامران کا دماغ چاندکا کی طرف چلا گیا۔ وہ بھی تو سوائے اس کے کسی اور کو نظر نہیں آتی۔ کیا وہ بھی چاندکا کی طرح کوئی روح تھی جو مجسمہ برآمد ہوتے ہی کھنڈرات میں پہنچ گئی۔

پھر اس مسئلے کو چاندکا ہی حل کر سکتی تھی کہ وہ واقعی روح تھی اور اگر روح تھی تو سلارا کے سامنے ظاہر ہونے کا مقصد کیا تھا۔ اس غریب کو جھلک دکھا کر خواہ مخواہ جنون میں مبتلا کر دیا۔ آخر اس سے ایسا کیا قصور ہو گیا تھا۔

"کیا سوچنے لگے قامران۔" سلارا نے اسے ٹوکا۔

"تمہارے مسئلے کا حل۔" قامران نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "سلارا تمہارے مسئلے کا حل میں نے سوچ لیا ہے لیکن تھوڑا سا وقت لگے گا۔ انتظار کرو اور دیکھو کہ پردۂ ظہور سے کیا برآمد ہوتا ہے...... فی الحال میں تمہارے کھانے پینے کا بندوبست کرتا ہوں۔ تم کچھ کھاؤ پیو اور آرام کرو۔"

یہ کہہ کر قامران نے تیر کمان سنبھالی اور درختوں کی طرف دیکھتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

تھوڑی دیر میں قامران نے تین پرندوں کا بھنا ہوا گوشت سلارا کی خدمت میں پیش کیا جسے نے بڑے مزے لے لے کر کھایا۔

جب سلارا نے تینوں موٹے تازہ پرندے بہ آسانی ہضم کر لیے تو قامران نے مزید پیش کی۔

"راجکمار اور۔"

"نہیں بس...... اور یہ مجھے راجکمار نہ کہو' سلارا کہو۔"

"سلارا...... اب کچھ دیر آرام کیوں نہ کر لیا جائے۔" قامران نے کہا۔

"خیال تو برا نہیں لیکن ذرا مجھے مسئلے کا حل تو بتاؤ۔"

"میں کہہ چکا ہوں کہ کچھ وقت لگے گا...... ذرا صبر سے کام لو۔"

تب سلارا نے زمین پر صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔

ادھر قامران بھی گھاس کے نرم فرش پر دراز ہو گیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا...... اور جلد نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

سوتے سوتے اس نے گھنٹیوں کی آواز سنی جیسے کوئی اونٹنی سوار بڑی تیزی سے اس کی طرف آ رہا ہو۔ گھنٹیوں کی اس مانوس آواز پر وہ چونک کر اٹھ بیٹھا' اس نے خود کو کسی خوشنما باغ میں پایا۔ ،کی نظریں چاروں طرف اس اونٹنی سوار کو ڈھونڈنے لگیں۔

تب اچانک ہی وہ درختوں کے پیچھے سے کالے لبادے میں لپٹی برآمد ہوئی اونٹنی پر سوار ،۔ چاندکا پہلی مرتبہ صحرائے سرخ میں اسے اسی طرح ملی تھی۔

پھر اس نے نزدیک آ کر اونٹنی کو ٹھہرایا اور اس کی پیٹھ سے اتر کر قامران کی طرف بڑھی۔

اب قامران کنوارے بدن کی خوشبو صاف محسوس کر رہا تھا۔

چاندکا نے اس کے نزدیک پہنچ کر اپنے جسم سے کالا لبادہ نوچ لیا۔ اب وہ زرق برق لباس ،اس کے سامنے موجود تھی۔

قامران اسے اپنے نزدیک دیکھ کر کھل اٹھا۔

"چاندکا...... مجھے اس وقت تمہاری بڑی ضرورت تھی' اچھا ہوا جو تم آ گئیں۔"

"خیریت تو ہے۔" چاندکا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... میں تو خیریت سے ہوں لیکن وہ کورام کا راجکمار بڑی مشکل میں ہے۔ ذرا اس کی کرو۔"

"بات بتاؤ۔"

"کورام کے کھنڈرات سے ایک مجسمہ برآمد ہوا اور اسی مجسمے کے عقب سے ایک اور مجسمہ مد ہوا۔ ایک مجسمہ پتھر کا تھا اور دوسرا گوشت پوست کا۔ اس گوشت پوست کے مجسمے کو دیکھ کر ہمارا جکمار دل ہار بیٹھا۔ تب وہ لڑکی اس کے لیے چھلاوا بن گئی۔ وہ اسے وقفے وقفے سے مختلف جگہوں پر ائی دی' لیکن صرف اسی کو...... اس کے بتانے کے باوجود کوئی اور اسے نہ دیکھ پایا۔ یہ ایک بے حد ب بات تھی۔ ہزاروں سال پرانے مجسمے والی لڑکی کس طرح زندہ جاوید ہو سکتی تھی' ایک عام آدمی کی

سمجھ میں یہ بات نہ آئی۔ پھر اس کے عیار چچا نے اس صورت حال سے زبردست فائدہ اٹھایا' راج گدی کے جائز حق دار کو پاگل ٹھہرا کر...... خود راجہ بن بیٹھا اور اسے جنگلوں میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا...... یہ ہے اس راجکمار کی مختصر کہانی۔"

"کہانی تو میں نے سن لی' اب تم چاہتے کیا ہو؟"

"یہ معلوم کرنا کہ وہ مجسمے والی لڑکی کون تھی...... کیا وہ کوئی روح تھی تمہاری طرح۔" قامران نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"چند لمحے انتظار کرو...... میں دیکھتی ہوں کہ کیا مسئلہ ہے۔" یہ کہہ کر چاندکا نے آنکھیں بند کرلیں اور زیرلب کچھ بدبدانے لگی۔

تھوڑی دیر میں اس نے آنکھیں کھولیں تو اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی......

قامران نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"وہ روح نہیں تھی۔" چاندکا نے غیر متوقع انکشاف کیا۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے...... اگر وہ روح نہیں تھی تو سب کو کیوں نظر نہیں آتی تھی؟"

"یہ ایک زبردست چکر ہے۔"" چاندکا نے کہا۔

"یعنی کوئی سازش۔"

"ہاں' انتہائی گہری سازش...... کڑوچ بے حد عیار آدمی ہے...... پہلے اس نے بڑی ہوشیاری سے سلارا کے باپ کو ختم کیا اور پھر خود اس کو دام میں پھنسا لیا۔"

"لیکن سلارا کا باپ تو مچان ٹوٹ جان کی وجہ سے مرا تھا اور خود کڑوچ بھی اسی مچان پر موجود تھا۔"

"وہ مچان اسی نے اپنی نگرانی میں بنوائی تھی اور کسی کو شبہ نہ ہو' اس لیے خود بھی اسی مچان پر چڑھ کر بیٹھ گیا تھا۔ وہ مچان کے کمزور حصوں سے واقف تھا' لہٰذا جب مچان ٹوٹی تو وہ درخت کی شاخوں سے لٹک گیا اور سلارا کا باپ سیدھا زمین پر گر کر اپنی کمر کی ہڈی تڑوا بیٹھا۔

"ارے...... تم تو تمام باتوں سے واقف ہو۔" قامران خوش ہوتا ہوا بولا۔ "چلو یہاں تک تو یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے...... لیکن مجسمہ اور لڑکی والی بات گلے سے نہیں اترتی۔ تم کہتی ہو کہ وہ روح نہیں تھی...... اگر روح نہیں تھی تو کیا وہ انسان تھی۔"

"میرا جواب اثبات میں ہے۔" چاندکا نے اپنی زلفوں کو پیچھے جھٹکتے ہوئے کہا۔ پھر وہ گہری نظروں سے قامران کو دیکھنے لگی۔

"اس دنیا میں کوئی بات ناممکن نہیں...... جب میں تمہیں پوری بات بتاؤں گی تو تمہیں فوراً یقین آجائے گا...... اب تم کورام جانے کی تیاری کرو اور سلارا کو اس کی راج گدی واپس دلاؤ۔"

"کیا یہ ممکن ہے؟" قامران نے سوال کیا۔

"ہاں کیوں نہیں...... اس دنیا میں سب کچھ ممکن ہے...... بس تمہیں تھوڑی سی محنت کرنا ہوگی...... تمام راستے میں تمہیں بتائے دیتی ہوں۔ میرے بتائے ہوئے راستوں پر چلو گے تو کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔ اب میں تمہیں بتاتی ہوں کہ بے چارے سلارا کے ساتھ کیا ہوا۔"

یہ کہہ کر چاندکا نے اسے مجسمے والی لڑکی کی کہانی بیان کرنا شروع کی۔ صدیوں پرانے تسمے کا راز' چچا کڑوچ کی عیاریاں...... غرض چاندکا نے وہ سب کچھ بتا دیا جس کی قامران کو ضرورت

قامران چچا کڑوچ کے شیطانی ذہن کی کرشمہ سازی سن کر دنگ رہ گیا۔ ابھی وہ حیران ہی رہا تھا کہ اس کی آنکھ کھل گئی۔

وہ چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ چاندکا کا دور تک پتہ نہ تھا۔ اوہ' یہ تو خواب تھا...... مران نے سلارا کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے سوچا جو بڑے مزے کی نیند لے رہا تھا۔

پھر اچانک اس کے نتھنوں میں کنوارے بدن کی خوشبو در آئی جو آس پاس کی فضا میں رچی تھی۔ تب قامران گہرے گہرے سانس لے کر دھیرے سے مسکرا دیا۔

چاندکا تیری ہر ادا نرالی ہے!

تھوڑی دیر بعد سلارا کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے قامران کو اپنے نزدیک ہی کچھ سوچتے ہوئے تو وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"کیا ہوا قامران؟"

"ابھی تو کچھ نہیں ہوا...... ہاں چند دنوں تک ضرور کچھ نہ کچھ ہو جائے گا...... میں نے طے رلیا ہے کہ تمہیں کورام کا راج پاٹ واپس دلاؤں۔"

"تم مجھے کورام کا راجہ بناؤ گے تم...... قامران تم نے تو ابھی کورام بھی نہیں دیکھا...... وہاں پہنچنا بھی آسان نہیں' چچا کڑوچ کا تختہ الٹنا تو دور کی بات ہے...... دوست تم تو مجھ سے بھی دو ہاتھ آگے نکلے۔ کورام کے لوگ مجھے ہی پاگل کہتے ہیں' کیا تم بھی اسی صف میں کھڑے ہونا چاہتے ہو۔" سلارا اج گدی کی واپسی کا ذکر سن کر واقعی پریشان ہوگیا۔

"سلارا...... قامران جو سوچ لیتا ہے' وہ کر گزرتا ہے...... میں تمہیں تمہاری کھوئی حکومت اپس دلا کر رہوں گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ غارت گر جس نے تمہاری راتوں کی نیند حرام کردی تھی' یشہ کے لیے تمہاری ہو جائے۔" قامران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

سلارا کے لیے تو راج گدی کی واپسی ہی مسئلہ بنی ہوئی تھی کہ اس غارت گر کے متعلق مژدہ انفزا نے اس کے ہوش اڑا دیئے...... وہ اٹھ کر کھڑا ہوا اور پھر قامران کے قدموں میں گرتا ہوا بولا۔

"دیوتا کے لیے قامران...... مجھ سے اتنا سنگین مذاق نہ کرو' میں پہلے ہی بہت دکھ اٹھائے وئے ہوں۔"

"ارے...... ارے۔" قامران نے اسے فوراً اپنے قدموں سے اٹھا لیا اور سینے سے لگاتا ہوا لا۔ "سلارا...... کسی کو دکھ دینا میری زندگی کا مسلک نہیں اور جھوٹ بولنا میرا شیوہ نہیں...... میں نے تم سے جو کچھ کہا ہے' اس کا لفظ لفظ صحیح ہے' آنے والا وقت اس بات کی گواہی دے گا۔"

"لیکن یہ سب کس طرح ممکن ہوگا۔" سلارا کو کسی طرح یقین نہ آتا تھا اور یقین آنے والی بھی نہ تھی۔

"یہ سب تم مجھ پر چھوڑ دو اور کورام چلنے کی تیاری کرو۔" قامران اسے کچھ بتانے کے لیے

تیار نہ تھا۔

''لیکن میں کورام کا راستہ نہیں جانتا' مجھے نہیں معلوم کہ وہ لوگ مجھے کہاں چھوڑ گئے ہیں رات کے اندھیرے کی وجہ سے میں راستہ نہ دیکھ سکا۔'' سلارا نے بتایا۔

''کوئی بات نہیں...... کورام کا راستہ میں جانتا ہوں۔'' قامران نے ہنستے ہوئے کہا۔

اچانک ہی قامران کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ اس نے بڑی پھرتی سے کمان میں تیر چڑھایا اور سلارا کی طرف سیدھا کیا۔

''کیا کرتے ہو؟'' سلارا کہتا ہی رہ گیا لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

☆......☆......☆

یہ تیر سلارا پر نہیں چلایا گیا تھا' کسی اور چیز پر چلایا گیا تھا اور قامران کو اتنی مہلت بھی نہ ملی تھی کہ وہ سلارا کو ہوشیار کر دیتا۔ اگر اسے ہوشیار کرتا تو اس بات کے واضح امکانات تھے کہ سلارا اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔

ایک اڑنے والا سانپ اس پر حملے کے لیے پر تول رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ انتہائی زہریلا سانپ اس کی گردن میں اپنا دانت گاڑتا' قامران نے اس کا بروقت علاج کر دیا۔

تیر سلارا کے بالکل کان کے نزدیک سے گزرا۔ جب سالارا نے پلٹ کر دیکھا اور اسے اڑنے والا سانپ تیر میں پرویا ہوا دکھائی دیا تو اس نے بڑے تشکر سے قامران کی طرف دیکھا۔

''تم سمجھتے تھے کہ میں نے تیر تم پر چلایا ہے؟'' قامران نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ہاں' میں تو یہی سمجھا تھا!'' سلارا نے سادگی سے کہا۔

''واہ رے...... راجکمار۔'' تب قامران نے ادھر ادھر ابلا کو تلاش کیا۔ تھوڑی تگ و دو کے بعد وہ دونوں اس کے نزدیک پہنچ گئے۔

قامران نے ابلا کے منہ میں لگام دی اور سلارا کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ ''راجکمار سلارا اس پر سوار ہو جاؤ۔''

''اور تم؟'' سلارا نے سوال کیا۔

''میں اس گھوڑی کے ساتھ ساتھ بھاگوں گا۔'' قامران نے بتایا۔

''نہیں...... یہ نہیں ہو سکتا...... ہم دونوں پیدل چلیں گے۔''

''اس طرح تو کورام پہنچنے میں ہمیں کافی دن لگ جائیں گے۔ تم میری فکر نہ کرو۔ میری ٹانگیں بہت مضبوط ہیں۔ آؤ سفر کا آغاز کریں۔'' قامران نے کچھ اس انداز سے کہا کہ سلارا آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

وہ مجبوراً سوار ہو گیا اور ابلا کی پیٹھ پر بیٹھ کر اس نے ایڑ لگائی لیکن ابلا نے سلارا کو قبول نہ کیا۔ وہ آگے بڑھنے کے بجائے دو پاؤں پر کھڑی ہوئی اور تیزی سے پیچھے ہٹی اور اچھل کود مچانے لگی۔

قامران ابلا کے عزائم دیکھ کر کانپ اٹھا۔ اس کی نظر کے سامنے فوراً وہ منظر گھوم گیا جب وہ پہلی بار ابلا پر سوار ہوا تھا۔ اس گھوڑی کی تاریخ بڑی خونی تھی اور اس نے سلارا کو اس کی پیٹھ پر بٹھا کر سخت غلطی کی تھی۔ اس کا اسے فوراً احساس ہو گیا۔ اب وہ سلارا کو کسی قسم کا گزند پہنچے بغیر اس کی پیٹھ سے

اس کی رفتاری قامران سے کسی طرح کم نہ تھی۔ آخر اوپر پہنچ کر اچھل کر اس کی لگام

''آگے بہت محتاط ہو کر چلنا ہے۔'' قامران اس کی گزران نے نے لگا۔

''ٹھیک ہے۔'' سلارا کے سایہ نہ یا' اس کے اترتے ہی ابلا نے حصہ کود بند کر دی

یکھتے ہوئے کہا۔

پھر وہ دونوں بڑ علاوہ کسی اور کا بیٹھنا اس گھوڑی کو پسند نہیں۔'' سلارا جھینپا جھینپا سا

یہ لوگ چھپ کر دیکھ

تب اجاوڑی ہے...... میرے ذہن میں یہ بات نہ رہی ورنہ میں تمہیں ہرگز اس پر

رکھے تیزی سائری دیوتا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے شرمندگی سے بچا لیا۔'' قامران

نہ پھیرتے ہوئے کہا۔

دکھائی بلیا کیا جائے۔'' قامران سوچنے لگا۔

میں کہیں دور سے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی۔ قامران نے چونک کر اس

دریا کے کنارے سواے ایک سفید گھوڑا بھاگتا ہوا دکھائی دیا۔ قامران اس گھوڑے کو اس طرح

کر ایک لمحے کو حیران تو ہوا' لیکن پھر اسے چاندکا یاد آ گئی۔

اس گھوڑے کو دیکھ کر قامران فوراً ابلا کی پیٹھ پر سوار ہو گیا اور چند ہی لمحوں میں اس نے

ھوڑے کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

پھر وہ واپس پلٹا اور گھوڑے کو تیزی سے دوڑاتا ہوا سلارا کے سامنے لے آیا اور ہنستا ہوا

را' دیوتا تم پر بہت مہربان معلوم ہوتے ہیں' دیکھو انہوں نے تمہارے لیے کیا شاندار سواری

''لیکن یہ گھوڑا ہے کس کا......؟ یہ ضرور اپنے سوار کو کہیں پھینک آیا ہے۔'' سلارا نے فکرمند

وئے کہا۔

''شکل سے تو ایسا معلوم نہیں ہوتا...... بہرحال تم اس پر سوار ہو کر دیکھو۔'' قامران نے اس

ہاتھ میں لگام دیتے ہوئے کہا۔

سلارا جست لگا کر اس کی پیٹھ پر سوار ہو گیا اور سیدھے بیٹھتے ہی اس نے ایڑ لگائی...... گھوڑا

برداری سے چل پڑا۔

سلارا ایک لمبا چکر لگا کر واپس پلٹا۔

''گھوڑا تو ٹھیک ہے...... لیکن ہمیں اس کے سوار کا پتہ لگانا چاہیے۔'' سلارا ابھی تک اس

کے غم میں گھل رہا تھا۔

''سلارا اپنی فکر کرو۔'' قامران نے ابلا کو ایڑ لگاتے ہوئے کہا۔ ''آؤ۔''

اب مزید کچھ کہنے کی گنجائش نہ رہی تھی' سلارا نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور قامران کے

سورج ڈوبتے ڈوبتے وہ ایک جانے پہچا...۔ لوگ مجھے کہاں چھوڑ گئے ہیں

کی انتہا نہ رہی کہ وہ کورام کی حدود میں داخل ہو چکا ہے۔ ایک ...سے اند...

لے آیا تھا جیسے وہ کورام کے چپے چپے سے واقف ہو۔

''میرا خیال ہے کہ اب تو تم نے اس علاقے کو پہچان لیا ہوگا۔'' ...ہنستے ہوئے کہا۔

''اپنی دھرتی تو میں نے پہچان لی' لیکن تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم یہاں آ... چھپایا اور سلارا

''جب آدمی کو کچھ پانے کی لگن لگ جائے تو پھر راستے خود بخود کھلتے...

نے درویشانہ انداز میں کہا۔

''اچھا۔'' سلارا نے سمجھ لیا کہ قامران اس سلسلے میں مزید گفتگو کرنے کے ...لیے اس نے موضوع بدلا۔ ''اب کیا تم مجھے راج محل لے جانا چاہتے ہو؟''

''نہیں...... اب اندھیرا ہو چلا ہے' آج کی رات ہم جنگل میں گزاریں گے۔ تمہیں کسی جگہ لے جاؤں گا' وہ جگہ بہرحال راج محل نہیں ہوگی۔''

''پھر وہ جگہ کیا ہوگی؟'' کچھ بتاؤ گے۔

''ہاں بتا تو سکتا ہوں لیکن مزا کرکرا ہو جائے گا...... بہتر ہوگا کہ تم صبح ہونے ...کرو...... پھر تم اپنی پسند کی چیز دیکھو گے۔''

''اپنی پسند کی چیز...... میری پسند کی چیز کیا ہوسکتی ہے؟'' سلارا نے سوچتے ہوئے کہا۔

قامران پھر ایسا بن گیا جیسے اس نے سلارا کی بات سنی ہی نہیں۔ وہ ابلا... موزوں جگہ کو تلاش کرنے لگا جہاں رین بسیرا کیا جاسکے۔''

ابھی اندھیرا ہی تھا۔ صبح ہونے میں خاصا وقت باقی تھا کہ قامران نے سلارا کو بیـ...

''چلو اٹھو۔''

سلارا خاموشی سے اٹھ گیا۔ پھر وہ دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر ایک سمت چل دیے۔ ... چلتے اجالا پھیلنے لگا۔

''کیا تم اس طرف کبھی آئے ہو؟'' قامران نے خاصا آگے جانے کے بعد پوچھا۔

''نہیں' کبھی نہیں۔'' سلارا نے فوراً جواب دیا۔

''اس کا مطلب ہے آگے جو چشمہ ہے وہ بھی تم نے نہیں دیکھا ہوگا۔''

''نہیں۔'' راجکمار سلارا نے مختصر جواب دیا۔

جب وہ چشمے پر پہنچے تو اچھی خاصی روشنی ہو چکی تھی۔ قامران نے چشمے کے کنارے... اطراف کا جائزہ لیا۔ پھر وہ سلارا کا ہاتھ پکڑ کر ایک چھوٹی سی پہاڑی پر چڑھنے لگا۔ گھوڑے انہو... نیچے ایک درخت سے باندھ دیئے تھے۔

قامران راستہ پہچانتا بڑے اعتماد سے اوپر بڑھا جا رہا تھا۔ سلارا اگرچہ تذبذب کے

اس کی رفتاری قامران سے کسی طرح کم نہ تھی۔ آخر اوپر پہنچ کر ہی دونوں نے سانس لیا۔

''آگے بہت محتاط ہو کر چلنا ہے۔'' قامران نے سلارا کو تنبیہہ کی۔

''ٹھیک ہے۔'' سلارا کے سامنے بے شمار درخت ہی درخت تھے۔ اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

پھر وہ دونوں بڑے محتاط انداز میں چلنے لگے۔ بالکل اسی طرح جیسے آگے کوئی شیر بیٹھا ہو اور یہ لوگ چھپ کر دیکھنا چاہتے ہوں۔

تب اچانک ہی قامران کی نظر ذرا فاصلے پر ایک لڑکی پر پڑی جو بڑی جھومتی جھامتی کمر پر ...رکھے تیزی سے نیچے اترتی جا رہی تھی۔

جب قامران نے سلارا کو اشارہ کیا تو وہ لڑکی گھوم چکی تھی۔ اب چہرے کے بجائے اس کی ...دکھائی دے رہی تھی۔

''ہاں۔'' سلارا اس کے اشارے کا مطلب نہ سمجھا۔ اس نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی ...دیکھا۔

''اس لڑکی کو دیکھا۔'' قامران نے پوچھا۔

''نہیں...... کیوں خیریت تو ہے؟'' سلارا بولا۔

''آؤ...... اس کا پیچھا کریں۔'' قامران نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

''قامران...... میں ابھی یہ بات نہیں بھولا ہوں کہ میں راجکمار ہوں۔''

''یعنی...... یہ کہنا چاہتے ہو کہ لڑکیوں کا پیچھا کرنا تمہارا شیوہ نہیں۔''

''ظاہر ہے۔'' سلارا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

''اور اگر یہ لڑکی وہی ہو جس نے تمہاری راتوں کی نیندیں حرام کردی تھیں تو۔'' قامران نے ...نازک سوال کیا۔

''تو میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔'' سلارا نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

''دیکھو سلارا...... اس وقت تم میرے ساتھ ہو اور میں جو کچھ جانتا ہوں' وہ تم نہیں جانتے۔ ...لڑکی کا پیچھا کر کے اس کا چہرہ دیکھیں گے۔ اگر یہ مجتسے والی لڑکی نکلی تو وعدہ کرو کہ اس کے پیچھے ...نا گو گے ورنہ بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔''

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم میرے ساتھ کیا کرنے والے ہو۔'' سلارا واقعی بڑی بے یقینی ...میں تھا۔

''میں صرف اس لڑکی کی شناخت چاہتا ہوں اور کچھ نہیں۔''

''یہ وہ لڑکی ہرگز نہیں ہوسکتی......وہ تو میرے سوا کسی اور کو دکھائی نہ دیتی تھی۔''

''آؤ پہلے اس لڑکی کا چہرہ دیکھ لیں...... پھر بعد میں کوئی اور بات کریں گے۔ کہیں وہ ...سے اوجھل نہ ہو جائے۔''

''چلو بھاگو۔'' سلارا نے کہا۔

پھر وہ دونوں محتاط انداز میں اس لڑکی کی طرف بڑھنے لگے۔ آخر ایک موڑ ایسا آیا کہ اس

لڑکی کا چہرہ ان دونوں کے مقابل آ گیا۔ صرف چند لمحوں کے لیے اس کے بعد وہ پھر گھوم گئی۔

لیکن یہ چند لمحے سلارا پر قیامت توڑ گئے۔

اس کا چہرہ شدت جذبات سے تمتما اٹھا۔ "وہی ہے۔" وہ چیخا۔

پھر اس نے قامران سے درخواست کی۔ "مجھے جانے دو۔"

"اپنا وعدہ یاد رکھو۔" قامران نے اس کی کلائی مضبوطی سے تھام لی۔ "اگر تم نے ضبط سے کام نہ لیا تو بہت برا ہوگا۔"

"قامران! کیا تمہیں یہ اب بھی دکھائی دے رہی ہے۔"

"ہاں! کیوں نہیں۔"

"اوہ' تم پہلے شخص ہو جس نے پہلی مرتبہ میری آنکھوں پر اعتبار کیا ہے۔" سلارا نے بڑ جوش سے اس کا بازو دباتے ہوئے کہا۔

"لیکن تم مجھ پر اعتبار نہیں کر رہے ہو؟" قامران نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کون کہتا ہے؟" سلارا نے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا۔

"پھر وعدہ کرو کہ میرے کہے پر عمل کرو گے' جوش میں نہیں آؤ گے۔"

"وعدہ کرتا ہوں۔" سلارا نے اس مجسمے والی لڑکی پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا' جواب خا نیچے اتر گئی تھی۔

"اب آؤ' میرے ساتھ۔" قامران نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

اب وہ دونوں پھر سے اوپر چڑھنے لگے۔

سلارا مڑ مڑ کر اس لڑکی کو دیکھتا رہا' اس وقت تک جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہوگئی قامران اس کی بے قراری دیکھ کر مسکراتا رہا۔

تھوڑا سا اوپر چڑھنے کے بعد قامران کو آخر وہ جھونپڑی نظر آ ہی گئی جس کی اسے تلاش تھی اس جھونپڑی سے کھٹ کھٹ کی آوازیں آ رہی تھیں جیسے کوئی ہتھوڑا چلا رہا ہو...... وہ دو تیزی سے اوپر چڑھنے لگے۔

اوپر پہنچ کر ان کی نظروں سے سب سے پہلے اس آدمی پر پڑیں جو بڑے انہماک سے ہا میں ہتھوڑا چھینی لیے ایک پتھر تراش رہا تھا۔

وہ ایک جسیم آدمی تھا۔ بازو کی ابھری ہوئی مچھلیاں اس کی سخت جانی کا پتہ دیتی تھیں۔ ا کے بال اس کے کندھوں پر پڑے تھے اور یہی حال مونچھوں اور داڑھی کے بالوں کا تھا...... بے تحا بڑھی ہوئیں۔ اوپر سے ننگ دھڑنگ لیکن نچلا حصہ ٹانگوں تک ڈھکا ہوا۔

اس نے دونوں کو دیکھتے ہی ہتھوڑا روک لیا اور تیز نظروں سے جائزہ لینے لگا۔

یہ دونوں بھی اسے دیکھتے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔ جب یہ اس کے بالکل نزدیک پہنچ گ تو چند لمحوں تک کوئی کچھ نہ بولا۔

آخر قامران نے لب کھولے۔ "ہم مسافر ہیں سنگ تراش۔"

"وہ تو مجھے نظر آ رہے ہو...... یہاں آنے کا مقصد بیان کرو۔" اس سنگ تراش نے اکھا

رکھائی سے پوچھا۔

"ہم بھوکے ہیں۔" قامران نے مسکین سی صورت بنا کر کہا۔

"اچھا...... تم ریماں کا انتظار کرو۔" سنگ تراش نے پھر ہتھوڑا اٹھا لیا۔

"کون ریماں؟"

"میری بیٹی۔"

"وہ جو ابھی نیچے گئی ہے...... مٹکی لیے۔"

"تم لوگ اس سے ملے ہو؟"

"نہیں' ہم نے اسے بہت دور سے دیکھا تھا۔"

"اچھا' ٹھیک ہے...... تم لوگ بیٹھو۔" سنگ تراش نے اگرچہ انہیں بیٹھنے کو کہا تھا لیکن لہجہ ایسا تھا جیسے کہا ہو۔ "واپس جاؤ۔"

"سنگ تراش اسے پہچانتے ہو؟" قامران نے راجکمار سلارا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں تو تمہیں بھی نہیں پہچانتا؟" سنگ تراش کے لہجے میں تلخی تھی۔

"کیا یہ کورام کا علاقہ نہیں؟" قامران نے پوچھا۔

"ہاں ہے۔" سنگ تراش نے کہا۔

"پھر تم کورام کے موجودہ راجہ کو تو جانتے ہو گے۔"

"ہاں' جانتا ہوں۔" لہجے میں وہی اکھڑپن۔

"کبھی تم اس سے ملے ہو؟"

"نہیں...... آج تک نہیں۔"

"یہ مجسمہ جو تم بنا رہے ہو' کس کا ہے؟"

"تم کون ہوتے ہو' یہ پوچھنے والے!" سنگ تراش نے تیز لہجے میں کہا۔

"کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ فنکار سر پھرے ہوتے ہیں۔" قامران نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر سلارا کا ہاتھ پکڑ کر بھاگا۔

"سلارا...... یہاں سے فوراً نکل چلو۔"

سلارا نے خاموشی سے اس کی تقلید کی۔

اس مرتبہ قامران نے نیچے اترنے کا وہ راستہ اختیار نہ کیا جس سے ریماں نے واپس آنا تھا۔ وہ ایک اور ہی راستے سے نیچے اترتا چلا جا رہا تھا۔

جب وہ دونوں سنگ تراش کی جھونپڑی سے خاصا دور نکل آئے تو سلارا نے قامران سے پوچھا۔ "تم بھوکے تھے تو وہاں سے بھاگ کیوں آئے؟"

"تمہارے خیال سے مجھے ریماں کا انتظار کرنا چاہیے تھا؟" قامران نے سوال کا جواب سوال سے دیا۔

"ہاں' ظاہر ہے۔" سلارا نے بڑے کھوئے ہوئے انداز میں کہا۔

"وہ آتے ہی تمہیں پہچان لیتی...... اس طرح بازی الٹ جاتی۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ تمہارا
موجودگی یہاں محسوس کرے۔"

"پھر تم مجھے یہاں کیوں لائے تھے؟"

"میں تم سے اس لڑکی کی شناخت چاہتا تھا۔"

"اسے میں نے نیچے ہی پہچان لیا تھا' پھر اوپر جانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"میں اس سنگ تراش کی ذرا شکل دیکھنا چاہتا تھا۔"

"بس۔" سلارا بولا۔

"ہاں۔" قامران نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اب تمہارا کام ختم ہو چکا ہے۔ اب ہم واپس اپنے ٹھکانے پر چلتے ہیں۔ وہاں چل کر تمہاری رہائش کا انتظام کرتا ہوں اور ساتھ ہی کھانے پینے کا بندوبست بھی۔ پھر میں کورام کا رخ کروں گا اور جب میں واپس آؤں گا تو تمہارے لیے ڈھیر ساری خوشیاں میرے ترکش میں ہوں گی۔"

"اس کا مطلب ہے مجھے اکیلا جنگل میں رہنا پڑے گا۔"

"ہاں چند روز ضرور جنگل میں رہنا پڑے گا...... پھر پورا کورام تمہارا ہوگا۔"

"اور ریماں......" سلارا کی بے قراری قابل دید تھی۔

"شاید وہ بھی...... پکا وعدہ نہیں...... ویسے محبت میں بڑا اثر ہوتا ہے۔ اگر تم سچے دل سے اسے چاہتے ہو تو اس آگ سے وہ کسی طرح اپنا دامن نہ بچا سکے گی۔"

"قامران! میں اسے روح کی گہرائیوں سے چاہتا ہوں۔ اس کے ملنے کی آس ٹوٹی تو میں نے زندگی سے ناتا توڑ لیا تھا۔ آج میں نے اسے پھر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ امید کے دیے پھر سے جل اٹھے ہیں۔ اب میں اس کے لیے زندہ رہنا چاہتا ہوں...... میرا پل پل اب اس کی یاد میں گزرے گا۔" سلارا نے بڑے جذباتی انداز میں کہا۔

سلارا کی بات سن کر قامران چلتے چلتے اچانک رک گیا اور سر کھجاتے ہوئے کچھ سوچنے لگا۔

"کیا ہوا؟" سلارا جو چند قدم آگے جا چکا تھا لوٹ کر واپس آیا۔

"تم گھوڑوں کے پاس پہنچ کر میرا انتظار کرو...... میں تھوڑی دیر میں وہاں پہنچتا ہوں۔" یہ کہہ کر قامران اوپر کی طرف چل دیا۔

"اب تم اوپر کیا کرنے جا رہے ہو؟" سلارا پریشان ہو گیا۔

"میں آ کر بتاتا ہوں...... تم چلو۔" قامران نے ہنستے ہوئے کہا اور بڑی تیزی سے درختوں کے جھنڈ میں غائب ہو گیا۔

سلارا کے پاس اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ جلد از جلد گھوڑوں کے پاس پہنچ جائے...... سو اس نے ایسا ہی کیا۔

ابلا اور اس کا گھوڑا اپنی اپنی جگہ بڑے اطمینان سے کھڑے تھے۔ تب سلارا ایک درخت کے تنے سے پیٹھ لگا کر بیٹھ گیا۔ اس وقت وہ بالکل خالی الذہن تھا۔ قامران نے اسے چکرا کر رکھ دیا تھا۔ اب وہ اس کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی کی طرح تھا...... بے جان اور بے بس۔ اس کی سمجھ میں نہیں

آ تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے اور کیوں کر رہا ہے لیکن جو کچھ ہو رہا تھا اس نے بھی سلارا کی آنکھیں کھول دی تھیں۔ قامران اسے اس کے علاقے میں اس طرح لے آیا تھا جیسے وہ یہاں کا باسی ہو...... پھر ریماں کا نظارہ...... اس غارت گر کو تو وہ بھلا بیٹھا تھا لیکن قامران نے مایوسی کے اندھیروں میں امید کے دیے جلا دیے تھے۔

یہ ٹھیک ہے کہ قامران کا رویہ پراسرار تھا لیکن یہ اسرار دھیرے دھیرے کھلتے جا رہے تھے قامران پر اس کا اعتماد بحال ہوتا جا رہا تھا۔

سلارا ابھی انہی خیالات میں غلطاں تھا کہ اس نے اپنے عقب سے ایک نسوانی آواز سنی۔

"چھوڑ دو...... مجھے چھوڑ دو...... تم مجھے کہاں لیے جا رہے ہو؟"

سلارا نے جب گردن گھمائی تو عجب منظر دیکھا۔ قامران کے کندھوں پر ایک لڑکی مچل رہی تھی جو یقیناً ریماں تھی۔

قامران نے سلارا کے نزدیک پہنچ کر ریماں کو اپنے کندھے سے اتارا' پھر اس نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے اور رخ سلارا کی طرف کیا۔

"اسے پہچانتی ہو۔" قامران نے اچانک اس کی آنکھوں سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔

دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں۔

"راجکمار تم!" ریماں اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"دیوتا کا شکر ہے اور اس بندے کا احسان کہ میں تمہیں اتنے نزدیک سے دیکھ رہا ہوں ورنہ تم تو میرے لیے چھلاوا بنی ہوئی تھیں۔ ادھر نظر آئیں' ادھر غائب...... میری تلاش کے باوجود کہیں دکھائی نہ دیتیں...... ریماں تم ایسا کیوں کرتی تھیں؟"

"راجکمار تم نے اپنی یہ کیا حالت بنالی؟" ریماں کے لہجے میں دکھ تھا اور اس کی نظریں اس کے پھٹے ہوئے لباس اور پژمردہ چہرے پر۔

ابھی سلارا کچھ جواب نہ دینے پایا تھا کہ قامران کی آواز سنائی دی۔

"سلارا...... ریماں کو اپنے گھوڑے پر بٹھا لو اور یہاں سے نکل چلو۔"

سلارا تیزی سے آگے بڑھا۔ اس نے ریماں کو سہمی ہوئی فاختہ کی طرح اپنے ہاتھوں میں دبوچ لیا...... وہ بری طرح لرز رہی تھی۔

سلارا نے ریماں کو گھوڑے کی پیٹھ پر سوار کر دیا اور خود بھی فوراً ہی سوار ہو گیا۔

تب قامران ابلا پر سوار ہو کر اس کے نزدیک آیا اور سخت لہجے میں بولا۔ "اے لڑکی' اگر تم چیخنے چلانے کی کوشش کی تو زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھو گی...... خیریت تمہاری خاموشی میں ہے......"

یہ کہہ کر قامران نے ابلا کو ایڑ لگا دی۔ وہ حسب معمول اپنے دو پاؤں پر کھڑی ہوئی اور پھر سرپٹ دوڑنے لگی۔

ریماں نے کسی قسم کا احتجاج نہ کیا۔ وہ سلارا کے ساتھ خاموشی سے بیٹھی رہی...... سلارا کا گھوڑا بھی اب ہوا سے باتیں کرنے لگا تھا۔

قامران جو سلارا سے آگے نکل آیا تھا' واپس پلٹا اور سلارا سے آگے رہنے کا اشارہ کیا
پھر وہ دونوں ایک دوسرے کے پیچھے سفر کرتے اس جگہ آ پہنچے جہاں انہوں نے کل ا... تھا۔

قامران نے دو تین گھنٹے کے اندر ان دونوں کے قیام و طعام کا انتظام کیا اور پھر کورام ... طرف چل پڑا۔ سلارا سے اس نے کہا تھا کہ وہ جلد لوٹ آئے گا۔ ریماں کی حفاظت اب اس کی ... داری ہے۔

ابلا کی برق رفتاری نے مسافت کی کٹھن منزلیں بڑی آسان کر دیں' وہ توقع سے کہیں ... کورام میں داخل ہو گیا۔

ابھی وہ زیادہ اندر نہ گیا تھا کہ اس نے سامنے دھول اڑتی دیکھی۔ چند لمحوں بعد جب ... چھٹے تو قامران نے ایک گھوڑا گاڑی بڑی تیزی سے اپنی طرف بڑھتے دیکھی۔ اس گاڑی میں ... گھوڑے جتے ہوئے تھے۔

پھر جلد ہی وہ گاڑی اس کے نزدیک سے گزر گئی۔ قامران سڑک سے ذرا ہٹ کر کھڑا ہو... تھا تاکہ گاڑی آسانی سے نکل جائے۔

قامران نے ابلا کو ایڑ لگانے سے پہلے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ گاڑی آگے جا کر رک گئی تھی ا... اس میں سے ایک سپاہی کود کر قامران کی طرف بڑھ رہا تھا۔

قامران نے اپنا رخ اس آدمی کی طرف کر لیا جو چہرے مہرے سے سپاہی دکھائی دیتا تھا۔

وہ ہانپتا ہوا قامران کے نزدیک پہنچا اور اپنی سانسیں بہ مشکل قابو کرتا ہوا بولا۔ ''اے تیر کمان والے نوجوان! تمہیں سالار بلاتا ہے۔''

''سالار...... کورام کا سالار؟'' قامران نے پوچھا۔

''ہاں کورام کا سالار۔'' اس سپاہی نے جواب دیا۔

تب قامران نے ابلا کو ایڑ دی اور طوفانی انداز میں اس گھوڑا گاڑی کے پاس جا پہنچا۔

گھوڑا گاڑی میں بیٹھے اس بڑی بڑی مونچھوں والے شخص کو قامران نے اور گھوڑی پر سوا... اس سجیلے نوجوان کو سالار نے بغور دیکھا۔

''نوجوان! تم کون ہو؟ اور کہاں جا رہے ہو؟'' آخر سالار نے گفتگو کا آغاز کیا۔

''میرا نام قامران ہے سالار...... میں راجکمار سلارا کا دوست ہوں اور ان سے ملنے جا رہا ہوں۔''

''راجکمار سے ملنے تم غلط جگہ آ گئے ہو نوجوان...... وہ کورام میں کہاں؟ اسے تو کسی جنگل میں تلاش کرو...... دیوانوں کا ٹھکانہ تو جنگل ہی ہو سکتا ہے......'' سالار نے بلاوجہ قہقہہ مارتے ہوئے کہا۔

''میں سمجھا نہیں سالار۔'' قامران نے بڑے بھولپن سے کہا۔

''راجکمار پاگل ہو گیا تھا' اسے جنگل میں چھڑوا دیا گیا۔''

''ارے...... یہ تو بہت برا ہوا۔'' قامران نے تاسف سے کہا۔

''نوجوان...... تمہاری راجکمار سے کہاں ملاقات ہوئی تھی؟'' سالار نے قامران کو تیز نظروں ... دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میری ان سے ملاقات ایک شیر کے شکار کے موقع پر ہوئی تھی۔'' قامران نے فوراً سفید ... بولا۔

''نوجوان! اب تم کیا کرو گے؟''

''سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں......؟ میں اتنا طویل سفر طے کر کے آیا ہوں کہ واپسی کی ہمت ... لیکن اب واپس ہی جانا ہوگا۔'' قامران نے بڑی مایوسی سے کہا۔

''نہیں نوجوان...... ہم تمہیں اتنی جلدی واپس نہیں جانے دیں گے۔ تم چند دن کورام میں ... لو۔ سفر کی تھکن اتر جائے تو واپس چلے جانا۔'' سالار نے بڑی نرمی سے کہا۔

یہ عنایت اگرچہ قامران کے لیے خلاف توقع تھی لیکن اس نے اسے بہت غنیمت جانا۔ اگر ... سے کورام سے واپس جانے کو کہہ دیتا تو قامران کی راہیں بہت دشوار ہو جاتیں۔

''میں آپ کا بے حد ممنون ہوں۔'' قامران نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''نوجوان......! تم راج محل کے دروازے پر میرا انتظار کرو...... میں جلد ہی وہاں پہنچ جاؤں ...''

''ٹھیک ہے۔'' قامران نے کہا۔

پھر سالار کی گھوڑا گاڑی آگے چلی گئی جبکہ قامران نے مخالف سمت میں آگے بڑھنا شروع ... آبادی میں داخل ہوتے ہی اسے راج محل کی بلند و بالا عمارت نظر آ گئی۔

ابھی وہ راج محل کے سامنے پہنچ کر ابلا سے اترا ہی تھا کہ اسے چاروں طرف سے سپاہیوں ... گھیر لیا اور ان کا رویہ دوستانہ ہرگز نہ تھا۔

☆......☆......☆

قامران کو گرفت میں لے کر اپنے سیدھے سوالوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ تم کون ہو..... کہاں سے آئے ہو.....اور کیوں آئے ہو......؟ اسی طرح کی اور دوسری باتیں۔ ہر سپاہی کچھ نہ کچھ بول رہا اور قامران ان سب کے منہ تک رہا تھا کہ یہ لوگ اپنی زبان کو لگام دیں تو وہ کچھ بولے۔

قامران کی خاموشی نے آخر ان سب کو خاموش رہنے پر مجبور کر دیا۔ تب قامران نے لب کھولے۔

''کورام کے سپاہیو..... مجھے تمہارے سالار نے یہاں بھیجا ہے۔''

''سالار نے!'' کئی چہرے حیرت زدہ رہ گئے۔

سالار کا نام سنتے ہی انہوں نے اپنی گرفت ڈھیلی کر دی اور اس سے معذرت کرنے لگے اپنے رویے کی معافی مانگنے لگے۔

قامران ان احمقوں پر اندر ہی اندر ہنسا۔ پھر سنجیدگی کا لبادہ اوڑھ کر بولا۔ ''کورام کا راجہ وقت کہاں ہے؟''

ابھی وہ سپاہی کچھ جواب دینے ہی والا تھا کہ ایک گھوڑا گاڑی اس کے نزدیک ہی آ رکی۔ اس گاڑی کو دیکھتے ہی سارے سپاہی ایک قطار میں کھڑے ہو گئے۔

گاڑی سے سالار نکلا۔ اس نے قامران کو دیکھ کر ہاتھ کے اشارے سے اپنے پاس بلایا ایک سپاہی سے تحکمانہ انداز میں بولا۔

''اس نوجوان کی گھوڑی کو اصطبل پہنچا دو۔''

سپاہی نے فوراً ابلا کی لگام تھام لی اور اسے ایک طرف لے کر چل دیا۔ پھر سالار قامران اپنے ساتھ لے کر آگے بڑھا اور راج محل کی سیڑھیاں چڑھتا ہوا بولا۔ ''کیا یہ ممکن ہے کہ تم ہمارے ساتھ شکار پر چلو۔''

''کیا کورام کے راجہ شکار کھیلنا چاہتے ہیں؟''

''ہمارے راجہ کو تو شکار سے کوئی خاص دلچسپی نہیں۔ میں اگر اصرار کروں تو ممکن ہے کہ جانے کے لیے تیار ہو جائیں.....اس وقت تو میں اپنی بات کر رہا تھا..... مجھے شکار سے بہت دلچسپی اور وہ بھی شیر کے شکار سے.....تم مجھے ایک بہادر اور نڈر نشانے باز دکھائی دیتے ہو۔ اس لیے میں سوچا کہ تمہارے شکار کا لطف کیوں نہ اٹھایا جائے۔''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں..... ویسے اگر راجہ بھی ساتھ ہوں تو اور مزا آئے گا۔'' قامران اس تازہ صورت حال سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔

''ٹھیک ہے' آج راجہ سے بات کر لیتے ہیں۔ رات کو ایک خاص ناچ رنگ کی محفل تو ہوگی۔ وہاں راجہ بھی ہوں گے۔ میں تمہیں اس محفل میں شرکت کی دعوت دیتا ہوں۔ وہیں ی راجہ سے ملاقات بھی ہو جائے گی اور شکار کے بارے میں راجہ کی مرضی بھی معلوم ہو جائے میں تمہیں ماہر شکاریات کی حیثیت سے پیش کروں گا' اس طرح ان کے شکار پر چلنے کی امید ہو جائے گی.....تم ان کے سامنے راجکمار کا ذکر نہ کرنا۔'' سالار نے قامران کا بازو دباتے کہا۔

''کیوں؟'' قامران نے وضاحت چاہی۔

''انہیں راجکمار کے نام ہی سے نفرت ہے۔''

اس دلچسپ بات پر قامران مسکرائے بنا نہ رہ سکا۔ جائز حقدار سے اس کا تخت و تاج چھین ے پاگل قرار دے کر جنگل میں چھڑوا دیا' پھر اسی سے نفرت بھی۔ اس نفرت کا کیا جواب ہو سکتا تھا قامران نے اس مسئلے پر مزید گفتگو کرنا مناسب نہ سمجھا۔ ویسے بھی وہ اب راج محل میں داخل ہو تھے۔

ایک طویل راہداری پار کرنے کے بعد سالار نے قامران کو راج محل کے ایک ملازم کے لے کر دیا۔ اسے چند ہدایتیں دیں' جس میں قامران کے آرام کا خیال رکھنا سرفہرست تھا۔ پھر وہ شام ی رخصت لے کر واپس پلٹ گیا۔

اس ملازم نے اس کے لیے مہمان خانے کا سب سے بہترین کمرہ کھول دیا۔ قامران نے دلچسپی سے کمرے کا جائزہ لیا۔ یہ بلاشبہ ایک عالیشان کمرہ تھا..... اس کمرے کو دیکھ کر اسے ملکہ یاد آئی اور پھر یہ سلسلہ دراز ہوتے ہوتے جانے کہاں جا پہنچا۔

تب قامران نے سر کو جھٹکا اور نرم ملائم بستر پر نیم دراز ہو گیا۔ اسے یہ نرم و نازک بستر ایک امرحلے کے بعد میسر آیا تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں فوراً بند کر لیں اور نرم بستر کا لطف لینے لگا۔ لیٹتے س پر نیند طاری ہو گئی اور وہ نیند کی پناہ میں چلا گیا۔

دوپہر کو اس کی اس وقت آنکھ کھلی جب ملازم نے کھانے کی تیاری کی اطلاع دی۔ قامران تیزی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر وہ نہایا دھویا..... نہا کر نکلا تو کمرے میں کھانا موجود تھا۔ کھانا پرتکلف بے حد لذیذ تھا..... قامران نے خوب سیر ہو کر کھایا۔

کھانے کے بعد اس پر پھر غنودگی طاری ہونے لگی۔ بستر پر دراز ہوتے ہی نیند نے اسے چا۔ وہ شام تک پورے اطمینان سے سویا۔ نیند سے بیدار ہوتے ہی اسے شام کا مشروب پیش کیا مشروب پینے کے بعد وہ کمرے سے نکلا اور باغ کا پتہ پوچھ کر اس طرف چل دیا۔

وہ باغ میں ایک خاص مقصد کے لیے آیا تھا۔ وہ اس مالی کا دیدار کرنا چاہتا تھا جس کے امنے سے ریماں گزری تھی اور وہ اسے نہیں دیکھ پایا تھا۔

خاصا اندر جا کر آخر اسے ایک مالی کیاری درست کرتا ہوا نظر آیا۔ وہ اس کے نزدیک جا کر ہو گیا..... بالکل خاموش۔

مالی نے جب اپنے نزدیک ایک خوبرو نوجوان کو کھڑا دیکھا تو وہ بھی احتراماً کھڑا ہو گیا اور

مودبانہ انداز میں بولا۔ ''مائی باپ...... خادم آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہے۔''

''تم شالو ہو؟'' قامران نے اسے تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی مائی باپ...... میں شالو ہوں۔ راج محل کا سب سے پرانا مالی۔'' شالو نے کیاری ۔ باہر آتے ہوئے کہا۔

''تم اندھے تو نہیں ہو۔''

''نہیں...... مائی باپ دیوتا کا فضل ہے...... اپنی عمر کے لوگوں کے مقابلے میں زیادہ [illegible] ہوں۔'' شالو نے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں کو پھیلا کر کہا۔

''پھر تمہیں وہ لڑکی کیوں نہیں دکھائی دی تھی؟'' قامران نے سوال کیا۔

''کون سی لڑکی مائی باپ!'' شالو نے اپنے اوپر حیرت طاری کرتے ہوئے کہا۔

''وہ لڑکی جس کے تعاقب میں راجکمار سلارا آئے تھے اور وہ تمہارے سامنے سے بھاگتی ہوئی گزری تھی۔'' قامران نے یاد دلایا۔

راجکمار کا سن کر شالو نے زوردار قہقہہ لگایا اور پھر اپنی ہنسی پر بہ مشکل قابو پاتے ہوئے بولا۔

''ارے اس پاگل کا کہاں ذکر لے بیٹھے مائی باپ...... اسے تو سوتے جاگتے ہر وقت لڑکی نظر آتی تھی۔''

اس نمک حرام اور سازشی مالی کی زبان سے راجکمار سلارا کے بارے میں ایسے بیہودہ کلمات سن کر قامران کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اگر اس میں فطری صبر و تحمل نہ ہوتا تو اس بات کے امکانات تھے کہ وہ اب تک مالی کو ملک عدم کی راہ دکھا چکا ہوتا۔

قامران نے پھر مالی سے کوئی بات نہ کی۔ اس کے چہرے کی سرخی اور بھینچے ہوئے ہونٹ اس کے غصے کا پتہ دیتے تھے۔ مالی اس کے تیور بھانپ کر بھاگا بھاگا ایک طرف گیا اور تھوڑی دیر بعد کالے گلاب کا ایک بے حد حسین پھول لیے واپس آیا۔

''مائی باپ...... غریب مالی کی طرف سے ایک حقیر تحفہ۔''

قامران نے وہ پھول اس کے ہاتھ سے لے لیا اور اسے سونگھتا ہوا راج محل کی طرف چلا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ راجہ کڑوچ نے اپنے بھتیجے کے خلاف اتنے شاطرانہ انداز میں جال بنا ہے کہ ایک عام آدمی زندگی بھر اس کا تصور نہیں کرسکتا۔ وہ سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے ایسے بھی کیا جاسکتا ہے اور یہ سازش چند آدمیوں تک محدود ہے۔ ان چند آدمیوں کو بے نقاب کرنا اور عوام کو یہ باور کروانا کہ راجکمار کے ساتھ ظلم ہوا ہے کوئی آسان کام نہ تھا۔

لیکن قامران نے اس مشکل کام کو آسان کرنے کی ٹھان لی تھی۔

رات کے کھانے کے بعد قامران سوچ ہی رہا تھا کہ سالار کی ابھی تک شکل نہیں دکھائی دی۔ وہ آخر کدھر غائب ہوگیا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ قامران نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

''کورام کے سالار نے آپ کو یاد کیا ہے۔'' آنے والے نے کہا۔

''ٹھیک ہے چلو...... میں خود ان کا منتظر تھا۔'' قامران آنے والے کے ساتھ ہوگیا۔

کئی راہداریاں گھوم کر قاصد نے ایک دروازہ کھولا اور بولا۔ ''اندر چلے جائیے۔''

قامران اندر داخل ہوا' اسے سامنے ہی سالار بیٹھا دکھائی دیا جو شراب پینے میں مشغول

وہ قامران کو دیکھ کر مسکرایا اور خوشدلی سے بولا۔ ''آؤ نوجوان! تمہارے لیے میرے پاس ل خبری ہے۔''

''وہ کیا؟''

''راجہ شکار پر جانے کے لیے تیار ہوگئے ہیں لیکن ایک ذرا سی بات ہے۔'' سالار نے اس طرف جام بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''وہ تمہاری نشانے بازی کی آزمائش چاہتے ہیں۔''

''مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے...... جب چاہیں آزمائش کرلیں۔'' قامران نے جام واپس تے ہوئے جواب دیا۔

''ارے نوجوان' کیا تم شراب نہیں پیتے؟''

''نہیں سالار...... مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔''

''اچھا...... پھر آزمائش کے لیے کل صبح کا وقت رکھ لیں؟''

''ٹھیک ہے۔''

''ابھی تھوڑی دیر میں ناچ رنگ کی محفل شروع ہونے والی ہے آؤ...... بڑے کمرے میں ں۔''

بڑے کمرے میں ایک دو آدمی پہلے ہی موجود تھے۔ سالار کو دیکھ کر وہ کھڑے ہوگئے۔ سالار ، ان سے قامران کا تعارف کروایا۔ ان لوگوں کا شمار کورام کے امیروں میں ہوتا تھا۔ جلد ہی حاضرین ل کی نفری پوری ہوگئی۔ اب صرف راجہ کا انتظار تھا۔

ابھی راجہ کا انتظار ہو ہی رہا تھا کہ چند سازندے داخل ہوئے اور پہلے سے مخصوص کی گئی جگہ براجمان ہوگئے۔ ان سازندوں کے پیچھے رقاصہ داخل ہوئی۔ اس نے سرخ دوشالہ اوڑھ رکھا تھا۔ سر ، پاؤں تک ڈھکی ہوئی تھی حتیٰ کہ چہرہ بھی دوشالے کی اوٹ میں تھا۔ چھم چھم کرتی سازندوں کے یک بیٹھ گئی۔

آخر وہ لمحے بھی آپہنچے جب راجہ کڑوچ کی آمد کا اعلان ہوا۔ اعلان سن کر حاضرین محفل جو وں پر گنے جاسکتے تھے احتراماً کھڑے ہوگئے۔ راجہ کڑوچ کے مسند نشین ہوتے ہی سارے لوگ اپنی اجگہ پر بیٹھ گئے۔

تب سالار آگے بڑھا۔ اس نے قامران کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بڑے مودبانہ از میں کہا۔ ''کورام کے مالک...... یہ ہے وہ نوجوان جس کا ذکر میں نے کیا تھا' یہ آزمائش کے ، تیار ہے۔''

''بہت خوب۔''

راجہ کڑوچ نے قامران پر بھرپور نگاہ ڈالی اور اسے ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کو کہا۔ ران اطمینان سے اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ تب راجہ کڑوچ نے تین بار تالی بجائی۔ تالی کی آواز سن کر سرخ الے میں لپٹی رقاصہ اٹھی اور چھم چھم کرتی راجہ کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گئی۔ اسی وقت کمرے کا

دروازہ بھی بند ہوگیا۔

سازندوں نے اپنے اپنے ساز سنبھالے اور چوکس ہو کر بیٹھ گئے راجہ اور تمام حاضرین محفل کی نگاہیں اس سرخ دوشالے پر جمی ہوئی تھیں...... دیکھیں اس لال گٹھری میں سے کیا برآمد ہوتا ہے۔

تب اچانک ہی دوشالا میں حرکت ہوئی' دوشالے میں چھپی رقاصہ کھڑی ہوئی۔ ساز بج اٹھے گھنگھرو چھنک اٹھے۔

پھر ایک دم کمرے میں بجلی سی چمکی دوشالہ اڑتا ہوا ایک سازندے پر گرا اور ایک سیمیں بدن حرکت میں آ گیا۔

قامران کے لیے اس سنہرے بدن پر نگاہیں جمانا مشکل ہوگیا۔ اس نے اپنی گردن جھکا لی۔ اگر یہ بات خلاف آداب نہ ہوتی تو وہ اس شرمناک محفل سے اٹھ کر کب کا چلا گیا ہوتا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو شاید وہ ان آداب محفل کا خیال بھی نہ رکھتا لیکن اس وقت محفل سے اٹھ کر جانے کی وجہ سے راجہ اور سالار دونوں ہی خفا ہوتے۔ وہ ان دونوں کو خفا کر کے کھیل بگاڑنا نہیں چاہتا تھا۔

لہٰذا وہ دل پر جبر کیے اس بے ہودہ رقص کو محسوس کرتا رہا۔ وہ نگاہیں اٹھا کر رقاصہ کو دیکھ کر اپنا خون نہیں کھولانا چاہتا تھا۔

آخر وہ وقت بھی آیا جب وہ بے لباس رقاصہ اپنے شانوں پر پھر سے دوشالہ ڈالتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

راجہ کڑوچ کے اٹھتے ہی محفل اپنے انجام کو پہنچی۔ قامران اور سالار کچھ دور تک ساتھ آئے۔ دونوں نے طے کیا تھا کہ نشانے بازی کا مظاہرہ کہاں ہوگا اور کیسے ہوگا۔ اس کے بعد قامران کو اس کے کمرے تک پہنچا دیا گیا۔

صبح جب قامران اپنی تیر کمان سنبھال کر ''آزمائش گاہ'' میں پہنچا تو سالار اسے ہونقوں کی طرح ادھر ادھر گھومتا نظر آیا۔

''کیا پریشانی ہے سالار؟'' قامران نے اس کے نزدیک پہنچ کر پوچھا۔

''پریشانی یہ ہے نوجوان کہ کوئی آدمی تختہ مشق بننے کے لیے تیار نہیں۔''

''پھر آزمائش کیسے ہوگی؟''

''کوئی اور طریقہ نکالو۔''

''گوشت پوست کا کوئی آدمی نہیں ملتا تو سیب کسی مجسمے پر رکھوا دو۔''

''مجسمہ کہاں ملے گا اس وقت؟''

''کھنڈرات میں کوئی ایسا مجسمہ نہیں جسے اٹھوا کر یہاں لایا جاسکے؟'' قامران نے گہری نظروں سے سالار کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں کوئی نہیں۔'' سالار نے تیزی سے جواب دیا۔ ''اگر ہوگا بھی تو بہت بھاری... یہاں تک لانا ممکن نہ ہوگا۔''

''ہاں' اگر وقت ہوتا تو ایک ہلکا پھلکا سا مجسمہ بنوا لیا جاتا۔'' قامران نے بڑی معصومیت

سے رائے دی۔

''کیا بات کرتے ہو نوجوان...... مجسمہ یہاں کون بنا سکتا ہے۔ اگر بانسوں کا ایک مصنوعی آدمی بنا لیا جائے تو کیسا رہے گا۔'' سالار نے قامران کے جملے کی گہرائی پر غور نہ کیا۔

قامران کے ''ہاں'' کہنے پر جلدی جلدی بانس کا آدمی تیار کیا گیا۔ ایک بڑے سے تربوز کا سر بنایا گیا اور ایک چھوٹے بانس کو کراس کی شکل میں باندھ دیا گیا۔ اس بانس کے ڈھانچے پر ایک ڈھیلا ڈھالا لبادہ ڈال دیا گیا اور اسے زمین میں گاڑ دیا گیا۔

پھر اس بانس کے ڈھانچے پر ایک سیب رکھا گیا۔ دو سیب اس کے بازوؤں پر سجائے گئے۔

راجہ کڑوچ کے مسند نشین ہونے کے بعد قامران اس سے اجازت لے کر مقررہ جگہ پر پہنچا۔ یہ جگہ اس بانس کے آدمی سے خاصی دور تھی۔

قامران نے سارُی دیوتا کا نام لے کر کمان کندھے سے اتاری۔ پھر تین تیر ترکش سے نکالے۔ انہیں الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر ایک تیر کمان پر چڑھا کر نشانہ لیا۔

تب کورام کی رعایا' سالار اور راجہ کڑوچ نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ بانس کے آدمی پر سجے ہوئے تینوں سیب' تین لمحوں میں' تین تیروں کی زد میں آ گئے۔ قامران نے ان سیبوں کو اس صفائی اور پھرتی سے اڑایا کہ لوگ عش عش کر اٹھے۔

راجہ کڑوچ نے اپنی مسند سے اٹھ کر قامران کو شاباش دی' پیٹھ ٹھونکی اور ہاتھ ملایا۔ سالار کی خوشی بھی قابل دید تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ چومے اور تعریفی کلمات سے نوازا۔ کورام کے عوام کیوں پیچھے رہتے' انہوں نے تالیاں بجا کر اور نعرے لگا کر قامران کی حوصلہ افزائی کی۔

قامران نے جواباً ہاتھ اٹھا کر ان کا شکریہ ادا کیا۔

شاید راجہ کڑوچ کی شامت آئی تھی کہ وہ دوسرے ہی دن شکار پر جانے کے لیے تیار ہوگیا اور وہ بھی شیر کے شکار پر۔

صبح دم راجہ کڑوچ کا لشکر شکار پر نکل کھڑا ہوا۔

جنگل پہنچتے پہنچتے رات ہوگئی۔ پڑاؤ ڈال دیا گیا اور قامران کی زیر نگرانی حفاظتی اقدامات کر لیے گئے۔

قامران نے صبح اٹھ کر سنا کہ راجہ کڑوچ اور سالار رات گئے تک شراب اور شباب کی غلیظ رلیوں میں بھٹکتے رہے۔ قامران نے چلتے وقت رقاصہ کو سوار ہوتے دیکھ لیا تھا۔ اس لیے وہ اپنے خیمے سے صبح سے پہلے باہر نہ نکلا۔

کچھ کھا پی کر قامران اور سالار نے جنگل کے اندرونی حصے میں جانے کا قصد کیا تاکہ مچانیں بندھنے کا کام جلد از جلد مکمل کیا جاسکے۔

قامران نے ایک مچان دریا کنارے ایک بلند اور مضبوط درخت پر باندھنے کا حکم دیا اور دوسری مچان کافی فاصلے سے جنگل کے اندرونی حصے میں تیار کرنے کو کہا۔

جب وہ دونوں مچانیں بندھوا کر پڑاؤ کی طرف واپس آ رہے تھے تو سالار نے کہا......

''نوجوان! تمہاری صلاحیتیں دیکھ کر میرا جی چاہنے لگا ہے کہ تم کورام میں مستقل رہائش

اختیار کرلو اور سالار کا عہدہ قبول کرلو۔''

''لیکن......'' ابھی قامران نے لب کھولے ہی تھے کہ سالار نے اس کی بات پوری نہ ہونے دی۔

''نوجوان! دراصل میں اس عہدے سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔'' وہ بولا۔

''آخر کیوں؟'' قامران نے سالار کو چونک کر دیکھا۔''راجہ کے بعد تمہارا شمار ہوتا ہے سالار ہونا بڑے اعزاز کی بات ہے...... آخر اس اعزاز سے تم کیوں سبکدوش ہونا چاہتے ہو؟''

سالار چلتے چلتے اچانک رک گیا۔ اس نے چاروں طرف بڑی گہری نگاہوں سے دیکھا دور دور تک کوئی نہ تھا۔

تب سالار' قامران کی طرف کھسک آیا اور بڑی رازداری سے بولا: ''نوجوان' میں تمہیں سالار بنا کر خود راجہ بننا چاہتا ہوں۔''

قامران نے سالار کی بات سن کر اندر ہی اندر قہقہہ لگایا۔ اقتدار کی ہوس آدمی کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہے۔ اس کے اس جملے سے قامران نے ساری بات سمجھ لی تھی کہ وہ کیا چاہتا ہے اور اب یہ بات بھی واضح طور پر سامنے آگئی تھی کہ وہ راجہ کو شیر کا شکار کھلانے میں اتنی دلچسپی کیوں رکھتا تھا۔

سازشی راجہ کڑوچ کے لیے خود بہ خود گڑھا کھدنے لگا تھا۔

''لیکن راجہ کے ہوتے ہوئے تم راجہ کس طرح بن سکتے ہو؟'' قامران نے اس کی زبان سے منصوبہ اگلوانا چاہا۔

''راجہ کو راستے سے ہٹانے کا کام تم بڑی آسانی سے کرسکتے ہو؟''

''وہ کیسے؟'' قامران نے مصنوعی حیرت سے کہا۔

''تم راجہ کے ساتھ مچان پر ہوگے...... اسے تمہارے نشانے پر بڑا اعتماد ہے اور وہ شکار پر آیا ہی صرف تمہاری وجہ سے ہے ورنہ وہ انتہائی ڈرپوک آدمی ہے۔ تم جنگل کے اندرونی حصے والی مچان پر ہوگے اور میں دریا والی مچان پر۔ شیر کی آمد کے بعد راجہ کو مچان سے دھکا دینا تمہارے لیے کوئی خاص مشکل نہ ہوگا...... باقی کام شیر اپنے آپ کر لے گا۔ کورام کے عوام اسے اتفاقی حادثہ سمجھ کر جلد بھول جائیں گے...... پھر میرے راجہ اور تمہارے سالار ہونے میں کوئی کسر باقی نہ رہے گی۔'' سالار نے پورا منصوبہ بڑی وضاحت سے سمجھایا...... اور پھر رک کر قامران کے جواب کا بے چینی سے انتظار کرنے لگا۔

''بات تو سمجھ میں آتی ہے۔'' قامران نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''اس کا مطلب ہے کہ تم اس منصوبے پر کام کرنے کے لیے تیار ہو۔''

''ہاں' بالکل۔'' قامران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

تب سالار نے قامران کو گلے سے لگایا اور اسے سالار بننے کی پیشگی مبارکباد بھی دے ڈالی۔

راجہ کڑوچ اس خونی منصوبے سے بے خبر اپنے خیمے میں پڑا نشے میں سوتا تھا اور موت اس کے خیمے میں بار بار آکر جھانکتی تھی۔

آخر تمام کام منصوبے کے مطابق طے پا گئے۔ قامران راجہ کڑوچ کے ساتھ مچان پر موجود تھا۔ نیچے ایک درخت کے تنے سے ایک موٹا تازہ بکرا بندھا ''بھیں بھیں'' کر رہا تھا۔ ادھر دریا والی مچان پر سالار اکیلا بیٹھا مستقبل کے سہانے خواب دیکھنے میں مشغول تھا۔

خاصے انتظار کے بعد آخر کچے تندرست گوشت کی بو سونگھتا ہوا شیر آ پہنچا۔ شیر کی دھاڑ سن کر ہی راجہ کڑوچ کی کپکپی بندھ گئی۔ قامران نے اپنی زندگی میں ایسا ڈرپوک سربراہ نہ دیکھا تھا۔

''کورام کے مالک...... ہوشیار...... شیر آ پہنچا ہے......'' قامران نے بڑے پراسرار انداز میں کہا۔

''ہاں ہاں...... میں اس کی دھاڑ سن رہا ہوں۔'' راجہ کڑوچ کی آواز میں لرزش تھی۔

شیر کی دھاڑ سن کر بکرا بھی گم سم ہوگیا تھا جیسے اس پر سکتہ طاری ہوگیا ہو۔

تب اچانک ہی چھلانگ لگا کر شیر جھاڑیوں سے برآمد ہوا اور چاروں طرف سناٹا دیکھ کر شاہانہ چال چلتا بکرے کی طرف بڑھا۔ شیر کو دیکھتے ہی بکرا خوف کے مارے درخت کے تنے سے چمٹ گیا اور رحم طلب نگاہوں سے جنگل کے آقا کو دیکھنے لگا۔

اس وقت شیر قامران کے نشانے پر تھا۔ اگر وہ چاہتا تو چار پانچ تیر لگاتار چلا کر اسے زمین بوس کر دیتا...... لیکن ابھی اس کا وقت نہیں آیا تھا۔ ابھی اس شیر سے بھی بڑا ظالم مچان پر موجود تھا اور اس کا خاتمہ پہلے ضروری تھا۔

ادھر شیر نے بکرے کو دبوچا۔ ادھر قامران نے خوف سے کانپتے ہوئے راجہ کو اپنی گرفت میں لے لیا اور اس سے پہلے کہ راجہ اس کے خطرناک عزائم سے آگاہ ہوتا' اس نے اسے مچان سے اچھال دیا۔

ایک زبردست چیخ فضا میں گونجی۔ شیر کا اٹھا ہوا پنجہ ساکت ہوگیا۔ وہ چھلانگ لگا کر جھاڑیوں میں چلا گیا۔ وہاں سے اس نے اس چیخنے والی شے کا معائنہ کیا۔

راجہ کڑوچ اتنی اونچائی سے گرنے کے باوجود صحیح سالم تھا۔ وہ گرتے ہی فوراً اٹھا۔ ادھر شیر نے زقند لگائی اور راجہ کے سامنے آ پہنچا۔

جنگل کے راجہ اور انسانوں کے راجہ نے ایک دوسرے کو غور سے دیکھا۔ جنگل کے راجہ کو س کی مداخلت اچھی نہ لگی۔ اس نے ایک زوردار تھپڑ راجہ کڑوچ کے رسید کیا۔ راجہ کا چہرہ ادھڑ گیا۔

شیر کی ابھی تسلی نہ ہوئی تھی۔ اس نے ایک بار اپنا خونخوار پنجہ اور چلایا جس کے نتیجے میں راجہ کڑوچ کی آنتیں باہر آگئیں۔ پھر شیر نے اسے جگہ جگہ سے چبا ڈالا اور اس کے جسم سے نکلنے والا گرم ون اپنی زبان سے چاٹنے لگا۔

اب تیر چلانے کا وقت آ گیا تھا۔ قامران نے کمان سیدھی کی اور لگاتار کئی تیر چلا کر شیر کے سم کے نازک حصوں کو چھید ڈالا۔ شیر کی دھاڑوں سے پورا جنگل گونج اٹھا۔ تھوڑی دیر میں اس نے راجہ کڑوچ کے نزدیک لیٹ کر جان دے دی۔

ایک ساتھ دو ظالموں کو ختم کر کے قامران پھولا نہ سمایا۔ اس نے خوشی سے نعرے لگائے اور لدی سے نیچے اتر آیا۔ پھر وہ بھاگتا ہوا دریا کی طرف بڑھا کہ وہاں پہنچ کر سالار کو خوشخبری سنا سکے۔ ی وہ مچان سے خاصے فاصلے پر تھا کہ سالار نے اسے آتا ہوا دیکھ لیا۔ اس نے دور ہی سے ہاتھ ہلایا

اور جب قامران درخت کے نیچے پہنچا تو وہ بے قراری سے بولا۔

"نوجوان! کیا ہوا؟"

"نیچے آؤ...... سالار پھر بتاتا ہوں کہ کیا ہوا؟"

"ابھی آیا۔" یہ کہہ کر سالار بڑی پھرتی سے درخت سے اترنے لگا۔

پھر اس نے بے قراری سے خاصی اونچائی سے چھلانگ لگا دی اور ہانپتا ہوا قامران کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"اب بتاؤ نوجوان...... شیر کی دھاڑوں سے تو میرا دل ہل گیا تھا......کیا تم نے راجہ کے ساتھ اسے بھی ختم کرڈالا؟"

قامران نے زبان سے کچھ کہنے کے بجائے اس کا ہاتھ پکڑا اور تیزی سے جائے واردات کی طرف بھاگنے لگا۔

سالار سے اتنی تیز بھاگنا مشکل ہو رہا تھا۔ ایک جگہ وہ ٹھوکر کھا کر زمین پر دھاڑ سے گرا۔ قامران نے سہارا دے کر اسے اٹھایا اور پھر اسے اپنے ساتھ کھینچتا ہوا لے چلا۔

"نوجوان! کیا کچھ گڑبڑ ہوگئی ہے؟" سالار اس کے پیچھے گھسٹتا ہوا بولا۔

"یہ تو تمہیں جائے واردات پر پہنچ کر ہی پتہ چلے گا۔" قامران نے بھی اسے تنگ کرنے کی قسم کھائی تھی۔

ابھی وہ جائے واردات سے تھوڑے سے فاصلے پر تھے کہ وہ دونوں بھاگتے بھاگتے اچانک رک گئے...... ایک شیرنی ان کا راستہ روکے کھڑی تھی۔

☆......☆......☆

شیرنی کو دیکھ کر قامران بھونچکا رہ گیا جبکہ سالار کی سٹی گم ہوگئی۔ قامران کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ جنگل کے راجہ کی رانی بھی کہیں آس پاس ہی ہے ورنہ وہ سالار کو وہیں صورت حال سے آگاہ کر دیتا اور ادھر پلٹ کر نہ آتا۔

قامران تو اسے بچشم خود راجہ کی موت کا دیدار کروانے لایا تھا۔ لیکن جائے واردات پر اچانک ہی صورتحال تبدیل ہوگئی تھی اور یہ تبدیلی بڑی سنگین نوعیت کی تھی۔ وہ تو اچھا ہوا کہ ان دونوں نے شیرنی کو ذرا فاصلے سے دیکھ لیا ورنہ وہ اب تک لقمۂ اجل بن چکے ہوتے۔

"آؤ......" سالار کو بلاتا ہوا قامران تیزی سے پیچھے ہٹا اور پھر ایک اونچے سے درخت پر بندر کی طرح چھلانگیں لگاتا اوپر چڑھنے لگا۔

سالار نے بھی پھرتی دکھائی...... پھر وہ دونوں جلد ہی محفوظ مقام پر پہنچ گئے۔

شیرنی مردہ شیر کے گرد طواف کر رہی تھی اور اس کی دھاڑیں جن میں غم وغصہ تھا' بڑھتی جا رہی تھیں۔

"کیا کروں؟" قامران کمان سیدھی کرتا ہوا بولا۔ "جانے دوں یا ٹھکانے لگا دوں۔"

"نوجوان......! اسے فوراً مار دو' ورنہ یہ ہمیں ٹھکانے لگا دے گی۔" سالار نے بڑی بے تابی سے کہا۔

"اچھا......" قامران نے یکے بعد دیگرے دو تیر چلائے جو اس کے بھیجے میں پیوست ہوگئے۔ وہ چکرا کر گری اور مسلسل چکراتی رہی۔

تب قامران نے تاک تاک کر تیر چھوڑے جو اپنے نشانوں پر ٹھیک لگے۔ آخر ان تیروں کی تاب نہ لاکر شیرنی چل بسی' ٹھنڈی ہوگئی۔

جب خاصی دیر تک شیرنی کے جسم میں ہل جل نہ ہوئی تو قامران نے سالار کو نیچے اترنے کا اشارہ کیا۔ سالار درخت سے اتر کر آگے آگے اس طرح چلا جیسے یہ سارا کارنامہ اسی کا ہو۔ اس نے جائے واردات کا بڑی گہری نظر سے معائنہ کیا۔ پھر اس نے راجہ کی لاش کو پکڑ کر گھسیٹا جیسے اس کی موت کی تصدیق چاہی ہو۔

کورام کے عوام نے یہ خبر بڑی حیرت سے سنی کہ ان کے راجہ کو شیر کھا گیا۔ کسی کو اس خبر پر کیا اعتراض ہوسکتا تھا بھلا۔ ویسے وہ یہ سن کر خوش ہوئے کہ حملہ آور شیر اور اس کے بعد شیرنی کو بھی مار گرایا گیا اور یوں قامران کا تذکرہ بچے بچے کی زبان پر آ گیا۔ کورام کے گوشے گوشے میں اس کی دھوم مچ گئی۔

سالار نے راج محل پہنچتے ہی اپنے راجہ ہونے کا اعلان کر دیا اور ساتھ ہی رسم تاج پوشی کی تاریخ مقرر کر دی۔

تیسرے دن سالار' کورام کا باقاعدہ راجہ بن گیا۔ تاج پہننے کے بعد اس نے قامران کو سالار بنا دیا' اپنا وعدہ نہ بھولا۔

کورام کے عوام کو قامران کے سالار بنائے جانے کی بے حد خوشی ہوئی۔ وہ اسے اس کی پرکشش شخصیت اور زبردست نشانچی ہونے کی وجہ سے بے حد پیار کرنے لگے۔

قامران کے منصوبے کا ایک اہم حصہ جس میں راجہ گڑوچ کو عبرتناک انجام سے دوچار کرنا تھا خود بہ خود انجام پا چکا تھا اور حالات نے ایسا پلٹا کھایا تھا کہ راجکمار سلارا کی واپسی کی راہ ہموار کرنا کوئی مشکل نہ رہا تھا۔

قامران نے سب سے پہلے راج محل کے مالی اور ان سپاہیوں کو جن کی ڈیوٹی سرنگ پر لگی تھی اور اس محافظ کو جس کو سلارا نے کوڑے سے مارا تھا' نئے راجہ کو کانوں کان خبر ہوئے بغیر گرفتار کروا کے جیل میں ڈلوا دیا۔

پھر اس نے کورام کے چند بااثر افراد کو جو راجکمار سلارا سے ہمدردی رکھتے تھے' اپنے اعتماد میں لیا اور ان پر پوری سازش آشکارا کر دی۔

وہ لوگ قامران کی بات سن کر حیران رہ گئے۔ پھر ان کی حیرانی طیش میں تبدیل ہوگئی۔ راجہ گڑوچ تو خیر اپنے انجام کو پہنچ ہی چکا تھا' لیکن موجودہ راجہ یعنی سابقہ سالار ابھی زندہ تھا' وہ لوگ اسے ذرا قتل کرنے کے درپے ہوگئے۔

قامران نے انہیں سمجھا بجھا کر رام کیا۔ انہیں بتایا کہ ابھی انتقام لینے کا وقت نہیں آیا ہے' جب آئے گا تو وہ ان لوگوں کا پورا پورا خیال رکھے گا۔ پھر قامران نے ان بااثر لوگوں سے درخواست کی کہ وہ اس کہانی کو کورام کے بچے بچے تک پہنچا دیں۔

پھر قامران نے راتوں رات گھوڑا گاڑی نکالی' چند سپاہیوں کو اپنے ساتھ لیا اور اس مہرے کی طرف چل دیا جس نے اس سازش میں سب سے اہم کردار ادا کیا تھا۔

اجالا پھیلنے سے پہلے قامران نے سنگ تراش کی جھونپڑی پر چھاپا مارا لیکن وہ جھونپڑی خالی دیکھ کر پریشان ہوگیا۔ جھونپڑی کی تمام چیزیں اپنی جگہ رکھی تھیں۔ ان چیزوں سے کسی حادثے کے آثار ظاہر نہ ہوتے تھے۔ پھر وہ سنگ تراش اتنی صبح کہاں چلا گیا۔ قامران نے سوچا کہ ممکن ہے ضروری کاموں سے فارغ ہونے ادھر ادھر گیا ہو۔ لہٰذا کچھ دیر انتظار کر لینا چاہیے۔ اس نے اس اثناء میں جھونپڑی کی ایک ایک چیز کھنگال ڈالی لیکن کوئی خاص چیز ہاتھ نہ لگی۔

خاصے انتظار کے باوجود جب وہ سنگ تراش واپس نہ آیا تو قامران نے وہاں سے نکلنے کا فیصلہ کرلیا۔ پھر وہ گھوڑا گاڑی دوڑاتا سلارا کی طرف چلا۔

جب قامران سالار کے لباس میں گھوڑا گاڑی سے اترا تو یہ منظر سلارا اور ریماں درخت کی اوٹ میں چھپے دیکھ رہے تھے۔ پہلے تو وہ یہی سمجھے کہ کورام کے سپاہی ان کی تلاش میں آ پہنچے۔ جب سلارا نے سالار کو غور سے دیکھا اور اُسے ادھیڑ عمر آدمی کے بجائے ایک نوجوان سالار کا لباس پہنے نظر آیا تو وہ خوشی سے جھوم اٹھا اور ریماں کا ہاتھ پکڑ کر درختوں کی اوٹ سے نکل آیا۔

پھر وہ دونوں بھاگتے ہوئے قامران کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ قامران نے ریماں کا ہاتھ سلارا کے ہاتھ میں دیکھا تو اس کے چہرے پر خوشی مچل گئی۔ سلارا اور قامران دونوں ہی خوش تھے۔ اس لیے اس خوشی میں دونوں ہی ایک دوسرے سے لپٹ گئے اور خاص دیر تک لپٹے رہے۔

''یہ تم کورام کے سالار کیسے بن گئے؟'' تب سلارا نے پوچھا۔

''پہلے یہ بتاؤ کہ ریماں کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں کیسے آ گیا......؟'' قامران نے ہنستے ہوئے کہا۔

یہ سن کر ریماں نے فوراً اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور شرما کر ایک طرف ہوگئی۔

''اس کا مطلب ہے کہ ریماں کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔'' قامران نے ریماں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''قامران! اس میں اس کا قصور نہیں...... یہ مجبور تھی...... یہ سب کیا دھرا اس کے باپ کا ہے۔''

تب قامران کو فوراً ہی وہ سنگ تراش یاد آیا جس کی تلاش میں وہ یہاں تک آیا تھا اور اسے اپنی گرفت میں نہ لے سکا تھا۔

''ریماں کا باپ تو ادھر نہیں آیا...... وہ مجھے اپنی جھونپڑی میں نہیں ملا۔'' قامران نے پوچھا۔

''پھر وہ کہاں گیا؟'' سلارا نے ریماں کی طرف چونک کر دیکھا۔

''میرا خیال تھا کہ شاید وہ ریماں کی تلاش میں ادھر آ نکلا ہو لیکن یہاں تو میدان صاف ہے۔'' پھر قامران نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ ریماں کی گمشدگی سے پریشان ہوکر کورام چلا گیا ہو۔''

''ہاں' ایسا ہوسکتا ہے۔''

''لیکن وہ مجھے راستے میں کہیں نہیں ملا۔'' قامران بولا۔

''کیا تمہارے باپ کے پاس کوئی سواری تھی؟'' سلارا نے ریماں سے پوچھا۔

''ہاں...... اس کے پاس ایک مریل سا ٹٹو تھا۔''

''پھر وہ یقیناً کورام چلا گیا۔'' سلارا نے بڑے وثوق سے کہا۔ ''تم ادھر سے نکلے ہو گے اور وہ ادھر پہنچا ہوگا۔''

''اچھا اب ایک خبر سنو...... میں نے ان تمام لوگوں کو جیل میں ڈال دیا ہے جنہوں نے ریماں کے دکھائی نہ دینے کی شہادت دی تھی۔'' قامران نے کہا۔

''لیکن سالار اور چچا کُروچ نے ایسا کیسے ہونے دیا؟''

''کون سالار؟'' قامران ہنستا ہوا بولا۔ ''کورام کا سالار تو تمہارے سامنے کھڑا ہے۔''

''یہ چند دنوں میں تم نے کیا تہلکہ مچا دیا کہ چچا کُروچ تمہیں سالار بنانے پر مجبور ہوگئے۔''

''اب ایک اور زوردار خبر سنو!'' قامران نے براہ راست اس کا جواب نہ دیا۔

''چچا کُروچ سے متعلق۔'' سلارا نے پوچھا۔

''ہاں......'' قامران نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''اب تمہارے چچا کورام کے راجہ نہیں رہے۔''

یہ خبر سلارا کے لیے اتنی غیر متوقع تھی کہ چند لمحوں کے لیے اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔

''اتنے حیرت زدہ نہ ہو' ابھی ایک خبر اس سے زیادہ حیرت میں ڈالنے والی ہے' میرے پاس۔'' قامران نے پٹارے سے ایک اور سانپ نکالا۔

''وہ کیا؟''

''تمہارے چچا کو شیر کھا گیا۔''

''شیر کھا گیا؟'' اس مرتبہ سلارا حیران ہونے کے بجائے پریشان ہوگیا۔ ''لیکن وہ تو بہت بزدل واقع ہوئے تھے' شیر کے شکار پر کیسے چلے گئے؟''

تب جواب میں قامران نے تمام رام کہانی کہہ سنائی۔

راجہ کُروچ کی موت کی اطلاع نے سلارا کو سرشار کردیا۔ اس نے کئی بار بے اختیار قامران کی پیشانی چومی اور تشکر آمیز لہجے میں بولا۔

''قامران! تم نے میرے لیے اتنا کچھ کیا ہے کہ میں اپنی زندگی بھی تمہارے پاس گروی رکھ دوں' تب بھی تمہارے احسانات ختم نہ ہوں۔''

''اچھا' اب تم دونوں کورام چلنے کے لیے تیار ہوجاؤ۔'' قامران نے فوراً موضوع بدلا۔

''کیا میرا وہاں جانا مناسب ہوگا؟'' سلارا نے پوچھا۔ ''میرا خیال ہے کہ ہمارے لیے ابھی اس کی فضا سازگار نہیں۔''

''سازگار نہیں...... تو ہو جائے گی...... میں تم دونوں کی آمد خفیہ رکھوں گا...... تمہیں ضرورت

کے وقت ہی کورام کے عوام کے سامنے لایا جائے گا اور جب تم سامنے آؤ گے تو وہ دن تمہارے دشمنوں کا آخری دن ہوگا۔" قامران نے سلارا کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ "بس آؤ' اب دیر نہ کرو۔"

تب سلارا ریماں کو لیے تیزی سے قامران کے ساتھ چلا۔ سپاہیوں نے اپنے راجکمار کو دیکھا تو جھک کر سلام کیا۔ سلارا ان کے سلام کا جواب دیتا ہوا گھوڑا گاڑی پر سوار ہوگیا۔

شام سے پہلے ہی ان کی گھوڑا گاڑی کورام میں داخل ہوگئی۔ قامران نے سلارا اور ریماں کو کورام کے ایک امیر کے گھر چھوڑا۔ ان کی آمد کو خفیہ رکھنے کی تنبیہہ کی اور پھر وہ راج محل کی طرف روانہ ہوگیا۔

راج محل کے دروازے پر گاڑی رکتے ہی دو سپاہیوں نے اسے اطلاع دی کہ اس کے جاتے ہی ایک آدمی اس سے ملنے آیا تھا۔

"کون تھا وہ؟" قامران نے گاڑی سے چھلانگ لگاتے ہوئے پوچھا۔

"وہ خود کو سنگ تراش کہتا تھا اور سالار سے ملنے کے لیے بضد تھا۔ ہم نے اسے بتایا کہ سالار اس وقت کورام میں موجود نہیں ہیں' کل شام تک آئیں گے' اگر وہ چاہے تو ان کی آمد تک انتظار کر لے۔"

"کیا وہ چلا گیا؟"

"نہیں اس نے کہا کہ میں انتظار کروں گا...... تب اسے مہمان خانے میں ٹھہرا دیا گیا۔"

"اوہ' یہ تم لوگوں نے بہت اچھا کیا...... آؤ میرے ساتھ۔"

قامران جب مہمان خانے میں داخل ہوا تو سنگ تراش کو کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے پایا۔ قامران کی طرف اس کی پشت تھی۔

بھاری قدموں کی آواز نے اس کی محویت توڑ دی۔ وہ بے قراری سے پیچھے مڑا اور تیزی سے چلتا ہوا قامران کی طرف بڑھا۔

"غضب ہوگیا سالار۔" اس نے گھبرائے لہجے میں کہا۔ "میری لڑکی......"

پھر بقیہ بات اس کے گلے میں اٹکی رہ گئی۔ سالار کے لباس میں اس وقت جو آدمی اس کے سامنے تھا' اس سے ایسی بات نہیں کہی جاسکتی تھی۔

"میں سالار سے ملنا چاہتا ہوں۔" سنگ تراش نے کسی قدر سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں تمہیں سالار نہیں دکھائی دیتا کیا؟" قامران درشت لہجے میں بولا۔

پھر اس سے پہلے کہ وہ سنگ تراش کوئی جواب دیتا' قامران نے اپنے پیچھے کھڑے سپاہیوں کو حکم دیا۔ "گرفتار کرلو' اس بوڑھے کو اور ڈال دو اسے جیل میں۔"

اس حکم نے سنگ تراش کو حیرت میں ڈال دیا' وہ چیختا رہا۔ "اصل سالار کہاں ہے...... اسے بلاؤ...... ہائے! یہ کیا ہوگیا۔"

یہ سارے کام بڑے خفیہ انداز میں ہو رہے تھے اور ان گرفتاریوں کو خفیہ رکھنے میں ان عہدیداروں کا بڑا ہاتھ تھا جو راجکمار کو تخت شاہی پر دیکھنا چاہتے تھے۔ راجہ کڑوچ کے ظلم کی کہانیاں اب ایک ایک کر کے سامنے آرہی تھیں۔ خود سابقہ سالار جو اب راجہ بن بیٹھا تھا' لوگوں کی نظر میں مشکوک

تھا۔ راجہ ہونے کے بعد اس کی عیش پرستی دن بدن بڑھتی جارہی تھی۔ اسے بدچلن عورتوں کا ساتھ بہت پسند تھا اور نشے سے اس کی پرانی یاری تھی۔

اسے معلوم ہی نہ تھا کہ قامران کورام میں کیا گل کھلاتا پھر رہا ہے۔ وہ جانتا ہی نہ تھا کہ ایک سیلاب بلا اپنے خونخوار پنجوں کے ساتھ اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔

قامران نے کمال ہوشیاری سے راجہ کے گرد ایسے نوجوان سپاہی متعین کردیئے تھے جو مضبوط تو تھے ہی لیکن ان کی وفاداریاں راجکمار کے ساتھ تھیں۔ ان سپاہیوں نے بڑے غیر محسوس طریقے پر راجہ کو محاصرے میں لے لیا تھا۔ اب وہ کسی بھی طرح فرار نہیں ہوسکتا تھا۔

ادھر قامران کی تیاری پایہ تکمیل کو پہنچ گئی تھی۔ خفیہ ڈرامے میں کام کرنے والے کردار اب اس کی گرفت میں تھے۔ اب صرف عوام کے سامنے ان کی رونمائی باقی تھی۔

قامران نے اس سلسلے میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ سب نے ایک عوامی جشن منانے کی رائے دی۔ یہ سب سے محفوظ طریقہ تھا۔ قامران نے راجہ سے بات کی۔ اسے بھلا جشن پر کیا اعتراض ہوسکتا تھا' اس نے فوراً منظوری دے دی۔ قامران نے راجہ کو یہ پٹی پڑھائی تھی کہ یہ جشن اس کی تاجپوشی کے سلسلے میں منایا جارہا ہے۔ کورام کے عوام اپنے راجہ کے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتے ہیں۔

قامران نے جشن کی تاریخ مقرر کر کے گلی گلی محلے محلے اس کا اعلان کروا دیا۔

کورام کے سب سے بڑے میدان میں جشن کی تیاریاں شروع کردی گئیں۔ یہ بڑا میدان جشن والے دن راجہ کے لیے "حشر کا میدان" بن گیا۔

جشن والے دن مقررہ وقت پر راجہ بڑی شان سے چلتا ہوا بڑے سے چبوترے پر جا بیٹھا۔ اس کی گردن اکڑی ہوئی تھی اور آنکھوں میں گئی رات کا رنگین فسانہ تھا۔ راجہ کے بیٹھتے ہی مسلح سپاہیوں نے اسے اپنے نرغے میں لے لیا اور قامران کے حکم کا انتظار کرنے لگے۔

تب قامران کھڑا ہوا' اس کے سامنے انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔ اتنا بڑا مجمع اس نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا تھا۔ شاید کورام کا بچہ بچہ اس جشن میں شرکت کے لیے آپہنچا تھا۔

قامران کو دیکھتے ہی لوگوں نے نعرے بازی شروع کردی۔ وہ "راجکمار زندہ باد" کے فلک شگاف نعرے لگا رہے تھے۔ چند لمحوں بعد "راجہ مردہ باد" ہونے لگا۔

تب قامران نے ہاتھ اٹھا کر لوگوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

ادھر راجہ بھی "مردہ باد" کے نعرے سن کر بھڑک اٹھا تھا۔ وہ جھلا کر کوئی حکم دینے والا تھا کہ قامران نے اسے ذرا صبر سے کام لینے کو کہا۔ چند لمحوں بعد مجمع پر سکتہ طاری ہوگیا۔

"کورام کے لوگو!" قامران کی آواز دور تک پھیلتی چلی گئی۔

چند لمحے توقف کے بعد وہ پھر بولا۔ "اگر میں تمہارے راجہ کو گرفتار کرلوں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔"

"نہیں' بالکل نہیں۔" کورام کے عوام نے یک زبان ہو کر جواب دیا۔

تب راجہ کو اچانک محسوس ہوا کہ قامران اس کے ساتھ غضب کی چال چل گیا' لیکن اب تیر

کمان سے نکل چکا تھا۔ اس نے جھلا کر مسند سے اٹھنا چاہا لیکن اس کے آس پاس کھڑے مسلح سپاہیوں نے اسے آہستگی سے بٹھا دیا۔

تب راجہ نے آگ بھری آنکھوں سے قامران کو دیکھا۔ قامران کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔

"دیکھا کورام کے لوگو! یہ راجہ اپنی گرفتاری پر کیسا پیچ و تاب کھا رہا ہے' حالانکہ یہ بھی ایسا ہی کر چکا ہے۔ اس نے سالار ہو کر راجہ کرُوچ کو مروا دیا تھا لیکن میں نے سالار ہو کر اسے قتل نہیں کیا' صرف گرفتار کیا ہے۔ یہ اپنی حکومت چھن جانے پر کس قدر برہم ہے..... کیا میں نے اس کی حکومت ختم کر کے برا کیا لوگو!" قامران نے عوامی رائے مانگی۔

"نہیں..... بہت اچھا کیا۔" مجمع سے آواز آئی۔

"ہمارا راجکمار..... ہمارا اصل راجہ کہاں ہے اسے بلاؤ۔" پھر کئی گوشوں سے مطالبہ ہونے لگا۔

"راجکمار کو لایا جائے۔" قامران نے حکم دیا۔

تھوڑی دیر کے انتظار کے بعد راجکمار' ریماں کا ہاتھ پکڑے بڑی شان سے چبوترے کی سیڑھیاں چڑھتا ہوا دکھائی دیا۔ راجکمار کو دیکھ کر لوگوں نے اس کے حق میں پرجوش نعرے لگائے۔ راجہ نے راجکمار کے ساتھ ریماں کو دیکھا تو اس کے چہرے پر زردی پھیلنے لگی۔ اس کی پیشانی عرق آلود ہوگئی۔

"ان مہروں کو بھی لاؤ۔" قامران نے راجکمار کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

جلد ہی ان گرفتار شدہ لوگوں کو جن میں ریماں کا باپ' مالی' محافظ اور سپاہی شامل تھے' رسیوں میں جکڑا ہوا' مجمع کے سامنے لایا گیا۔ مجمع نے ان سازشیوں کی صورتیں دیکھ کر ان پر لعنت بھیجی اور ان کے خلاف زوردار نعرے لگائے۔

اب چبوترے پر ناٹک کے تمام کردار جمع ہو چکے تھے' وقت آ گیا تھا کہ ہر اداکار کے کردار پر روشنی ڈالی جائے۔ تب قامران اپنی جگہ سے اٹھا' اس نے ریماں کا ہاتھ پکڑا اور اسے آگے کی طرف لایا۔

پھر اس نے اس کا رخ مجمع کی طرف کیا اور چیخ کر بولا..... "کورام کے لوگو! کیا یہ لڑکی تمہیں نظر آ رہی ہے؟"

"ہاں' کیوں نہیں۔" مجمع پرجوش ہو کر بولا۔

تب قامران' مالی' محافظ اور سپاہیوں کی طرف بڑھا اور انہیں مخاطب کرتا ہوا بولا: "کیا تمہیں بھی یہ لڑکی دکھائی دے رہی ہے۔"

قامران کے اس سوال نے ان سب کی گردنیں جھکا دیں۔ وہ کیا بولتے؟ وہ اقرار کر سکتے تھے نہ انکار۔

"اب کیوں نہیں بولتے..... اب کیوں نہیں کہتے کہ راجکمار ہمیں یہ لڑکی نہیں دکھائی دے رہی ہے۔ تم لوگوں نے تو بھرے مجمع میں یہ شہادت دی تھی کہ ہم نے کوئی لڑکی نہیں دیکھی جبکہ راجکمار کو

چاروں طرف لڑکیاں ہی لڑکیاں دکھائی دیتی ہیں' وہ پاگل ہو گیا ہے۔"

قامران گرج رہا تھا۔

"اونٹ کے بچو! اب ذرا وہ بات دہرا کر دیکھو..... اب کہو یہ لڑکی تمہیں نہیں دکھائی دے رہی ہے۔"

قامران نے ان جھوٹے گواہوں کی جھکی گردنیں ایک ایک کر کے اوپر اٹھائیں جو انہوں نے فوراً ہی نیچی کر لیں۔ ان میں ہمت نہ تھی کہ وہ قامران سے آنکھ ملاتے۔

تب قامران انہیں چھوڑ کر سابقہ سالار اور حالیہ راجہ کی طرف بڑھا۔

"اے سازشی انسان کھڑے ہو جاؤ۔"

راجہ نے قامران کی طاقت کا اندازہ کر لیا تھا' اس لیے وہ بلا پس و پیش اپنی مسند سے اٹھ گیا۔ اُس کے اٹھتے ہی قامران نے راجکمار سے مسند سنبھالنے کو کہا اور راجہ کو مجمع کی طرف لے کر بڑھا۔

"کورام کے لوگو..... یہ ہے وہ شخص جس نے سب سے پہلے تمہارے راجکمار کی آنکھوں میں دھول جھونکی۔ اس نے راجہ کرُوچ کے ایما پر انتہائی گہری سازش کی۔ راجکمار کے خلاف بڑی مہارت سے جال بنا۔ اقتدار کی ہوس نے انہیں اندھا کر دیا تھا۔ راجہ اور سالار بننے کے شوق میں اصل حق دار کو جنگل میں چھڑوا دیا' اسے پاگل بنا دیا..... یہ سب کیسے ہوا..... اے لوگو! میں تمہیں بتاتا ہوں۔"

قامران نے چند لمحے توقف کیا پھر ایک گہرا سانس لے کر کہنا شروع کیا۔

"کھنڈرات سے جو مجسمہ برآمد ہوا' وہ برآمد نہیں ہوا بلکہ برآمد کروایا گیا۔ پھر اس صدیوں پرانے مجسمے کو راجکمار کو دکھانے کے لیے خاص اہتمام کیا گیا۔ مجسمہ واقعی خوبصورت تھا اور کیوں نہ ہوتا' اس لیے کہ اصل اس سے کہیں خوبصورت تھی۔ بہرحال اس صدیوں پرانے مجسمے کے پیچھے سے بڑے ڈرامائی انداز میں چھن چھن کرتی اس کی اصل برآمد ہوئی جسے دیکھ کر ہمارا راجکمار غش کھا گیا' اس پر دل و جان سے فریفتہ ہو گیا اور کیوں نہ ہوتا' وہ تھی ہی اسی قابل۔ جب راجکمار اسے پکڑنے دوڑا تو وہ ایک خفیہ سوراخ میں سمٹ کر بیٹھ گئی۔ راجکمار اوپر آیا۔ سالار سے لڑکی کے برآمد ہونے اور اوپر آنے کا ذکر کیا لیکن سالار نے بڑی صفائی سے کسی لڑکی کے وجود کا انکار کر دیا۔ وہ خود راجکمار کے ساتھ واپس آیا اور اس لڑکی کو صرف انہی جگہوں پر تلاش کیا جہاں سے اس کے برآمد ہونے کے امکانات نہ تھے۔ پھر راجکمار کے جانے کے بعد اس لڑکی کو جس کا نام ریماں ہے اور جو یہاں موجود ہے' سوراخ سے نکال لیا گیا۔ ریماں کئی روز تک کورام میں رہی اور اسے بڑے شاطرانہ انداز میں راجکمار کے سامنے لایا گیا۔ ایک بار وہ باغ میں نظر آئی لیکن اس شالو کے بچے نے اسے دیکھتے ہوئے بھی دیکھنے سے انکار کر دیا۔ ریماں باغ میں راجکمار کی نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد مالی کے مکان میں رہی۔ پھر ریماں' راجکمار کو سیر کرتے ہوئے دکھائی دی۔ پہلے سے تیاری کر کے راجکمار کو سیر کے لیے بھیجا گیا اور گھوڑا گاڑی کو اس مقام سے گزارا گیا جہاں سے ریماں کا نظارہ کروانا مقصود تھا۔ راجکمار نے ریماں کو دیکھ کر چھلانگ لگائی

چاہی لیکن یہ محافظ آڑے آ گیا۔ یہاں راجکمار کو پھر یہ باور کرایا گیا کہ یہ لڑکی صرف اسے ہی دکھائی دیتی ہے۔ اس بات کو بڑے موثر طریقے سے کورام کے عوام یعنی لوگوں تک پہنچایا گیا کہ راجکمار کو ہر وقت مجسمے والی لڑکی نظر آتی ہے' وہ پاگل ہو گیا ہے اور یہ بات ایسی تھی کہ ہر آدمی اس پر ایمان لے آیا۔ میں بھی اگر کورام میں ہوتا تو راجکمار کو پاگل ہی سمجھتا۔ جب یہ بات اچھی طرح پورے کورام میں پھیل گئی تو راجکمار کو گرفتار کر لیا گیا اور اس کی عدم موجودگی میں جھوٹی گواہیاں تم لوگوں کے سامنے پیش کر کے کڑوچ کورام کا راجہ بن بیٹھا۔ ریماں راج محل میں راجکمار کو آخری جھلک دکھا کر واپس اپنے باپ کے پاس آ گئی۔ ریماں کا باپ بہت اچھا سنگ تراش ہے۔ اس نے بڑی محنت سے اپنی بیٹی کا ایک مجسمہ بنایا تھا۔ یہی مجسمہ سالار نے حاصل کر کے اسے کورام کے کھنڈرات سے نکلوا دیا۔ ایک عام آدمی کی سمجھ میں یہ بات کسی طرح نہیں آ سکتی تھی کہ یہ مجسمہ صدیوں پرانا نہیں اور یہ کہ مجسمے والی بھی حیات ہے۔ کورام کے لوگ اسے دیکھتے تو شاید پہچان بھی لیتے لیکن ریماں تو یہاں سے کافی فاصلے پر اپنے باپ کے ساتھ تنہا رہتی ہے' اسے پہلے کورام کے کسی آدمی نے نہ دیکھا تھا۔ جب سنگ تراش سے اس کا بنایا ہوا مجسمہ اور مجسمے والی کو سالار نے راجہ کڑوچ کے حکم اور خطیر رقم کے عوض مانگا تو سنگ تراش اور ریماں دونوں کو یہ بات معلوم نہ تھی کہ ان سے کیا ہونے والا ہے۔ اس ناٹک میں ریماں نے اپنا کردار محض تفریح سمجھ کر کیا' اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کے کتنے سنگین نتائج نکلیں گے۔ جب بعد میں اسے پوری داستان معلوم ہوئی' راجکمار پر کیے جانے والے مظالم کا پتہ چلا تو وہ بہت شرمندہ ہوئی اور ابھی تک شرمندہ ہے۔"

قامران نے مسکراتے ہوئے ریماں کی طرف دیکھا اور پھر کورام کے عوام سے مخاطب ہوا۔

"ویسے راجکمار نے ریماں کو معاف کر دیا ہے اور وہ ہے بھی معاف کیے جانے کے قابل...... اب ان دونوں نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے...... کورام کے لوگو! اس ملاپ پر تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں؟"

"نہیں...... یہ ملاپ ضرور ہونا چاہیے۔" نیچے سے عوامی رائے آئی۔

"اے لوگو! اب ان سازشیوں کے بارے میں بھی فیصلہ کرو' اگرچہ یہ سب راجکمار کے مجرم ہیں لیکن لوگو! راجکمار بھی تو تمہارا ہے۔"

"ہاں' راجکمار ہمارا ہے...... ہمیں دل سے پیارا ہے۔" مجمع سے آواز آئی۔

"پھر کیا کیا جائے؟" قامران نے پوچھا۔

"سب کو اسی وقت قتل کیا جائے۔" مجمع سے متفقہ فیصلہ آیا۔

"کیا ریماں کے باپ کو بھی......؟ میرا خیال ہے کہ سنگ تراش کو معاف کر دیا جائے' اس لیے کہ وہ اس سازش میں براہ راست ملوث نہ تھا...... اگر اسے یہ معلوم ہوتا کہ اس مجسمے کے ذریعے کسی کا تخت و تاج چھین لیا جائے گا تو وہ ہرگز اس سازش میں شریک نہ ہوتا...... پھر کیا فیصلہ ہے لوگو!"

"راجکمار سے پوچھو۔" مجمع سے آوازیں آئیں۔

تب قامران نے راجکمار سے پوچھا۔ "کیوں راجکمار؟ کیا کہتے ہو؟"

"میں اسے معافی دینے کے لیے تیار ہوں۔" راجکمار نے کہا۔

"راج کمار' سنگ تراش کو معافی دینے کے لیے راضی ہے۔" قامران نے راج کمار کا فیصلہ عوام تک پہنچایا۔

"پھر ہماری طرف سے بھی معافی۔" مجمع سے متفقہ فیصلہ آیا۔

"ٹھیک ہے مجرموں کو ان کے انجام تک پہنچانے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ راجکمار کی رسم تاجپوشی ادا کر دی جائے ...... کورام کے لوگو! راجکمار بطور راجہ تمہیں قبول ہے۔"

"قبول ہے' سو بار قبول ہے۔" مجمع سے پرجوش آوازیں آئیں۔

پھر قامران نے کورام کے سب سے بزرگ شخص کو چبوترے پر بلایا اور راجہ کے سر سے تاج اتار کر اس بزرگ کے ہاتھ میں دیا اور بولا۔ "دیوتا کا نام لے کر' راجکمار کو تاج پہنا دو۔"

اس بزرگ نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ راجکمار کے سر پر تاج رکھے جاتے ہی مبارک سلامت کا شور اٹھا۔ لوگوں نے خوشی کے گیت گائے' جھوم جھوم کر رقص کیا۔ جب خاصا شور دغل ہو لیا تو قامران نے کورام کی رعایا سے خاموش رہنے کی اپیل کی جسے فوراً ہی مان لیا گیا۔ چند لمحوں میں مجمع پر پھر سے سنجیدگی طاری ہو گئی۔

"جلاد بلائے جائیں۔" قامران نے حکم دیا۔

تھوڑی دیر بعد دو جلاد ہاتھوں میں کلہاڑیاں لیے چبوترے کی طرف آتے دکھائی دیے۔

"سب سے پہلے راجہ کو رسیوں سے جکڑ کر زمین پر بٹھاؤ۔" قامران نے سابقہ راجہ کو تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

یہ عجیب بات تھی کہ اس سازش کے عیاں ہونے کے بعد اس کے منہ سے ایک لفظ نہ نکلا تھا' اس پر سکتہ طاری تھا۔ رسیوں سے جکڑے جاتے وقت بھی وہ کچھ نہ بولا۔

پھر قامران نے اس سے اس کی آخری خواہش پوچھی تو وہ ایک دم پھٹ پڑا۔

"ذلیل...... کتے...... میں نے تجھے اسی وقت کے لیے سالار بنایا تھا۔"

وہ اور جانے کیا کیا بڑبڑاتا رہا۔ تب قامران نے جلادوں کو اشارہ کیا۔ اشارہ ملتے ہی جلادوں نے اسے درمیان سے تقسیم کر دیا۔ پھر جسم کی تقسیم کا یہ عمل باقی مجرموں پر بھی یکے بعد دیگرے آزمایا گیا۔

آخر تمام مجرم "بخیر و خوبی" اپنے عبرتناک انجام کو پہنچے۔

پھر راجہ سلارا نے انتہائی سادگی سے اپنی شادی کی۔ اس نے ہر طرح کے جشن' شور شرابے اور ناچ رنگ سے پرہیز کیا۔ شادی کی رسم ادا ہونے کے بعد راجہ سلارا کی طرف سے پورے کورام کی رعایا میں کپڑے اور پھل تقسیم کیے گئے۔

ریماں تو شکل و صورت کی پہلے ہی رانی تھی لیکن رانی بن کر اس کا حسن اور بھی نکھر آیا......

تب قامران نے سوچا' راجہ سلارا ٹھیک ہی اس کے لیے پاگل ہوا تھا۔

راجہ سلارا کی شادی کی تقریبات انتہائی وقار اور سادگی سے شام تک انجام کو پہنچیں۔

☆......☆......☆

رات کا اندھیرا قامران کے لیے مسحور کن خوشبو کے ساتھ ایک خوشخبری لے کر آیا...... چاندکا اس کے سامنے بیٹھی کہہ رہی تھی۔ ''کورام میں اب تمہارا کام ختم ہوا۔ صبح ہوتے ہی یہاں سے نکلنا ہوگا۔''

''مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ تم کہو تو ابھی کورام چھوڑ دوں۔''

''نہیں...... اب اتنی فرماں برداری کی بھی ضرورت نہیں۔'' چاندکا نے ہنستے ہوئے کہا۔

''پھر کوئی نیا سفر؟'' قامران نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''ہاں' سفر تو ہے لیکن نیا نہیں۔''

''یہ کیسے ہوسکتا ہے؟''

''ہوسکتا ہے جب واپسی کا ارادہ ہو!''

''اوہ! تو گویا اب میری واپسی شروع ہوگئی!'' قامران خوش ہوتے ہوئے بولا! ''ساری دیوتا کا شکر ہے۔''

''واپسی کا ذکر سن کر بہت خوش ہوئے؟''

''ہاں۔'' قامران نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''اب سفر ختم ہونے کی کچھ امید بندھی۔ ویسے تم واپسی کی منزل بتا سکتی ہو؟''

''ہاں' کیوں نہیں' میں تمہیں تمہاری منزل ہی نہیں بتاؤں گی بلکہ آئندہ پیش آنے والے واقعات سے بھی آگاہ کروں گی...... سنو اور غور سے۔'' چاندکا نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

قامران فوراً ہی ہمہ تن گوش ہوگیا۔ تب چاندکا نے وہ سب کچھ قامران کے گوش گزار کرنا شروع کیا جس کی اسے ضرورت تھی یا ضرورت پڑ سکتی تھی۔

ہدایات جاری کرنے کے بعد چاندکا کچھ دیر اور قامران کے ساتھ رہی' اس سے ادھر ادھر کی باتیں کیں' پھر وہ جدا ہوگئی' فضا میں تحلیل ہوگئی۔ کمرے میں کنوارے بدن کی خوشبو کے سوا کچھ نہ رہا۔

چاندکا' قامران کو جانے کیا نوید دے گئی تھی کہ وہ بے حد مسرور تھا' باوجود اس کے کہ چاندکا جا چکی تھی۔ جبکہ چاندکا کی جدائی اسے ہمیشہ ملول کر جاتی تھی۔

وہ بڑی پھرتی سے اٹھا اور غسل خانے میں داخل ہوکر گنگنانے لگا۔ ٹھنڈا ٹھنڈا پانی اور عشقیہ اشعار کی خوشبو اس کے غسل کو مزے دار اور پرکیف بنا رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بڑا تروتازہ ہوکر غسل خانے سے برآمد ہوا۔ پھر کھانے کے لیے اسے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ ملازم خاص بڑے صحیح وقت پر گرم گرم اور لذیذ کھانا لے کر آ پہنچا۔

کھانا کھا کر وہ کچھ دیر کے لیے اپنے کمرے سے باہر نکلا اور سارے انتظامات کر کے جلد ہی واپس آ گیا اور آرام سے چھپرکھٹ پر ٹانگیں پھیلا کر سو گیا۔

صبح کا سورج راجہ سلارا کے لیے حیرت لے کر طلوع ہوا۔

قامران اپنے کمرے سے غائب تھا۔ اصطبل میں اس کی گھوڑی بھی نہ تھی۔ ملازمین کی زبانی

معلوم ہوا کہ قامران صبح تڑکے ہی راج محل سے نکلا تھا اور جاتے جاتے راجہ سلارا کے نام پیغام دے گیا تھا کہ میرا انتظار نہ کریں۔

اس پیغام نے راجہ سلارا کو الجھن میں ڈال دیا تھا۔ قامران کی اچانک روانگی' باوجود سوچنے کے اس کی سمجھ میں نہ آ سکی۔

راجہ سلارا کے لیے قامران کی شخصیت پہلے ہی دن سے مشکل ثابت ہوئی تھی۔ اس کی شخصیت کے خم' اسراریت' کچھ بتا کر بہت کچھ چھپانے کی ادا اور غیر متوقع عمل کو باوجود کوشش کے نہ سمجھ سکا تھا۔

ادھر قامران ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے ابلا پر سوار' سورج سے آنکھ مچولی کھیلتا' ہوا کے دوش پر اڑا جا رہا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ راجہ سلارا اس کا پیغام سن کر حیرت میں پڑ جائے گا اور ممکن ہے کہ افسردہ بھی ہو جائے۔

لیکن قامران کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اگر وہ اسے بتا کر رخصت ہوتا تو اتنی جلد اسے چھوڑنے کو کون تیار ہوتا۔ راجہ سلارا اسے کسی قیمت پر کورام سے نہ نکلنے دیتا۔ اس نے خاموشی سے نکل کر عقل مندی کا ثبوت دیا تھا۔

سورج کی آنکھ مچولی جاری تھی۔ گھنے درخت ختم ہوتے ہی سورج اچانک اس کے سامنے آ جاتا لیکن صرف چند لمحوں کے لیے گھنے درختوں کا سلسلہ پھر سے شروع ہو جاتا تو وہ ان کی اوٹ میں چلا جاتا۔

وہ بڑی برق رفتاری سے مشرق کی طرف بڑھ رہا تھا۔

سورج کے اٹھتے اٹھتے وہ دریا پر جا پہنچا۔ یہاں سے اس نے بائیں جانب جانا تھا۔

وہ فوراً ہی بائیں جانب مڑ گیا۔

ابھی وہ تھوڑی دور آگے گیا ہوگا کہ اچانک اس نے سامنے سے ریت کا بگولہ اٹھتا ہوا دیکھا۔

یہ چھوٹا سا بگولہ پھیلتے پھیلتے آندھی کی سی شکل اختیار کر گیا۔

قامران نے جلد ہی خود کو اس بگولے کے حصار میں پایا۔ ریت سے بچنے کے لیے اس نے اپنی آنکھیں بند کیں تو ابلا نے اپنی رفتار کم کرنے کے بجائے اور تیز کر دی۔

تیز اور تیز...... پھر قامران نے اپنی گھوڑی کو ہوا میں اڑتے ہوئے محسوس کیا۔

جب اس کی نظروں کے سامنے سے ریت ہٹی تو اس کے اردگرد کا منظر یکسر بدلا ہوا تھا۔

دور تک ہریالی کا نام نہ تھا۔ نہ جنگل' نہ پہاڑ' نہ گھاس کے بڑے بڑے میدان' دور تک کسی دریا کا بھی نام و نشان نہ تھا۔

اس کے سامنے تاحد نظر ریت ہی ریت پھیلی ہوئی تھی۔

تب اچانک ہی قامران پر یہ منکشف ہوا کہ وہ صحرائے سرخ کے کنارے آ پہنچا ہے۔

صحرائے سرخ...... اذیت ناک' ہولناک' وحشت ناک...... جس کے ریت کے ذروں میں

مرچیں بھری تھیں۔

اس صحرائے سرخ پر قامران نے کیسا اذیت ناک وقت گزارا تھا۔

ملکہ شاطو کے سوار اسے ریت کی صلیب پر چڑھا کر اپنے وحشی پن کا مظاہرہ کرتے اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے تھے اور یہ سارا عذاب ملکہ شاطو کی اک ذرا سی بات نہ ماننے پر آیا تھا۔

بات نہ ماننے کا' اپنا دامن اس سے نہ الجھانے کا اس نے کس قدر وحشیانہ انتقام لیا تھا۔ وہ تو بھلا ہو چاندکا کا جو عین وقت پر جب وہ لب دم تھا' فرشتۂ رحمت بن کر نازل ہو گئی تھی اور اس نے اس صحرائے سرخ کے عذاب سے نکال لیا تھا۔ اس کے ایک اشارے پر ہاتھ پاؤں کی رسیاں خود بخود کھلتی چلی گئی تھیں۔

مزے کی بات یہ ہے کہ ملکہ شاطو کا کلیجہ قامران کو صحرائے سرخ کے حوالے کر کے ہی ٹھنڈا نہ ہوا بلکہ اس نے اپنا انتقام اس کی بیوی نیلابو سے بھی لیا تھا۔ اس شر پسند ملکہ نے اسے زندہ جلوا دیا۔

نیلابو...... حسین اور معصوم۔

قامران کی بچپن کی محبت' ان دونوں نے ساتھ جینے مرنے کا وعدہ کر رکھا تھا۔ جب نیلابو کا سوئمبر رچایا گیا تو اس کے باپ نے ریکان قبیلے کے نوجوانوں کو ابلا جیسی خونخوار گھوڑی پر سواری کی شرط رکھ کر' پریشان کر دیا تھا لیکن قامران نے ہمت نہ ہاری۔ وہ بڑے پر عزم انداز میں ابلا کی طرف بڑھا اور بالآخر اس نے اس پر سوار ہو کر سوئمبر جیت لیا۔

سوئمبر جیتنے کی خوشی میں اسے ابلا بھی انعام میں ملی اور نیلابو بھی۔ پھر وہ بھیانک رات قامران کبھی نہ بھلا سکا جب اسے اپنی بیوی کے ناکارہ ہونے کا پتہ چلا۔ وہ رات آہوں اور آنسوؤں کی چھاؤں میں گزری۔ نیلابو کے ناکارہ ہونے کے باوجود اس نے اسے نہ چھوڑا جبکہ وہ قبیلے کی رسم کے مطابق بغیر سوئمبر کے بستی کی کسی بھی لڑکی کا ہاتھ پکڑ سکتا تھا لیکن اس نے جسمانی آسودگی کو قطعی اہمیت نہ دی اور ایک طویل عرصہ اس سوکھی ندی کے ساتھ گزار دیا یہاں تک کہ وہ ملکہ شاطو کے انتقام کا نشانہ بن گئی۔

نیلابو کی جلی ہوئی لاش دیکھ کر اس نے سارئی دیوتا کی قسم کھائی کہ وہ ملکہ شاطو سے اس ظلم کا بدلہ لے کر رہے گا۔

ماضی کو یاد کر کے قامران کی آج بھی غصے سے مٹھیاں بھینچ گئیں۔ اس نے صحرائے سرخ سے اپنی گھوڑی کا رخ موڑا اور زور سے ایڑ لگائی۔

ابلا حسب معمول اپنے دو پاؤں پر کھڑی ہوئی اور جب اس کے پاؤں زمین پر پڑے تو قامران نے صاف محسوس کیا کہ اس کے قدم ریت پر نہیں پڑ رہے' وہ خلا میں تیر رہی تھی۔

چند لمحوں بعد جب پھر سے اس کے قدم ریت پر پڑنے لگے تو قامران نے ایک مرتبہ پھر اپنے سامنے منظر بدلا ہوا پایا۔

اب صحرائے سرخ غائب ہو چکا تھا اور سفید محل کی بلند عمارت اس کے سامنے تھی۔

سفید محل......ایک عجیب و غریب پراسرار عمارت جہاں قدم قدم پر حیرتیں دم توڑتی تھیں' جہاں چپے چپے پر عجائبات کی دنیا آباد تھی۔

اسی سفید محل کے ایک کمرے میں اس نے چاندکا کی وہ تصویر دیکھی تھی جو دیکھتے ہی دیکھتے متحرک ہو جاتی تھی۔ اسی تصویر میں قامران نے خود کو مجسم دیکھا تھا' اسی تصویر میں اسے اپنی زندگی کے ایسے چھپے گوشے نظر آئے تھے جن سے دنیا کا کوئی اور آدمی واقف نہ تھا۔

پھر ایک دن یہ تصویر قامران کی زندگی کی تمام جھلکیاں دکھا کر ٹوٹ گئی تھی۔ ادھر فریم چکنا چور ہو کر زمین پر گرا' ادھر چاندکا کا ظہور ہوا۔

قامران نے پہلی بار اپنی محسنہ کو بے نقاب دیکھا۔ اس کے بے مثال حسن اور کنوارے بدن کی خوشبو نے اسے بے خود کر دیا۔

پھر ایک دن چاندکا نے اپنی کہانی سنائی۔ تب قامران کو معلوم ہوا کہ چاندکا ایک روح ہے' جو صدیوں سے بھٹک رہی ہے۔ ایک ایسے مرد کی تلاش میں جس نے کسی ناکارہ عورت سے شادی کی ہو اور شادی کے بعد اسے چھوڑا نہ ہو اور اپنا دامن کسی بھی غیر عورت کے ساتھ نہ الجھایا ہو......صدیوں کی تلاش کے بعد اسے روئے زمین پر ایک ایسا مرد دکھائی دیا جس نے ایک ناکارہ عورت کے ساتھ انتہائی پاکیزگی سے زندگی گزاری۔ غیر عورتوں کی تمام تر ترغیبات کے باوجود اس نے اپنا دامن آلودہ نہ ہونے دیا......اور وہ تھا قامران۔

خود چاندکا صدیوں پہلے ایک ایسے سوداگر کے ساتھ بیاہی گئی جو صرف دیکھنے کا مرد تھا۔ چاندکا نے قسمت کے اس بھیانک کھیل کو بڑے صبر و شکر کے ساتھ قبول کر لیا۔ اس نے اپنے شوہر کو بتا دیا کہ وہ اپنے ناکارہ ہونے کا غم نہ کرے' وہ اسی طرح پوری زندگی ہنسی خوشی اس کے ساتھ گزار دے گی اور اپنا دامن کبھی آلودہ نہ ہونے دے گی۔

اور اس نے ایسا ہی کیا لیکن اس کا شوہر آپ ہی آپ اس غم میں گھلتا گیا' یہاں تک کہ اس جذباتی پن نے اس کی جان لے لی۔

خود چاندکا جب اپنی طبعی عمر گزار کر ملک عدم سدھاری تو اس کی بے قرار روح نے اپنے آئیڈیل کی تلاش شروع کر دی۔

اس کی نظر سے ہزاروں مرد گزرے...... ان میں ایسے مرد تو تھے جو اپنی ناکارہ بیویوں کے ساتھ کسی لالچ کی بنا پر رہتے تھے لیکن ان کی غیر عورتوں سے آشنائی بھی تھی۔

قامران جیسا مرد اسے صدیوں بعد ملا جسے اپنی بیوی سے کوئی لالچ نہ تھا' اس کے باوجود اس نے پورے خلوص اور پوری پاکیزگی کے ساتھ نیلابو کے ساتھ زندگی بسر کی۔

سفید محل میں قامران کو طرح طرح کے عجائبات سے واسطہ پڑا۔ انہی عجائبات میں سے ایک عجوبہ وہ بھی تھا جب وہ چاندکا کے کہنے پر سفید محل کے تالاب میں داخل ہوا تو اس نے خود کو اندر کی طرف کھنچتا ہوا محسوس کیا جیسے کوئی اس کی ٹانگ پکڑ کر بڑی تیزی سے پانی میں گھسیٹ رہا ہو۔ جب اس کی ٹانگ چھٹی تو اس نے خود کو اپنی بستی کے چشمے میں پایا۔

صحرائے سرخ سے زندہ سلامت واپسی ملکہ شاطو کو حیرت میں ڈال گئی۔ اس نے قامران کو پھر گرفتار کروا لیا اور اسے طرح طرح کی اذیتوں سے گزارا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر اسے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔ ملکہ شاطو بڑی پراسرار عورت تھی' اس کے اسرار بعد میں کھلے۔

شوہر کو عمل کے زور پر سانپ کے قالب میں ڈھال رکھا تھا۔ آخر اسی سانپ نے اس کی آنکھیں پھوڑ دیں۔ ملکہ شاطو کی جگہ اس کی چھوٹی بہن شارو نے سنبھال لی۔ ملکہ شاطو نے اپنی چھوٹی بہن کو کنیز بنا رکھا تھا۔ پھر ایک ایک کر کے ملکہ شاطو کے تمام ظلم سامنے آتے گئے۔ انہی مظالم کی بنیادوں پر اسے پھانسی دے دی گئی۔

اور یہ پھانسی بھی قامران نے خود اپنے ہاتھوں سے دی۔ اس طرح اس نے نہ صرف اپنی بیوی نیلابو کا انتقام لے لیا بلکہ ملکہ شاطو جیسی خبیث عورت سے اس علاقے کے لوگوں کو نجات بھی دلا دی۔

قامران ماضی کی انہی یادوں میں گم تھا کہ سفید محل کے دروازے کو خودبخود کھلتا دیکھ کر چونک پڑا۔

وہ پورے اطمینان سے دروازے میں داخل ہوا۔ سفید محل اندر سے بالکل سنسان پڑا تھا' وہاں کوئی نہ تھا' آدم نہ آدم زاد۔

قامران ابلا کی پیٹھ سے کود پڑا اور ایک جگہ سیڑھیوں پر بیٹھ کر ستانے لگا...... یادیں پھر سے ہجوم کر آئیں۔ وہ یادوں کی سیڑھیوں پر آہستہ خرامی سے چڑھنے لگا۔

پھر چاندکا نے اسے ایک طویل اور انجانے سفر پر ڈال دیا' یہ کہہ کر کہ یہ سفر بالآخر ہمارے لیے خوشیاں لے کر آئے گا۔ ہمارے لیے ملاپ کا راستہ کھل جائے گا...... چاندکا کو حاصل کرنے کی خوشی میں قامران نے بلاچون و چرا اس کی ہدایات پر عمل کرنے کی ٹھان لی اور کمر کس کر سفر کے لیے نکل کھڑا ہوا۔

اس سفر میں اسے کیسی کیسی بستیوں سے گزرنا پڑا۔ کیسے کیسے لوگوں سے پالا پڑا۔ اب سارے لوگ' ساری بستیاں ایک ایک کر کے اسے یاد آ رہی تھیں۔

وہ چقماں قبیلہ جہاں ہر بالغ مرد کی زبان کاٹ لی جاتی تھی' جہاں لوگوں کو بولنے کے حق سے محروم کر دیا گیا تھا۔ قامران نے اس بستی میں پہنچ کر سردار کا چاک کا کام تمام کیا اور گونگی قوم کو پھر سے اس کی زبان لوٹا دی۔

پھر اسے حامنا یاد آیا جسے لائی چامہ نے اپنے عمل سے اپنے قبضے میں کر لیا تھا اور اس سے ہر رات ایک لڑکی منگواتا تھا۔ حامنا اس گندے کام سے سخت نالاں تھا لیکن کچھ کرنے سے مجبور تھا۔ تب قامران اس کی مدد کے لیے آگے بڑھا۔ جلد ہی اس نے لائی چامہ کو نیست و نابود کر کے حامنا کو آزادی دلا دی۔

اور وہ کالے جنگل کی بلا جو ہر روز بستی سے ایک بچہ اٹھا لے جاتی تھی۔ کیسی خوفناک تھی وہ۔ سردار ونشا کی بستی والے اس سے کس قدر پریشان تھے اور وہ سردار ونشا کی بیٹی سپاتا جو اپنے رسم و رواج کے مطابق رات کی تنہائی میں اس کی خدمت اور دل بہلانے کے لیے چلی آئی تھی۔ وہ بھی کیا دلچسپ تجربہ تھا۔ آخر قامران اس ظالم بلا کو ختم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اسی خوشی میں بستی میں ابھی جشن ہی منایا جا رہا تھا کہ سرخ چہرے والے لٹیروں نے بستی پر حملہ کر دیا۔ بستی کو بری طرح لوٹا اور بہت سی لڑکیوں کو اٹھا کر لے گئے۔ صبح کو وہ ساری لڑکیاں بستی کے باہر مردہ پائی گئیں۔ انہوں نے زہریلے

پھول کھا کر اپنے کنوارے جسموں کو تباہ ہونے سے بچا لیا تھا۔ قامران نے ان ظالموں کا تعاقب کیا اور ان سب کو جہنم واصل کر کے ایک نئے سفر پر نکل گیا۔

اب وہ چاندکا کے ایما پر شکران پہنچا جہاں دیوتا کا گھر تھا۔ اس گھر پر پجاریوں کا ایک شیطانی ٹولہ قابض تھا۔ وہ بستی کی کنواری لڑکیوں کو دیوتا کی داسی بنانے کے بہانے انہیں تہہ خانے میں لے جاتے۔ پھر وہ لڑکی زندگی بھر تہہ خانے سے نہ نکل پاتی اور ان کی ہوس کا نشانہ بنتی رہتی۔ قامران نے بستی کی ایسی' بے شمار لڑکیوں کو ان موذیوں کے چنگل سے چھڑایا اور ان کو ان کے انجام تک پہنچایا۔

یہاں سے نکلا تو قامران اندھوں کی بستی میں جا پہنچا۔ اس بستی کے تمام لوگوں کو چند ٹھگوں نے سورج گرہن دکھا کر اندھا کر دیا تھا۔ قامران نے ان ٹھگوں کا پتہ چلایا اور ٹھگوں کے پورے قبیلے کو دلدل میں غرق کر دیا۔

پھر اس بانسری کی آواز نے اس کا دل موہ لیا۔ وہ آواز کے سہارے بانسری والے تک پہنچا۔ رنگا اور رنگی ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار تھے لیکن رنگی کا باپ کسی قیمت پر اپنی بیٹی رنگا کے حوالے کرنے کو تیار نہ تھا۔ قامران نے حسب عادت اس مسئلے کو اپنے ہاتھ میں لیا اور ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔ لوگوں نے دیکھا کہ رنگی کا باپ خود اپنی بیٹی لے کر رنگا کے قبیلے میں پہنچا اور یوں قامران نے دو محبت بھرے دلوں کو ملا دیا اور اس بستی سے رخصت ہوا۔

ابھی قامران کی آزمائش ختم نہ ہوئی تھی۔ اس مرتبہ اسے بے لباسوں کی بستی میں بھیجا گیا۔ مقصد بستی کے کسی بھی فرد کو کپڑے پہنانا تھا۔ یہ کام بظاہر آسان دکھائی دیتا تھا لیکن بے حد مشکل ثابت ہوا۔ قامران کی ذہانت اور چاندکا کی مدد نے آخر اس مشکل مسئلے کو بھی حل کر دیا۔ وہ اس ننگوں کی بستی کی ایک لڑکی کو لباس پہنانے میں کامیاب ہو گیا۔ آخر اس بیہودہ بستی پر دیوتاؤں کا قہر نازل ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ تباہ و برباد ہو گئی۔

پھر اس کی کورام کے راجکمار سلارا سے ملاقات ہوئی جس کے چچا نے سازش کر کے اس کا تخت و تاج چھین لیا تھا اور اسے پاگل قرار دے کر کورام سے نکال باہر کیا تھا۔ قامران نے اس راجکمار کی مدد کرنے کی ٹھانی۔ چاندکا مدد کو آئی اور یوں دھیرے دھیرے مسئلہ ہوتا گیا۔ قامران نے بالآخر راجکمار کو راجہ بنوا دیا اور اس کی شادی ریماں سے ہو گئی۔

ابھی قامران اس مشن سے فارغ ہو کر راج محل پہنچا ہی تھا اور آرام کرنے کی غرض سے چھپرکھٹ پر لیٹا ہی تھا کہ چاندکا نے سفر ختم ہونے کی نوید سنا دی۔

پھر وہ صحرائے سرخ سے ہوتا ہوا سفید محل پہنچا۔ جہاں جہاں سے گزرا یادوں کے چراغ جلتے گئے۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" اچانک ہی کہیں سے مترنم آواز آئی۔

"آں۔" قامران چونک اٹھا۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا تو اپنے قریب ہی چاندکا کو پایا۔

"اوہ' اس قدر محو تھے کہ میری آواز سن کر چونک اٹھے۔" چاندکا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کہاں کھوئے ہوئے تھے؟"

"کہیں نہیں...... بس صحرائے سرخ کو دیکھ کر ماضی کے جھروکوں میں جھانکنے لگا تھا......

ایک ایک لمحے کا حساب کتاب کر رہا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ میں کیا تھا' کیا ہو گیا۔ کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔"

"تم کیا تھے؟" چاندکا نے سوال کیا۔

"یرقان قبیلے کا ایک معمولی سا نوجوان جس نے کبھی اپنا علاقہ گھوم کر نہ دیکھا تھا' اسے ایک طویل سفر پر نکلنا پڑا اور کیسے کیسے دلچسپ تجربات سے گزرا اور کیسے کیسے عجیب و غریب واقعات سے دوچار ہوا۔ پھر یہ کہ تم مجھے مل گئیں۔ قدم قدم پر تمہاری محبت اور مدد شامل رہی۔ آج اگر میں اپنے قبیلے کے کسی آدمی کو اپنی آپ بیتی سناؤں تو کیا وہ یقین کرے گا۔ ہرگز نہیں! میری پوری کہانی سن کر اسے مجھ سے ہمدردی ہو جائے گی' وہ مجھے پاگل گردانے گا۔"

"پاگل تو تم ہو!" چاندکا نے بڑی ادا سے کہا۔

"وہ کیسے؟" سوال ہوا۔

"محبت کرنے والے ہمیشہ پاگل ہوتے ہیں...... اگر عقل درمیان میں رہے تو کوئی کسی سے محبت نہیں کر سکتا۔"

"ہاں ان معنی میں تو پاگل ہوں کہ تم سے محبت کر بیٹھا۔"

"گویا ایک پاگل آدمی ہی مجھ سے محبت کر سکتا ہے؟" چاندکا نے ترچھی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"نہیں' وہ بات نہیں جو تم سمجھی ہو...... میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ تمہاری محبت نے مجھے دیوانہ بنا دیا ہے۔ میں تو تمہاری بات کی تائید کر رہا تھا۔"

"میں سب جانتی ہوں۔" چاندکا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"چاندکا کیا تم میرے اس طویل سفر کا مقصد بتا سکتی ہو؟"

"ہاں' کیوں نہیں...... اب میں تمہیں بہت کچھ بتا سکتی ہوں۔"

"پھر بتاؤ۔"

"تمہارے سفر کا مقصد' دیوتا کی خوشنودی حاصل کرنا تھا۔"

"میں سمجھا نہیں...... وہ کیسے؟"

"وہ ایسے کہ تم نے روئے زمین پر گھوم کر معصوم لوگوں کو ظالموں کے شکنجے سے آزاد کروایا ہے۔ تم ظلم کے خلاف لڑے ہو اور ہر جگہ ظلم کا قلع قمع کرنے میں کامیاب رہے ہو۔ دیوتا تمہاری اس بات سے بہت خوش ہیں۔ ویسے خوش تو تم نے انہیں پہلے ہی کر رکھا تھا لیکن اس سفر نے تمہارے درجے بہت بڑھا دیئے ہیں اور یہی میں چاہتی تھی۔"

"تم جو چاہتی تھیں وہ تو ہو گیا...... اب میں جو چاہتا ہوں' وہ کیسے ہو گا؟" قامران نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟" چاندکا نے اپنا ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

"یہ بات تم پوچھ رہی ہو...... تم جو میری زندگی کے ایک ایک گوشے سے واقف ہو۔ تم جو میری زندگی کا ہر ہر لمحہ مجسم کر کے دکھانے کی سکت رکھتی ہو...... تمہیں تو کم از کم یہ سوال زیب نہیں

دیتا۔"

"عورت کی فطرت بڑی عجیب ہوتی ہے قامران...... وہ سب کچھ جان کر بھی انجان بن جاتی ہے۔ اسے مرد کی زبان سے چاہت کے دو بول سننا بڑا پسند ہوتا ہے۔"

"لیکن مجھے تو کہنا نہیں آتا...... میں تو عملی آدمی ہوں۔" قامران نے اس کی طرف شرارت سے دیکھا اور ذرا سا اس کے نزدیک کھسک آیا۔

"بس بس' وہیں بیٹھے رہو۔" چاندکا دور ہٹتے ہوئے بولی۔

"ورنہ بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔ یہی نا۔" قامران نے اس کی بات دہرائی۔ ایسے موقعوں پر وہ ہمیشہ یہی کہا کرتی تھی۔

"ہاں بالکل۔"

"آخر یہ دھمکیاں تم مجھے کب تک دیتی رہو گی...... صبر کی بھی تو کوئی حد ہوتی ہے۔" قامران نے تیز لہجے میں کہا۔

"لیکن صبر کا پھل تو میٹھا ہوتا ہے۔"

"یہ تو چکھ کر ہی بتایا جا سکتا ہے......" قامران کی نظریں چاندکا کے رس بھرے ہونٹوں پر تھیں۔

"تم کہتے ہو کہ تمہیں کچھ کہنا نہیں آتا لیکن میں کہتی ہوں کہ تم اپنے لب و لہجے کے اتار چڑھاؤ' ہونٹوں کی جنبش اور آنکھوں کی حرکت سے وہ کچھ کہہ جاتے ہو کہ ان مطالب کا لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔" چاندکا یہ کہتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔

"کہاں چلیں؟" قامران بھی اٹھتا ہوا بولا۔

"وقت کم ہے اور کام بہت...... تم یوں کرو کہ وہ سامنے کمرے کا بند دروازہ دیکھ رہے ہو؟"

"ہاں' دیکھ رہا ہوں۔" قامران نے جواب دیا۔

"سارئی دیوتا کا نام لے کر اس کمرے کی طرف بڑھو۔" اس حکم کے ساتھ ہی چاندکا نے چند وضاحتیں کیں' چند ہدایتیں دیں۔

قامران ہدایتیں اور وضاحتیں پا کر آگے بڑھا۔

تب چاندکا نے رخصت ہوتے ہوئے کہا۔ "اچھا' اب میں چلتی ہوں' اب ملیں گے تو تمہارے سارے گلے شکوے مٹ جائیں گے۔"

"دیوتا کرے ایسا ہی ہو۔" قامران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے چاندکا فضا میں تحلیل ہو گئی۔ اس کے کنوارے بدن کی خوشبو کے سوا کچھ نہ رہا۔

قامران چاندکا کے بتائے ہوئے دروازے کی طرف بے قراری سے بڑھا۔ دروازے پر پہنچ کر اس نے کواڑ پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ وہ خود بخود کھلتا چلا گیا۔

دروازہ کھلتے ہی قامران اچھل کر پیچھے ہٹ گیا اور حیرت سے ادھر دیکھنے لگا۔

وہ تعداد میں بے شمار تھے اور نکلے ہی چلے آتے تھے۔

☆......☆......☆

قامران سفید کبوتروں کو بڑی محویت سے دیکھنے لگا جو بادلوں کی طرح دروازے سے امنڈتے چلے آتے تھے۔

ان کی تعداد بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ سینکڑوں' ہزاروں پھر لاکھوں۔ قامران منتظر تھا کہ وہ ختم ہوں تو وہ دروازے میں داخل ہو لیکن وہ ختم ہونے کا نام ہی نہ لے رہے تھے۔

دروازے سے نکلتے ہی ان سفید کبوتروں کا نظارہ بڑا دلفریب تھا۔ کبوتروں کا تیزی سے دروازے سے نکلنا' ان کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ بڑی تسکین آمیز تھی۔

قامران نے پھر ایک عجیب بات محسوس کی۔ وہ کبوتر دروازے سے نکل کر تھوڑی دور اڑتے ہوئے دکھائی دیتے اور بس...... پھر وہ اچانک ہی غائب ہو جاتے' فضا میں تحلیل ہو جاتے۔

خاصا انتظار کرنے کے بعد کبوتروں کی برآمد کا سلسلہ بند ہوا۔

تب قامران پھر سے دروازے کی طرف بڑھا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی جس چیز پر سب سے پہلے اس کی نظر پڑی' وہ ایک بے حد خوبصورت چھپرکھٹ تھا جو کمرے کے درمیان پڑا ہوا تھا۔ اس چھپرکھٹ پر چاندکا کا بے جان جسم رکھا تھا۔

کمرے میں ایک لطیف خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ وہ ایک بے حد صاف ستھرا کمرہ تھا۔ اس کا فرش کبوتروں کی بیٹ سے بالکل پاک تھا۔ کمرے میں ان لاکھوں کبوتروں کے بسیرے کا نام ونشان بھی نہ تھا۔

قامران نے حیرت سے چاروں طرف کمرے میں نظر ڈالی لیکن وہ ان لاکھوں کبوتروں کی موجودگی کا کوئی سراغ نہ پاسکا۔

چاندکا کے بے جان جسم کے اردگرد گلاب کے پھولوں کے ڈھیر تھے اور یہ پھول باسی نہ تھے' سوکھے نہ تھے' چاندکا کے چہرے کی طرح تروتازہ تھے۔

قامران کو معلوم تھا کہ چاندکا کا یہ جسم صدیوں سے یہاں رکھا ہے لیکن اسے دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے چاندکا ابھی لیٹے لیٹے سوگئی ہے۔

چاندکا کے زرق برق لباس پر بھی صدیاں گزرنے کا سایہ نہ تھا۔ اس کے لباس کی چمک دمک ایسی تھی جیسے یہ لباس آج ہی زیب تن کیا گیا ہو۔

حیرتیں بڑھتی ہی جاتی تھیں۔

تب قامران نے چاندکا کا جسم چھو کر دیکھا۔ وہ بے حد ٹھنڈا تھا۔

پھر اس نے چاندکا کے بے جان اور بے حد ٹھنڈے جسم کو اپنے کندھے پر ڈال لیا اور دروزے کی طرف بڑھا۔

تب کہیں سے مردانہ آواز آئی۔

"نہیں...... ادھر نہیں۔"

قامران چلتے چلتے رک گیا اور سوالیہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"پھر کدھر؟"

"وہ ادھر۔" آواز آئی اور اس کے ساتھ ہی کمرے میں موجود اندرونی دروازہ آپ ہی آپ کھل گیا اور بیرونی دروازہ خود بخود بند ہوگیا۔

قامران پورے اطمینان سے اندرونی دروازے کی طرف بڑھا۔

پھر اس نے سائری دیوتا کا نام لے کر سیڑھی پر قدم رکھا اور بڑی احتیاط سے نیچے اترنے لگا۔

ابھی اس نے چند سیڑھیاں ہی پار کی تھیں کہ اس نے نیچے سے آتی ہوئی قدموں کی آواز سنی۔ قامران چوکنا ہوگیا۔

چند ہی لمحوں بعد اس کے سامنے ایک بے حد لمبا چوڑا آدمی تھا جو جھومتا ہوا سیڑھیاں چڑھتا اوپر آرہا تھا۔ دونوں کی نظریں بیک وقت چار ہوئیں۔ قامران کو دیکھتے ہی اس لمبے چوڑے آدمی کے چہرے پر زردی پھیل گئی۔ وہ گھبرا کر واپس پلٹا اور تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا نیچے اتر گیا۔

قامران بغیر ناک کان کی اس مخلوق کو پہلے بھی سفید محل میں دیکھ چکا تھا۔ اس کی گھبراہٹ قامران کے لیے تعجب خیز تھی۔

قامران جو اس بغیر ناک کان والے انسان کو دیکھ کر سیڑھیوں پر ٹھہر گیا تھا' اب پھر سے نیچے اترنے لگا۔

اسے اترتے ہوئے خاصی دیر ہوگئی تھی لیکن سیڑھیوں کا لامتناہی سلسلہ ختم ہونے کو نہیں آرہا تھا۔

پھر اس وقت قامران کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی جب خاصی دیر کے بعد اسے نیچے ایک دروازہ دکھائی دیا۔ قامران فوراً سائری دیوتا کا شکر بجالایا۔

دروازے کے نزدیک پہنچا تو اسے پھر سیڑھیاں دکھائی دیں لیکن یہ سیڑھیاں نیچے کے بجائے اوپر جارہی تھیں اور خاصی روشن تھیں جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ آسمان زیادہ دور نہیں۔

چند سیڑھیاں چڑھنے کے بعد ہی وہ کھلی فضا میں پہنچ گیا۔

اس نے خود کو کسی سرسبز وشاداب وادی میں پایا۔ ہر طرف دلفریب مناظر بکھرے پڑے تھے۔ پھولوں سے لدی ٹہنیاں اور پھلوں سے جھکی ڈالیاں' ان پر چہچہاتے رنگے برنگے پرند' ابرآلود آسمان' فلک بوس حسین پہاڑیاں' اسے لگا جیسے وہ جنت میں داخل ہوگیا ہے۔

ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ کس سمت چلے کہ اسے دور سے کچھ لڑکیاں آتی دکھائی دیں' ان لڑکیوں کا رخ قامران ہی کی طرف تھا۔

ان لڑکیوں کے ہاتھوں اور بالوں میں گجرے سجے تھے۔ گلے میں پھولوں کی مالائیں تھیں۔ گیروے رنگ کے نیم عریاں لباسوں میں وہ اپسرائیں دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ ہنستی مسکراتی چہلیں کرتی قامران کی طرف بڑھی آرہی تھیں۔

پھر وہ اس کے نزدیک آ کر رک گئیں۔

قامران انہیں بغور دیکھنے لگا۔ اس کی نگاہوں میں سوال تھا۔

ان لڑکیوں نے لب نہ کھولے' اشارے سے اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔

قامران کو بھلا کیا اعتراض ہوسکتا تھا۔ وہ چاندکا کا بے جان جسم اپنے کندھے پر لادے ان کے ساتھ ہولیا۔

کچھ دور چلنے کے بعد وہ ایک تاریک غار میں داخل ہوگئے۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں' آنکھیں بند کرکے پورے اطمینان سے چلتے رہو' راستہ بالکل صاف ہے۔'' ان لڑکیوں میں سے کسی نے کہا۔

قامران ہدایت کے مطابق بغیر پریشان ہوئے اس تاریک غار میں چلتا رہا۔ اس کی آنکھیں خودبخود بند ہوگئی تھیں اور رفتار میں بھی کمی آ گئی تھی۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد اس کے کانوں میں گرتے پانی کی آواز آنے لگی۔ شاید نزدیک ہی کوئی آبشار تھی۔

تاریک غار سے نکلتے ہی اس کے خیال کی تصدیق ہوگئی۔

وہ آبشار بے حد اونچائی سے زمین پر گر رہا تھا۔ اس کا پانی ایک دم سفید تھا اور جہاں جھرنا گر رہا تھا' وہاں صرف جھاگ ہی جھاگ دکھائی دے رہی تھی۔

تب قامران کو جھرنے کے مقابل ایک اونچے سے سنگ مرمر کے چبوترے پر چڑھنے کو کہا گیا۔

قامران نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔

اس نے چاندکا کا بے جان جسم پوری احتیاط سے سنگ مرمر کی چوکی پر لٹا دیا اور خود اس کے جسم کے نزدیک ہی دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔

''اس مقدس جھرنے پر اپنی نظریں جما دو اور اس آواز کو سنو جو صرف خوش قسمتوں کو سنائی دیتی ہے۔''

یہ کہہ کر وہ لڑکیاں واپس پلٹیں اور سیڑھیاں اترتی ہوئی ایک طرف چلی گئیں۔

ان لڑکیوں کے غائب ہوتے ہی فضا میں ایک پرہیبت آواز گونجی۔ ''ریکان قبیلے کے پرعزم نوجوان' سائری دیوتا تم سے مخاطب ہے۔''

یہ آواز سن کر قامران نے چاروں طرف گھوم کر دیکھا۔ پھر اس کی نظریں خودبخود مقدس جھرنے پر ٹھہر گئیں۔ تب اس نے ایک عجب نظارہ دیکھا' گرتے آبشار کے پیچھے اسے کوئی بیٹھا دکھائی دیا' لیکن یہ شبیہ سی تھی' کوئی واضح صورت سامنے نہ تھی۔ جھرنے کا پانی پوری قوت سے زمین پر گر رہا تھا۔

''ہم تم سے بہت خوش ہیں نوجوان! تم نے زمین پر وہ کام انجام دیئے ہیں جنہیں ہمارے اوتار بھی نہ کر پائے۔ تم نے مظلوموں کی حمایت اور ظالموں کا قلع قمع کرکے ہمارا دل موہ لیا ہے۔ پھر تم نے پاکیزگی کی مثال قائم کرکے دنیا کے مردوں کی لاج رکھ لی ہے۔ ہمارا خیال ہے

کہ تم اس دنیا کے پہلے اور آخری مرد ہو' اگر تم جیسا مرد آئندہ پیدا ہوا بھی تو یگوں کے بعد ہوگا...... چاندکا تمہاری سب سے چہیتی داسی ہے۔ اس کے اختیار میں بہت کچھ تھا اور بہت کچھ ہوگا۔''

آکاش وانی جاری تھی اور قامران بڑی عقیدت سے گوش بر آواز تھا۔ کبھی کبھی اس کی نظر گرتے پانی کے پیچھے جھلملاتی شبیہ پر ٹھہر جاتی تو اس پر فوراً ہی لرزہ طاری ہو جاتا' وہ اپنی گردن جھکا لیتا۔

''ہم نے چاندکا کا جسم ہمیشہ کے لیے محفوظ و مامون کردیا تھا۔ اب جبکہ تم اس کا جسم لے کر آ پہنچے ہو تو خوش خبری سن لو کہ ہم نے چاندکا کو تمہاری پاکیزگی کے عوض تمہیں بخشا۔ اب وہ تمہاری داسی ہوگی اور اپنے جسم کے پھول تمہارے قدموں میں نچھاور کرے گی...... ابلتے پانی کا اشنان تمہارے جسموں کو نئی زندگی عطا کرے گا۔ اب تم دونوں ایک طویل عرصے تک پرمسرت زندگی گزارو گے۔ سفید محل تمہارا مسکن ہوگا۔ جہاں زندگی کی تمام نعمتیں میسر ہوں گی...... اب اٹھو اور ابلتے پانی کے اشنان کی تیاری کرو۔''

اس آواز کے تھمتے ہی ایک شور سا اٹھا۔ تب قامران کو احساس ہوا کہ سائری دیوتا کے خطاب کے دوران ایک دم خاموشی چھا گئی تھی۔ حتیٰ کہ آبشار بھی بند ہوگئی تھی۔

خطاب ختم ہوا تو ہر شے حرکت میں آ گئی۔ جھرنے کی آواز تیز ہوگئی۔ پرندوں نے کچھ زیادہ ہی چہچہانا شروع کردیا جیسے سب مل کر' قامران کی کامرانی پر مبارک باد دے رہے ہوں۔

قامران نے جب مقدس جھرنے پر نظر ڈالی تو وہاں اس نے سائری دیوتا کی شبیہ نہ پائی۔ وہ غائب ہو چکی تھی۔

قامران کے جسم پر اب بھی لرزہ طاری تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ وہ سائری دیوتا کی جھلک اور آواز سن سکے گا۔ پھر چاندکا کے ملنے کی خوشی' اس پر لرزہ طاری نہ ہوتا تو اور کیا ہوتا۔

پھر قامران نے چند لڑکیوں کو سیڑھیوں پر چڑھتے دیکھا۔ یہ وہی لڑکیاں تھیں جو کچھ دیر پہلے اسے یہاں چھوڑ گئی تھیں۔

ان سب کے چہرے پر مسکراہٹ تھی' وہ بے حد خوش نظر آ رہی تھیں۔ انہوں نے آتے ہی ایک ایک کرکے قامران کے ہاتھ چومے اور نئی زندگی عطا ہونے کی مبارکباد دی۔

قامران بھی جواباً مسکرایا اور ان سب کا بیک وقت شکریہ ادا کیا۔

''اب چلنا ہوگا۔'' ان میں سے ایک لڑکی نے کہا۔

''میں تیار ہوں۔'' یہ کہہ کر قامران کھڑا ہوگیا اور چاندکا کے بے جان جسم کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر ان لڑکیوں سے مخاطب ہوا:

''کیا اسے بھی اٹھا لوں؟''

''ہاں...... یہ بوجھ تو اب تمہیں زندگی بھر اٹھانا پڑے گا......'' ایک لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں اس نازک بدن کو یگوں تک اٹھانے کے لیے تیار ہوں۔ تم ایک زندگی کی بات کرتی ہو۔" قامران نے بڑے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔

"تم سے یہی امید تھی...... چاندکا واقعی خوش قسمت ہے۔" وہ لڑکی پھر بولی۔

قامران نے بڑی آہستگی سے جھک کر چاندکا کا بے جان جسم اٹھایا اور سوالیہ نگاہوں سے ان لڑکیوں کی طرف دیکھنے لگا۔

"آؤ' ہمارے ساتھ۔" تب وہ لڑکیاں مڑ گئیں اور سیڑھیاں اترنے لگیں۔

قامران نے ان کی تقلید کی۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر سے اس تاریک غار میں تھا جس سے پہلے گزر کر آیا تھا...... اب وہ بڑے اطمینان سے آگے بڑھتا جا رہا تھا۔

جب وہ تاریک غار سے باہر آیا تو باہر کا منظر بدلا ہوا تھا۔ یہ وہ جگہ نہ تھی جہاں سے وہ پہلے غار میں داخل ہوا تھا۔ اب اس کے سامنے سرسبز و شاداب درختوں کی بجائے ایک بڑا سا تالاب تھا' اس تالاب سے دھواں سا اٹھ رہا تھا اور پانی میں بلبلے بن کر پھوٹ رہے تھے۔

اس ابلتے پانی کو دیکھ کر قامران کے جسم میں جھرجھری سی دوڑ گئی۔

ان لڑکیوں کے اشارے پر' قامران نے چاندکا کے بے جان جسم کو تالاب کے کنارے رکھ دیا۔

اتنے میں ایک لڑکی بھاگتی ہوئی ایک طرف گئی اور تھوڑی دیر میں کوئی چیز اپنے ہاتھ میں لٹکائے ہوئی چلی آئی۔

قامران نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں ایک مردہ بلی تھی جسے اس لڑکی نے دم سے پکڑا ہوا تھا۔

پھر اس لڑکی نے قامران کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ قامران کی سمجھ میں اس مسکراہٹ کا مطلب نہ آیا۔ وہ خاموشی سے لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔

اس لڑکی نے اس بلی کو تالاب کے کنارے پر پہنچ کر آہستہ آہستہ پانی میں ڈالا۔ ابھی اس بلی کا منہ اور اس کی دو ٹانگیں پانی میں گئی تھیں کہ اس نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھا لیا۔

اب قامران کو اس لڑکی کی مسکراہٹ کا مطلب سمجھ میں آ گیا تھا۔ ابلتے پانی نے چند لمحوں میں ہی بلی کا جسم چاٹ لیا تھا۔ اس کا دھڑ اب منہ اور ٹانگوں سے بے نیاز تھا۔

لڑکی کے اس عمل نے قامران کو خوفزدہ کر دیا۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا اس کا بھی حشر بلی جیسا ہونے والا ہے۔

پھر اس لڑکی نے بلی کو تالاب میں اچھال دیا۔

بلی کی لاش چند لمحوں میں ریزہ ریزہ ہو گئی۔

قامران ایک مرتبہ پھر کانپ اٹھا۔

پھر وہی لڑکی مسکراتی ہوئی قامران کی طرف بڑھی اور ہنستے ہوئے بولی۔

"ڈرے تو نہیں۔"

"نہیں' بالکل نہیں۔" قامران نے اندر ہی اندر کانپتے ہوئے کہا۔

"آؤ پھر...... دیوی چاندکا کو اٹھاؤ۔"

قامران نے اس لڑکی کے حکم کی تعمیل میں چاندکا کے بے جان جسم کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا لیا اور اس کے نزدیک جا کھڑا ہوا۔

"سائری دیوتا کا نام لے کر' دیوی چاندکا کا جسم ابلتے پانی کے حوالے کر دو۔" اس لڑکی نے کہا۔

قامران تالاب کے کنارے کھڑا ہوا' ایک نظر اس نے ابلتے اور اچھلتے پانی کو دیکھا۔ پھر آنکھیں بند کر کے سائری دیوتا کا نام لیا اور جی کڑا کر کے چاندکا کا جسم ہوا میں اچھال دیا۔

چند ثانیوں بعد چاندکا کا جسم پانی میں گرا اور گرتے ہی ریزہ ریزہ ہو گیا' پانی میں تحلیل ہو گیا' پگھل گیا۔

قامران نے ایک گہری سانس لی اور تالاب کے ابلتے اور اچھلتے پانی کو بغور دیکھنے لگا۔

تب ایک لڑکی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کنارے سے اتار لیا اور مسکراتے ہوئے بولی۔ "آؤ ہمارے ساتھ۔"

قامران اس وقت ان لڑکیوں کے ہاتھ کٹھ پتلی بنا ہوا تھا...... وہ جیسا کہہ رہی تھیں' کر رہا تھا۔

وہ خاموشی سے ان کے ساتھ ہو لیا۔

اس مرتبہ پھر اس تاریک غار سے گزرا گیا۔ جب وہ روشنی میں آیا تو اس نے اپنے اردگرد پھر شادابی کو پایا۔

ان لڑکیوں نے اسے ایک بڑے درخت کے نیچے لا بٹھایا۔

پھر دو لڑکیاں اس کے نزدیک ہی دائیں بائیں بیٹھ گئیں اور باقی لڑکیاں "ہم ابھی آتے ہیں۔" کہہ کر درختوں کے جھنڈ میں غائب ہو گئیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ واپس آئیں تو ان کے ہاتھ میں ایک بڑا سا برتن تھا' ایک کے ہاتھ میں تیز دھار کا خنجر تھا۔

جس درخت کے نیچے قامران بیٹھا تھا' اسی درخت کے تنے میں ایک لڑکی نے بڑی مہارت سے شگاف ڈالنا شروع کر دیا۔

ابھی شگاف زیادہ گہرا نہ ہوا تھا کہ اس سے سرخ سرخ خون جیسی چیز رسنے لگی۔ لڑکی نے تیز تیز وار کر کے شگاف خاصا گہرا کر دیا۔

اب وہ سرخ سیال درخت کے تنے سے تیزی سے نکلنے لگا۔

یہ سرخ سیال اس بڑے سے برتن میں جمع کیا جانے لگا۔

تھوڑی ہی دیر میں برتن سرخ سیال سے بھر گیا۔ پھر ایک لڑکی نے ریت مٹھی میں بھر کر شگاف میں ڈال دی۔ ریت کے پڑتے ہی سیال کا نکلنا فوراً بند ہو گیا۔

قامران' لڑکیوں کی ان حرکتوں کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

پھر وہ دونوں لڑکیاں اٹھیں جو اس کے دائیں بائیں بیٹھی تھیں۔ انہوں نے دوسری لڑکیوں سے سرخ سیال سے بھرا برتن اپنے ہاتھ میں لیا اور قامران سے کہا۔

"لیٹ جاؤ۔"

قامران بلاچون چرا نرم نرم گھاس پر اس درخت کے سائے میں جس کے تنے سے "خون" نکالا گیا تھا' لیٹ گیا۔

قامران کے لیٹتے ہی باقی لڑکیاں وہاں سے چلی گئیں سوائے ان دو لڑکیوں کے جن کے قبضے میں "خون" سے بھرا پیالہ تھا۔

ایک لڑکی نے خنجر پیالے میں ڈبویا اور اس "خون" بھرے خنجر کو قامران کی پیشانی پر رکھا اور پھر ایک عمودی خط کھینچا۔ خط کھینچتے وقت وہ زیرلب کچھ پڑھ رہی تھی۔

ایک مرتبہ اس نے پھر خنجر پیالے میں ڈبو کر اس کی پیشانی پر خط کھینچا اور زیرلب کچھ پڑھا۔

اس عمل کو اس نے بار بار دہرایا۔ یہاں تک کہ قامران کی پیشانی سرخ سیال سے کشیدہ خطوں سے بھر گئی۔

"اپنا سینہ کھولو۔" پیشانی پر خط کھینچنے کے بعد حکم ہوا۔

قامران نے اپنے اوپری لباس کے بند کھول دیئے۔ اس کے کالے بالوں سے بھرا سرخ سینہ عریاں ہوگیا۔

اس لڑکی نے پھر اپنا خنجر سرخ سیال میں ڈبویا اور اس کے سینے پر کچھ پڑھتے ہوئے خط کشید کرنے لگی۔

اس نے اس عمل کو صرف تین بار دہرایا۔

پھر یہی عمل اس کی ہتھیلیوں کی پشت اور پاؤں کے تلوؤں پر بھی کیا گیا۔

تب اس سے کہا گیا کہ کھڑے ہو جاؤ اور اپنا منہ درخت کے تنے کی طرف کرلو۔

قامران بڑی سعادت مندی سے کھڑا ہوا اور اپنا منہ درخت کے تنے کی طرف کرلیا اور دوسرے حکم کا انتظار کرنے لگا۔

تب حکم ہوا۔ "اپنے جسم کو تمام پردوں سے آزاد کردو۔"

قامران کے لیے اس حکم پر فوراً عمل کر لینا آسان نہ تھا۔ وہ یوں ہی بے حس و حرکت کھڑا رہا۔

"کیا سوچنے لگے؟" اس لڑکی کے لہجے میں تنبیہہ تھی۔

"کیا اس کے سوا کوئی اور چارہ کار نہیں؟" قامران نے پوچھا۔

"نہیں۔" سخت لہجے میں جواب ملا۔

"یہ مت بھولو کہ تم سائری دیوتا کے گھر میں ہو۔ اس دیوتا کے گھر میں جس نے تمہیں چاندکا جیسی دیوی بخشی ہے...... اگر وقت ضائع کرو گے تو نقصان اٹھاؤ گے...... ہم سے مت شرماؤ...... ہمیں پتھر کا جانو۔"

اتنا سننے کے بعد اب قامران کے پاس کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ وہ پتھر کی ان لڑکیوں کے

سامنے بے لباس ہوگیا۔

تب قامران نے اپنی پشت پر خنجر کی نوک محسوس کی۔ خط کھینچنے کا یہ عمل اس کی پشت کے مختلف حصوں پر آزمایا گیا۔ اتنے میں بقیہ لڑکیاں بھی آ پہنچیں۔ ان کے ہاتھوں میں پھولوں سے بھری ٹوکریاں تھیں۔ تب اس کے جسم کو پھولوں سے ڈھک دیا گیا۔ قامران نے سکون کا سانس لیا۔

ابھی اس کے جسم کی زیبائش جاری تھی کہ چار نوجوان ایک خالی ڈولی لیے وہاں آ پہنچے۔

قامران کو اٹھا کر اس ڈولی میں بٹھایا گیا اور وہ چاروں نوجوان اسے ڈولی میں بٹھا کر روانہ ہوئے۔ پیچھے پیچھے وہ لڑکیاں تھیں۔

تاریک غار سے گزرنے کے بعد پھر وہی ابلتے تالاب کا منظر اس کے سامنے آ گیا۔ قامران نے تالاب کے ابلتے اور اچھلتے پانی کو دیکھ کر ایک گہرا سانس لیا۔

قامران کی ڈولی کو تالاب کے کنارے رکھ دیا گیا اور اس سے کہا گیا کہ وہ ڈولی سے باہر نکل آئے۔

قامران ڈولی سے باہر نکل آیا۔

تب حکم ہوا۔ "سائری دیوتا کے نام پر اس ابلتے پانی میں چھلانگ لگا دو' اور ایک نئی زندگی کا آغاز کرو۔"

قامران نے ایک لمحے کے بعد آنکھیں بند کیں۔ اس کے سامنے مقدس جھرنے کا منظر ابھر آیا۔ سائری دیوتا اس سے مخاطب تھا۔ "ہم نے چاندکا کو تمہاری پاکیزگی کے عوض تمہیں بخشا...... اب وہ تمہاری داسی ہوگی اور اپنے جسم کے پھول تمہارے قدموں میں نچھاور کرے گی۔ ابلتے پانی کا اشنان تمہارے جسموں کو نئی زندگی عطا کرے گا۔ تم دونوں ایک طویل عرصے تک پرمسرت زندگی گزارو گے......"

تب قامران کے دل سے خوف کافور کی طرح اڑ گیا۔ اس نے آنکھیں کھول کر بڑی حقیر نظروں سے ابلتے پانی کو دیکھا اور سائری دیوتا کا نام لے کر تالاب میں چھلانگ لگا دی۔

پانی میں گرتے ہی اس نے اپنا وجود پگھلتا ہوا محسوس کیا۔ اس کے سر میں دھماکے سے ہونے لگے' بجلیاں سی کوندنے لگیں' پھر سب کچھ تاریکی میں ڈوب گیا۔ اس کا جسم ریزہ ریزہ ہو کر پانی میں تحلیل ہوگیا۔

پھر اچانک ہی قامران کے کانوں میں ایک مقدس گانے کی آواز آنے لگی۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو اس نے اپنے اردگرد بے شمار لڑکیوں کو پایا۔ یہ تمام لڑکیاں گیروے رنگ کے عریاں لباسوں میں تھیں اور اپنے ہاتھ پر ایک چراغ رکھے ہوئے بڑے انہماک سے مقدس گیت گانے میں مگن تھیں۔ اس گیت میں دیوتاؤں کی تعریف کی گئی تھی۔

تب قامران کو یاد آیا کہ اس نے تو ابلتے پانی کے تالاب میں چھلانگ لگائی تھی۔ وہ یہاں ال آ گیا۔

یہ ایک بہت بڑا کمرہ تھا' پورے کمرے میں چراغ روشن تھے' جشن کا سماں تھا اور اس کے

جسم پر ایک نرم ملائم پوشاک موجود تھی جس سے بھینی بھینی خوشبو آ رہی تھی۔ وہ ایک خوبصورت چھپر کھٹ پر لیٹا تھا۔

قامران کو آنکھیں کھولتے دیکھ کر ان لڑکیوں کی آواز میں جوش بھر گیا۔ وہ چہروں پر خوشی سجائے اونچی لے سے گانے لگیں۔

مقدس گیت ختم ہوا تو ایک ایک لڑکی اس کے نزدیک آتی گئی اور اس کے سر پر مخصوص انداز میں چراغ کو گھما کر پیچھے ہٹتی رہی۔

قامران خاموشی سے بیٹھا ان اپسراؤں کو دیکھتا رہا۔

جلد ہی اس نے کمرے میں خود کو اکیلا بیٹھا محسوس کیا۔ تمام لڑکیاں کمرے سے جا چکی تھیں۔

پھر اچانک ہی سامنے والا دروازہ کھلا۔ قامران نے نگاہ اٹھائی تو دیکھتا رہ گیا۔

گوشت پوست کی چاندکا اس کے سامنے موجود تھی۔ اس کے حسین وجود پر نگاہ ٹھہرتی ہی نہ تھی۔

چاندکا نے بڑی شرمیلی نگاہوں سے قامران کو دیکھا۔ پھر ذرا آگے بڑھی۔ اس کے پیچھے بہت سی لڑکیاں تھیں، وہی اپسرائیں جو خود کو چترکا کہتی تھیں۔

قامران چاندکا کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

تب بہت سی لڑکیاں اس کی طرف بڑھیں۔ انہوں نے قامران کو چاندکا کے نزدیک لا کھڑا کیا اور پھر ایک بڑی سی پھولوں کی مالا دونوں کے گلے میں ڈال دی گئی۔

مقدس مالا کے گلے میں ڈالے جاتے ہی لڑکیوں نے رقص شروع کر دیا............؟ دونوں درمیان میں کھڑے تھے اور ان کے چاروں طرف لڑکیاں ناچ گا رہی تھیں۔

تھوڑی دیر کے بعد رقص ختم ہوا، پھر لڑکیوں نے باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔ قامران اور چاندکا اشارہ پاتے ہی دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔

دروازے کے باہر تیس گھوڑوں کی ایک بے حد خوبصورت گاڑی کھڑی تھیں۔ تب وہ ساری لڑکیاں دروازے سے گاڑی کے درمیانی فاصلے میں اس طرح لیٹ گئیں کہ ان کے نرم ملائم بالوں کا یہاں سے وہاں تک بستر بچھ گیا۔

قامران اور چاندکا ان اپسراؤں کی زلفوں پر چلتے ہوئے گاڑی کی طرف بڑھے۔ گاڑی کے نزدیک پہنچ کر دونوں بیک وقت اس میں سوار ہو گئے۔

لڑکیوں نے کھڑے ہو کر ایک مرتبہ پھر مقدس گیت گایا۔

گیت ختم ہونے کے بعد ایک لڑکی نے کوڑا فضا میں لہرا کر زور سے بجایا تو گھوڑا گاڑی حرکت میں آ گئی۔

اس گاڑی کی رفتار اتنی تیز تھی کہ باہر کا منظر صاف نظر نہ آتا تھا۔

ان دونوں نے محسوس کیا کہ گاڑی زمین پر چلنے کے بجائے فضا میں تیر رہی ہے...... کچھ دیر بعد اس کی رفتار دھیمی ہوئی تو قامران کے کانوں میں پھر وہی مقدس گیت پڑا۔

قامران نے گاڑی سے باہر جھانک کر دیکھا تو خود کو سفید محل کے دروازے پر پایا...... سفید محل کا دروازہ بے شمار چراغوں سے جھلملا رہا تھا۔

وہ دونوں گھوڑا گاڑی سے اتر آئے اور سفید محل کے دروازے میں داخل ہوئے۔ سفید محل کے اندر ہر جگہ چراغاں تھا۔

راستے میں پھول بچھے ہوئے تھے اور ادھر ادھر بے شمار باندیاں کھڑی ہوئی تھیں۔

جب قامران اور چاندکا پھولوں پر چلتے ہوئے آگے بڑھے تو باندیوں نے ان پر گلاب کا پانی پھینکا اور برابر مقدس گیت گاتی رہیں۔ یہاں تک کہ وہ دونوں خواب گاہ کے دروازے پر آ گئے۔

تب دو باندیوں نے آگے بڑھ کر ان دونوں کے گلے سے مالا اتار لی اور مودبانہ انداز میں اندر جانے کا اشارہ کیا۔

وہ دونوں خواب گاہ میں داخل ہوئے۔ ان دونوں کے داخل ہوتے ہی ان باندیوں نے دروازہ باہر سے بند کر دیا۔

یہ ایک بے حد شاندار خواب گاہ تھی۔

دھیمی دھیمی خواب ناک روشنی، بھینی بھینی خوشبو فضا میں بسی ہوئی، سرسراتے ریشمی پردے، نہایت آرام دہ بستر، قالین اور فانوس اور ان سب سے بڑھ کر کنوارے بدن کی خوشبو جو قامران کو مست بنا دیا کرتی تھی۔

دروازہ بند ہوتے ہی چاندکا بھاگ کر چھپر کھٹ پر بیٹھ گئی اور اپنے سرخ سفید ریشمیں ہاتھوں سے اپنا چاند جیسا چہرہ چھپا لیا۔

قامران دھیرے دھیرے اس کی طرف بڑھا۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں خواب سجائے۔

وہ اس کے نزدیک پہنچ کر خاموشی سے کھڑا ہو گیا۔ قامران کی موجودگی محسوس کر کے چاندکا اور سمٹ گئی۔ لجائی اور اپنا چہرہ مضبوطی سے چھپا لیا۔

تب قامران نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا اور بولا۔ ''آج تو چھونے کی اجازت ہے؟''

یہ سن کر چاندکا تڑپ کر اٹھی اور امربیل کی طرح قامران کے ساتھ لپٹ گئی۔ تب قامران نے محسوس کیا کہ اس کے ریشمیں جسم میں لرزہ طاری ہے۔ پھر اس نے چاندکا کے سسکنے کی آواز سنی۔

قامران نے اس کا چہرہ اوپر کیا تو اس کی آنکھوں سے موتی ٹپکتے دیکھے۔

''رو رہی ہو چاندکا؟'' قامران بے قراری سے بولا۔

''خوشی کے آنسو ہیں قامران! میں صدیوں سے تمہاری منتظر تھی قامران! مجھے اپنی مضبوط بانہوں میں چھپا لو اور اتنا پیار کرو کہ میری روح تک سیراب ہو جائے۔''

تب قامران اسے مضبوط بانہوں کی گرفت میں لے لیا۔ اسے اتنی زور سے بھینچا کہ چاندکا سرشار ہو گئی، اس پر بے خودی چھا گئی۔

پھر قامران نے دھیرے دھیرے اس کے چہرے پر جھکنے لگا۔

آرزوئیں مچلنے لگیں، سرشاریاں بڑھیں، منہ بند کلیاں چٹک کر پھول بننے لگیں۔ ہر

لپٹا، جسم پر کیف چھا گیا۔ خوشیاں ناچنے لگیں۔ جذبات کی بجلیاں کوندنے لگیں۔ خواب گاہ لذت آمیز سسکیوں سے بھر گئی۔

مسرت آمیز زندگی کی سحر ہونے لگی۔

چاندکا' چاندکا نہ رہی۔

قامران' قامران نہ رہا۔

صدیوں سے پیاسے جسم اپنا وجود بھلا بیٹھے' ایک ہو گئے۔

(ختم شد)